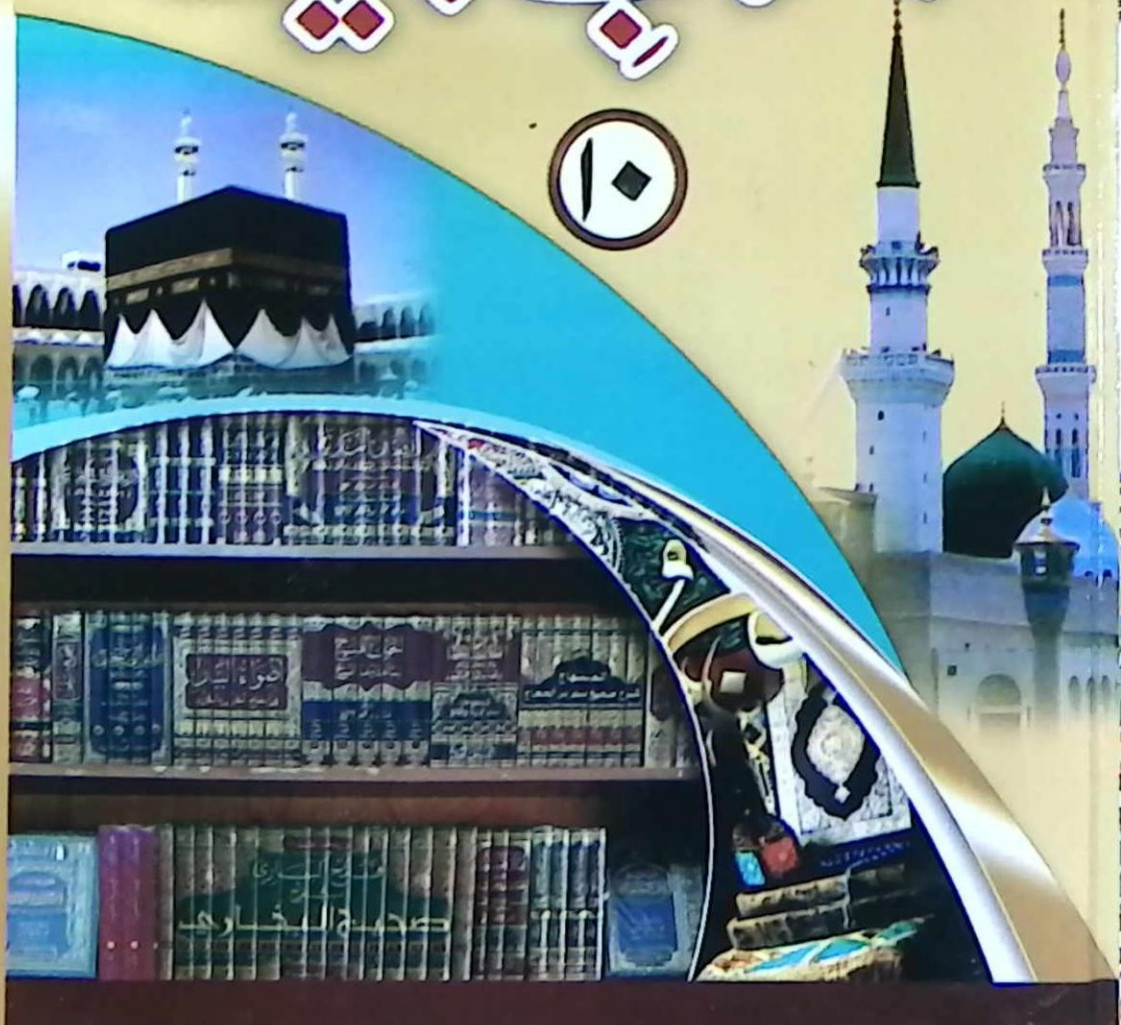
إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا أَخَذْتُمْ بِهِ
لَنْ تَضِلُّوا: كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي (ترمذی)

مجموعہ کتب

احتسابِ ناصبیت

۱۰



المکتبۃ السراجیۃ لنشر الکتب الاسلامیۃ
حضوری باغ روڈ، ملتان فون: 061-4783486

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ
أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (الاحزاب)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنْ أَخَذْتُمْ بِهِ
لَنْ تَضِلُّوا: كِتَابَ اللَّهِ وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي (ترمذی)

مجموعۂ کتب

احتسابِ ناصبیّت

۱۰

۴۸ التمہید فی بیان فسق یزید

۴۹ کردار مروان بن الحکم
تحقیق کے آئینے میں

مکتبہ رحیمیہ للکتب الاسلامیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب : مجموعہ کتب احتساب ناصبیت (جلد دہم)

مصنفین : حضرت مولانا مفتی شیر محمد علوی

حضرت مولانا محمد اسماعیل ریحان مدظلہم

صفحات : ۴۶۴

مطبع : طیب شمشاد پرنٹنگ پریس لاہور

طبع اوّل : مئی ۲۰۲۶ء

ناشر : مکتبہ سراجیہ لنشر الکتب الاسلامیہ

حضوری باغ روڈ ملتان

0301-7500173 0303-7396203

0301-7904257 0344-7121967

اجمالی فہرست.....مجموعہ کتب احتساب ناصبیت جلد ۱۰

۱	التمہید فی بیان فسق یزید	حضرت مولانا مفتی شیر محمد علوی	۳
۲	کردار مروان بن الحکم تحقیق کے آئینے میں	حضرت مولانا محمد اسماعیل ریحان	۱۷

التمہید
فی بیان
فسق یزید

حضرت مولانا مفتی شیر محمد علوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

التمہید فی بیان فسق یزید

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب گرامی جو اس مجموعہ کے نمبر تین (۳) پر شامل اشاعت ہے، اس کا دیباچہ امام اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ اس کو بھی اس مجموعہ کے نمبر تیس (۳۰) پر ہم نے شامل اشاعت کیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی شیر محمد علوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مکتوب کے مقدمہ کے طور پر ''التمہید فی بیان فسق یزید'' کے نام سے جو تحریر فرمایا، وہ اس ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' میں نمبر اڑھتالیس (۴۸) پر ہم شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

وعلی آلہ واصحابہ والذین اوفوا عھدہ

اما بعد! برادرانِ اہل سنت زیر نظر رسالہ مبارکہ حجۃ الاسلام استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ متوفی ۱۲۹۷ھ بانی دارالعلوم دیوبند وخلیفہ اعظم قطب العالم اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ کا ہے حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے بارے میں کچھ کہنا یا لکھنا درحقیقت سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ حضرت نانوتویؒ کا نام ہی رسالہ کے مستند ہونے کی کافی دلیل ہے۔ یہ رسالہ دراصل حضرتؒ کا ایک طویل مکتوب گرامی ہے جو آپ نے اپنے مایہ ناز شاگردِ رشید حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ حشی سنن ابی داؤد کے نام تحریر فرمایا تھا۔ اور حضرت نانوتویؒ کی تصحیح کے ساتھ سب سے پہلے منشی ممتاز علی صاحب میرٹھی مرحوم نے مطبع مجتبائی سے ۱۲۹۲ھ میں شائع کیا جو کہ قاسم العلوم کے نام سے چھپا تھا جس میں اور بھی حضرتؒ کے کئی مکتوبات تھے۔ بعد ازاں پروفیسر مولانا انوار الحسن صاحب شیر کوٹی مرحوم نے ان کا اُردو ترجمہ کر کے ناشران قرآن لاہور سے طبع کرایا۔ اسی ترجمہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خدام اہل سنت پاکستان کو توفیق عطاء فرمائی کہ اس مکتوب شریف کو دوبارہ زیور طبع سے آراستہ کر کے سُنّی مسلمانوں کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

حضرت نانوتوی قدس سرہٗ نے اس مکتوب گرامی میں شہادت امام حسینؓ پر مجتہدانہ بحث فرمائی ہے اور یہ بھی ثابت فرمایا ہے کہ یزید {حضرت نانوتوی قدس سرہٗ نے بھی جمہورِ اُمت کی طرح یزید کو فاسق و فاجر تحریر فرمایا ہے چنانچہ زیر نظر مکتوب گرامی میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے} اور اسی طرح آپ نے ایک اور مکتوب میں جو کہ ''فیوضِ قاسمیہ'' میں طبع ہوا ہے اس میں فرماتے ہیں سو یزید بالاتفاق وقت اعلان فسق و فجور مستحق اس کا نہ تھا بلکہ غاصب تھا ''فیوض قاسمیہ'' صفحہ ۱۰ر مطبوعہ دیوبند۔ نیز فرماتے ہیں: یزید پلید اور عبدالملک وغیرہ کو سُنیوں میں کوئی ایک بھی خلیفہ راشد (موعود) نہیں

سمجھتا۔ اجوبہ اربعین صفحہ ۱۸۵ مطبوعہ جدید گوجرانوالہ۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ سو خلیفہ راشد تو چار یارؓ ہی تھے اور یزید ولید عبدالملک وغیرہ مروانی عباسی اکثر ناخلف تھے اجوبہ اربعین صفحہ ۱۸۷۔ اس کے بعد مزید تحریر فرماتے ہیں: خلیفہ کی دو قسمیں ہوں گی ایک خلیفہ راشد یہ تو چار یارؓ اور پانچویں پانچ چھ مہینے کے لئے حضرت امام حسنؓ ہو گئے تھے۔ دوسرا خلیفہ غیر راشد اور خلیفہ غیر راشد کو بادشاہ اور مَلِک بھی سُنیوں کی اصطلاح میں کہتے ہیں۔ یزید اور عبدالملک وغیرہ سب اسی قسم کے ہیں۔ ہاں عمر بن عبدالعزیزؒ اَلبتہ مروانیوں میں سے خلیفہ راشد ہوئے ہیں فقط صفحہ ۱۸۸۔ نیز حضرت نانوتوی قدس سرہٗ اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''ہدیۃ الشیعہ'' کے صفحہ ۲۸۱ مطبوعہ جدید لاہور تحریر فرماتے ہیں: حضرت امیر المؤمنین علیؓ نے بعد شہادت حضرت عثمانؓ کے خلافتِ مغصوبہ (بزعم شیعہ) قبول کی اور حضرت امام حسینؓ نے یزید پلید سے خلافتِ مغصوبہ کے طالب ہوئے یہاں تک کہ نوبت شہادت کو پہنچی} کے کردار میں سیدنا امیر معاویہؓ کا دامن بالکل پاک ہے اور اُن پر کوئی اعتراض نہیں آسکتا۔

قارئین پر رسالہ کے مطالعہ کرنے کے بعد یہ چیز واضح ہو جائے گی۔ ہماری وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

جمہور اُمت نے یزید کو فاسق قرار دیا ہے

البتہ ہم باحوالہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یزید کو جمہور اُمت اور اساطین اسلام نے فاسق قرار دیا ہے بلکہ بعض نے تو تکفیر {جن حضرات نے یزید پر کفر کا فتویٰ دیا ہے اُن میں بیہقی وقت حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ ہجری) سر فہرست ہیں چنانچہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''السیف المسلول'' اُردو مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان از صفحہ ۴۸۷ تا صفحہ ۴۹۱ تفسیر مظہری اُردو مطبوعہ دہلی صفحہ ۵۶، ۵۷، ج ۹۔ تحت آیت استخلاف عربی صفحہ ۵۵۴، ج ۶۔ نیز فرماتے ہیں یزید نے دین محمدی کا انکار کر دیا۔ تفسیر مظہری اُردو صفحہ ۳۰۷، ج ۸۔ تحت آیت الم تر الی الذین بدلوا نعمت اللہ کفراً۔ اور اسی طرح علامہ آلوسی حنفیؒ فرماتے ہیں و انا اقول الذی یغلب علی ظنی ان الخبیث لم یکن مصدقا برسالته النبی صلی اللہ علیه

وسلم۔ روح المعانی صفحہ ۶۶، ج ۲۶۔ اسی طرح امام ابن حنبلؒ نے بھی یزید پر واقعہ حرہ کی وجہ سے نکیر فرمائی ہے۔ سوال فی یزید بن معاویہ (معاویہؓ) لامام ابن تیمیہ صفحہ ۱۷/ اور امام ابن جوزی نے بھی یزید کو کافر قرار دیا ہے بلکہ اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ ''الرد علی المتعصب العنید المانع من یزید'' السیف المسلول صفحہ ۴۸۸} بھی فرمائی۔ گو محتاط و مختار مسلک یہ ہے کہ تکفیر اور لعن سے کف لسان کیا جائے۔ مگر اس کو خلیفہ عادل بھی نہ کہا جائے جیسا کہ بعض خود ساختہ محقق کہتے ہیں کہ یزید خلیفہ عادل {مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندوی تحریر فرماتے ہیں کہ یزید ایک صالح مسلمان تھے اور خلیفہ عادل بھی تھے۔ جواب شافی صفحہ ۱۷۔ مؤلفہ مولانا سندیلوی} تھا اور تمام وہ بزرگ جو یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں انہوں نے تحقیق نہیں کی۔ {جواب شافی صفحہ ۱۶۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: و من امن باللہ و الیوم الاخر لا یختار ان یکون مع یزید و لا مع امثالہ من الملوک الذین لیسوا بعادلین۔ اور جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ یزید یا اس جیسے غیر عادل بادشاہوں کے ساتھ بھی ہو سکے سوال فی یزید بن معاویہ صفحہ ۲۸۔

ابن جوزیؒ نے قاضی ابو یعلی سے روایت کی کہ انہوں نے اپنی کتاب ''معتمد الاصول'' میں اپنی اسناد سے صالح بن احمد بن حنبلؒ سے روایت کی کہ صالح نے کہا۔ ابا جی ایک قوم ہمیں یزید کی دوستی کا الزام دیتی ہے۔ امام احمدؒ نے فرمایا۔ اے بیٹے جو خدا پر ایمان رکھتا ہے وہ یزید کے ساتھ دوستی نہیں کر سکتا اور جن پر خدا نے اپنی کتاب میں لعنت فرمائی اس پر لعنت کیوں نہ کی جائے۔ الخ۔ السیف المسلول صفحہ ۴۸۸۔ صواعق محرقہ صفحہ ۲۲۲۔ اور اس کے بعد امام احمدؒ نے سورہ محمد کی آیات تلاوت فرمائیں۔ امام ابن تیمیہؒ اور امام احمدؒ کی عبارتوں پر مولانا سندیلوی غور فرمائیں۔ کہ یزید کی محبت سے کیا نتیجہ نکلتا ہے} یہ ایک ایسا سنگین الزام ہے جو آج تک علماء دیوبند پر کسی دشمن نے بھی نہیں لگایا۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ جن بزرگوں نے یزید کو فاسق قرار دیا ہے وہ سارے غیر محقق اور غیر محتاط تھے بلکہ بقول استادنا المکرم حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہم معاملہ اس کے برعکس ہے یعنی، وہ لوگ جو یزید کو

صالح قرار دیتے ہیں اگر تحقیق کرتے تو وہی کچھ کہتے جو ان بزرگوں نے کہا یعنی یزید فاسق تھا۔ اب حوالہ جات ملاحظہ فرمایئے:

۱..... و اما الحسین فانہ لما ظہر فسق یزید عند الکافۃ من اھل عصرہ۔ لیکن حسینؓ تو جب یزید کا فسق و فجور اس کے دور کے سب لوگوں کے نزدیک نمایاں ہو گیا، مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۱۶ تحت الفصل التاسع والعشرون فی معنی البیعۃ۔ {حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں بہرحال مخالفین یزید تو اسے فاسق جانتے ہی تھے مبایعین (بیعت کرنے والے) یزید بھی اسے فاسق ہی سمجھتے تھے اس لئے اس کا فسق متفق علیہ ہے جسے ابن خلدون نے عند الکافہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ شہید کربلاء اور یزید صفحہ ۸۹۔ طبع جدید لاہور}

۲..... و بعد اتفاقھم علی فسقہ اختلفوا فی جواز لعنہ بخصوص اسمہ۔ اور یزید کے فسق پر متفق ہونے کے بعد اختلاف ہوا اس پر نام لے کر لعنت کرتے ہیں۔ الصواعق المحرقہ صفحہ ۲۲۲ مطبوعہ ملتان اتحاف السادہ شرح احیاء العلوم صفحہ ۴۸۸ ج ۷ لکھتے ہیں۔ قال ابن حجر المکی و ھو الالیق بقواعد المذھب فلا یجوز لعنہ و ان کان فاسقاً خبیثاً۔ (ترجمہ) اگرچہ یزید فاسق و خبیث تھا مگر اس پر لعنت کرنی جائز نہیں۔

۳..... شیخ الاسلام علامہ امام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں: و من جعلہ من الخلفاء الراشدین المھدیین فھو ایضاً ضال مبتدع کاذب۔ اور جو شخص یزید کو خلیفہ راشد کہے وہ گمراہ بدعتی اور جھوٹا ہے۔

(سوال فی یزید بن معاویہ صفحہ ۱۵ مطبوعہ بیروت ۱۳۹۶ھ)

۴..... فاضل جلیل مولانا عبدالحق حقانی صاحب تفسیر حقانی (م ۱۳۳۶ھ) تحریر فرماتے ہیں: ان (حضرت معاویہؓ) کے بعد ان کا بیٹا یزید بدبخت ان کی جائے حاکم ہوا اس نالائق دنیادار نے" مزید تحریر فرماتے ہیں: "اس کم بخت کے بے دین ہونے میں کیا شک ہے"۔ ملاحظہ ہو عقائد الاسلام مولانا عبدالحق صاحب حقانیؒ۔ مطبوعہ کراچی۔ اس کتاب پر مندرجہ ذیل اکابر کی تقریظات ہیں۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی۔ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانیؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ امام المحدثین علامہ انور شاہ کشمیریؒ۔ مفتی اعظم ہند مولانا کفایت اللہ صاحبؒ۔

۵..... قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ (م ۱۳۲۳ھ) فرماتے ہیں: بعض ائمہ نے جو یزید کی نسبت کفر سے کف لسان کیا ہے وہ احتیاط ہے کیونکہ قتل حسینؓ کو حلال جاننا کفر ہے۔ مگر یہ اَمر کہ یزید قتل کو حلال جانتا تھا متحقق نہیں۔ لہٰذا کافر کہنے سے احتیاط رکھے مگر فاسق بے شک تھا الخ فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ ۴۹۔ مطبوعہ کراچی نیز فرماتے ہیں: مگر اجماع جیسا پانچ پہلوں پر ہوا تھا یزید پر کون سا اجماع اہل حق ہوا تھا وہ تو متغلب بزور ہوگیا تھا اور اجماع عوام کچھ معتبر نہیں۔ ہدایۃ الشیعہ صفحہ ۹۵۔ اس کے بعد فرماتے ہیں ..... اب حقیقت خلفائے خمسہ کی اور تغلب یزید پلید کا مثل آفتاب روشن ہوگیا اگر کور باطن نہ سمجھے تو کسی کا کیا قصور۔ ہدایۃ الشیعہ صفحہ ۹۵ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی۔

۶..... مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی دیوبندیؒ (م ۱۳۴۷ھ) یزید کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: در ظلم و جور تعدی و فسق او کلام نیست الخ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مطبوعہ دیوبند مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ۔ یزید کے مظالم وغیرہ اور فسق میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (صفحہ ۸۰، جلد نمبر ۵، ۶)

۷..... امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ تحریر فرماتے ہیں: کربلا کے میدان میں حسین ابن علیؓ کی جنگ یزید سے اور حرہ {یہ جنگ یزید کے زمانہ میں ذوالحجہ ۶۳ھ اہل مدینہ کے ساتھ لڑی گئی اور یزید کی طرف سے مسلم بن عقبہ اس پر مامور تھا اس جنگ میں اہل مدینہ پر بڑے بڑے مظالم ہوئے اور یہ ایام یزیدی دَور کے سیاہ ترین ایام ہیں چنانچہ مؤرخ مدینہ علامہ سمہودیؒ مرحوم و مغفور (م ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں: و کانت وقعة الحرة، و قتل الحسین، و رمی الکعبة بالمنجنیق من اشنع شیء جری فی ایام یزید۔ وفاء الوفا، جلد ۱، ص ۱۳۷۔ مقتولین کی مجموعی تعداد

بہت زیادہ ہے البتہ جو مہاجرین و انصار صحابہؓ اور جلیل القدر تابعین اس میں شہید ہوئے وہ ایک ہزار سات سو اور عورتوں بچوں کے علاوہ مخلوط لوگ جو شہید ہوئے وہ دس ہزار افراد ہیں۔ اور سات سو حفاظ قرآن اور ستانوے قریشی شہید ہوئے۔ وفاء الوفا۔ ص ۱۲۶، جلد نمبر ۱، تاریخ الخلفاء للسیوطیؒ، ص ۸۱۔ اور مسجد نبوی میں تین دن رات تک اذان و نماز نہیں ہو سکی۔ وفاء الوفا ص ۱۳۸، جلد نمبر ۱۔ چنانچہ سیدنا سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ میں مسجد کے اندر پناہ گزین تھا اور جب بھی نماز کا وقت آتا تھا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف سے اذان کی آواز سنتا تھا۔ وفاء الوفا صفحہ ۱۳۴، جلد نمبر ۱۔ نیز مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ان دنوں گھوڑے باندھے گئے اور وہ مسجد شریف میں لید اور پیشاب کرتے رہے۔ (وفاء الوفا ص ۱۳۶، ج ۱) اور جب جنگ سے فراغت کے بعد یزیدی عملہ دربار یزید میں آیا تو یزید نے ان کا شکریہ ادا کیا اور ان کو اپنا مقرب بھی بنا لیا۔ فلما قدم مروان علی یزید شکر لہ ذالک و ادناہ۔ (وفاء الوفا ص ۱۳۴ ج ۱) نیز جلیل القدر صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابو سعید خدریؓ کے گھر کا سارا سامان لوٹ لیا گیا اور ان کی ریش مبارک اکھاڑ دی گئی۔ العیاذ باللہ۔ روی الطبرانی عن ابی ھارون العبدی قال۔ رأیت ابا سعید الخدری رضی اللہ عنہ ممعط اللحیہ۔ فقلت تعبثہ بلحیتک۔ قال۔ لا۔ ھذا ما لقیت من ظلمۃ اھل الشام۔ دخلوا زمن الحرۃ فاخذوا ما کان فی البیت من متاع او خرثی ثم دخلت طائفۃ اخری فلم یجدوا فی البیت شیئا فاسفوا ان یخرجوا بغیر شیء۔ فقالو۔ اضجعوا الشیخ فیجعل کل یأخذ من لحیتی خصلۃ۔ وفاء الوفا۔ ص ۱۳۵، جلد نمبر ۱۔ جس یزید کو مولانا سندیلوی ندوی خلیفہ عادل ثابت فرماتے ہیں اس کے مظالم کی داستان بڑی طویل ہے ہم نے بطور نمونہ چند ایک مظالم کا ذکر کر دیا ہے۔ باقی کو ان پر قیاس کر کے سمجھ لیا جائے کہ وہ کیسا خلیفہ عادل تھا۔ کیا یہ تمام اکابر بلا تحقیق ہی باتیں لکھ دیا کرتے تھے آج چودہ سو سال بعد صرف یزیدی گروہ کے سرخیل سندیلوی صاحب کو ہی صحیح واقعات کا علم ہوا ہے اور آج تک کسی فرد واحد کو بھی صحیح واقعات کا علم نہیں ہو سکا؟ یا پھر سندیلوی صاحب کے پیشوا محمود احمد عباسی نے تحقیق کی ہے۔ یزید کو

خلیفہ عادل کہنا درحقیقت ان تمام بزرگوں کی تغلیط کرنا ہے جو یزید کو فاسق و فاجر کہہ چکے ہیں اور جن کی کفش برداری کو خود مولانا سندیلوی بھی باعث سعادت جانتے ہیں۔ ملاحظہ ہو جواب شافی ص ۱۶، مؤلفہ مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندوی۔ ۱۲} و مدینہ میں اہل مدینہ کی جنگ عقبہ بن مسلم {اصل نام مسلمہ بن عقبہ ہے یہ قلب مکانی سہو کتابت ہے۔ علوی غفرلہ} کی فوج سے (جو یزید کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا) اور مکہ میں عبداللہ بن زبیرؓ کی جنگ حجاج سے نیز عبدالرحمن بن اشعث کے واقعہ میں قراء قرآن کی جنگ حجاج سے، اسی قبیل سے ہیں (یعنی ظالموں کے خلاف ان کے ظلم و جور سے بچنے کے لئے لڑی گئی ہیں الخ) اکفار الملحدین مترجم۔ ص ۶۸ مطبوعہ مجلس علمی کراچی ترجمہ مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی۔

۸..... امام المحققین حضرت مولانا علامہ عبدالحیٔ لکھنوی قدس سرہٗ (م۔ ۱۳۰۴ھ) سے سوال کیا گیا درحق یزید چگونہ اعتقاد باید داشت؟ یزید کے بارہ میں کیا عقیدہ رکھنا چاہئے۔ تو جواب میں بہت سے اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: و مسلک اسلم آن ست کہ آن شقی را بمغفرت و ترحم ہرگز یاد نباید کرد بہ لعن او کہ در عرف مختص بکفار گشتہ زبان خود را آلودہ نباید کرد الخ۔ کہ یزید کے متعلق اسلم ترین مسلک یہ ہے کہ اس (یزید) بدبخت کو مغفرت اور رحمۃ اللہ کے کلمات سے ہرگز یاد نہ کرے اور نہ ہی لعنت سے اپنی زبان کو آلودہ کرے الخ۔

(فتاویٰ عبدالحی ص ۸، ۹، ج ۳ مطبوعہ یوسفی لکھنؤ)

۹..... علامہ علی القاری حنفیؒ نے بھی یزید کو خلفاء جور میں شمار کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو شرح فقہ اکبر، ص ۱۱۷ مطبوعہ شاہدرہ دہلی ۱۲۷۷ھ)

۱۰..... استاذ العلماء رئیس المتکلمین حضرت الاستاذ مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس سرہٗ (م ۱۳۹۴) تحریر فرماتے ہیں: ''امام حسینؓ کا یزید پلید سے مقابلہ''

امام حسینؓ کا خروج خلافت راشدہ کے دعویٰ کی بناء پر نہ تھا اس لئے کہ خلافت راشدہ کی مدت تیس سال گذر چکی تھی بلکہ مسلمانوں کو ظالموں کی حکومت سے چھڑانا تھا کہ مسلمانوں پر ظالم اور فاسق و فاجر کی حکومت قائم نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ

یزید کی حکومت ابھی پوری طرح قائم نہ ہوئی تھی۔ اہل مکہ اہل مدینہ اور اہل کوفہ نے ابھی تک یزید کے ہاتھ پر بیعت نہ کی تھی اور حضرت امام حسینؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے بیعت نہ کی۔ اور احادیث میں جو یہ آیا ہے کہ بادشاہ وقت سے بغاوت اور اس کی اطاعت سے خروج جائز نہیں اگرچہ وہ بادشاہ ظالم ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس بادشاہ کا بلا نزاع اور بلا مزاحمت کامل تسلط ہو جائے وہ اگرچہ ظالم ہو اس کی اطاعت سے خروج اور بغاوت جائز نہیں اور جس کا ابھی تک تسلط ہی نہ ہوا ہو اور ہنوز اس کی حکومت ہی قائم نہ ہوئی ہو تو اس کا مقابلہ خروج اور بغاوت نہ کہلائے گا۔ دفع تسلط اور رفع تسلط میں بڑا فرق ہے قائم شدہ تسلط کا رفع یعنی اس کا ازالہ خروج اور بغاوت ہے اور کسی ظالم کے تسلط کو قائم نہ ہونے دینا اس کا نام منع تسلط ہے۔ حضرت امام حسینؓ کا خروج یزید پلید کے دفع اور منع تسلط کے لئے تھا نہ کہ رفع تسلط کے لئے۔ (ماخوذ از فتاویٰ عزیزی)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ (م ۱۲۳۹ھ) تحریر فرماتے ہیں: خروج حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بنا بر دعوی خلافت راشدہ پیغامبر کہ بمرد رسی سال منقضی گشت نبود بلکہ بنا بر تخلیص رعایا از دست ظالم بود و اعانۃ المظلوم علی الظالم من الواجبات۔ و آنچہ در مشکوٰۃ ثابت است کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم از بغی و خروج بر پادشاہ وقت اگرچہ ظالم باشد منع فرمودہ اند پس در آں وقت است کہ آن پادشاہ ظالم بلا نزاع و مزاحم تسلط تام پیدا کردہ باشد و ہنوز اہل مدینہ و اہل مکہ و اہل کوفہ با تسلط یزید پلید راضی نشدہ بودند و مثل حضرت حسین و عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم بیعت نکردہ بالجملہ خروج حضرت امام حسین برائے دفع تسلط او بود نہ برائے رفع تسلط و آنچہ در حدیث منوع است آں خروج است کہ برائے رفع تسلط سلطان جائر باشد والفرق بین الدفع والرفع ظاہر مشہور فی المسائل الفقہیہ۔

(فتاویٰ عزیزی ص ۲۲ ج ۱، مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ، خلافت راشدہ طبع اوّل ص ۲۰۸، ۲۰۹، از کاندھلوی)

۱۱..... امام پاکستان رأس المحققین علامہ دوران استاذنا المکرم حضرت مولانا سید احمد شاہ بخاری قدس سرہٗ۔ چوکیروی {حضرت شاہ صاحبؒ قطب زمان حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہٗ کے اجلہ خلفاء میں سے تھے اور سنی وشیعہ نزاعی مسائل میں اللہ تعالیٰ نے خاص مہارت بخشی تھی آپ نے کئی سال تک پندرہ روزہ ''الفاروق'' رسالہ چوکیرہ سے نکالا جو شیعی اعتراضات کا جواب اور ناموس صحابہؓ کا پاسبان تھا۔ آپ چوکیرہ ضلع سرگودھا میں مدرسہ عربیہ دارالہدیٰ کے بانی اور صدر مدرس رہے۔ مگر زندگی کے آخری چند سال آپ نے سرگودھا شہر میں گزارے وہاں ایک عظیم الشان مسجد جامع مسجد فاروق اعظم اور ایک مدرسہ دارالعلوم فاروق اعظم قائم فرمایا مگر آپ تھوڑا ہی عرصہ بعد میں حیات رہے بالآخر ۱۳۸۹ھ کو انتقال فرمایا اور اپنے آبائی گاؤں اجنالہ ضلع سرگودھا میں مدفون ہوئے۔ ۱۲۔ شیر محمد علوی غفرلہ} (م ۱۳۸۹ھ)

یزید اور واقعہ کربلا کے سلسلہ میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: واقعہ کربلا میں کس حد تک یزید کا ہاتھ ہے؟ اور وہ اس وقت کربلا سے کتنا دُور تھا کیا وہ قابل دشنام ہے۔ کیا یہ سچ ہے۔ کہ وہ فاسق وفاجر تھا؟

جواب: واقعہ کربلا کی تمام تر ذمہ داری یزید پر عائد ہوتی ہے۔ وہ اگرچہ اس واقعہ کے وقت ظاہر میں کربلا سے بہت دُور تھا۔ مگر حقیقت میں وہ اسی قدر نزدیک تھا کیونکہ کوئی کام اس کی رائے کے بغیر نہیں ہو رہا تھا۔

امام حسینؓ جیسی عظیم شخصیت پر ہاتھ ڈالنا کسی فوجی افسر یا کسی صوبہ کے گورنر کا ذاتی فعل نہیں ہوسکتا۔ ہم اس موقع پر اہل سنت کی مشہور ومعروف درسی کتاب شرح عقائد نسفیہ کی ایک عبارت پیش کرتے ہیں جو سوال مذکور کے ہر ایک جز کا شافی جواب ہوگی۔ (دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ دیوبند ص ۱۱۳)

والحق ان رضا یزید بقتل الحسین واستبشارہ بذالک واھانۃ اھل بیت النبی علیہ السلام مما تواتر معناہ وان کان تفاصیلہ احادًا فنحن لانتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ لعنۃ اللہ علیہ وعلی انصارہ واعوانہ۔

ترجمہ: ''اور حق بات یہ ہے کہ امام حسینؓ کے قتل پر یزید کا راضی ہونا اور پھر

اس پر خوشی کا ظاہر کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کو رُسوا کرنا اگرچہ لفظوں کے اعتبار سے اخبار احاد ہیں مگر معنی کی رُو سے متواتر ہیں پس ہمیں اس کے بے ایمان ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ خدا کی لعنت ہو یزید پر اور اس کی امداد کرنے والوں پر چاہے امداد مشورہ سے کریں اور چاہے اسلحہ سے اس کی امداد کریں۔"

نوٹ: شرح عقائد کی مذکورہ بالا عبارت میں غور کرو۔ اس میں صیغہ متکلم مع الغیر اپنی ذات کی نہیں بلکہ تمام اہل سنت کی ترجمانی کر رہا ہے اور علم عقائد کی کتابوں میں صرف اسی شرح عقائد کو نصاب تعلیم کے اندر داخل ہونے کا شرف حاصل ہے اور آج تک کسی عالم نے اس کتاب کو نصاب تعلیم سے خارج کرنے کا اِرادہ نہیں کیا۔

پندرہ روزہ "الفاروق" چوکیرہ۔ ص ۲۲۔ ۱۵ رمئی ۱۹۵۷ء جلد نمبر ۱، شمارہ نمبر ۱۴۔ تقریباً اسی قسم کی تفصیل علامہ تفتازانیؒ نے اپنی مشہور کتاب عقائد شرح مقاصد میں تحریر فرمائی ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۰۷، جلد نمبر ۲ مطبوعہ جدید لاہور)

۱۲..... حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا الشاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ (م۔ ۱۳۶۲ھ) ایک طویل سوال کا جواب تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ یزید فاسق تھا اور فاسق کی ولایت مختلف فیہ ہے۔ دوسرے صحابہؓ نے جائز سمجھا۔ حضرت امام (حسینؓ) نے ناجائز سمجھا اور گو اکراہ میں انقیاد جائز تھا مگر واجب نہ تھا اور متمسک بالحق ہونے کے سبب یہ مظلوم تھے اور مقتول مظلوم شہید ہوتا ہے۔ شہادت غزوہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بس ہم اسی بنائے مظلومیت پر ان کو شہید مانیں گے۔ باقی یزید کو اس قتال میں اس لئے معذور نہیں کہہ سکتے کہ وہ مجتہد سے اپنی تقلید کیوں کراتا تھا خصوص جب کہ حضرت امامؓ آخر میں فرمانے بھی لگے تھے کہ میں کچھ نہیں کہتا۔ اس کو تو عداوت ہی تھی۔ چنانچہ امام حسنؓ کے قتل کی بنا یہی تھی۔ اور مسلط کی اطاعت کا جواز الگ بات ہے۔ مگر مسلط ہونا کب جائز ہے۔ خصوص نااہل کو۔ اس پر خود واجب تھا کہ معزول ہو جاتا۔ پھر اہل حل وعقد کسی اہل کو خلیفہ بناتے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۴۱۶ ج ۴)

۱۳..... امام ربانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ (م ۱۰۳۴ھ) تحریر فرماتے ہیں: ویزید بے دولت از اصحاب نیست در بد بختی او

کرا سخن کارے کہ آن بد بخت کردہ ہیچ کافر فرنگ نکند۔
بعضی از علماء اہل سنت کہ در لعن او توقف کردہ اند نہ آنکہ ازوے راضی اند بلکہ مراعات احتمال رجوع توبہ کردہ اند۔

(مکتوبات امام ربانی ص ۱۳۳، دفتر اوّل مطبوعہ ترکی)

جس کا حاصل یہ ہے کہ یزید بد بخت صحابی نہیں ہے اور اس کے بد بخت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے اس بد بخت نے ایسے کام کئے جو فرنگی کافروں نے بھی نہیں کئے بعض علماء اہل سنت نے (مثل امام غزالیؒ وغیرہ) جو اس پر لعنت کرنے میں توقف کیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس کو پسند کرتے ہیں اور اس سے راضی ہیں۔ بلکہ محض اس احتمال پر کہ شاید اس نے آخر وقت میں توبہ کر لی ہو اس بناء پر لعنت نہیں کرتے۔

۱۴..... شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ (م۔ ۱۳۷۷ھ) فرماتے ہیں: خلاصہ کلام یہ کہ مؤرخین میں سے ان لوگوں کا قول کہ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ حیات میں یزید معلن بالفسق تھا اور ان کو اس کی خبر تھی اور پھر انہوں نے نامزد کیا ہے بالکل غلط ہے۔ ہاں! ہوسکتا ہے کہ اس وقت میں خفیہ طور پر فسق و فجور میں مبتلا ہو مگر ان کو اس کے فسق و فجور کی اطلاع نہ ہو۔ ان کی وفات کے بعد وہ گُل کھیلا اور جو کچھ نہ ہونا چاہئے تھا کر بیٹھا۔

(مکتوبات شیخ الاسلام ص ۲۶۶، ج ۱، مطبوعہ لاہور شائع کردہ مولانا سید حامد میاں جامعہ مدنیہ لاہور)

۱۵..... امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنویؒ (م ۱۳۸۱ھ) جو اپنے وقت کے بہت بڑے محقق تھے اور ان کی تحقیقات خصوصاً سنی شیعہ نزاعی مسائل میں ان پر اکابر دیوبند نے اعتماد فرمایا اور امام التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے تو ان کو امام وقت قرار دیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت علیؓ کے فرزند حضرت حسینؓ کا واقعہ کربلا سبق لینے کے لئے کافی ہے۔ کہ ایک فاسق کے ہاتھ پر بیعت نہ کی اور اپنی آنکھوں کے سامنے تمام خاندان کٹوا دیا۔ (ابوالائمہ حضرت علیؓ کی مقدس تعلیمات ص ۳۳)

۱۶..... امام المجاہدین قطب الاقطاب حضرت سید احمد شہید قدس سرہٗ (م ۱۲۴۶ھ)

فرماتے ہیں: (حضرت حسین کا) یزید کے ساتھ جنگ کرنے کا باعث اس سے ناجائز اُمور کے صادر ہونے کے سوا اور کوئی نہ تھا اور جب یہ آدمی ناجائز کام کا مرتکب ہوا اور اس پر اصرار کیا اور کام کو بہتر جانا تو حضرت امامؓ کی جانب سے دھتکارنے کے لائق ہوگیا اور آپ کے دشمنوں کے متابعت کنندوں میں داخل ہوگیا۔ صراط مستقیم اُردو ص ۱۰۴۔ مطبوعہ کراچی۔ (صراط مستقیم حضرت سید صاحبؒ کے ان علوم کا ذخیرہ ہے جو حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید اور حضرت مولانا عبدالحئی صاحبان قدس سرہما نے جمع کیا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ان علوم کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ مدوّن کر کے کتابی شکل میں ضبط فرمالیا تھا۔ علوی غفرلہ)

۱۷..... امام المناظرین شیخ الحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارن پوری ثم المدنی قدس سرہٗ (م ۱۳۴۶ھ) تحریر فرماتے ہیں: جناب امام (حسینؓ) یزید کو بوجہ اس کے فسق یا کفر کے علی اختلاف القولین لائق امامت ہی نہیں سمجھتے تھے۔

(ملاحظہ ہو: مطرقۃ الکرامہ علیٰ مرأۃ الامامۃ ص ۲۸۵ مطبوعہ جدید لاہور)

خلاصہ: یہ ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو اکابر دیوبند سے وابستہ کہتے ہیں ان کو سوچنا چاہئے کہ یزید کو اکابر نے کیا کہا ہے۔ ہم نے بطور نمونہ کے چند اکابر کی کتابوں سے چند حوالہ جات نقل کر دیئے ہیں۔ ورنہ تقریباً تمام محققین اکابر کے ہاں یہی بات مسلم ہے کہ یزید فاسق و فاجر تھا۔ اس کو خلیفہ عادل کہنا یا صالح مسلمان کہنا صحیح نہیں ہے۔

اگر اس کے متعلق زیادہ تفصیل درکار ہو تو ''شہید کربلا اور یزید'' مصنفہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور ''شہید کربلاء'' مصنفہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ ملاحظہ فرمائیں۔

نوٹ: احقر نے یہ مضمون اوّل سے آخر تک اپنے شیخ مربّی سیدی حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم اور اپنے استاذ مکرم حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہم کو سنایا۔ ان دونوں حضرات نے بطور تائید چند کلمات بھی تحریر فرمائے جو کہ ابتدائے مضمون میں ہدیہ قارئین کر دیئے گئے ہیں۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

کتبہ: خادم اہل سنت الاحقر شیر محمد علوی غفرلہٗ..... ۲۳ جمادی الثانی ۱۴۰۲ ہجری

کردار
مروان بن الحکم
تحقیق کے آئینے میں

علم رجال کی روشنی میں مروان سے متعلقہ
روایاتِ حدیث و تاریخ کا فنی و علمی جائزہ

حضرت مولانا محمد اسماعیل ریحان مدظلہم

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	کردار مروان بن الحکم تحقیق کے آئینے میں	۱۹
۲	پیش لفظ	۲۰
۳	(پہلا باب) مروان کی ولادت، بچپن اور زیارتِ نبوی کی بحث	۲۴
۴	(دوسرا باب) مروان اور اس کے خاندان کے بارے میں نبوی پیش گوئیاں	۸۲
۵	(تیسرا باب) مروان کے صحابی ہونے کی تحقیق	۱۰۹
۶	(چوتھا باب) مروان کے تابعی اور ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کی بحث	۱۴۵
۷	(پانچواں باب) مروان کی بعض صفات اور بعض عیوب	۱۶۱
۸	(چھٹا باب) مروان کے بعض جرائم	۱۸۲
۹	(ساتواں باب) مروان اور روایتِ حدیث	۳۳۷
۱۰	(آٹھواں باب) مروان کی فقاہت	۳۷۸
۱۱	خلاصہ کلام	۴۱۰
۱۲	ضمیمہ	۴۱۲
۱۳	مروان کے بارے میں ایک سوال نامے کا جواب	۴۱۲
۱۴	مروانیوں کے پیش کردہ بارہ سوالات	۴۱۳
۱۵	جوابات وتلبیسات	۴۱۷
۱۶	مروان کے وکلائے صفائی سے گزارش	۴۶۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''کردار مروان بن الحکم تحقیق کے آئینے میں''

ہمارے ملک عزیز کے نامور محقق ودانشور مصنف مولانا محمد اسماعیل ریحان مدظلہم کا عنوان بالا پر ایک تحقیقی یہ مقالہ ہے۔ یہ پہلے سے لکھا ہوا موجود تھا، مؤلف کی نظر ثانی کا مرحلہ باقی تھا۔

بعض اصحاب علم وفضل اور قابل احترام علماء نے مؤلف ممدوح کو توجہ دلائی۔ آپ نے اس پر نظر ثانی کے لئے دن رات ایک کر دیئے۔ کمپوزنگ، پروف ریڈنگ اور سیٹنگ کے ساتھ ترمیم واضافہ، ترجمہ وفوائد کے مراحل سے بھی اسے گزارا۔

ایک خالصتاً علمی، تحقیقی دستاویز اس عنوان پر مرتب فرمادی، جو سنجیدہ متین علمی وتحقیقی کاوش ہے۔ پہلی بار ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' میں انچاس (۴۹) نمبر پر یہ شائع ہورہی ہے۔ امید ہے کہ ایک نامور محقق ومصنف اور مسلک اہل سنت کے جمہور اور متفقہ مؤقف کے داعی وترجمان، نقیب وحدی خواں کے ذوق تحقیق کو اسی وقعت کی نظر سے دیکھا جائے جس کا یہ مقالہ مستحق ہے۔ وماذالک علی اللہ بعزیز!

(ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

مروان بن الحکم ان شخصیات میں سے ہے جن کے بارے میں آج سخت اختلافِ رائے پیدا کر دیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مروان نے کبار صحابہ کرام کا زمانہ پایا تھا اور خاصا علم بھی حاصل کیا۔ یوں مروان بن الحکم کا شمار معاصرت کے لحاظ سے کبار تابعین میں ہوتا ہے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ مروان کی بعض خوبیوں اور قابلیتوں کے اعتراف کے باوجود اسلاف اور اکابر کی عمومی رائے اس کے بارے میں منفی رہی ہے۔ اگرچہ زمانہ قریب اور دورِ حاضر کے بعض علماء مروان کے بارے میں نرم موقف اختیار کرتے دکھائی دیتے ہیں اور بعض مہربان اسے درجۂ صحابیت پر فائز کرنے پر تلے ہیں۔ یوں مسئلہ متنازعہ دکھائی دیتا ہے۔

مروان کا دفاع کرنے والے حضرات دو قسم کے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جن کا مقصد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر لگائے گئے روافض کے اس الزام کو رَد کرنا ہے کہ انہوں نے مروان جیسے شخص کو اپنا کاتب اور داماد کیوں بنایا۔ اس دفاع کی ضرورت سے ہر مسلمان اتفاق کرے گا اور یہی وجہ ہے کہ اس حوالے سے ہمارے اکابر نے مروان کا دفاع کیا ہے جو دراصل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تحفظ ہے۔ اس حوالے سے اسلاف کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مروان سے اُن جرائم کا ظہور نہیں ہوا تھا جن کی بناء پر بعد میں اہلِ علم نے اُسے مطعون سمجھا۔ راقم نے بھی تاریخ اُمت مسلمہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے تحت اس حوالے سے مروان کے خلاف بعض الزامات کو رَد کیا ہے۔

تاہم کچھ حضرات نے مروان کے بارے میں بلاضرورت انتہائی نرم رویہ اختیار کیا ہے اور اسی رعایت اور جانبداری کے باعث مروان سے متعلقہ بعض مسائل کی وہ درست تحقیق نہیں کر پائے۔ چنانچہ انہوں نے بعض بے سند باتوں اور بے سروپا باتوں کو بھی فقط اس لیے درج کر دیا ہے کہ وہ مروان کے حق میں جاتی تھیں اور اُن صحیح اور حسن روایات

پر شاید ان کی نگاہ نہیں پڑی جو مروان کے سراسر خلاف تھیں۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے اذہان میں مروان کی شخصیت کا ایک خوبصورت اور اعلیٰ تصور بیٹھ چکا ہے جو ہمارے اسلاف یعنی امام شافعی رحمہ اللہ اور امام اوزاعی رحمہ اللہ سے لے کر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی تحقیق کے خلاف ہے۔

محمود احمد عباسی (بانیٔ ناصبیت) کا فتنہ پھیلنے کے بعد نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بعض حضرات مروان کو صحابی کے درجے پر فائز سمجھنے لگے جبکہ بعض نے اتنا تشدد تو نہیں کیا مگر یہ یقین کر بیٹھے کہ مروان متفق علیہ ثقہ ہے۔جبکہ درحقیقت مروان نہ تو صحابی تھا اور نہ ہی اس کی ثقاہت متفق علیہ تھی بلکہ اس پر نقد کرنے اور اس کی ثقاہت کو مسترد کرنے والے اسے ثقہ ماننے والوں سے زیادہ ہیں اور دلائل بھی انہی کے قوی ہیں۔ یہ بے وقعت ادباء اور غیر محتاط مؤرخین کے اقوال نہیں جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں بلکہ جلیل القدر ائمہ، اصحاب جرح وتعدیل اور ماہرین فقہ وحدیث کی یہی رائے ہے جیسا کہ اگلے اوراق سے واضح ہو جائے گا۔

بہرکیف آج کل لوگ مروان بن حکم کے بارے میں بہت افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ کچھ لوگ اسے ہر خطا سے بری مانتے ہیں اور کچھ اسے سراپا شر سمجھتے ہیں۔جبکہ ہمارے اسلاف کا طرز اس بارے میں معتدل اور تحقیقی تھا۔ان حالات کو دیکھتے ہوئے دور حاضر کے ممتاز بزرگ اور عالم دین، حضرت مولانا محمد عابد مدنی صاحب دامت برکاتہم العالیہ (استاذ حدیث جامعہ خیر المدارس، ملتان) نے، جن کی شفقتیں اس ناچیز پر بے پایاں ہیں، ناچیز کو مروان بن حکم پر ایک تحقیقی مقالہ لکھنے کا حکم فرمایا تاکہ اس حوالے سے تشدد وتساہل کی جگہ اسلاف کا معتدل مسلک سب کے سامنے آسکے۔

راقم نے حضرت والا کے امر کی تعمیل میں یہ کام شروع کر دیا مگر تاریخ اُمت مسلمہ کے کام میں انہماک کے باعث یہ کام تسلسل کے ساتھ کرنا ممکن نہ ہو سکا، اس لیے جب فرصت ملتی، دو چار صفحات کا کام کر لیتا تھا۔بعض اوقات کئی کئی ہفتے وقت نہیں مل پاتا تھا۔بہرحال کئی سال گزر گئے اور تھوڑا تھوڑا کر کے شوال ۱۴۴۷ھ (اپریل ۲۰۲۶ء) میں یہ کام بحمد اللہ مکمل ہو گیا۔چنانچہ اسے حضرت والا کی خدمت میں

ارسال کر دیا۔ اس کے بعد ہمارے استاذ مکرم، شاہینِ ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے بھی اسے ملاحظہ کیا اور اس میں کچھ ضروری اضافوں کا مشورہ دیا چنانچہ حکم کی تعمیل کر دی گئی اور یوں یہ کام اختتام پذیر ہوا۔

یاد رہے کہ ناصبی اکثر یہی کہتے نظر آتے ہیں کہ ان کے ممدوحین یعنی یزید، مروان اور حجاج بن یوسف وغیرہ کے خلاف جتنی روایات ہیں، وہ سب تاریخ کا رطب و یابس مواد ہے، جو لائقِ اعتناء نہیں۔ ساتھ ہی یہ راگ بھی الاپتے ہیں کہ ایسی تمام روایتیں شیعہ راویوں کی پھیلائی ہوئی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

ناصبیوں کے اس واویلے کی حقیقت آپ کو اگلے اوراق میں معلوم ہو جائے گی جن میں آپ کو تاریخی مواد کم جبکہ کتبِ حدیث اور کتبِ جرح و تعدیل کے حوالے زیادہ ملیں گے۔ قدم قدم پر رجال کی چھان بین بھی کرائی جائے گی جس سے یہ ثابت ہوگا کہ مروان کے خلاف پختہ ثبوت پیش کرنے والوں کی صفِ اوّل میں اہلِ سنت کے بڑے بڑے محدثین، ثقہ راوی، شارحینِ حدیث، ماہرینِ جرح و تعدیل اور فقہاء شامل ہیں۔

شیعوں نے اپنی کتب میں یا شیعہ راویوں نے اپنی روایات میں مروان کے خلاف کیا کچھ کہا اور لکھا ہے، ہمیں اس سے غرض نہیں، جیسا کہ ہمیں اس سے سروکار نہیں کہ وہ ابوجہل اور ابولہب کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے راویانِ حدیث، ہمارے محدثین، ہمارے شارحینِ حدیث اور ہمارے اصحابِ جرح و تعدیل نے مروان و آلِ مروان کے کیا خدوخال پیش کیے ہیں۔ الحمدللہ ہم نے ہر چیز با حوالہ پیش کی ہے۔ قارئین میں سے جو تحقیقی ذوق رکھتے ہیں، وہ آسانی سے متعلقہ ماخذ و مصادر پر مرتولہ مواد کو دیکھ سکتے ہیں۔

اس رسالے کو آٹھ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے جن میں مروان سے متعلق درج ذیل اُمور پر گفتگو کی گئی ہے:

پہلا باب: مروان کی ولادت، بچپن اور زیارتِ نبوی کی بحث

دوسرا باب: مروان اور اس کے خاندان کے بارے میں نبوی پیش گوئیاں

تیسرا باب: مروان کے صحابی ہونے کی تحقیق

چوتھا باب: مروان کے تابعی اور ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کی بحث

پانچواں باب: مروان کی بعض صفات اور بعض عیوب

چھٹا باب: مروان کے بعض جرائم

ساتواں باب: مروان اور روایت حدیث

آٹھواں باب: مروان کی فقاہت

اس مقالے کے آخر میں بطور ضمیمہ راقم کا ایک مختصر رسالہ ''مروان کے بارے میں ایک سوال نامے کا جواب'' بھی منسلک کر دیا گیا ہے۔ یہ سوالات مروان کے بعض وکلائے صفائی کی طرف سے پیش کیے گئے تھے۔ راقم نے مختصر طور پر ان کے مسکت جواب عرض کر دیے تھے۔ بعض اُمور جو مقالے میں تفصیل سے پیش کیے گئے ہیں، اس مختصر ضمیمے میں مکرر بھی آ گئے ہیں۔

یاد رہے کہ اس مقالے اور منسلکہ ضمیمے میں جو حقائق پیش کیے جا رہے ہیں، وہ اسلاف کی تحقیق کے عین مطابق ہیں۔ اگر زمانہ قریب کے بعض علماء کی رائے اس کے مطابق نہیں تو اُسے ایک شاذ رائے کا درجہ دیا جائے گا، جس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر اس صدی کے بعض حضرات قدیم اَسلاف سے اختلاف کر سکتے ہیں تو ہم دلائل کی بنیاد پر ان حضرات سے بدرجۂ اولیٰ اختلاف کر سکتے ہیں۔

فرصت نہ ملنے کے باعث میں ''کتابیات'' کا کام نہیں کر سکا۔ شاید ناشر صاحب اگلی اشاعت میں یہ کام کرا دیں۔ تاہم ایک اصولی بات یاد رکھئے کہ اس کتاب پر کام کرتے ہوئے اکثر وہی کتب اور انہی مطابع کے نسخے، راقم کے زیر استعمال رہے جن کے حوالے ''تاریخ اُمت مسلمہ'' کی جلد اوّل، دوئم اور سوئم کی ''کتابیات'' میں دیے گئے ہیں۔

فقط: محمد اسماعیل ریحان

ادارہ علوم القرآن، خانقداد، تحصیل حسن ابدال

بدھ، ۱۸/ذوالقعدہ ۱۴۴۷ھ

۶/مئی ۲۰۲۶ء .....شب گیارہ بجے

☆☆☆

پہلا باب

مروان کی ولادت، بچپن اور زیارتِ نبویہ کی بحث

فصل اوّل:

ثبوتِ شرفِ صحابیت

ہماری اس کتاب کا سب سے معرکۃ الآراء مسئلہ مروان بن حکم کی صحابیت یا عدم صحابیت کو ثابت کرنا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ہم ثبوتِ شرفِ صحابیت کے بارے میں کچھ بنیادی باتیں سمجھ لیں۔ بعد کی تمام ابحاث انہی کو سمجھنے پر موقوف ہوں گی۔ قارئین جانتے ہیں کہ کسی عمل کی فضیلت ثابت کرنے والی حدیث کے ثبوت کے لیے بھی کچھ نہ کچھ شرائط کا ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ منصب جس قدر بلند ہوتا ہے، اسی لحاظ سے اس کے ثبوت کی شرائط بھی کڑی اور سخت ہوتی ہیں تاکہ کوئی غیر شخص اس میں شامل نہ ہونے پائے۔ پس مقامِ صحابیت جس کے ساتھ بے شمار فضائل وابستہ ہیں، ایسا خفیف ہرگز نہیں ہوسکتا کہ کسی شرط اور معیار کے بغیر اسے کسی کے لیے بھی ثابت کیا جاسکے۔ یہ منصب اور مرتبہ جتنا عالی ہے، اس کے ثبوت کے لیے شرائط بھی اسی قدر ٹھوس اور بے لچک طے کی گئی ہیں۔

صحابی کی تعریف:

علمِ حدیث میں صحابی کی تعریف ایک اہم فنی مسئلہ رہا ہے۔ اگرچہ جمہور محدثین کے نزدیک ایک بار کی ملاقات بھی کافی ہے، لیکن بعض قدیم ائمہ اور اصولیین کے ہاں اس کے لیے طویل عرصہ ساتھ رہنے کی شرط موجود ہے۔ قدیم ائمہ میں اس حوالے سے تین بڑے مکتبہ فکر پائے جاتے ہیں: پہلا مکتبِ فکر سعید بن المسیب جیسے جلیل القدر تابعی کا ہے جن کے ہاں صحابی ہونے کے لیے فقط رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لینا کافی نہیں بلکہ ایک خاص مدت ساتھ گزارنا ضروری ہے۔

عن سعید بن المسیب أن الصحابی من قام مع رسول اللہ ﷺ سنة أو سنتین أو غزا معه غزوة أو غزوتین۔

(سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ صحابی وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک یا دو سال رہا ہو، اور آپ ﷺ کے ساتھ ایک یا دو غزوات میں شرکت کی ہو) (المعجم الروی للحموی: ۱ص ۱۱۱)

بعض اصولیین یعنی فقہاء کا نقطہ نظر یہ تھا کہ صحابی کہلانے کے لیے عرف عام میں صحبت کا پایا جانا ضروری ہے۔

ان اسم الصحابی من حیث اللغة والظاهر یقع علی من طالت صحبته للنبی ﷺ وکثرت مجالسته له علی طریق التبع له والأخذ عنه۔

(صحابی کا نام لغوی معنی ملحوظ رکھنا ہوگا جس کا ظاہر اطلاق اسی پر ہوگا جس نے نبی اکرم ﷺ کی طویل صحبت پائی ہو اور آپ کی اتباع اور علم کے حصول کے لیے کثرت سے آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھا ہو)

(التقیید والایضاح، شرح مقدمۃ ابن الصلاح لزین الدین العراقی: ۱ص ۲۹۶)

ان کے نزدیک وہ دیہاتی جو ایک بار آئے اور مل کر چلے گئے، وہ صحابی نہیں۔

جمہور محدثین کی تعریف:

جمہور محدثین کے نزدیک شرف صحابیت کے لیے صرف ایک بار ایمان کے ساتھ دیکھ لینا کافی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے جو تعریف لکھی ہے، اسے علم حدیث میں سب سے جامع اور مانا ہوا سمجھا جاتا ہے:

وهو من لقی النبی ﷺ مؤمنا به، ومات علی الاسلام، ولو تخللت ردة فی الأصح. والمراد باللقاء: ما هو أعم: من المجالسة، أو المماشاة، أو وصول أحدهما إلی الآخر، وان لم یکالمه، ویدخل فیه رؤیة أحدهما الآخر، سواء کان ذلک بنفسه أم بغیره. والتعبیر باللقی أولی من قول بعضهم: الصحابی من رأی النبی ﷺ، لانه یخرج ابن أم مکتوم ونحوه من العمیان، وهم صحابة بلا تردد۔

''صحابی وہ ہے جس نے نبی اکرم ﷺ سے ملاقات کی ہو اس حال میں کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان رکھتا ہو اور اس کا خاتمہ اسلام پر ہوا ہو، اگرچہ اسلام لانے اور وفات کے درمیان میں ارتداد پیش آ گیا ہو اور پھر وہ دوبارہ اسلام لے آیا ہو، اصح قول کے مطابق یہی تعریف ہے۔ ملاقات سے مراد عام مفہوم ہے: یعنی ساتھ بیٹھنا، ساتھ چلنا یا ایک کا دوسرے تک پہنچ جانا، اگرچہ آپس میں بات چیت نہ ہوئی ہو۔ اور اس میں ایک دوسرے کو دیکھ لینا بھی شامل ہے، خواہ یہ دیکھنا خود اپنی آنکھ سے ہو یا کسی اور ذریعے سے۔ تعریف میں ملاقات کا لفظ استعمال کرنا بعض حضرات کے اس قول سے زیادہ بہتر ہے کہ صحابی وہ ہے جس نے نبی ﷺ کو دیکھا ہو؛ کیونکہ دیکھنے کی شرط لگانے سے حضرت ابنِ ام مکتوم رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دیگر نابینا حضرات صحابہ کی فہرست سے خارج ہو جائیں گے، حالانکہ وہ بلا کسی شک و شبہ کے صحابی ہیں۔'' (نزہۃ النظر فی توجیہ نخبۃ الفکر: ا ص ۱۴۰، ۱۴۱)

اس عبارت میں حافظ ابن حجرؒ نے تین اہم نکات واضح کیے ہیں:

(۱) رؤیۃ کی جگہ ملاقات کا لفظ اس لیے اختیار کیا گیا تاکہ وہ صحابہ بھی شامل رہیں جو بصارت سے محروم تھے، کیونکہ انہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو نہیں تھا مگر آپ ﷺ کی مجلس اور صحبت میں حاضر ہوئے تھے۔

(۲) یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ صحابی ہونے کے لیے آپ ﷺ سے گفتگو کرنا شرط نہیں، محض آپ ﷺ کی موجودگی میں آپ کے پاس پہنچ جانا بھی کافی ہے۔

(۳) اگر کوئی صحابی اسلام لانے کے بعد وقتی طور پر مرتد ہوا لیکن وفات سے پہلے دوبارہ تائب ہو کر مسلمان ہو گیا، تو اس کی صحابیت ختم نہیں ہوگی۔

ثبوتِ شرفِ صحابیت کے لیے کونسی رؤیت معتبر ہے؟

جمہور کے نزدیک شرفِ صحابیت کے لیے نبی اکرم ﷺ کی ایک بار زیارت و رؤیت کافی ہے مگر اس میں بھی کچھ تفصیل ہے اور وہ یہ کہ وہ زیارت یا

رؤیت مع ہوش وحواس حضور اکرم ﷺ کی رسالت پر ایمان اور آپ ﷺ کی عقیدت ومحبت کے جذبے کے ساتھ ہو۔ پس ایسا کم سن اور بے شعور بچہ جو نبوت و رسالت کا مطلب نہ جانتا ہو اور حضور اکرم ﷺ کے مقام ومرتبے سے اجمالاً بھی واقف نہ ہو، اُس کا نبی اکرم ﷺ کو دیکھ لینا جمہور کے قول کے مطابق اُسے شرف صحابیت نہیں بخشتا۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ولا ریب انّ مجرد رؤیۃ الانسان لغیرہ لاتوجب ان یقال: قد صحبہ، ولکن اذا رآہ علی وجہ الاتباع لہ والاقتداء بہ دون غیرہ، والاختصاص بہ، ولھذا لم یعتد برؤیۃ من رای النبی ﷺ من الکفار والمنافقین فانھم لم یروہ رؤیۃ من قصدہ لان یؤمن بہ۔"

"بلاشبہ محض انسان کا کسی دوسرے انسان کو دیکھ لینے سے یہ کہنا لازم نہیں ہوجاتا کہ اُس نے دوسرے کی صحبت پائی ہے۔ بلکہ یہ (صحبت کا معاملہ) تب ہوتا ہے جب کوئی دوسرے کو اُس کی اتباع اور پیروی کے طور پر دیکھے، کسی اور بناء پر نہیں، اور اس کے ساتھ خصوصیت اختیار کرے۔ اسی لیے کفار اور منافقوں کے رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے کا کوئی اعتبار نہیں کیوں کہ انہوں نے اس نیت سے نبی اکرم ﷺ کو نہیں دیکھا تھا کہ آپ پر ایمان لائیں۔" (منہاج السنۃ: ۸ ص ۳۸۸)

پس اسی طرح کم سن بچوں کی صحابیت تسلیم کرنے میں یہ شرط رکھی گئی ہے کہ وہ بچہ "صبی ممیز" ہو۔ یعنی عقل وشعور رکھتا ہو جس کی پہچان کے مختلف طریقے ہیں مثلاً وہ اپنوں اور غیروں کو پہچان سکتا ہو، گزشتہ باتوں کو یاد رکھ سکتا ہو، طہارت وغیرہ خود کرلیتا ہو۔ عموماً پانچ سال تک بچے اس قابل ہوجاتے ہیں اسی بناء پر محمود بن ربیع کو بھی صحابی مانا جاتا ہے جنہوں نے پانچ سال کی عمر میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی تھی اور وہ زیارت انہیں بخوبی یاد بھی تھی۔

(ملاحظہ ہو: تہذیب الکمال ۲۷ ص ۳۰۱، ترجمہ محمود بن الربیع)

مگر صحابہ کرام کے چھوٹے بچے جو حضور اکرم ﷺ کی رحلت کے وقت

سنِ شعور کو نہیں پہنچے تھے، صحابیت سے مشرف نہیں مانے جاتے، چنانچہ علامہ برہان الدین الابناسی رحمہ اللہ اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وبقی النظر فی امور اخر من التمییز و البلوغ فی الرائی"

"اب چند دیگر اُمور پر بحث رہ گئی ہے یعنی زیارت کرنے والے کا باشعور اور بالغ ہونا۔"

اس کے بعد وہ ایسے حضرات کی مثالیں پیش کرتے ہیں جنہیں سنِ شعور سے قبل رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی، انہیں رسول اللہ ﷺ نے گھٹی دی یا ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، مگر انہیں صحابہ میں شمار نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

واما عبید اللہ بن معمر فقال ابن عبد البر ذکر بعضهم ان له صحبة وهو غلط بل له رؤیة وهو غلام صغیر. واما عبد اللہ بن الحارث بن نوفل... ذکر ابن عبد البر انه ولد علی عهد رسول اللہ ﷺ واتی به فحنکه ودعا له. قال العلائی فی کتاب جامع التحصیل: ولا صحبة له بل ولا رؤیة ایضاً... واما عبد اللہ بن ابی طلحة فهو اخو انس لامه ثبت فی الصحیح انه ﷺ حنکه، قال العلائی: ولا تعرف له رؤیة بل هو تابعی. واما محمد بن ثابت بن قیس بن شماس فانه حنکه وسماه محمدا، قال العلائی: ولیست له صحبة فحدیثه مرسل. وما ابن حبان فذکره فی الصحابة. واما یحیی بن خلاد بن رافع الازرق فذکر ابن عبد البر انه حنکه وسماه، قال العلائی: وهو تابعی لا تثبت له رؤیة. واما محمد بن طلحة بن عبید اللہ فهو الملقب بالسجاد اتی به الی النبی ﷺ فمسح رأسه وسماه محمدا وکناه ابا القاسم. قال العلائی ولم یذکر احد فیما وقفت علیه له رؤیة بل هو تابعی

"عبید اللہ بن معمر کے بارے میں ابن عبد البر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ بعض نے انہیں صحابی کہا ہے مگر یہ غلط ہے، بلکہ انہیں رؤیت اس وقت نصیب ہوئی تھی جب وہ کم سن تھے۔ عبد اللہ بن حارث بن نوفل کے بارے میں ابن عبد البر رحمہ اللہ نے ذکر

کیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں پیدا ہوئے اور انہیں آپ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا، آپ نے انہیں گھٹی دی اور ان کے لیے دعا کی۔ علامہ علائی رحمہ اللہ اپنی کتاب جامع التحصیل میں لکھتے ہیں کہ ان کے لیے صحبت ثابت نہیں بلکہ رؤیت (رؤیت ممیزہ) بھی ثابت نہیں۔ عبداللہ بن ابی طلحہ جو حضرت انس کے ماں شریک بھائی ہیں، صحیح (بخاری کی) روایت سے ثابت ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ نے گھٹی دی۔ علامہ علائی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ان کے لیے رؤیت (رؤیت ممیزہ) معروف نہیں بلکہ وہ تابعی ہیں۔ محمد بن ثابت بن قیس بن شماس کو آپ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا، آپ ﷺ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، ان کا نام رکھا اور ابوالقاسم کا لقب دیا۔ علامہ علائی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جن عبارات سے میں واقف ہوں، ان کے مطابق کسی نے ان کے لیے رؤیت (رؤیت ممیزہ) کا ذکر نہیں کیا بلکہ وہ تابعی ہیں۔" (العقد الفیاح فی علوم ابن صلاح: ۲ ص ۴۸۷، ۴۸۸)

"لہ رؤیۃ" سے صحابیت نہ ہونے کی کچھ اور مثالیں:

کتب اسماء الرجال میں ایسی مثالیں بکثرت ہیں کہ کسی کے لیے "لہ رؤیۃ" کہا گیا مگر اسے صحابی نہیں مانا گیا مثلاً:

عبدالرحمن بن حارث بن ہشام:

لہ رؤیۃ وکان من کبار ثقات التابعین۔

(انہیں رؤیت نصیب ہوئی اور وہ قابل اعتماد تابعین میں سے تھے)

(تقریب التہذیب، تر: ۳۸۳۲)

عبداللہ بن عتبۃ بن مسعود:

ابن اخی عبد اللہ رضی اللہ عنہ ،قال ابن عبد البر :ذکرہ العقیلی فی الصحابۃ فغلط انما ھو تابعی من کبار التابعین وقد ذکرہ البخاری فی التابعین... فھو کأمثالہ من الصغار الذین لھم رؤیۃ۔

(عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھتیجے۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں: عقیلی

رحمہ اللہ نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے جو غلط ہے۔ یہ بڑے تابعین میں سے تابعی تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی انہیں تابعین میں شمار کیا ہے..... پس وہ ان چھوٹے بچوں کی طرح تھے جنہیں رؤیۃ نصیب ہوئی) (جامع التحصیل: ا ص ۲۱۴)

ابوامامۃ، اسعد بن سہل بن حنیف:

وُلِد علیٰ عهد رسول اللہ ﷺ، قبل وفاته بعامین، وأُتیَ به النبی ﷺ فدعا له وسماه باسم جده أبی أمه أبی أمامه أسعد بن زرارة، وکناه بکنیته، وهو أحد الأجلة من العلماء من کبار التابعین بالمدینة، ولم یسمع من النبی ﷺ شیئا ولا صحبه، وانما ذکرناه لادراکه النبی ﷺ بمولده، وهو شرطنا۔

''رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں آپ ﷺ کی وفات سے دو سال قبل پیدا ہوئے۔ انہیں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں لایا گیا، تو آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی اور ان کا نام ان کے نانا ابوامامہ سعد بن زرارہ کے نام پر رکھا اور ان کی کنیت بھی وہی رکھی۔ وہ مدینہ کے جلیل القدر علما اور کبار تابعین میں سے ہیں۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے نہ کچھ سنا اور نہ ہی آپ ﷺ کی صحبت میسر آئی، ہم نے ان کا ذکر محض اس وجہ سے کیا ہے کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت نبی کریم ﷺ کے عہد کو پا چکے تھے، اور یہی کتاب میں ذکر کرنے کی ہماری شرط ہے۔'' (الاستیعاب: ا ص ۸۲)

طبقاتِ صحابہ میں ان کا ذکر کیوں؟

اس سے شبہ نہ ہو کہ اگر مذکورہ شخصیات صحابی نہ تھیں تو ان کا ذکر کتبِ طبقات صحابہ میں کیوں کیا گیا؟ اس لیے ان ماخذ میں ان کا ذکر ضمناً ہے نہ کہ اصلاً۔ چنانچہ علامہ صلاح الدین کیکلدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

صرح ابن عبد البر بانه انما ادخل مثل الاحنف بن قیس، والصنابحی، واولاد الصحابة الذین ولدوا فی حیاته ﷺ، ولا یثبت لاحد منهم رؤیة لموته ﷺ وهم صغار جدا. لیستکمل بذکرهم القرن الذی اشار الیه النبی ﷺ بانه خیر القرون یعنی لا لانهم من الصحابة

''ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے کہ انہوں نے (اپنی کتاب الاستیعاب میں) احنف بن قیس اور صنابحی اور صحابہ کے اُن بچوں کا ذکر بھی کر دیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی حیات میں پیدا ہوئے جبکہ ان میں سے کسی کے لیے رؤیۃ ثابت نہیں ہو سکی کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت وہ بہت کم سن تھے، (تو ان کا ذکر طبقاتِ صحابہ کے ذیل میں اس لیے کیا ہے) کہ ان کے ذکر سے اُس دور (کے رجال) کی تکمیل ہو جائے جسے رسول اللہ ﷺ نے خیر القرون فرمایا تھا۔ (ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ان کا ذکر کر دیا ہے تو) اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ صحابہ ہیں۔'' (تحقیق منیف الرتبہ لمن ثبت لہم شرف الصحبۃ: ص ۳۵)

علامہ کیکلدی رحمہ اللہ صحابہ کرام کی صحبت کے مختلف درجات بیان کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں:

''وکذلک من ولد فی حیاتہ ﷺ من ابناء الصحابۃ ومات النبی ﷺ وھو ابن سنۃ ونحو ذلک. فلا یطلق علیٰ احد من ھؤلاء اسم الصحبۃ لا بطریقۃ الحقیق ولا بطریقۃ المجاز۔''

''رہے صحابہ کرام کے وہ بچے جو رسول اللہ ﷺ کی حیات میں پیدا ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت وہ کم وبیش ایک سال کے تھے تو ان میں سے کسی پر صحبت کا اطلاق نہ حقیقی معنیٰ میں ہو سکتا ہے نہ مجازی معنیٰ میں۔''

(تحقیق منیف الرتبہ لمن ثبت لہم شرف الصحبۃ: ص ۴۲)

وجہ ظاہر ہے کہ ایسے بے شعور بچوں کی رؤیت اگر کسی روایت میں مذکور ہو، تب بھی اس کا اعتبار نہیں۔

معرفتِ صحابہ کے پانچ طریقے:

علمائے اصول کے مطابق صحابیت کے ثبوت کے طریقے پانچ ہیں:

(۱) اس شخص کا صحابی ہونا تواتر سے ثابت ہو جیسے خلفائے راشدین۔

(۲) اس کا صحابی ہونا مشہور ہو یعنی بہت سے صحابہ اور تابعین اسے صحابی مانتے ہوں۔

(۳) اِکاڈُکا صحابہ نے اسے صحابی کہا ہو۔
(۴) تابعین میں سے کسی عادل اور ثقہ فرد نے اس کی صحابیت کی گواہی دی ہو۔
(۵) ۱۱۰ھ تک فوت ہونے والے کسی عادل شخص نے صحابیت کا دعویٰ کیا ہو۔ (صحابہ سے اس کی تردید منقول نہ ہو)

(الاصابۃ: ۱/ ۱۶۰، الفصل الثانی فی الطریق الی معرفۃ کون الشخص صحابیا)

صحابیت کے اطلاق کی چار اقسام عرفی، لغوی، مجازی، توسّع مجازی:

رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پانے والے بہت سے لوگ ایسے تھے جن کے اسماء مؤلفینِ طبقاتِ صحابہ نے اپنی کتب میں درج کیے ہیں اور ان کے حالات بھی لکھے ہیں۔ مگر اصطلاحی لحاظ سے صحابی کا اطلاق چار طبقات پر ہوتا ہے:

(۱) جن پر ''صحبت'' کا اطلاق عرف میں ہے۔ یعنی انہیں رسول اللہ ﷺ کا ساتھی کہنا عرفِ عام میں صحیح ہے (۲) جن پر ''صحبت'' کا اطلاق لغوی لحاظ سے ہے۔ یعنی لغوی لحاظ سے کہنا درست ہے کہ انہیں صحبت ملی ہے۔ (۳) جنہیں مجازی حیثیت سے صحابی کہا گیا ہے، ورنہ عرفی اور لغوی لحاظ سے ان پر ''صحبت'' کا اطلاق نہیں ہوسکتا جیسے وہ حضرات جن کی فقط رسول اللہ ﷺ سے ایک آدھ ملاقات ہوئی ہو۔ جمہور نے انہیں بھی صحابی شمار کیا ہے۔ (۴) وہ حضرات جنہیں مجاز میں توسع کر کے صحابی کہا گیا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں فتح مکہ یا حجۃ الوداع وغیرہ میں رسول اللہ ﷺ کی فقط دور سے زیارت ہوئی تھی۔ یہ شرف پانے کے باعث انہیں صحابی کہا گیا۔

چنانچہ علامہ صلاح الدین کیکلدی دمشقی (م ۷۶۱ھ) فرماتے ہیں:

والحاصل أنّ تسمية الجميع بأسم الصحابي له اعتبارات. احداها: من يصدق عليه الاستعمال العرفي قطعاً، وهؤلآء هم جمهور الصحابة من المهاجرين والانصار الذين كانوا معه ﷺ. ومن هاجر اليه من القبائل وغزا معه. ولا ريب في أمثال هؤلآء.

الثاني: من يقرب من هؤلآء الذين هاجروا اليه وأقاموا عنده أياما قلائل

ورجعوا الى أمانهم كوفد عبد القيس ووفد ثقيف وأمثالهم، ومثل وائل بن حجر، ومعاوية بن الحكم السلمي، وجرير بن عبد الله البجلي، ومن لم يصحبه الا مدة يسيرة ،الأيام والليالي،ولكن حفظ عنه وتعلم منه، وروى عنه عدة أحاديث، فهؤلاء أيضاً وأمثالهم يطلق عليهم اسم الصاحب حقيقة عرفية. وان كانت مدة صحبتهم ليست طويلة . لتحقق الاسم فيهم وصدق الاتصاف بالصحبة لهم.

الثالث: من لقيه ﷺ بمجالس يسير أو مبايعة أو مماشاة وكان مسلما إمّا بالغا أو مميزاً. وعقل من النبي ﷺ شيئاً مّا، بأن أجلسه في حجره أو مجّ في وجهه ماء أو غير ذلك، فلا ريب في أن الاطلاق العرفي منتف عن مثل هؤلاء.

وأما الاطلاق اللغوي فهو قريب. وقد ينازع فيه لانه يصح نفي الصحبة عن أمثال هؤلاء. فيقال ما صحبه ولكن بايعه أو كلمه يسيراً أو جلس في حجره صغيراً ونحو ذلك.

وصحة النفي من علامات المجاز . فلا يكون اطلاق اسم الصحبة عليهم بطريق الحقيقة، لكن الاتفاق واقع من أئمة الحديث في كل عصر على تسمي هؤلاء من جملة الصحابة . وإخراج ما حكوه من تلك الوقائع في مسانيد الصحابة والاحتجاج بما فيها من الأحكام اذا صح السند اليهم من غير توقف في ذلك. فاسم الصحبة في أمثال هؤلاء قريب من الحقيقة اللغوي قرباً قوياً وان كان الاستعمال العرفي معدوماً في حقهم.....والرابع: من لم يجتمع به ﷺ أصلاً . وانما رآه من بعيد، أو حكى شيئًا من أفعاله. أو لم يحك شيئاً. مثل أبي الطفيل عامر بن واثلة وغيره ممن ليس له إلا مجرد الرؤية. إما في حجة الوداع أو غزوة الفتح أو غزوة حنين. وغير ذلك. أو كان مع أبيه فأراه النبي ﷺ من بعد. فلا ريب في أن الاطلاق اللغوي منتف عن هؤلاء قطعاً، فضلاً عن الاستعمال العرفي، وانما أعطى هؤلاء حكم الصحبة لشرف ما حصل

لهم من الرؤية له ﷺ، ولدخولهم في القرن الذي ثبت رسول الله ﷺ أنه خير القرون من أمته. فكان ذلك على وجه التوسع المجازي لا بالحقيقة۔

''خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمام مذکورہ طبقات پر صحابی کے نام کا اطلاق مختلف اعتبارات سے ہوتا ہے:

اوّل: وہ حضرات جن پر اس نام کا اطلاق قطعی طور پر عرفی استعمال کے مطابق صادق آتا ہے۔ یہ مہاجرین و انصار میں سے جمہور صحابہ کرام ہیں جو (مستقل) آپ ﷺ کے ساتھ رہے۔ نیز وہ قبائل جو ہجرت کر کے آپ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کے ساتھ مل کر غزوات میں شریک ہوئے۔ ایسے حضرات کے صحابی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

دوم: وہ حضرات جو درجہ اوّل کے قریب ہیں؛ جیسے وہ لوگ جنہوں نے آپ ﷺ کی طرف ہجرت کی، چند دن آپ ﷺ کے پاس قیام کیا اور پھر اپنے علاقوں کو لوٹ گئے، مثلاً وفدِ عبد القیس، وفدِ ثقیف اور ان جیسے دیگر حضرات۔ اسی طرح وائل بن حجر، معاویہ بن حکم السلمی اور جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہم۔ نیز وہ لوگ جنہوں نے بہت مختصر مدت، چند دن یا راتیں، آپ ﷺ کی مصاحبت کی، لیکن آپ ﷺ سے علم محفوظ کیا، سیکھا اور کئی احادیث روایت کیں۔ ان پر اور ان جیسے دیگر حضرات پر بھی صاحب (صحابی) کا اطلاق حقیقتِ عرفیہ کے طور پر ہوتا ہے، کیونکہ ان میں صحبت کا وصف اور اس نام کا اطلاق سچائی کے ساتھ پایا جاتا ہے، اگرچہ ان کی صحبت کی مدت طویل نہیں۔

سوم: وہ شخص جس نے مختصر مجلس، بیعت یا ساتھ چلنے کی صورت میں آپ ﷺ سے ملاقات کی، اور وہ اس وقت مسلمان تھا، خواہ بالغ ہو یا سمجھ بوجھ رکھنے والا بچہ۔ اور اس نے نبی کریم ﷺ سے کوئی بات یا عمل یاد رکھا ہو، مثلاً آپ ﷺ نے اسے گود میں بٹھایا ہو یا اس کے چہرے پر پانی کی کلی کی ہو وغیرہ۔ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے حضرات پر (صحابی کا) عرفی اطلاق صادق نہیں آتا۔ البتہ لغوی اطلاق ہونا قرینِ قیاس ہے، مگر اس میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے کیونکہ ایسے لوگوں سے صحبت کی نفی کرنا بھی

درست ہے، یوں کہا جا سکتا ہے کہ: اس نے صحبت اختیار نہیں کی بلکہ صرف بیعت کی، یا مختصر بات چیت کی، یا بچپن میں آپ ﷺ کی گود میں بیٹھا۔ کسی لفظ کی نفی کا صحیح ہونا مجاز کی علامتوں میں سے ہے، لہٰذا ان پر صحبت کا اطلاق بطورِ حقیقت نہیں ہوگا۔ لیکن ہر دور کے ائمہ حدیث کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ ان حضرات کو صحابہ کی فہرست میں شمار کیا جائے، ان کے بیان کردہ واقعات کو مسانیدِ صحابہ میں درج کیا جائے اور ان میں موجود احکام سے استدلال کیا جائے، بشرطیکہ ان تک سند صحیح ہو؛ اس معاملے میں کبھی توقف نہیں کیا گیا۔ پس ان جیسے حضرات کے حق میں اسمِ صحبت حقیقتِ لغویہ کے بہت زیادہ قریب ہے، اگرچہ ان کے حق میں عرفی استعمال مفقود ہے۔

چہارم: وہ شخص جس کی آپ ﷺ کے ساتھ باقاعدہ ملاقات اصلاً ثابت نہ ہو، بلکہ اس نے آپ ﷺ کو صرف دور سے دیکھا ہو اور آپ ﷺ کے کچھ افعال ذکر کیے ہوں یا کچھ بھی ذکر نہ کیا ہو۔ مثلاً ابوالطفیل عامر بن واثلہ اور دیگر حضرات جنہیں صرف رؤیت کا شرف حاصل ہوا، خواہ حجۃ الوداع میں، فتح مکہ میں، غزوہ حنین میں یا کسی اور موقع پر؛ یا وہ اپنے والد کے ساتھ تھے اور والد نے انہیں دور سے نبی کریم ﷺ کی زیارت کروا دی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے لوگوں پر لغوی اطلاق بھی قطعی طور پر صادق نہیں آتا، عرفی استعمال تو دور کی بات ہے۔ انہیں صحابیت کا حکم محض اس زیارت کے شرف کی بنیاد پر دیا گیا جو انہیں آپ ﷺ کو دیکھنے سے حاصل ہوئی، اور اس لیے کہ وہ اس دور میں شامل ہیں جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کا بہترین دور قرار دیا ہے۔ لہٰذا ان پر صحابی کا اطلاق توسعِ مجازی کے طور پر ہے، حقیقت کے طور پر نہیں۔ واللہ اعلم۔"

مذکورہ بیان پر تبصرہ:

علامہ صلاح الدین کیکلدیؒ کے اس بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام میں فرقِ مراتب ہے۔ قطعی طور پر صحابیت انہی حضرات کی ثابت ہے جو پہلی قسم کے ہیں تاہم دوسری قسم والے بھی مرتبے میں فرق کے باوجود انہی سے متصل مانے جاتے ہیں اور ان کی صحابیت کا اعتقاد بھی ضروری ہے۔

رہی تیسری قسم جس کی صحبت ایک آدھ ملاقات پر مبنی ہے تو وہاں ثبوتِ صحبت کے لیے صحتِ سند ضروری ہے۔

چوتھی قسم کے حضرات (جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی فقط زیارت کی تھی، باہمی تعارف، گفتگو یا کلام کی نوبت نہیں آئی تھی) حقیقتاً صحابی تو نہیں مگر مجاز میں توسع کر کے انہیں صحابی مان لیا جاتا ہے۔

مگر یہاں اتنی گنجائش دے دی گئی ہے کہ ملاقات یا رؤیت والوں کو بھی صحابی کہا جاسکتا ہے تو کم از کم یہ ملاقات اور رؤیت تو مشکوک نہ ہو، بلکہ اسے یقینی طور پر ثابت ہونا چاہیے۔ بصورتِ دیگر ثبوتِ صحبت کا معاملہ غیر محفوظ ہو جائے گا اور اہلِ باطل اپنے مزعومہ مقاصد کے لیے غیر صحابہ کو بھی اس میں شامل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس لیے تیسری قسم والوں کے ثبوتِ صحبت کے لیے ان کی ایک آدھ ملاقات کا صحیح سند سے ثابت ہونا ضروری ہے۔ اسی اصول کے مطابق چوتھی قسم والوں کی رؤیت کا صحیح سند سے ثابت ہونا بدرجۂ اولیٰ ضروری ہے۔

☆☆☆

فصل دوئم:

مروان بن حکم کے مختصر حالاتِ زندگی

مروان بن حکم مروان کی ولادت کا سال متعین نہیں کیا جاسکا۔ ۲ھ یا ۳ھ یا ۴ھ یا ۸ھ کے اَقوال موجود ہیں۔ (الاصابۃ: ۶ ص ۲۰۳)

جہاں تک راقم نے دیکھا ہے زیادہ تر مؤرخین نے مروان کا سنِ ولادت ۲ھ بتایا ہے۔

لڑکپن:

مروان کی ولادت مکہ میں ہوئی اور لڑکپن ہی میں وہ طائف چلا گیا تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت نہیں کی کیوں کہ جب اس کے باپ کو نبی اکرم ﷺ نے

جلاوطن کیا تھا تو اس وقت مروان بے عقل بچہ تھا اور اپنے باپ کے ساتھ تھا۔ یہاں تک کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہیں واپس بلا لیا۔ (عمدۃ القاری: ۱۱ ص ۴)

مروان کی پڑنانی ماریہ بنت موہب کا لقب "الزرقاء" (نیلی آنکھوں والی) تھا۔ عربوں کے ہاں نیلی آنکھیں عیب شمار ہوتی تھیں کیوں کہ یہ رُومی نسل کی خصوصیت ہے۔ اسی لیے مروان کے مخالفین اسے "ابن الزرقاء" کہتے تھے۔ اور اسی لیے مروان کی اولاد کو مخالفین کے ہاں بنی الزرقاء کہا جاتا تھا۔ (انساب الاشراف: ۶ ص ۲۶۱، ۳۰۱؛ تاریخ خلیفۃ بن خیاط: ص ۲۳۳؛ تاریخ دمشق: ۱ ص ۳۶۰؛ کذلک اُستاذنا بنی الزرقاء۔ سنن ابی داؤد، ح: ۴۶۴۶)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں:

معاصرت کے لحاظ سے مروان کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے، یعنی وہ تابعین جنہوں نے خلفائے راشدین اور عشرۂ مبشرہ کا دور دیکھا۔ (طبقات علماء افریقیۃ، لابی العرب: ص ۱۸؛ وَذَکَرَہُ ابنُ سَعدٍ فِی الطَّبَقَۃِ الأُولَی مِنَ التَّابِعِینَ۔ کذا فی البدایۃ والنہایۃ: سنہ ۶۵ھ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مروان کو دربارِ خلافت میں کاتب کا عہدہ ملا۔ ۳۵ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف مفسدین نے ایک سازش کے تحت بلوہ کیا اور ان کے گھر کا محاصرہ کر کے انہیں معزول کرنے کی کوشش کی۔ جلیل القدر علمائے محدثین اور مؤرخین کے ایک طبقے کی رائے ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اس فساد میں مروان کا بڑا ہاتھ تھا۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

وقد ذکرنا أن مروان کان مِن اکبرِ الاسبابِ التِی دخل بِها الداخِل علیٰ عثمان، لانه زوّر علیٰ لِسانِهٖ کتابا فِی شأنِ محمدِ بنِ أبی بکر۔

(ہم ذکر کر چکے ہیں کہ مروان ان اسباب میں سب سے بڑا سبب تھا جن کے باعث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف چڑھائی کرنے والوں نے چڑھائی کی، کیوں کہ مروان نے محمد بن ابی بکر کے بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زبانی جعلی خط لکھ کر بھیجا تھا) (تاریخ الاسلام للذہبی: ۲ ص ۷۰۶، ت بشار)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

وَمَرْوَانُ كَانَ أَكْبَرَ الْأَسْبَابِ فِي حِصَارِ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ۔

(مروان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف محاصرے کے اسباب میں سب سے بڑا سبب تھا۔) (البدایۃ والنہایۃ: ۱۱ ص ۲۳۸، ط دار ہجر)

تاہم اس معاملے کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ مروان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع کے لیے مسلح ہو کر مفسدین سے نبرد آزما بھی ہوا تھا اور اس موقع پر اس کی گدی پر زخم لگا تھا جس کے باعث وہ مرتے مرتے بچا تھا۔ اس لیے اسے ''مضروب القفا'' (گدی پر چوٹ کھانے والا) بھی کہا جاتا تھا۔ (تاریخ الطبری: ۴ ص ۳۸۱؛ الاستیعاب: ۳ ص ۱۳۸۸، ط دار الجیل؛ اسد الغابۃ: ۴ ص ۳۶۹، ط دار الفکر)

اس کی گردن پتلی تھی، لہٰذا زخم کے علاج کے بعد بھی ایک طرف ڈھلکی رہتی تھی۔ مروان کے دُبلا پتلا ہونے کے باعث مخالفین طنزیہ طور پر اسے ''خیط باطل'' (کچا دھاگا) کہہ کر بھی یاد کرتے تھے۔ (انساب الاشراف: ۶ ص ۲۵۶؛ العبر فی خبر من غبر للذہبی: ۱ ص ۵۳؛ البدایۃ والنہایۃ: ۱۱ ص ۷۱۴، ط دار ہجر)

مروان تحریکِ قصاص اور جنگِ جمل میں:

جب ذوالحجہ ۳۵ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بلوائیوں کے ہاتھوں شہید کر دیے گئے تو مروان نے غلط فہمی کے باعث حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو ان کے قتل کا ذمہ دار سمجھ لیا۔ وہ وقتی طور پر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہی قصاصِ عثمان کی تحریک میں شامل ہو گیا۔ رجب ۳۶ھ میں جنگِ جمل ہوئی۔ مروان نے اس دوران موقع پا کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو تیر چلا کر قتل کر دیا۔ جنگ کے بعد وہ روپوش ہو گیا۔ بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب سب کے لیے عام معافی کا اعلان کیا تو اس نے اپنے لیے خصوصی ضمانت حاصل کی اور ان کی خدمت میں آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے آزاد کر دیا۔ (تاریخ الطبری، الکامل فی التاریخ، المنتظم لابن الجوزی، البدایۃ والنہایۃ، تاریخ الاسلام للذہبی۔ سنہ ۳۵ھ، ۳۶ھ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں امارتِ مدینہ:

مروان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں کسی اور سیاسی کش مکش کا حصہ نہ بنا۔ بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں وہ پہلی بار ۴۲ھ میں مدینہ کا امیر بنا اور ربیع الاوّل ۴۹ھ میں معزول ہوا۔ پھر وہ ۵۴ھ میں دوبارہ مدینہ کا امیر بن کر ذوالقعدہ ۵۷ھ میں معزول ہوا۔ (تاریخ الطبری: سنہ ۴۲ھ، ۴۹ھ؛ (تاریخ الطبری: سنہ ۵۴ھ، ۵۷ھ)

اسی زمانے میں اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر برسرِ منبر سب وشتم کی ناپاک حرکت شروع کی۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۱۱ ص ۷۱۲، ط دار ہجر)

مروان کی حرصِ اقتدار اور عہدوں سے معزولی:

مروان کے بارے میں حضرت معاویہؓ کی آخری رائے یہ تھی کہ وہ حب جاہ کا مریض ہے، چنانچہ اس کے بارے میں کہا تھا: رجل یرجو الخلافۃ من بعدی۔ "یہ ایسا آدمی ہے جو میرے بعد خلافت کی آرزو کر رہا ہے۔" (تاریخ دمشق: ۳۸ ص ۲۰۷)

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آخر میں اسے تمام عہدوں سے فارغ کر دیا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ثم عزلہ فی آخر الامر بابن اخیہ ولید بن عتبۃ بن ابی سفیان

(پھر آخر کار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان کو معزول کر کے اپنے بھتیجے ولید بن عتبہ کو امیر بنا دیا) (جامع السنن والمسانید: ۷ ص ۳۷۲، ط دار خضر، بیروت)

مروان کا مدینہ سے اِخراج:

یزید کے دور میں مروان کے پاس کوئی سرکاری عہدہ نہ تھا، البتہ وہ بنو اُمیہ کے بڑے سرداروں میں شمار ہوتا تھا۔ جب ۶۳ھ میں مدینہ کے متعدد صحابہ اور تابعین نے یزید کے خلاف خروج کر کے مدینہ میں رہائش پذیر بنو اُمیہ کو وہاں سے نکال دیا تو اس موقع پر حضرت علی بن الحسین زین العابدین رحمہ اللہ نے مروان اور اس کے اہل وعیال کو اپنے ہاں پناہ دے کر ان کی حفاظت کی۔ (تاریخ الطبری: ۴۸۵۵)

مروان کی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت:

یزید کی موت اور پھر اس کے بیٹے معاویہ بن یزید کی وفات کے بعد مکہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شرعی خلافت قائم ہوگئی اور ان کی بیعت عالم اسلام کے تمام صوبوں میں منعقد ہوگئی، یہاں تک کہ شام میں بھی ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ان کی حکومت تسلیم کرلی گئی۔

مروان نے جب دیکھا کہ بازی ہاتھ سے نکل گئی ہے تو اس نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے شام سے حجاز کا رُخ کرلیا مگر راستے میں اسے سانحۂ کربلاء کا سب سے بڑا مجرم عبیداللہ بن زیاد مل گیا۔ اس نے مروان کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت اور اپنی خلافت کے اعلان کا مشورہ دیا چنانچہ ذوالقعدہ ۶۴ھ میں جبکہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد کو چار ماہ گزر چکے تھے، مروان نے اُردن کے شہر جابیہ میں اپنے حامیوں کا ایک اجتماع منعقد کرکے اپنی خلافت کی بیعت لے لی اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے نائب ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ کے خلاف صف آرائی کرلی۔ اس موقع پر مروان نے دیکھا کہ کھلے میدان میں جنگ جیتنا مشکل ہے تو اُس نے ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ کو صلح کا فریب دیا اور جب وہ بے فکر ہوگئے تو یکا یک حملہ کردیا۔ یوں ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ شہید کردیے گئے اور ان کی فوج کو شکست ہوگئی۔ ان کے بعد مروانیوں نے حمص پر حملہ کرکے وہاں کے امیر حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کردیا۔ الغرض مروان نے محرم ۶۵ھ میں شام پر اپنی غیر شرعی حکومت قائم کرلی۔ (تاریخ الطبری: سنہ ۶۴ھ، ۶۵ھ؛ الکامل فی التاریخ، ؛ المنتظم لابن الجوزی، تاریخ الاسلام للذہبی، البدایۃ والنہایۃ: سنہ ۶۴ھ، ۶۵ھ)

مروان کی نام نہاد خلافت پر اس کے بھائی کی ہجو گوئی:

جب مروان نے شام میں اپنی حکومت قائم کی اور اسے خلافت کا نام دیا تو اس کے بھائی عبدالرحمن بن حکم نے، جو اس سے خفا تھا، اس کی ہجو کرتے ہوئے یہ اشعار کہے:

فَوَاللّٰہِ لَا اَدْرِیْ وَاِنِّیْ لَسَائِلٌ ..... حَلِیْلَۃَ مَضْرُوْبِ الْقَفَا کَیْفَ تَصْنَعُ

''اللہ کی قسم میں نہیں جانتا، میں تو بس گدی پر چوٹ کھائے ہوئے کی بیوی سے سوال کر رہا ہوں کہ وہ ایسے شخص کے ساتھ کیسے گزارا کرے گی؟''

لَحَا اللّٰہُ قَوْماً اَمَرُوْا اَخْیَطَ بَاطِلٍ ..... عَلَی النَّاسِ یُعْطِیْ مَا یَشَاءُ وَیَمْنَعُ

''اللہ ان لوگوں کو غارت کرے جنہوں نے کچے دھاگے (ناقابلِ اعتنا شخص) کو لوگوں پر حاکم بنا دیا کہ وہ جسے چاہے دے اور جسے چاہے روکے۔''

(اسد الغابۃ: ۴ ص ۳۶۹، ط دار الفکر)

عہد شکنی اور ولایتِ عہد کی تبدیلی:

جابیہ میں بنو اُمیہ کے منعقد ہونے والے اجتماع میں مروان بن الحکم کے ساتھ یہ طے کیا گیا تھا کہ اس کے ولی عہد بالترتیب خالد بن یزید اور عمرو بن سعید ہوں گے، یعنی مروان کے مرنے کے بعد یہی دو یکے بعد دیگرے حکمران بنیں گے۔ مگر مروان نے حکومت پر گرفت مضبوط کرتے ہی خالد اور عمرو بن سعید کی ولی عہدی منسوخ کر دی اور اپنے بیٹے عبد الملک اور اس کے بعد دوسرے بیٹے عبد العزیز کو ولی عہد مقرر کر دیا۔ (تاریخ الطبری: سنہ ۶۴ھ)

اس ولایتِ عہد کی کوئی شرعی حیثیت نہ تھی کہ مسلمانوں پر اسے ماننا واجب ہوتا کیوں کہ یہ ولی عہدی ایک باغی حاکم کی طرف سے اپنے مقبوضہ علاقے میں بزورِ شمشیر نافذ کی گئی تھی۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَاِنَّہٗ خَارِجٌ عَلَی ابْنِ الزُّبَیْرِ بَاغٍ، فَلَا یَصِحُّ عَهْدُهٗ اِلٰی وَلَدَیْهِ۔

''مروان عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف باغی تھا لہٰذا اس کا اپنے دو بیٹوں کو ولی عہد بنانا (شرعاً) جائز نہ تھا۔'' (تاریخ الاسلام للذہبی: ۶ ص ۱۳۳، تدمری)

مصر پر قبضہ، حجاز پر حملہ:

جمادی الآخرہ میں مروان نے حملہ کر کے مصر پر بھی قبضہ کر لیا۔ اپنے بیٹے عبد العزیز کو مصر کا والی اور موسیٰ بن نصیر کو اس کا وزیر بنا کر وہ واپس شام آ گیا۔ کچھ مدت بعد اس

نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف حجاز میں ایک لشکر بھیجا جس میں حجاج بن یوسف اور اس کا باپ بھی سپاہیوں کے طور پر شریک تھے۔ تاہم یکم رمضان ۶۵ھ کی فیصلہ کن جنگ میں مروانی فوج کو شکستِ فاش ہوگئی۔ (تاریخ الاسلام للذہبی: ۵/ ۴۲، ۴۳، ت تدمری؛ الکامل فی التاریخ: سنہ ۶۴ھ، ۶۵ھ، المنتظم لابن الجوزی: سنہ ۶۵ھ؛ البدایہ والنہایہ: سنہ ۶۵ھ)

عبرت ناک موت:

شام پر اپنی حکومت قائم کرنے کے بعد مروان فقط آٹھ ماہ زندہ رہا اور ۳ رمضان ۶۵ھ کو دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اس نے یزید بن معاویہ کی بیوہ اُمّ خالد سے شادی کی تھی۔ یزید کا بیٹا خالد اس کے گھر میں پل بڑھ رہا تھا مگر مروان کا سلوک اس سے اچھا نہ تھا۔ خصوصاً جب مروان نے اس کی ولی عہدی منسوخ کر کے اپنے بیٹے عبدالملک کو ولی عہد بنایا تو اس کے بعد وہ جان بوجھ کر خالد کی بے عزتی کرنے لگا تاکہ وہ اہلِ شام کی نظروں سے گر جائے۔ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

''پھر مروان کی رائے بدل گئی اور اس نے خالد بن یزید کے بجائے اپنے بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کے لیے ولی عہدی کا عہد کرلیا۔ وہ چاہتا تھا کہ خالد کے مقام کو گھٹا دے اور لوگوں کی نظر میں اسے بے وقعت کر دے۔ اس سے پہلے جب خالد مروان کے پاس آتا تو وہ اسے اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتا تھا، لیکن ایک دن جب خالد آیا اور اپنی معمول کی جگہ بیٹھنے لگا، تو مروان نے اسے جھڑک دیا اور کہا: اے فاحشہ کے بیٹے، پیچھے ہٹ! خدا کی قسم میں نے تجھ میں ذرہ برابر عقل نہیں پائی۔ خالد اس وقت غصے میں وہاں سے نکلا اور اپنی والدہ ام خالد کے پاس جا کر کہنے لگا: تم نے مجھے رسوا کر دیا، میری قدر گھٹا دی اور میرا سر نیچا کر دیا۔ ماں نے پوچھا: کیا بات ہوئی؟ خالد نے بتایا: تم نے اس شخص سے شادی کی اور اس نے آج میرے ساتھ یہ سلوک کیا۔ اور جو کچھ مروان نے کہا تھا وہ سب بتا دیا۔ ماں نے کہا: تمہاری زبان سے یہ بات کوئی اور نہ سنے، اور مروان کو یہ پتا نہ چلے کہ تم نے مجھے کچھ بتایا ہے؛ تم اس کے پاس اسی طرح جاتے رہو جیسے پہلے جاتے تھے اور اس معاملے کو دل میں چھپا لو،

میں تمہاری طرف سے اسے کافی ہو جاں گی اور اس سے تمہارا بدلہ لوں گی۔ چنانچہ خالد خاموش ہو گیا۔ پھر مروان، ام خالد کے پاس آیا اور پوچھا: آج میں نے خالد سے جو کچھ کہا تھا، کیا اس نے تم سے اس کا ذکر کیا؟ اس نے جواب دیا: اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا اور نہ ہی کوئی بات کی۔ مروان نے پھر پوچھا: کیا اس نے تمہارے پاس میری شکایت نہیں کی اور یہ نہیں کہا کہ میں نے اس کی توہین کی ہے؟

اُم خالد نے کہا: اے امیر المومنین! خالد کی نظر میں آپ کا مقام اس سے کہیں بلند ہے اور وہ آپ کی اتنی تعظیم کرتا ہے کہ آپ کی کہی ہوئی بات کا تذکرہ کرے یا آپ کی کسی بات کا برا مانے: آپ تو اس کے لیے والد کے درجے پر ہیں۔ مروان کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور اس نے سمجھا کہ معاملہ ویسا ہی ہے جیسا اس کی بیوی کہہ رہی ہے، چنانچہ وہ خاموش ہو گیا۔ کچھ عرصے بعد جب دوپہر کے سونے کا وقت ہوا تو مروان ام خالد کے پاس سو گیا۔ ام خالد اپنی لونڈیوں سمیت اٹھی اور انہوں نے مروان پر دروازے بند کر دیے۔ پھر اس نے ایک تکیہ لیا اور اسے مروان کے منہ پر رکھ دیا، اور وہ اور اس کی لونڈیاں اسے دباتی رہیں یہاں تک کہ اس کا دم نکل گیا۔ پھر ام خالد کھڑی ہوئی، اپنا گریبان چاک کیا اور اپنی لونڈیوں اور خادموں کو حکم دیا تو انہوں نے بھی اپنے کپڑے پھاڑے اور چیخ و پکار شروع کر دی کہ: امیر المومنین کا اچانک انتقال ہو گیا ہے۔" (المنتظم لابن الجوزی: ۶ ص ۴۹)

یہ واقعہ تقریباً سبھی مؤرخین نے اسی طرح لکھا ہے۔ اجمال یا تفصیل کا فرق ضرور ہے مگر حاصلِ کلام سب کا یہی ہے کہ:

ایک دن مروان نے خالد کو سب کے سامنے ماں کی فحش گالی دی۔ خالد نے اپنی والدہ کو بتایا۔ وہ آگ بگولا ہو گئی اور اس نے مروان کو ختم کرنے کا تہیہ کر لیا۔ جب مروان خواب گاہ میں محوِ استراحت تھا، خالد کی ماں نے کچھ لونڈیوں کو بلا کر مروان کے منہ پر ایک بڑا تکیہ رکھا اور سب نے اپنا بوجھ اس پر ڈال دیا۔ یوں مروان دم گھٹ

جانے کی وجہ سے فوت ہوگیا۔ دنیا کو اپنی سیاست کے بل پر اِدھر سے اُدھر کرنے والا ،گھریلو عورتوں کی سیاست سے مات کھا گیا۔

(تاریخ الاسلام للذہبی: ۵/ ۴۲، ۴۳، ت تدمری؛ الکامل فی التاریخ: سنہ ۶۴ھ، ۶۵ھ؛ تجارب الامم وتعاقب الہمم لابن مسکویہ: ۲ص ۱۰۶؛ البدایۃ والنہایۃ: سنہ ۶۵ھ؛ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ۵ص ۳۸؛ تاریخ دمشق: ۵۷ص ۲۶۲؛ اسد الغابۃ: ۵ص ۱۳۹)

قدرت کا عجیب انتقام:

بعض حضرات نے مروان کے قتل کے اس واقعے کو اس بناء پر جھٹلایا ہے کہ اگر مروان کو اُمّ خالد نے مروایا ہوتا تو مروان کا جانشین عبدالملک اُمّ خالد سے بدلہ ضرور لیتا۔ مگر یہ کوئی قوی دلیل نہیں۔ محلاتی سازشوں کی بکثرت مثالیں موجود ہیں کہ مقتول حکمران کے جانشینوں نے سیاسی مصلحت کے تحت گھریلو قاتلوں پر ہاتھ ڈالنے سے گریز کیا۔ عبدالملک اگر اُمّ خالد کو کٹہرے میں لاتا تو بنو مروان اور بنو سفیان کا وہ اتحاد پارہ پارہ ہوجاتا جو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت ختم کرنے کی خاطر قائم ہوا تھا۔ غور کریں کہ قدرت نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قاتل سے کیسا عجیب انتقام لیا کہ اولاد حکمران ہوکر بھی باپ کے قاتلوں کو برداشت کرتی رہی۔ جو اقتدار کے لیے صحابہ کا احترام بھول جائے ،اگر اس کی اولاد اقتدار کے لیے اس کا بدلہ بھلا دے تو تعجب کیسا!

☆☆☆

فصل سوئم:

مروان کی ولادت اور عدمِ زیارتِ نبویہ کی بحث

مروان کی ولادت کے بارے میں اَقوال:

مروان کی ولادت ۲ھ یا ۳ھ یا ۴ھ میں ہوئی تھی۔ ایک قول کے مطابق فتح مکہ کے موقع پر یعنی ۸ھ میں ہوئی تھی۔

امام ابوزُرعہ الرازی رحمہ اللہ (م ۲۶۴ھ) فرماتے ہیں:

"كَانَ مَرْوَانُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ ابْنَ خَمْسِ سِنِينَ أَوْ نَحْوَهُ۔"

"مروان رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں (یعنی وفات کے وقت) کم وبیش پانچ سال کا تھا۔" (المراسیل لابن ابی حاتم: ص ۱۹۸، ط الرسالۃ)

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولد بعد الهجرة بسنتين، وقيل: بأربع، و قال ابن شاهين: مات النبي ﷺ وهو ابن ثمان سنين، فيكون مولده بعد الهجرة بسنتين، قال: وسمعت ابن داؤد يقول: ولد عام أحد يعني سنة ثلاث۔

(ہجرت کے دوسال بعد پیدا ہوا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چار سال بعد۔ ابن شاہین رحمہ اللہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو وہ آٹھ سال کا تھا، پس اس کی ولادت ہجرت کے دوسال بعد بنتی ہے۔ کہتے ہیں: میں نے ابن داؤد رحمہ اللہ کو کہتے سنا کہ وہ غزوۂ اُحد کے سال پیدا ہوا یعنی سنہ تین ہجری میں) (الاصابۃ: ۶ ص ۲۰۳)

وَقَالَ مَالِك: ولد يَوْم أحد، وَقيل: يَوْم الْخَنْدَق، وَقيل: ولد بِمَكَّة، وَقيل: بِالطَّائِف، وَلم ير النَّبِي ﷺ۔

(امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: جنگِ احد کے دن پیدا ہوا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جنگِ خندق کے دن پیدا ہوا۔ یہ بھی کہا گیا کہ مکہ میں پیدا ہوا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ طائف میں پیدا ہوا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا) (عمدۃ القاری: ۱۱ ص ۴)

مروان کو زیارتِ نبویہ نصیب نہیں ہوئی تھی:

محدثین نے مروان کو ہرگز صحابی قرار نہیں دیا، کیوں کہ اسلامی مآخذ میں کوئی روایت ایسی نہیں جس میں اس کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات یا زیارت کا ذکر ہو۔ یہاں تک کہ عمرۂ قضا یا فتح مکہ کے موقع پر بھی مروان کا رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرنا کسی ضعیف روایت میں بھی مذکور نہیں۔ شرفِ صحابیت قیاساً ثابت نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ یہ بھی اِمکان ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ مکہ تشریف لے گئے تو ان دِنوں مروان بیمار ہوکر گھر میں پڑا ہو یا مکہ سے باہر رشتہ داروں کے ہاں ہو۔ پھر زیارت کے اِمکان کو ترجیح

دینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اور اگر ہو بھی تو امکان سے زیارت ثابت کیسے ہو سکتی ہے؟ اگر امکان سے زیارت ثابت ہوتی ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پانے والے جزیرۃ العرب کے ہر مسلمان کو صحابی کہنا چاہیے، چاہے اُس کا زیارت کرنا ثابت نہ ہو۔ مگر معرفتِ صحابہ کے اصول مقرر کرنے والے ائمہ نے ایسے اَفراد کو ہمیشہ الگ ذکر کیا اور انہیں ''مدرکین'' (فقط زمانہ نبوت پانے والے) کہہ کر یاد کیا ہے، تاکہ صحابہ کرام کی ممتاز حیثیت الگ رہے اور یہ غیر صحابہ اُن سے الگ پہچانے جائیں۔

مروان کو خدمتِ نبویہ میں بحالتِ شیر خوارگی لائے جانے کی روایات پر نقد:

ایک شدید ضعیف روایت میں ہے کہ مروان کو شیر خوارگی کی حالت میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں گھٹی کے لیے لایا گیا تھا۔ روایت یہ ہے:

حدثنا عبد الرزاق عن أبیہ عن مِینا مولی عبدِ الرحمن بن عوف قال: کان لا یولد لِاحد مولود اِلا أتی بہ النبی ﷺ فدعا لہ فدخل علیہ مروان فقال: ھو الوزغ بن الوزغ الملعون بن الملعون

''مِینا مولیٰ عبد الرحمن بن عوف سے مروی ہے کہ جب بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اُسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا جاتا تھا۔ پس آپ ﷺ اس کے لیے دعا فرماتے۔ پس آپ ﷺ کے پاس مروان لایا گیا، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ گرگٹ (منافق) کا بچہ گرگٹ ہے۔ یہ ملعون ابن ملعون ہے۔''

(الفتن لنعیم بن حماد، ح: ۱۷۳۱؛ المستدرک علی الصحیحین، ح: ۸۴۷۷)

اس روایت کو اگر معتبر مانا جائے تو مروان کی صحابیت یا رؤیت ممیزہ تو ثابت ہوگی نہیں۔ البتہ رسول اللہ ﷺ کی زبانی اس پر لعنت ضرور ثابت ہوگی۔ اگر اس روایت کو غیر معتبر مانا جائے تو مروان کی رؤیت غیر ممیزہ یعنی بے شعوری کی حالت میں خدمتِ نبویہ میں آنے کا کوئی برائے نام ثبوت بھی نہیں رہے گا۔ اس روایت کے راوی مِینا مولیٰ عبد الرحمن بن عوف کے بارے میں اصحابِ جرح وتعدیل کی آراء بڑی سخت ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

قال یحیی بن معین :لیس بثقة،وقال ابراهیم بن یعقوب الجوزجانی :انکر الائمة حدیثه لسوء مذهبه۔وقال ابو زرعة :لیس بقوی.وقال ابو حاتم: منکر الحدیث.روی احادیث فی اصحاب النبی ﷺ مناکیر لا یعبأ بحدیثه، کان یکذب.

(یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں۔ ابراہیم بن یعقوب جوزجانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ائمہ حدیث نے اس کی بدعقیدگی کے باعث اس کی روایت کو منکر قرار دیا ہے۔ ابوزرعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ قوی نہیں۔ ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: منکر الحدیث تھا، اس نے اصحاب نبی کے بارے میں منکر روایات نقل کیں، اس کی روایت کو کچھ حیثیت نہ دی جائے، وہ کذاب تھا) (تہذیب الکمال:۲۹ ص۲۴۶)

ان تمام آراء کا خلاصہ ابن حجر رحمہ اللہ نے یوں نقل کیا ہے:

متروک، ورمی بالقدر، وکذبه ابو حاتم۔

(متروک راوی ہے۔ اس پر قدری فرقے سے ہونے کی جرح ہے۔ ابو حاتم نے اسے کذاب قرار دیا ہے) (تقریب التہذیب، تر:۷۰۵۹)

الغرض راوی متروک ہے، اسی بناء پر بعض علماء نے اس روایت کو موضوع کہا ہے۔ بہرکیف اگر اس روایت کو ثابت مانا جائے تو مجرد رؤیت سے مروان کی صحابیت ثابت نہ ہوگی، البتہ منافقت اور لعنت ثابت ہو جائے گی۔

دوسری روایت:

حدثنا عبد الله بن مروان المروانی، عن ابی بکر بن أبی مریم، عن راشد بن سعد، أن مروان بن الحکم، لما وُلِدَ دُفِعَ الی رسول الله ﷺ لیدعو له، فأبی أن یفعل، ثم قال: ابن الزرقاء، هلاک عامة أمتی علی یدیه ویدی ذریته۔

(راشد بن سعد سے مروی ہے کہ مروان بن حکم جب پیدا ہوا تو اسے نبی ﷺ کی خدمت میں بھیجا گیا تا کہ اس کے لیے آپ دعا کریں، پس آپ نے اس سے انکار کر دیا اور فرمایا: نیلی آنکھوں والی کا بیٹا! میری اُمت کی عمومی ہلاکت اس کے ہاتھوں اور اس کی اولاد کے ہاتھوں ہوگی) (کتاب الفتن لنعیم بن حماد، ح:۳۱۰)

یہ روایت بھی سنداً ضعیف ہے۔ اس میں راوی کا ضعف بھی ہے اور انقطاع بھی۔ بہرکیف اگر وکلائے مروان کو یہ روایت قبول ہے تو بسروچشم۔ مگر یاد رہے کہ اسے مان کر بھی مروان کی رؤیت مجردہ ثابت ہوگی نہ کہ صحابیت۔ نیز رسول اللہ ﷺ کا مروان کے لیے دعا سے انکار بھی تسلیم کرنا ہوگا اور ساتھ ہی وہ پیش گوئی بھی ثابت ماننا پڑے گی جو اس روایت میں مذکور ہے۔

دلچسپ بات:

مروان کے وکلائے صفائی جو مروان کے فضائل وکمالات کھوجتے رہتے ہیں اور اس کے لیے بے سند اور رَطب ویابس روایتیں بھی ہر جگہ سے اُٹھا لیتے ہیں ،وہ مدتوں سے اس تلاش میں ہیں کہ مروان کو زیارتِ نبویہ نصیب ہونے کی کوئی ایک روایت ہی ڈھونڈ نکالیں مگر تلاشِ بسیار کے بعد بھی انہیں یہی دو روایتیں ملتی ہیں جو مفید ہونے کی بجائے اُن کے مقصد کے برعکس ہیں۔ پس ان روایات سے واقفیت کے باوجود وہ ان کا ذکر بالکل نہیں کرتے ، بلکہ چپ سادھنے ہی میں عافیت سمجھتے ہیں۔ انکار اس لیے نہیں کرسکتے کہ یہی تو ان کی کُل متاع ہے۔ پیش کرنے سے اس لیے کتراتے ہیں کہ یہ روایات الٹا مروان کے گلے پڑ جائیں گی۔

مروان کی رؤیت ثابت کرنے کے لیے یہ روایات قابلِ قبول نہیں:

غالباً امام نعیم بن حماد رحمہ اللہ کی ''کتاب الفتن'' میں نقل کردہ انہی دونوں شدید ضعیف روایات کے حاصلِ مطلب کو ابن حجر رحمہ اللہ نے کسی کتاب کا حوالہ دیے بغیر ''قیل'' سے (بے سند) نقل کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ مروان پیدا ہوتوا سے گھٹی دلوانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔

وقیل: إن أمه لما ولدا رسلت به إلى النبي ﷺ ليحنكه

(کہا گیا ہے کہ مروان جب پیدا ہوا تو اس کی ماں نے اُسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا تا کہ آپ ﷺ اُسے گھٹی دیں) (الاصابۃ:۶ص ۲۰۴)

اگر یہ نعیم بن حماد رحمہ اللہ کی نقل کردہ دو روایات کا حاصلِ مطلب ہے تو اُن کا اسنادی حال اوپر گزر چکا۔ اگر یہ کوئی الگ روایت ہے تب بھی بالکل ساقط ہی شمار ہوگی کیوں کہ یہ واقعہ نہ سنداً ثابت ہے، نہ اس کا امکان ہے۔ کیوں کہ:

☆ سنداً تب ثابت ہو جب کوئی سند موجود ہوتی۔

☆ عقلاً امکان تب ہو سکتا تھا جب مروان کی ولادت فتح مکہ کے موقع پر مانی جاتی۔

☆ اگر مروان کی ولادت فتح مکہ سے پہلے ہوئی تھی تو اس وقت اس کے والدین مسلمان نہ تھے، تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی کافر اپنے بچے کو رسول اللہ ﷺ کے پاس گھٹی دلانے کے لیے لے کر آئے۔

☆ اگر مروان فتح مکہ کے ایام میں پیدا ہوا ہوتا تو گھٹی دینے والی روایت ممکن ہو سکتی تھی مگر اس سے بے شعوری کی رؤیت ہی ثابت ہو پاتی جو شرفِ صحبت کے لیے بالکل مفید نہیں۔

☆ اگر مروان کی ولادت ۲ھ یا ۳ھ میں مانی جائے جیسا کہ بعض حضرات کا قول ہے تو رسول اللہ ﷺ کی فتح مکہ کے موقع پر مکہ تشریف آوری کے وقت مروان پانچ چھ سال کا ہوگا۔ اتنے بڑے بچے کو گھٹی نہیں دی جاتی۔ پس یہ روایت عقلاً بالکل جھوٹی ثابت ہوگی۔

الغرض کوئی قابلِ قبول ضعیف روایت بھی ایسی نہیں جو مروان کو بے شعوری کی حالت میں بھی شرفِ زیارت سے مشرف ثابت کر سکے، چہ جائے کہ حالتِ شعور میں اس کے لیے زیارت کا شرف مانا جائے۔

ایسی روایات سے مروان کے لیے رؤیت کے ثبوت پر حافظ ابن حجرؒ کا نقد:

خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان روایات کے حاصلِ مطلب کو نقل کر کے اس پر سخت نقد کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

وقیل: إن أمه لما ولدا رسلت به إلى النبی ﷺ ليحنكه، وهذا مشكل على ما ذكروه في سنة مولده، لأنه إن كان قبل الهجرة فلم تكن أمه أسلمت، وإن

كان بعدها فإنها لم تهاجر به، والنبیﷺ إنما دخل مكة بعد الهجرة عام القضية، وذلك سنة سبع، ثم في الفتح سنة ثمان، فإن كان ولد حينئذ بعد إسلام أبويه استقام، لكن يعكر على من زعم أنه كان له عند الوفاة النبوية ستّ سنين أو ثمان أو أكثر۔

''کہا گیا ہے کہ مروان پیدا ہوا تو اس کی ماں نے اُسے رسول اللہ ﷺ کے پاس گھٹی دلانے کے لیے بھیجا۔ مگر علماء نے مروان کی ولادت میں جو اقوال ذکر کیے ہیں، انہیں دیکھتے ہوئے، اس روایت کا ثابت ہونا مشکل ہے، کیوں کہ اگر یہ واقعہ ہجرت سے پہلے (رسول اللہ ﷺ کے مکہ میں رہائش کے زمانے) کا ہے تو مروان کی ماں اُس وقت مسلمان ہی نہ تھی۔ اور اگر یہ واقعہ ہجرت مدینہ کے بعد کا ہے، تو مروان کی ماں نے اُسے لے کر ہجرت نہیں کی تھی۔ اور خود رسول اللہ ﷺ ہجرت کے بعد عمرہ قضاء کے سال مکہ میں داخل ہوئے تھے، جو ۷ھ تھا، اس کے بعد ۸ھ میں فتح مکہ کے وقت داخل ہوئے تھے۔ پس اگر مروان اپنے والدین کے اسلام لانے کے بعد (فتح مکہ کے وقت) پیدا ہوا تھا تو یہ قول درست ہوگا مگر یہ (گھٹی دلانے والی) بات اُن حضرات کے قول کے مطابق ثابت نہیں ہوسکی جن کے مطابق مروان وفاتِ نبوی کے وقت چھ، یا آٹھ یا زیادہ برس کا تھا۔'' (الاصابۃ: ۶ ص ۲۰۴)

آخر میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ یہی امکان ظاہر فرماتے ہیں کہ مروان اپنے والدین کے اسلام قبول کرتے وقت غیر عاقل بچہ تھا۔ پس فتح مکہ کے بعد باپ کے ساتھ طائف چلا گیا تھا۔ اگر اس کے لیے زیادہ سے زیادہ کچھ ثابت ہوگا تو وہ مجرد رؤیت ہی ہے:

فكأنه لم يكن حينئذ مميزا، ومن بعد الفتح أخرج أبوه إلى الطائف وهو معه۔ فلم يثبت له ازيد من الرؤية۔

''پس ایسا لگتا ہے کہ مروان اُس وقت سنِ شعور کو نہ پہنچا تھا اور فتح کے بعد اُس کے باپ کو طائف کی طرف نکال دیا گیا اور یہ بھی ساتھ تھا۔ پس اس کے لیے

رؤیت (یعنی رؤیت مجردہ جو ثبوت صحبت کے لیے کافی نہیں) سے زیادہ کچھ بھی نہیں ثابت ہوسکتا۔" (الاصابۃ:۶ ص ۲۰۳)

کیا مروان کا بچپن اپنے باپ کے ساتھ مدینہ میں گزرا تھا؟

بعض حضرات کا دعویٰ ہے کہ مروان کے باپ حکم بن ابی العاص نے مسلمان ہوکر باقی زندگی مدینہ میں گزاری تھی اور مروان اپنے والد کی وفات تک ساتھ ہی مدینہ شریف میں رہا۔ (یہ دعویٰ اس لیے ہے تاکہ اس ضمن میں مروان کو دور نبوت میں مدینہ کا رہائشی مان لیا جائے اور یوں اس کی صحابیت کا امکان پیدا ہوسکے۔)

مروانیوں کی پیش کردہ ابن سعد کی روایت اور اس کی اسنادی حیثیت:

اس بارے میں یہ حضرات درج ذیل روایت پیش کرتے ہیں:

قَالُوا: قُبِضَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ وَمَرْوَانُ بْنُ الْحَکَمِ ابْنُ ثَمَانِی سِنِینَ، فَلَمْ یَزَلْ مَعَ أَبِیہِ بِالْمَدِینَۃِ حَتَّی مَاتَ أَبُوہُ الْحَکَمُ بْنُ أَبِی الْعَاصِ فِی خِلَافَۃِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ

"لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو مروان آٹھ سال کا تھا۔ پس وہ مسلسل اپنے باپ کے ساتھ مدینہ میں رہا یہاں تک کہ اس کے والد حکم بن ابی العاص کی حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) کے دور میں وفات ہوگئی۔"

(طبقات ابن سعد: ۵ ص ۳۶، ط صادر)

یہ روایت سنداً بے حیثیت ہے۔ اس کے تمام شیوخ مجاہیل ہیں جنہیں ابن سعد رحمہ اللہ نے "قالوا" سے تعبیر کیا ہے۔ ان میں کتنے کذاب راوی ہوں گے، کتنے متروک، کچھ معلوم نہیں۔ پس سنداً اس روایت کی کچھ حیثیت نہیں۔ اس سے مروان یا حکم بن ابی العاص کا مدینہ میں رہنا بالکل ثابت نہیں ہوسکتا۔

ابن سعد کی دوسری روایت جو مذکورہ روایت سے متصادم ہے:

مزید یہ کہ خود ابن سعد کی اسی قسم کی سند سے مذکور دوسری روایت اس کے بالکل برعکس ہے۔

الْحَكَمُ بْنُ أَبِي الْعَاصِ بْنِ أُمَيَّةَ... أَسْلَمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَلَمْ يَزَلْ بِهَا حَتَّى كَانَتْ خِلَافَةُ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ فَأَذِنَ لَهُ فَدَخَلَ الْمَدِينَةَ فَمَاتَ بِهَا فِي خِلَافَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ۔

''حکم بن ابی العاص نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا۔..... پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت تک مکہ میں رہا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں مدینہ آنے کی اجازت دی اور وہاں آنے کے بعد حکم بن ابی العاص نے وہیں وفات پائی۔'' (طبقات ابن سعد: ۵ ص ۴۴۷، ط صادر)

حکم بن ابی العاص کے قبول اسلام کا ثبوت بھی یہی واحد روایت ہے جو بے سند ہے۔

صورتحال یہ ہے کہ ان دونوں روایات کا متن باہم یکسر متصادم ہے۔ ایک کے مطابق حکم بن ابی العاص کا قیام مدینہ میں رہا۔ دوسری روایت کے مطابق مکہ میں رہا۔ دونوں کے رواۃ مجہول ہیں۔ اگر سنداً دونوں روایات قابل قبول ہوتیں، تب بھی باہمی تعارض کے باعث یہ دونوں اس باب میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچا سکتی تھیں بلکہ ''اذا تعارضا تساقطا'' کے تحت یہ دونوں روایات ساقط تھیں۔ درحقیقت یہ دونوں روایات تو سنداً ساقط ہونے کے ساتھ ساتھ متناً بالکل نا قابل استدلال ہیں کیوں کہ ان کی بہ نسبت اقویٰ روایات موجود ہیں جو انہیں غلط ثابت کرتی ہیں۔

الغرض یہ دونوں روایات تو خارج از بحث ہیں۔ قوی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حکم بن ابی العاص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت مکہ سے طائف نقل مکانی کا حکم دیا جب وہ عارضی طور پر کچھ دنوں کے لیے مدینہ منورہ آیا ہوا تھا۔ اس کی خلاف ادب حرکات کے باعث اُسے دھتکار دیا گیا۔ پس وہ مدینہ سے مکہ جا کر اپنے کنبے سمیت طائف منتقل ہو گیا۔ یہ سزا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور تک نافذ رہی۔

طلقاء کو مدینہ میں سکونت کی اجازت نہ تھی۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بیان:

نیز حکم بن ابی العاص قیام مدینہ میں رہنا، جہاں سنداً ثابت نہیں، وہاں ایک تاریخی حقیقت کے بھی خلاف ہے جو یہ ہے کہ حکم بن ابی العاص کا شمار فتح مکہ کے

موقع پر معاف کیے گئے ان دوہزار افراد میں ہوتا ہے جنہیں ''طلقاء'' کہا جاتا تھا۔ان میں سے کسی کو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں مدینہ میں مستقل قیام کی اجازت نہیں تھی۔امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والطلقاء ليس فيهم من هاجر، بل قال النبي ﷺ: لا هجرة بعد الفتح ولكن جهاد ونية۔ولما قدم صفوان بن أمية مهاجرا أمره النبي ﷺ بالرجوع الى مكة، ولما أتاه العباس برجل ليبايعه على الهجرة وأقسم عليه، أخذ بيده وقال: إني أبررت قسم عمي ولا هجرة بعد الفتح، وكان العباس قد خرج من مكة الى المدينة قبل وصول النبي ﷺ اليها عام الفتح، فلقيه في الطريق، فلم تكن الطلقاء تسكن بالمدينة، فان كان قد طرده فانما طرده من مكة لا من المدينة، ولو طرده من المدينة لكان يرسله الى مكة.

''طلقاء میں سے کسی نے ہجرت نہیں کی بلکہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا: فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں، لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔جب صفوان بن امیہ ہجرت کر کے آئے تو نبی ﷺ نے انہیں مکہ واپسی کا حکم دیا۔جب عباس رضی اللہ عنہ ایک شخص کو آپ ﷺ کے پاس لائے تا کہ وہ ہجرت پر بیعت کرے اور اس پر قسم کھائی، تو آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: میں نے اپنے چچا کی قسم پوری کر دی، مگر فتح کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔عباس رضی اللہ عنہ فتح مکہ والے سال نبی ﷺ کے مکہ پہنچنے سے پہلے مدینہ کے لیے نکلے تھے اور راستے میں آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی تھی۔چنانچہ طلقاء مدینہ میں رہتے ہی نہیں تھے۔پس اگر آپ ﷺ نے حکم کو نکالا تھا تو مکہ سے نکالا تھا نہ کہ مدینہ سے۔'' (منہاج السنۃ:۶ ص۲۶۶)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت جو فیصلہ کن ہے:

درحقیقت اس بارے میں راجح قول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کا ہوسکتا ہے جو حکم بن ابی العاص کے بھتیجے تھے اور انہی کی خاص توجہ سے حکم بن ابی العاص کی

طویل جلاوطنی ختم ہوئی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان یہ ہے کہ حکم بن ابی العاص کو مکہ سے طائف جلاوطن کیا گیا تھا۔

والحکم مکی، سیّرہ رسول اللہ ﷺ من مکۃ إلی الطائف۔

''حکم مکہ کا رہنے والا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُسے مکہ سے طائف بھیجا تھا۔'' (تاریخ الطبری: ۴ ص ۳۴۷)

اس سے ثابت ہوا ہے کہ حکم کا قیام فتح مکہ کے بعد بھی مکہ ہی میں رہا تھا اور وہیں سے طائف کی طرف جلاوطنی ہوئی۔ یعنی مروان اور اس کے باپ کو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں مدینہ میں قیام کا موقع نہیں ملا تھا۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے اشکال اور اس کا جواب:

بعض حضرات یہاں تعارض دکھانے کے لیے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کرتے ہیں جس کے مطابق حکم کی جلاوطنی مدینہ سے طائف کی طرف ہوئی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: إِنَّمَا كَانَ نَفْيُ النَّبِيِّ ﷺ الْحَكَمَ بْنَ أَبِي الْعَاصِ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى الطَّائِفِ۔

(ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے حکم بن ابی العاص کو مدینہ سے طائف جلاوطن کیا تھا) (المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۲ ص ۱۴۸)

مگر یہ روایت قابلِ اعتماد نہیں کہ اس کی سند میں مدرک بن سلیمان مجہول ہے لہٰذا روایت حجت نہیں بن سکتی ہے۔

حکم بن ابی العاص کی مدینہ یا مکہ سے جلاوطنی کی روایات میں کوئی تعارض نہیں:

اگر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول کو (کہ حکم کی جلاوطنی مدینہ سے ہوئی تھی) معتبر مانا جائے تب بھی وہ ہمارے دعوے کے منافی نہیں۔ یہ قول اس پر محمول ہے کہ ان دنوں حکم نے بطورِ زائر کچھ وقت مدینہ میں گزارا تھا۔ یہاں اس نے آدابِ نبوت بلکہ آدابِ معاشرت تک کا خیال نہیں رکھا چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا حکم یہ ہوا کہ وہ مدینہ سے فی الفور نکلے اور اپنے آبائی شہر مکہ سے مستقل نقل مکانی

کر کے طائف چلا جائے۔ اس واقعے کے ثبوت پر روایات آگے آرہی ہیں جن سے حَکَم کا کچھ وقت مدینہ میں گزارنا ثابت ہے مگر ان سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حَکَم نے مدینہ کو وطن بنالیا تھا۔ ہاں عارضی قیام کیا تھا اور اسی دوران بے ادبی کرنے پر جلاوطنی کا حکم ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس سزا کے نفاذ کا اعلان مدینہ میں ہوا تھا، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ حکم بن ابی العاص کی بے ادبی دیکھ کر اسے فوراً طائف جانے کا حکم دیا گیا، چنانچہ وہ مدینہ سے نکالا گیا اور مکہ چلا گیا، وہاں سے اپنے کنبے کو طائف لے گیا۔ یوں اس کا اُن روایات سے کوئی تعارض نہیں جن میں حَکَم کو مکہ سے شہر بدر کر کے طائف بھیجنے کا ذکر ہے۔

تنبیہ: یہ ذہن میں رہے کہ یہ چاروں روایات (ابن سعد کی دونوں باہم متعارض روایات، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول) سنداً ضعیف ہیں۔ ان چاروں ضعیف روایات میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول راجح ہونا چاہیے، کیوں کہ:

☆ وہ خلیفۂ راشد تھے اور متنازعہ مسائل میں رسول اللہ ﷺ نے انہی کی اتباع کا حکم دیا ہے: فرمانِ نبوی ہے:

"علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین"

(تم پر لازم ہے میری سنت کو تھامنا اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے کو اختیار کرنا)

(سنن ابی داؤد، ح: ۴۶۰۷، باب فی لزوم السنة؛ سنن الترمذی، ح: ۲۶۷۶)

☆ وہ حکم بن ابی العاص کے بھتیجے یعنی قریب ترین رشتہ دار تھے، پس اپنے چچا کے حال سے وہی زیادہ واقف تھے۔

☆ انہیں حکمران ہونے کے لحاظ سے مسئلے کی تحقیق کے وہ وسائل مہیا تھے جو دوسروں کو نہ تھے۔

پس ان میں سے جس روایت کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قول سے تطبیق ممکن ہو، وہی قابلِ قبول ہوگی۔

فصل چہارم:

حکم بن ابی العاص کی بے ادبی اور جلاوطنی کی روایات

اس فصل میں لائی گئی روایات کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ مروان کے والد حکم بن ابی العاص کو رسول اللہ ﷺ نے واقعی جلاوطن کیا تھا اور اسی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مروان کا قیام کبھی بھی رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں مدینہ منورہ میں نہیں ہوسکا، اسی لیے اسے زیارت نبویہ کا موقع نہیں ملا۔ نیز یہ بھی واضح کرنا ہے کہ حکم بن ابی العاص کو بعض ایسی حرکات کے باعث جلاوطن کیا گیا تھا جو رسول اللہ ﷺ کی خفگی کا باعث بنیں۔ بطور ثبوت درج ذیل روایات دیکھیے:

(۱) روایت صحیح بخاری

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک بار مدینہ میں کسی نے حضور ﷺ کی خلوت گاہ میں جھانکنے یا چھپ کر باتیں سننے کی کوشش کی:

عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ رَجُلًا اطَّلَعَ مِنْ بَعْضِ حُجَرِ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَامَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ بِمِشْقَصٍ أَوْ: بِمَشَاقِصَ، فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ يَخْتِلُ الرَّجُلَ لِيَطْعَنَهُ۔

(حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے کسی حجرے میں جھانکا تو رسول اللہ ﷺ ایک بھالا لے کر اس کی طرف اٹھ کھڑے ہوئے، گویا کہ میں وہ منظر دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اُس پر اچانک جھپٹنے کے لیے موقع دیکھ رہے تھے کہ اُسے وہ بھالا چبھو دیں) (صحیح البخاری، ح: ۶۲۴۲)

شارحینِ حدیث کے قولِ مشہور میں یہ حرکت حکم بن ابی العاص کی طرف منسوب ہے۔ (فتح الباری: ۱۰ ص ۳۶۷؛ ۱۲ ص ۲۴۳، ۲۴۴؛ عمدۃ القاری: ۲۲ ص ۶۰)

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی تشریح:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قوله ان رجلا اطلع ای نظر من علو۔ وهذا الرجل لم أعرف اسمه

صریحا لکن نقل بن بشکوال عن أبی الحسن بن الغیث أنه الحکم بن أبی العاص بن أمیة والد مروان، ولم یذکر مستندا لذلک ،ووجدت فی کتاب مکة للفاکهی من طریق أبی سنان عن الزهری وعطاء الخرسانی أن أصحاب رسول اللہ ﷺ دخلوا علیه وهو یلعن الحکم بن أبی العاص وهو یقول اطلع علی وأنا مع زوجتی فلان فکلح فی وجهی۔

(حدیثِ صحیح بخاری میں ہے: ایک شخص نے جھانکا، یعنی بلندی سے دیکھا۔ مجھے اس شخص کا نام صراحت کے ساتھ معلوم نہیں ہوسکا، لیکن ابن بشکوال رحمہ اللہ نے ابوالحسن بن الغیث سے نقل کیا ہے کہ وہ حکم بن ابی العاص بن امیہ (مروان کا باپ) تھا۔ تاہم انہوں نے اس کی کوئی سند ذکر نہیں کی۔ تاہم میں نے فاکہی رحمہ اللہ کی کتاب مکہ میں ابوسنان کے واسطے سے زہری رحمہ اللہ اور عطاء خراسانی رحمہ اللہ سے مروی پایا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ آپ ﷺ کے پاس داخل ہوئے تو آپ ﷺ حکم بن ابی العاص پر لعنت فرما رہے تھے اور فرما رہے تھے: اس نے مجھ پر اس وقت جھانکا جب میں اپنی فلاں زوجہ کے ساتھ تھا، پھر اس نے میرے سامنے برا سامنہ بنایا) (فتح الباری: ۱۲ص ۲۴۳، طدارالمعرفۃ بیروت)

(۲) روایتِ فاکہی رحمہ اللہ

فاکہی رحمہ اللہ کی یہ روایت جس میں جھانکنے کی حرکت صراحتاً حکم بن ابی العاص کی بیان کی گئی ہے، درج ذیل ہے:

روی الفاکهی من طَرِیق حَمَّاد بن سَلمَة حَدثنَا أَبُو سِنَان عَن الزُّهرِی وَعَطَاء الْخُرَاسَانِی أَن أَصْحَاب النَّبِی ﷺ دَخلُوا عَلَیْهِ وَهُوَ یلعن الحکم ابْن أبی الْعَاصِ فَقَالُوا یَا رَسُول الله مَا لَهُ؟ قَالَ دخل علی شقّ الْجِدَار وَأَنا مَعَ زَوْجَتی فُلَانَة فکلح فِی وَجْهی، فَقَالُوا: أَفلا نلعنه نَحن؟ قَالَ: لَا، کَأَنِّی أنظر إِلَی بنیه یصعدون منبری وینزلونه۔ فَقَالُوا یَا رَسُول الله: أَلا نَاخذهم، قَالَ: لا، ونفاه رَسُول

ﷺ۔

''ہمیں ابوسنان نے زہری اور عطاء خراسانی سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ آپ کے پاس داخل ہوئے تو آپ ﷺ حکم بن ابی العاص پر لعنت فرما رہے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اسے کیا ہوا؟ اس نے کیا کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے دیوار کی دراڑ سے مجھے اس وقت جھانک کر دیکھا جب میں اپنی فلاں زوجہ کے ساتھ تھا، پھر اس نے میرے سامنے برا سامنہ بنایا۔ صحابہ نے عرض کیا: کیا ہم بھی اس پر لعنت نہ بھیجیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، لعنت نہ کرو۔ گویا میں اس کے بیٹوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ میرے منبر پر چڑھ رہے ہیں اور اتر رہے ہیں (یعنی اقتدار سنبھالیں گے۔) صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم انہیں ابھی پکڑ نہ لیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے جلاوطن کر دیا۔'' (اخبار مکۃ للفاکہی: ۵ ص ۲۲۶) من مراسیل الزہری، رجالہ ثقات، وابوسنان ہو عیسیٰ بن سنان الشامی (م بعد ۱۴۰ھ) لین الحدیث۔ (تقریب التہذیب، تر: ۵۲۹۵)

(۳) روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ

درج ذیل روایت اگرچہ ضعیف ہے مگر اس واقعے کو زیادہ تفصیل سے بیان کرتی ہے اور اس میں حکم بن ابی العاص کا نام مذکور ہے:

عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: إِنَّمَا كَانَ نَفْيُ النَّبِيِّ ﷺ الْحَكَمَ بْنَ أَبِي الْعَاصِ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى الطَّائِفِ، بَيْنَمَا النَّبِيُّ ﷺ فِي حُجْرَتِهِ فَإِذَا هُوَ إِنْسَانٌ يَطَّلِعُ عَلَيْهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: الْوَزَغَ، الْوَزَغَ، فَنَظَرَ فَإِذَا هُوَ الْحَكَمُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اخْرُجْ لَا تُسَاكِنِّي بِالْمَدِينَةِ مَا بَقِيتُ، فَنَفَاهُ إِلَى الطَّائِفِ۔

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ کا حکم بن ابی العاص کو مدینہ سے طائف کی طرف جلاوطن کرنے کا واقعہ یوں ہوا کہ جب نبی کریم ﷺ اپنے حجرے میں تشریف فرما تھے، تو اچانک ایک شخص نے آپ کو جھانک کر دیکھا۔ نبی کریم ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا: گرگٹ، گرگٹ۔ (یعنی یہ تو وہی گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والا شخص ہے۔) پس وہ

حکم تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نکل جا، جب تک میں زندہ ہوں تو مدینہ میں میرے ساتھ نہیں رہے گا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اسے طائف کی طرف جلاوطن کر دیا) (المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۲ص ۱۴۸) اسنادہ ضعیف

ان روایات کا ضعف نقصان نہیں کیوں کہ بعض صحیح روایات ان کی مؤید ہیں:

بعض حضرات یہاں حکم بن ابی العاص کی جلاوطنی کی روایات کو یکسر موضوع قرار دے کر اس باب کو بند کر دیتے ہیں جبکہ یہ غیر علمی طریقہ ہے۔ کسی قدیم محدث نے ان روایات کو موضوع نہیں کہا، ہاں بعض پر ضعف کا حکم لگایا ہے۔ روایات کے ضعیف ہونے اور موضوع ہونے میں بڑا فرق ہے۔ پھر اگر ضعیف روایات کے مجموعے کو بعض صحیح روایات کی تائید حاصل ہو تو وہ یقیناً مقبول مانی جاتی ہیں۔

☆☆☆

فصل پنجم:

حکم بن ابی العاص پر لعنت کی روایات

اس فصل کا مقصد حکم بن ابی العاص کی جلاوطنی کی روایات کو تقویت دینے والی کچھ روایات پیش کرنا ہے۔ یہ ایسی صحیح یا حسن روایات ہیں جن میں حکم بن ابی العاص پر حضور ﷺ کی لعنت منقول ہے اور یوں جلاوطنی کی عقلی وجہ بخوبی سمجھ آجاتی ہے۔ چنانچہ درج ذیل روایات اس بارے میں قابل ملاحظہ ہیں:

(۱) روایت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، در مسندِ بزار۔ بسند صحیح

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَبَيْنَا نَحْنُ عِنْدَهُ إِذْ قَالَ: لَيَدْخُلَنَّ عَلَيْكُمْ رَجُلٌ لَعِينٌ، وَكُنْتُ تَرَكْتُ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ يَلْبَسُ ثِيَابَهُ لِيَلْحَقَنِي فَمَازِلْتُ أَنْظُرُ وَأَخَافُ حَتَّى دَخَلَ الْحَكَمُ بْنُ أَبِي الْعَاصِ۔

(حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ہم آپ ﷺ کے پاس ہی تھے کہ اچانک

آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس ابھی ایک ایسا شخص داخل ہوگا جس پر اللہ کی لعنت ہے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں وہاں آنے سے پہلے (اپنے والد) عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو کپڑے پہنتے ہوئے چھوڑ آیا تھا تاکہ وہ میرے پیچھے وہاں پہنچ سکیں، تو میں مسلسل دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا اور ڈر رہا تھا کہ کہیں وہ میرے والد نہ ہوں، یہاں تک کہ حکم بن ابی العاص داخل ہوا) (مسند البزار: ۶ ص ۳۴۴)

قال الالبانی: اسنادہ صحیح علیٰ شرط مسلم (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۷ ص ۷۲۰)

ذکر الرجال:

☆ احمد بن محمد بن یحییٰ بن سعید القطان البصری (م ۲۵۸ھ) صدوق۔

(تقریب التہذیب، تر: ۱۰۶)

☆ عبداللہ بن نمیر (م ۱۹۹ھ) ثقہ، راویٔ صحیحین

(تقریب التہذیب، تر: ۳۶۸۶)

☆ عثمان بن حکیم بن عباد الانصاری الکوفی (م نحو ۱۴۰ھ) راویٔ صحیح مسلم، ثقہ

(تقریب التہذیب، تر: ۴۴۶۱)

☆ ابوامامۃ، اسعد بن سہل بن حنیف (م ۱۰۰ھ) راویٔ صحیحین،

(۲) روایت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، در مسند احمد، بسند صحیح

لعنت کی یہ روایت مسند احمد میں بھی منقول ہے۔

حدثنا ابن نمیر، حدثنا عثمان بن حکیم، عن ابی امامۃ بن سہلِ بنِ حنیف، عن عبدِ اللّٰہِ بنِ عمرو، قال: کنا جلوسا عِند النبیِ ﷺ، وقد ذھب عمرو بن العاصِ یلبس ثیابہ لِیلحقنِی، فقال ونحن عِندہ: لیدخلن علیکم رجل لعِین فواللّٰہِ مازِلت وجِلا، اتشوف داخِلا وخارِجا حتی دخل فلان یعنِی الحکم"

(حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور (میرے والد) عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے کپڑے پہننے گئے تھے تاکہ تیار ہو کر میرے پیچھے وہاں پہنچ سکیں۔ پس جب

ہم آپ ﷺ کے پاس ہی تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس ابھی ایک ایسا شخص داخل ہوگا جس پر اللہ کی لعنت ہے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! میں مسلسل ڈر رہا تھا اور بار بار مڑ کر اندر آنے والے اور باہر جانے والے کو دیکھ رہا تھا کہ کہیں وہ میرے والد نہ ہوں، یہاں تک کہ فلاں شخص یعنی حَکَم داخل ہوا) (مسند احمد، ح: ۶۵۲۰) قال المحقق الارنؤوط: اسنادہ صحیح علی شرط مسلم

مسند احمد کی اس روایت پر اعتراض اور اس کا جواب:

بعض حضرات یہاں حیلہ جوئی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اصل روایت میں حکم بن ابی العاص کا نام موجود نہیں تھا۔ آخر میں کسی راوی نے ''یعنی'' کے ساتھ یہ من گھڑت اضافہ کر دیا ہے۔ پس یہ مدرج ہے اور معتبر نہیں۔

ان حضرات کی یہ حیلہ جوئی بالکل خلاف اصول ہے کیوں کہ:

(۱) کتب علوم حدیث میں کہیں بھی یہ قاعدہ مذکور نہیں کہ ''ای'' اور ''یعنی'' وغیرہ کے ساتھ (اور بعض اوقات ان کے بغیر) جو تفسیری کلمات ائمہ حدیث نے متن میں بڑھائے ہوں، وہ غیر معتبر ہوں گے۔ اگر بالفرض کسی کے نزدیک قاعدہ یہی ہو تو اُسے صحیحین کی بھی بیسیوں روایات کو خیر باد کہنا پڑے گا۔ صحیح بخاری میں ایسے مواقع کی تعداد تین سو سے زائد ہے جبکہ صحیح مسلم میں ان کی تعداد نو سو سے زائد ہے۔

(۲) اگر اس سند میں بعض راوی ثقہ اور بعض کذاب ہوتے، تب کہا جا سکتا تھا کہ کسی نے جھوٹ کی آمیزش کر کے حکم بن ابی العاص سے اپنی دشمنی نکالی ہے مگر جب اوّل تا آخر تمام راوی جلیل القدر ائمہ مسلمین ہوں تو پھر کسی جھوٹ کی آمیزش کا شک نہیں کیا جا سکتا، اس لیے جیسے باقی روایت معتبر ہے، اسی طرح ''یعنی الحکم'' بھی معتبر ہے۔

(۳) اسے آپ ''مدرج'' کی صف میں لا کر ضعیف اور نا مقبول روایت نہیں کہہ سکتے کیوں کہ مدرج وہ روایت ہوتی ہے جس میں راوی نے ایسا اضافہ کر دیا ہو جو ثقات کی روایات سے متصادم ہو:

"وإن كان مخالفته للثقات فإن كانت المخالفة بالادراج فِيهِ فهو المدرج"

(اگر راوی کی طرف سے ثقات کی مخالفت کی گئی ہو، پھر وہ مخالفت روایت میں کچھ الفاظ کے اضافے کے ساتھ ہو تو اُسے مدرَج کہا جاتا ہے)

(توجیہ النظر الی اصول الاثر للسمعونی: ۲ ص ۵۷۴، ط مکتبۃ المطبوعات الاسلامیۃ، حلب)

یہاں مدِ مقابل کوئی ایسا ثقہ راوی نہیں جس کے بیان سے اس روایت کا کوئی لفظ متصادم ہو۔ لہٰذا اِسے ادراج کے دائرے میں نہیں لایا جاسکتا۔

(۴) مسند بزار میں اسی سند سے یہ واقعہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی زبانی حکم بن ابی العاص کے نام کی تصریح کے ساتھ ہے۔ جس سے ثابت ہوگیا کہ خود مسند احمد میں بھی "یعنی" کی ضمیر آخری راوی یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ہی کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ کہ اس نام کی تصریح خود صحابی نے کی ہے جنہوں نے یہ واقعہ بچشم خود دیکھا تھا۔ یوں حکم بن ابی العاص کا زبانِ نبوت سے لعنت ثابت ہوجاتی ہے۔

(۳) حکم بن ابی العاص پر لعنت کی گواہی عبدالرحمن بن ابی بکر کی زبانی

حدثنا يوسف بن موسى، قال: نا عبد الرحمنِ بن مغراء، قال: نا إسماعِيل بن أبِي خالِد، عن عبدِ اللهِ البهِي، مولى الزبيرِ، قال: كنتُ فِي المسجِدِ ومروان يخطب، فقال عبد الرحمنِ بن أبِي بكر: واللهِ ما استخلف أحدا مِن أهلِهِ، فقال مروان: كنت الذِي أنزلت فِيه: والذِي قال لِوالِديهِ أف لكما۔ فقال عبد الرحمنِ: كذبت، ولكِن رسول اللهِ ﷺ لعن أباك.

(عبداللہ البہی جو زبیر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے، بیان کرتے ہیں: میں مسجد میں موجود تھا اور مروان خطبہ دے رہا تھا۔ دورانِ خطبہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر والوں میں سے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا۔ مروان نے غصے میں کہا: تم وہی ہو جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی: اور وہ جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تُف

ہوتم پر۔ عبدالرحمن نے جواب دیا: تو نے جھوٹ بولا، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیرے باپ پر لعنت فرمائی تھی)

(مسند البزار، ح: ۲۲۷۳) قال الہیثمی: رواہ البزار واسنادہ حسن۔ (مجمع الزوائد، ح: ۹۲۳۵)

ذکر الرجال:

☆ یوسف بن موسیٰ: (م ۲۵۳ھ) راویٔ صحیح البخاری، صدوق

(تقریب التہذیب، تر: ۷۸۸۷)

☆ عبدالرحمٰن بن مغراء: (م بعد ۱۹۰ھ) صدوق

(تقریب التہذیب، تر: ۴۰۱۳)

☆ إسماعیل بن أبی خالد: (م بعد ۱۴۶ھ) راویٔ صحیحین، ثقہ ثبت۔

(تقریب التہذیب، تر: ۴۳۸)

☆ عبد اللہ البہی: راویٔ صحیح مسلم۔ ابن حجر کہتے ہیں: صدوق، کبھی غلطی کر جاتے تھے۔ (تقریب التہذیب، تر: ۳۳۷۲)

ابن سعد کہتے ہیں: مشہور و معروف ثقہ۔ (طبقات ابن سعد: ۶ ص ۲۹۹)

(۴) حکم بن ابی العاص پر لعنت کی گواہی بزبان سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

عن محمدِ بنِ زیاد، قال: لما بایع معاویۃ لِابنِہِ، قال مروان: سنۃ أبی بکر وعمر، فقال عبد الرحمنِ بن أبی بکر: سنۃ ھِرقل وقیصر، فَقَالَ مَرْوَانُ: ھٰذَا الَّذِی أَنْزَلَ اللّٰہُ فِیہِ، وَالَّذِی قَالَ لِوَالِدَیْہِ أُفٍّ لَکُمَا، فَبَلَغَ ذٰلِکَ عَائِشَۃَ فَقَالَتْ: کَذَبَ وَاللّٰہِ، مَا ھُوَ بِہِ، وَإِنْ شِئْتُ أَنْ أُسَمِّیَ الَّذِی أُنْزِلَتْ فِیہِ لَسَمَّیْتُہُ، وَلٰکِنَّ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ لَعَنَ أَبَا مَرْوَانَ، وَمَرْوَانُ فِی صُلْبِہِ، فَمَرْوَانُ فَضَضٌ مِنْ لَعْنَۃِ اللّٰہِ۔

(محمد بن زیاد سے روایت ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کے لیے بیعت لی، تو مروان نے کہا: یہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی سنت ہے۔ اس پر عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، بلکہ یہ ہرقل اور قیصر کا طریقہ ہے۔ مروان نے کہا: یہ وہ شخص ہے جس کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: اور

وہ جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تم پر تُف ہو۔ جب یہ بات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! مروان نے جھوٹ بولا، یہ وہ شخص نہیں ہے۔ اگر میں اس شخص کا نام لینا چاہوں جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تو میں ضرور نام لے لیتی۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مروان کے باپ پر لعنت فرمائی تھی جبکہ مروان ابھی اس کی پشت میں تھا، پس مروان اللہ کی لعنت کا ہی ایک حصہ ہے، یعنی اس کا مستحق ہے۔) (سنن الکبریٰ للنسائی، ح: ۱۱۴۲۷)

اس روایت کے تمام رجال ثقات ہیں، البتہ محمد بن زیاد کا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہ ہونے کے باعث سند میں انقطاع ہے تاہم یہ واقعہ اوپر عبداللہ البہی کی حسن سند سے بھی گزر چکا ہے۔ اس لیے اس کے قابلِ قبول ہونے میں کوئی مانع نہیں۔

احوال الرجال:

☆ علی بن الحسین الدرھمی: (م ۲۵۳ھ) صدوق

(تقریب التھذیب، ت: ۴۷۱۶)

☆ اُمیۃ بن خالد البصری: (م ۲۰۰ھ) صدوق، راویٔ صحیح مسلم

(تقریب التھذیب، ت: ۵۵۳)

☆ شعبۃ بن الحجاج البصری: (م ۱۶۰ھ) راویٔ صحیحین، حافظ متقن ثقہ ثبت۔

(تقریب التھذیب، ت: ۲۷۱۶)

☆ محمد بن زیاد القرشی: راویٔ صحیحین، ثقہ ثبت۔

(تقریب التھذیب، ت: ۵۸۸۸)

(۵) حکم بن ابی العاص کی جلاوطنی اور لعنت، حضرت ابوہریرہؓ کی حسن روایت

حدثنا حفص بن عمر الدورِی المقرِی عن عبادِ بنِ عباد، عن ھِشامِ بنِ عروۃ، عن أبیہِ قال: فقال أبو ھریرۃ لمروان: یَا مَرْوَانُ أَتَمْنَعُ الْحَسَنَ أَنْ یُدْفَنَ فِی ھَذَا الْمَوْضِعِ؟ وقد سمِعتُ رسول اللہِ ﷺ یقول لہ ولأخِیہِ حسین: ھما سیدا

شبابِ أهلِ الجنة. فقال مروان: دعنا عن، لقد ضاع حديث رسولِ اللهِ ﷺ، لو ان لا يحفظه غير وغير أبي سعيد الخدري ،وانما أسلمتَ أيام خيبر۔قال: صدقتَ أسلمتُ أيام خيبر، ولكني لزِمت رسول اللهِ ﷺ فلم اكن أفارقه وكنت أسئله وعنيتُ بذلِک حتىٰ علِمتُ وعرفتُ من أحب ومن أبغض، ومن قرب ومن بعد، ومن أقر ومن نفىٰ، ومن دعاله ومن لعنه؟

(ہشام بن عروہ رحمہ اللہ نے اپنے والد عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت کی..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مروان سے کہا: اے مروان! کیا تو حسن رضی اللہ عنہ کو روضۂ اطہر میں دفن ہونے سے روکتا ہے؟ جبکہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو ان کے اور ان کے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ فرماتے سنا ہے کہ: یہ دونوں اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ مروان نے جواب دیا: تم اپنی یہ باتیں رہنے دو۔ (تمہارے زعم میں تو) اگر تمہارے اور ابوسعید خدری کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا کوئی اور محافظ نہ ہوتا تو حدیثِ رسول ﷺ ضائع ہو چکی ہوتی، جبکہ تم تو محض خیبر کے دنوں میں اسلام لائے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے سچ کہا کہ میں خیبر کے دنوں میں اسلام لایا، لیکن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وابستہ رہا اور آپ ﷺ سے کبھی جدا نہیں ہوتا تھا، میں آپ ﷺ سے سوالات کرتا تھا اور میں نے اس علم کی طلب میں خود کو تھکا دیا، یہاں تک کہ میں نے جان لیا اور پہچان لیا کہ آپ ﷺ کس سے محبت کرتے تھے اور کس سے بغض، کسے قریب کرتے تھے اور کسے دور، کسے برقرار رکھا اور کسے جلاوطن کیا، اور کس کے لیے دعا فرمائی اور کس پر لعنت کی؟" (انساب الاشراف: ۳ ص ۶۰)

اس روایت کے تمام رجال بخاری و مسلم کے رجال ہیں۔ ہشام بن عروہ اور عروہ بن زبیر تو کسی تعارف کے محتاج نہیں کہ وہ صحیحین کے مشہور ثقات رُواۃ میں سے ہیں۔ عباد بن عباد (م ۱۸۰ھ) بھی صحیحین کے ثقہ راوی ہیں۔ (تقریب التہذیب، ت: ۳۲۳۱)

حفص بن عمر الدوری النحوی بھی ثقہ راوی ہیں۔

حفص بن عمر الدوری المقری، قال مسلمة بن قاسم فی کتاب الصلة :ثقة، قال ابو عمرو الدانی المقری:ثقة ثبت مشهور۔(تراجم الساقطة من اکمال تهذیب الکمال لمغلطائی:ص ۲۴۲، ط دار الحدیث للنشر والتوزیع، السعودیة العربیة)

قال ابو حاتم:هو صدوق۔ (سیر اعلام النبلاء:۱۱ص ۵۴۲)

قال ابن حجر:لا بأس به۔ (تقریب التهذیب،تر:۱۴۱۶)

پس روایت کا درجہ صحیح یا کم از کم حسن ہے۔اس روایت کے آخری حصے میں مروان کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ڈانٹ کے الفاظ شاہد ہیں کہ مروان کے باپ کی جلاوطنی اور نطقِ رسالت سے آلِ حکم بن ابی العاص کے لیے لعنت کے الفاظ ایک حقیقت تھے، یہاں تک کہ مروان بھی اس کا انکار نہ کر سکا۔

نتیجہ، حکم بن ابی العاص کی جلاوطنی ثابت ہے:

الغرض محکم دلائل سے ثابت ہو گیا کہ بعض بری حرکات کی بناء پر حکم بن ابی العاص پر لعنت کی گئی، جلاوطنی کی سزا دی گئی اور طائف جانے کا حکم جاری ہوا تھا۔ چنانچہ امام فاکہی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

ونفاه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کو جلاوطن کر دیا۔)

(اخبار مکة للفاکہی:۵ ص ۲۲۶) رجالہ ثقات، من مراسیل الزہری۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قِيلَ: كَانَ يُفْشِي سِرَّ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَأَبْعَدَهُ لِذَلِكَ۔

(کہا گیا ہے کہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز فاش کیا کرتا تھا، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دور بھیج دیا) (سیر اعلام النبلاء:۲ ص ۱۰۸)

الغرض ذخیرۂ روایات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حکم بن ابی العاص کو مکہ چھوڑ کر طائف جانا پڑا۔ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو حکم بن ابی العاص نے ان کی اجازت سے مدینہ میں قیام کر لیا اور مروان اس تمام عرصے میں اپنے والد کے ساتھ ہی تھا۔

حاصل کلام اور علامہ عینی کا فیصلہ:

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں مروان ایک دن بھی مدینہ میں نہیں رہا۔ کوئی باسند (چاہے ضعیف ہی سہی) روایت اس بارے میں موجود نہیں۔ فتح مکہ کے چند دنوں کے سوا کوئی موقع ایسا نہ تھا کہ مروان کو رؤیت نبوی نصیب ہونے کا امکان ہوتا اور فتح مکہ کے دنوں میں اس کا زیارت کرنا کسی ضعیف ترین روایت میں بھی منقول نہیں۔ چنانچہ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَرْوَان بن ابی الحکم بن أبی العَاص . . . لَم یَرَ النَّبِی ﷺ لِأَنَّهُ خرج إِلَی الطَّائِف طفلا لَا یعقل لما نفی النَّبِی ﷺ أَبَاهُ الحکم، وَکَانَ مَعَ أَبِیه حَتَّی استخلف عُثْمَان رضی اللہ عنہ فردهما۔

''مروان نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت نہیں کی کیوں کہ جب وہ طائف ایسی حالت میں گیا تھا جب وہ بے عقل بچہ تھا، یہ اس وقت ہوا جب اس کے باپ کو نبی اکرم ﷺ نے شہر بدر کیا تھا تو اپنے باپ کے ساتھ تھا۔ یہاں تک کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہیں واپس بلا لیا۔'' (عمدۃ القاری: ۱۱ ص ۴)

الغرض! مروان کا نہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونا ثابت ہے اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں اس کا مدینہ میں رہنا ثابت ہے۔ اب شرف صحابیت قیاساً تو ثابت ہونے سے رہا۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور علماء مروان کی صحابیت کے قائل نہیں۔ ان علماء کی آراء باب سوئم میں مع حوالہ آرہی ہیں۔

حکم بن ابی العاص کی جلاوطنی اور لعنت کی روایات اتنی تفصیل سے کیوں بیان کیں:

اوپر ہم نے حکم بن ابی العاص سے رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی اور جلاوطنی کے حکم کو اتنی وضاحت سے محض اس لیے بیان کیا تا کہ یہ ثابت ہو جائے کہ حکم بن ابی العاص کو بہر حال جلاوطن ہونا پڑا تھا۔ لعنت بھیجنے کی روایات بھی ہمارا مقصود نہ تھیں مگر انہیں اس لیے سامنے لانا پڑا تا کہ حکم کی جلاوطنی کی توجیہ اور سبب

واضح ہوجائے۔ یہ وہ حقائق ہیں جن کا ناصبی مروانی گروہ بلاوجہ اور بلادلیل انکار کرتا ہے یا انہیں مشکوک بنانے کی کوشش کرتا ہے، تاکہ کسی طرح مروان کو زیارتِ نبویہ ہونے کا امکان پیدا کیا جائے۔ پس اس کے رَدّ میں ہمیں روایات کو تفصیلاً سامنے لانا پڑا تاکہ حقیقت بے نقاب ہوجائے۔ حکم بن ابی العاص کی جلاوطنی ثابت ہونے سے مروان کے زیارتِ نبویہ سے مشرف ہونے کے امکان کی بھی نفی ہوجاتی ہے کیوں کہ مروان اس جلاوطنی سے قبل اپنے والد کے گھر یعنی مکہ ہی میں تھا کیوں کہ اس وقت وہ باپ کے زیرِ کفالت تھا۔ فتح مکہ کے کچھ عرصے بعد حکم بن ابی العاص کی بطور زائر و مہمان مدینہ آمد ہوئی، اس سفر میں مروان کی شمولیت کا کوئی ادنیٰ ثبوت بھی نہیں ملتا۔ پھر حکم بن ابی العاص کو اپنی نامناسب اور خلافِ ادب حرکات کے باعث فوری طور پر مدینہ سے اور مستقل طور پر مکہ سے نکلنے کا حکم ہوا، چنانچہ یہ پورا گھرانہ طائف چلا گیا اور مروان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور تک اپنے والد کے ساتھ وہیں مقیم رہا۔ پس اسے زیارتِ نبویہ نصیب ہونے کا امکان ہی نہیں رہتا۔

☆☆☆

فصل ششم:

تعارفِ حکم بن ابی العاص

یہاں مناسب ہوگا کہ ہم حکم بن ابی العاص کے بارے میں ماہرینِ اسماء الرجال اور مؤلفینِ طبقاتِ صحابہ کی کچھ عبارتیں آپ کے سامنے پیش کردیں۔ یاد رہے کہ اب تک ہم نے جن روایات کی اسناد کی تحقیق کی ہے، ان میں حکم بن ابی العاص کے قبولِ اسلام کے لیے کوئی صحیح روایت نہیں ملی۔ نیز معرفتِ صحابہ کے لیے جو پانچ طریقے علمائے اصول نے بیان کیے ہیں، اب تک سعیٔ بسیار کے باوجود حکم بن ابی العاص کی صحابیت ان میں سے کسی ایک طریقے پر بھی ثابت نہیں ہوسکی۔ (کوشش بہرحال اب بھی جاری ہے۔ دیگر اہلِ علم کو بھی اس پر کام کرنے کی دعوت ہے)

مؤرخ ابن سعد:

عام طور پر حکم بن ابی العاص کے قبولِ اسلام کے ثبوت میں ایک ہی روایت پیش کی جاتی ہے جو محمد ابن سعد رحمہ اللہ (م ۲۳۰ھ) نے نقل کی ہے: أَسْلَمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ۔ "حکم بن ابی العاص نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا۔" (طبقات ابن سعد: ۵ ص ۴۴۷، ط صادر)

محمد بن سعد اتباع تابعین کے بعد والے طبقے سے ہیں۔ اس طبقے کے عالم کا دعویٰ ثبوتِ صحابیت میں کام نہیں دیتا۔ بطورِ اسناد اس کے تمام راوی مجہول ہیں، یعنی یہ ایک بے سند روایت ہے۔

مؤرخ بلاذری:

اب مؤرخ بلاذری رحمہ اللہ (م ۲۷۹ھ) کی روایت ملاحظہ ہو جس کا معیار ابن سعد کی روایت کے ہم پلہ ہے:

وَكَانَ الحكم أَبُو مَرْوَان مغموصًا عَلَيْهِ فِي إِسْلَامه وَكَانَ إِظْهَاره الْإِسْلَام فِي يَوْم فتح مَكَّة۔

(مروان کا باپ حَکَم، اپنے اسلام کے بارے میں مشکوک تھا۔ اس کا اسلام کا اظہار کرنا فتح مکہ کے دن ہوا۔) (انساب الاشراف للبلاذری: ۶ ص ۲۵۵)

اس روایت کے مطابق حکم بن ابی العاص نے فقط اظہارِ اسلام کیا تھا اور اس کے اسلام کو مشکوک سمجھا جاتا تھا۔

حکم بن ابی العاص کا تعارف علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی زبانی:

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے الاستیعاب میں حکم بن ابی العاص کا تعارف خاصی تفصیل سے یوں کرایا ہے:

الحكم بن أبي العاص بن أمية بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصي القرشي الأموي، عم عثمان بن عفان، وأبو مروان بن الحكم، كان من مسلمة الفتح، وأخرجه رسول الله ﷺ من المدينة وطرده عنها فنزل الطائف، وخرج

معه ابنه مروان. وقيل: ان مروان ولد بالطائف، فلم يزل الحكم بالطائف الى أن ولى عثمان، فردّه عثمان الى المدينة، وبقى فيها وتوفى فى آخر خلافة عثمان قبل القيام على عثمان بأشهر فيما أحسب، واختلف فى السبب الموجب لنفى رسول الله ﷺ اياه، فقيل: كان يتحيل ويستخفى ويتسمع ما يسره رسول الله ﷺ الى كبار الصحابة فى مشركى قريش وسائر الكفار والمنافقين، فكان يفشى ذلك عنه حتى ظهر ذلك عليه، وكان يحكيه فى مشيته وبعض حركاته الى أمور غيرها كرهت ذكرها، ذكروا أن رسول الله ﷺ كان اذا مشى ينكفأ، وكان الحكم بن أبى العاص يحكيه، فالتفت النبى ﷺ يوما فرآه يفعل ذلك، فقال ﷺ: فكذلك فلتكن، فكان الحكم مختلجا يرتعش من يومئذ، فعيره عبد الرحمن بن حسان بن ثابت، فقال فى عبد الرحمن بن الحكم يهجوه:

إنّ اللعين أبوك فارم عظامه ...ان ترم ترم مخلجا مجنونا

يمسى خميص البطن من عمل التقى ...ويظل من عمل الخبيث بطينا

فأما قول عبد الرحمن بن حسان: كان اللعين أبوك، فروى عن عائشة من طرق ذكرها ابن بى خيثمة وغيره أنها قالت لمروان، اذ قال فى أخيها عبد الرحمن ما قال: أما أنت يا مروان فأشهد أن رسول الله ﷺ لعن أباك وأنت فى صلبه.

وحدثنا عبد الوارِثِ بن سفيان، حدثنا قاسِم، حدثنا أحمد بن زهير، حدثنا موسى بن إسماعِيل، حدثنا عبد الواحِدِ بن زِياد، حدثنا عثمان بن حكيم، قال: حدثنا شعيب بن مُحمدِ بنِ عبد الله بن عمرو بن العاص، عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال: قال رسول الله ﷺ: يدخل عليكم رجل لعِين. قال عبد الله: وكنتُ قد تركتُ عَمرًا يلبس ثِيابه لِيقبِل الى رسول الله ﷺ، فلم أزل مشفِقا أن يكون أوّل من يدخل، فدخل الحكم بن أبى العاصِ.

(حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی الاموی۔

یہ حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) کا چچا اور مروان بن حکم کا باپ تھا۔ یہ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لایا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے مدینہ سے نکال دیا تھا اور وہاں سے جلاوطن کر دیا تھا، چنانچہ وہ طائف چلا گیا اور اس کا بیٹا مروان بھی اس کے ساتھ نکلا۔ کہا جاتا ہے کہ مروان کی پیدائش طائف ہی میں ہوئی تھی۔ حکم طائف ہی میں مقیم رہا یہاں تک کہ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) خلیفہ بنے، تو انہوں نے حکم کو واپس مدینہ بلا لیا۔ وہ مدینہ ہی میں رہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں، ان کے خلاف شورش شروع ہونے سے چند ماہ پہلے انتقال کر گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے اسے شہر بدر کرنے کی وجہ کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ حیلے بہانوں سے چھپ کر رسول اللہ ﷺ کی ان باتوں کو سننے کی کوشش کرتا تھا جو آپ ﷺ مشرکین قریش، دیگر کفار اور منافقین کے بارے میں بڑے صحابہ سے رازداری میں کرتے تھے، پھر وہ ان رازوں کو افشا کر دیا کرتا تھا یہاں تک کہ یہ بات واضح ہوگئی۔ اس کے علاوہ وہ رسول اللہ ﷺ کے چلنے کے انداز اور آپ کی بعض حرکات کی نقل، استہزا کے طور پر اتارتا تھا، اور اس کے علاوہ بھی کچھ باتیں ہیں جن کا ذکر کرنا ناپسندیدہ سمجھا گیا۔ ذکر کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب چلتے تھے تو قوت کے ساتھ آگے کی طرف جھک کر چلتے تھے، اور حکم بن ابی العاص آپ کی نقل اتارتا تھا۔ ایک دن نبی کریم ﷺ نے مڑ کر دیکھا تو وہ یہی کر رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: تو ایسا ہی ہو جا۔ چنانچہ اس دن سے حکم پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ کپکپانے لگا۔ اسی وجہ سے عبدالرحمن بن حسان بن ثابت نے مروان کے بھائی عبدالرحمن بن حکم کی ہجو کرتے ہوئے اسے عار دلائی اور شعر کہا: ''بے شک تیرا باپ ملعون ہے، پس اس کی ہڈیوں کو نشانہ بنا، یعنی ان کی مذمت کر، اگر تو نشانہ بنائے گا تو ایک لرزتے ہوئے پاگل کی ہڈیوں کو نشانہ بنائے گا۔ وہ تقوی کے کاموں سے خالی پیٹ محروم شام کرتا ہے، اور برے کاموں سے اس کا پیٹ بھرا رہتا ہے۔'' رہی بات عبدالرحمن بن حسان کے اس قول کی کہ تیرا باپ ملعون ہے، تو ابن ابی خیثمہ وغیرہ نے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مختلف طرق سے روایت کیا ہے کہ جب مروان نے ان کے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازیبا بات کہی تو حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا: اے مروان! جہاں تک تیرا تعلق ہے تو میں گواہی دیتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے تیرے باپ پر لعنت کی تھی جبکہ تو ابھی اس کی پشت میں تھا۔ ہم سے عبدالوارث بن سفیان نے، انہوں نے قاسم سے، انہوں نے احمد بن زہیر سے، انہوں نے موسیٰ بن اسماعیل سے، انہوں نے عبدالواحد بن زیاد سے، انہوں نے عثمان بن حکیم سے، انہوں نے شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس ابھی ایک ملعون شخص داخل ہوگا۔ عبداللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں: میں عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) کو چھوڑ کر آیا تھا کہ وہ کپڑے پہن رہے تھے تاکہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں، تو میں مسلسل ڈر رہا تھا کہ کہیں وہ پہلے داخل نہ ہو جائیں (یہ وعید ان پر نہ آ جائے) لیکن سب سے پہلے حکم بن ابی العاص داخل ہوا۔" (الاستیعاب: ۱ص ۳۵۹، ۳۶۰)

تعارف حکم بن ابی العاص، بقلم علامہ ابن اثیر الجزریؒ:

علامہ ابن الاثیر الجزریؒ نے "اسد الغابہ" میں حکم بن ابی العاص کے جو حالات لکھے ہیں، ان میں مذکور ہے:

عن صالِحِ بنِ أبی صالِحٍ، حدثنی نافِع بن جبیرِ بنِ مطعم، عن أبیہ، قال: کنا مع النبی ﷺ فمر الحکم بن أبی العاصِ، فقال النبی ﷺ: ویل لأمتی ومافی صلبِ ھذا۔

وھو طرید رسول اللہ ﷺ نفاہ من المدینۃ إلی الطائف، وخرج معہ ابنہ مروان، وقیل: ان مروان ولد بالطائف، وقد اختلف فی السبب الموجب لنفی رسول اللہ ﷺ ایاہ، فقیل: ان یتسمع سر رسول اللہ ﷺ ویطلع علیہ من باب بیتہ، وانہ الذی أراد رسول اللہ ﷺ أن یقفأ عینہ بمدری فی یدہ لما اطلع علیہ من

الباب، وقيل: كان يحكي رسول اللهﷺ في مشيته وبعض حركاته، وكان النبيﷺ يتكفأ في مشيته، فالتفت يوما فرأه وهو يتخلج في مشيته، فقال: كن كذلك، فلم يزل يرتعش في مشيته من يومئذ.....

وقد روي في لعنه ونفيه أحاديث كثيرة، لا حاجة إلى ذكرها، لان الأمر المقطوع به أن النبيﷺ مع حلمه وإغضائه على ما يراه، ما فعل به ذلك إلا لأمر عظيم، ولم يزل منفيا حياة النبيﷺ فلما ولي أبو بكر الخلافة قيل له في الحكم ليرده إلى المدينة، فقال: ما كنت لأحل عقدة عقدها رسول اللهﷺ وكذلك عمر، فلما ولي عثمان رضي الله عنهما الخلافة رده، وقال: كنت قد شفعت فيه الى رسول اللهﷺ فوعدني برده. وتوفي في خلافة عثمان، رضي الله عنه.

(حضرت جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے کہ وہاں سے حکم بن ابی العاص گزرا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے لیے ہلاکت ہے اس شخص کی پشت سے پیدا ہونے والوں سے۔'' وہ رسول اللہ ﷺ کا دھتکارا ہوا تھا، آپ ﷺ نے اسے مدینہ سے نکال کر طائف بھیج دیا تھا اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا مروان بھی گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ مروان طائف میں ہی پیدا ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کے اسے جلاوطن کرنے کی وجہ میں اختلاف ہے: ایک قول یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے راز چوری چھپے سنتا تھا اور گھر کے دروازے سے اندر جھانکتا تھا۔ یہ وہی شخص ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا تھا کہ اس کی آنکھ اس لکڑی کے ٹکڑے سے پھوڑ دیں جو آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھا جب اس نے دروازے سے جھانکا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے چلنے کے انداز اور بعض حرکات کی نقل اتارا کرتا تھا۔ نبی کریم ﷺ چلتے وقت تھوڑا جھک کر چلتے تھے، ایک دن آپ ﷺ نے مڑ کر دیکھا تو وہ مٹک کر اور لرز کر چلنے کی نقل اتار رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا ہی ہو جا۔ چنانچہ جب سے وہ مرتے دم تک اسی طرح لرزتا اور کانپتا ہی رہا۔.....

حَکَم پر لعنت اور جلاوطنی کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں جنہیں یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر یہ بات یقینی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے بے پناہ حلم اور اپنی دیکھی ہوئی ناپسندیدہ باتوں سے درگزر کرنے کے باوجود، جب ایسا معاملہ فرمایا تو وہ کسی بہت بڑی وجہ سے ہی تھا۔

حکم بن ابی العاص نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی جلاوطن ہی رہا۔ جب حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) خلیفہ بنے تو ان سے حکم کی واپسی کی سفارش کی گئی، مگر انہوں نے فرمایا: میں اس گرہ کو نہیں کھولوں گا جسے رسول اللہ ﷺ نے لگایا ہو۔ یہی جواب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے بھی دیا۔ لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے اسے واپس بلا لیا اور فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں سفارش کی تھی اور آپ ﷺ نے مجھ سے اس کی واپسی کا وعدہ فرمایا تھا۔ حَکَم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں فوت ہوا۔ (اسد الغابۃ: ۲ ص ۴۸)

تعارفِ حکم بن ابی العاص حافظ ذہبیؒ کی زبانی:

حکم بن ابی العاص کی شخصیت کے متعلق حافظ ذہبیؒ سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں:

الحكم بن أبي العاصِ بنِ أمية الأموي أبو مروان، ابن عمِ أبي سفيان. يكنى: أبا مروان. مِن مسلمةِ الفتحِ، وله أدنى نصيب مِن الصحبةِ. قِيل: نفاه النبي ﷺ إلى الطائِفِ، لِكونِهِ حكاه فِي مِشيتِهِ، وفِي بعضِ حركاتِهِ، فسبه، وطرده، فنزل بوادِي وج. ونقم جماعة على أمِيرِ المؤمِنِين عثمان كونه عطف على عمِهِ الحكمِ، وآواه، وأقدمه المدِينة، ووصله بِمائةِ ألف. ويروى فِي سببِهِ أحادِيث لم تصِح. وعنِ النبي ﷺ قال: ما لِي رأيت بنِي الحكمِ ينزون على مِنبرِي نزو القِردةِ، رواه: العلاء بن عبدِ الرحمنِ، عن أبِيهِ، عن أبِي هريرة. وفِي البابِ أحادِيث. قال الشعبي: سمِعت ابن الزبيرِ يقول: ورب هذِهِ الكعبة، إن الحكم بن أبِي العاصِ وولده ملعونون على لِسانِ محمد ﷺ، وقد كان

لِلحکمِ عِشرون ابنا، وثمانی بنات،وقِیل: کان یفشِی سِر رسولِ اللہ ﷺ فأبعدہ لِذلک. مات: سنۃ احدی وثلاثِین.

''حکم بن ابی العاص بن امیہ ،الاموی ،ابومروان،ابوسفیان کا چچازاد۔ کنیت ابومروان تھی۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کرنے والوں میں سے ہے۔اسے صحبت کا تھوڑا سا حصہ ملا۔ کہا جاتا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے اسے شہر بدر کر کے طائف بھیج دیا تھا؛ کیوں کہ وہ حضور ﷺ کے چلنے پھرنے کے انداز کی اور بعض حرکات وسکنات کی نقل اتارتا تھا۔ حضور ﷺ نے اسے برا بھلا کہا اور دور بھگا دیا۔ پس وہ وادیٔ وج میں جا کر مقیم ہوگیا۔ ایک جماعت نے امیر المؤمنین حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) پر اسی لیے تنقید کی کہ انہوں نے اپنے چچا حکم سے نرمی برتی، اسے ٹھکانہ دیا اور مدینہ بلا کر ایک لاکھ کا عطیہ دیا۔ حکم کی مذمت میں کچھ احادیث بھی مروی ہیں جو صحیح السند نہیں، اور نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے: ''کیا بات ہے مجھے حکم کی اولاد اپنے منبر پر بندروں کی طرح کودتی دکھائی گئی۔'' اسے علاء بن عبدالرحمن نے اپنے والد سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے نقل کیا ہے۔اس باب میں کچھ اور احادیث بھی ہیں۔ شعبیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابن زبیر سے (رضی اللہ عنہ) سنا ہے، وہ کہتے تھے: ''رب کعبہ کی قسم! حکم بن ابی العاص اور اس کی اولاد رسول اللہ ﷺ کی زبان سے ملعون قرار دی گئی ہے۔'' حکم کے بیس بیٹے اور آٹھ بیٹیاں تھیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے راز افشاء کیا کرتا تھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے اسے دور بھگا دیا۔ وہ ۳۱ ہجری میں فوت ہوا۔'' (سیر اعلام النبلاء: ۲ ص ۱۰۷، ۱۰۸)

حافظ ذہبیؒ کے ایک جملے کی وضاحت:

یہاں حافظ ذہبیؒ نے حکم بن ابی العاص کے لیے فرمایا ہے کہ: ''لہ ادنی نصیب من الصحبۃ'' (اسے صحبت کا تھوڑا سا حصہ ملا) یہ جملہ بعض وضاحتوں کا محتاج ہے۔

(۲) پہلی وضاحت یہ ہے کہ اسماء رجال وطبقات صحابہ میں حکم بن ابی العاص کی صحابیت کو کہیں بھی ثبوت صحابیت کے مشہور پانچ طریقوں میں سے کسی طریقے سے ثابت نہیں کیا گیا۔ ہم خود ہزار ہا صفحات کھنگال کر بھی اب تک کوئی ایسی عبارت حاصل نہیں کر پائے جو ان پانچ میں سے کسی طریقے پر اس کی صحابیت کو ثابت کرتی ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ صورتحال ماہرینِ رجال اور خود حافظ ذہبیؒ سے پوشیدہ نہیں ہوگی۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ان حضرات نے کہیں بھی حکم بن ابی العاص کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' نہیں لگایا اور اس کے ساتھ صحابہ جیسے احترام والا معاملہ نہیں کیا۔

(۲) کتبِ طبقاتِ صحابہ میں کسی کو صحابی شمار کرنے کے لیے ''صحابی'' یا ''لہ صحبة'' جیسے اصطلاحی الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ میری تلاش کے مطابق ''لہ ادنیٰ نصیب من الصحبة'' جیسا جملہ طبقاتِ صحابہ میں کسی اور کے لیے استعمال نہیں کیا گیا۔ صرف حافظ ذہبیؒ نے یہ تعبیر اختیار کی ہے اور فقط حکم بن ابی العاص کے لیے؟ اس کی وجہ بظاہر یہ سمجھ آتی ہے کہ ''صحابیت'' کے اطلاق کی چار اَقسام میں سے (جنہیں ہم پہلے باب کی فصلِ اوّل میں بیان کر چکے ہیں) حکم بن ابی العاص کو آخری درجے یعنی فقط رؤیت والوں میں لایا جاسکتا تھا مگر اس کی رؤیت صحیح سند سے ثابت نہیں، دوسری طرف جس درجے کی روایت میں اس کی رؤیت یا اسلام لانے کا ذکر ہے، اسی درجے، یا نسبتاً اس سے بہتر درجے کی روایات میں اس کی قبیح حرکات اور اس پر نبی اکرم ﷺ کی لعنت مذکور ہے۔ غالباً اسی لیے حافظ ذہبیؒ نے ''صحابی'' یا ''لہ صحبة'' کی جگہ ایک بین بین تعبیر اختیار کرنا مناسب سمجھا۔ واللہ اعلم!

کیا حافظ ذہبیؒ نے حکم بن ابی العاص کی مذمت کی احادیث کو جعلی کہا ہے:

بعض حضرات کا اعتراض ہے کہ ''سیر اعلام النبلاء'' میں حکم بن ابی العاص کے ذکر میں حافظ ذہبیؒ نے کہا ہے: ''ویُروی فی سَبّہ احادیث لم تصح۔''

(حکم بن ابی العاص کی مذمت میں بعض احادیث روایت کی جاتی ہیں جو صحیح نہیں)

(سیر اعلام النبلاء: ۲ ص ۱۰۸)

اس سے معلوم ہوا کہ حکم کے خلاف تمام روایات من گھڑت اور نا قابلِ استدلال ہیں۔

☆ اس بارے میں عرض ہے کہ حافظ ذہبیؒ نے یہاں ایک علمی اصطلاح ''لم تصح'' استعمال کی ہے جس کا مطلب ہے کہ ایسی روایات صحیح حدیث کے لیے طے کردہ معیار کے مطابق نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ ایسی تمام روایات جھوٹی یا نا قابلِ استدلال ہیں۔ یہاں یہ پہلو بھی یاد رکھا جائے کہ حکم بن ابی العاص اور اس کی اولاد کی مذمت میں چند روایات صحیح اور بعض اس سے کم درجے کی ہیں جو قابلِ استدلا ل ہیں۔ خود حافظ ذہبیؒ نے آلِ حکم کی مذمت میں ایک حدیث پر ''صحیح علیٰ شرط مسلم'' کا حکم لگایا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کا خواب مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے حکم بن ابی العاص کی اولاد کو بندروں کی طرح اپنے منبر پر کودتے دیکھا اور غمزدہ رہے۔
(مستدرک علی الصحیحین، ح:۸۴۸۱) قال الذہبی: علیٰ شرط مسلم

نیز سیر اعلام النبلاء میں حافظ ذہبیؒ نے مذکورہ قول کے بعد متصلاً حکم بن ابی العاص کے معائب، قبیح حرکات اور جلاوطنی کی سزا دیے جانے کی روایات کسی رَدّوکد کے بغیر نقل کی ہیں جن کا اقتباس مع ترجمہ اوپر پیش کیا جاچکا ہے۔

الغرض یہاں حافظ ذہبیؒ کی مراد یہ ہے کہ عموماً حکم بن ابی العاص کی مذمت میں عموماً جو روایات بیان کی جاتی ہیں، وہ صحیح کے درجے کی نہیں۔ ہر حدیث کو غیر صحیح قرار نہیں دیا کیوں کہ یہ تو حقیقت کے خلاف ہے۔

ایک سوال کا جواب۔ میرا اعتذار:

ہوسکتا ہے کہ قارئین کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ حکم بن ابی العاص کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' کیوں نہیں لکھا گیا؟ جب اس کا ذکر طبقاتِ صحابہ کی کتب میں ہے تو اسے صحابی جیسا احترام کیوں نہ دیا گیا؟

اس بارے میں اپنا اعتذار پیش کرتے ہوئے عرض ہے کہ بلاشبہ کتبِ طبقاتِ صحابہ کی بعض کتب میں حکم بن ابی العاص کا ذکر آیا ہے مگر کسی نے اُسے صاف

الفاظ میں ''صحابی رسول'' کہنے سے احتیاط برتی ہے اور کبھی نے اس کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' لگانے سے احتراز کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے درج ذیل ماخذ:

☆ طبقات ابن سعد: ۵ ص ۴۴۷

☆ انساب الاشراف: ۶ ص ۲۵۵، ۲۵۶

☆ الاستیعاب: ۱ ص ۳۵۹، ۳۶۰ ☆ اسد الغابۃ: ۲ ص ۴۸

☆ سیر اعلام النبلاء: ۲ ص ۱۰۷، ۱۰۸ ☆ الاصابۃ: ۲ ص ۹۰، ۹۱

☆ تاریخ الاسلام للذہبی: ۲ ص ۱۹۸ تا ۲۰۰، ت بشار

بعض ماخذ کے اقتباسات آپ کی خدمت میں مع ترجمہ پیش کیے جا چکے ہیں۔ انہیں دیکھ کر واضح ہو جاتا ہے کہ ان میں تقریباً تمام واقعات حکم بن ابی العاص کی قبیح حرکات، رسول اللہ ﷺ کی انتہائی بے ادبی اور توہین اور حضور اکرم ﷺ کی طرف سے اس پر لعنت بھیجنے اور جلاوطن کرنے سے متعلق ہیں۔ اب ایسے شخص کا ذکر ادب سے کیسے کیا جائے؟

اُردو زبان کا مزاج عربی سے الگ ہے۔ عربی میں مقدس شخصیت یا عام آدمی کا فرق کیے بغیر واحد شخص کے لیے واحد کا صیغہ ہی استعمال ہوتا ہے مگر اُردو میں جب اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے تو بڑی شخصیت اور عام شخص کا فرق ظاہر کرنا پڑتا ہے، مثلاً کسی عظیم شخصیت کی آمد ہو یا عام فرد کی، عربی میں اسے ''جاء'' کہہ کر بیان کیا جائے گا مگر اُردو ترجمہ یکساں نہ ہوگا۔ مثلاً: ''جَاءَ رسولُ اللہ ﷺ'' ہو تو ترجمہ ہوگا: رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ اگر ''جاء بلال رضی اللہ عنہ'' ہو تو ترجمہ ہوگا: حضرت بلال رضی اللہ عنہ آئے۔ اور ''جَاءَ رَجُلٌ'' ہو تو ترجمہ ہوگا: (ایک آدمی آیا۔) یوں نہیں کہا جائے گا: ایک آدمی آئے۔ پھر اگر اُس آدمی کی طرف کسی بُرے کام کی نسبت ہو رہی ہے، تب تو جمع کا صیغہ انتہائی ناگوار ہوگا۔ مثلاً: و کان یؤذی النبی ﷺ۔'' اس کا ترجمہ کوئی یوں کرے کہ ''وہ صاحب رسول اللہ ﷺ کو تکالیف دیا کرتے تھے۔'' تو کیا یہ رسول اللہ ﷺ کی شان اور ادب کے خلاف

نہ ہوگا۔ پس سب سے بڑا سوال یہی ہے کہ حَکَم کے حالاتمیں یہ کیسے لکھا جائے:
''حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی نقلیں اُتارتے تھے۔''
مثال کے طور پر ابن حجر رحمہ اللہ کی الاصابہ سے حکم بن ابی العاص کے حالات کے کچھ حصے کا ترجمہ نقل کرتا ہوں:
''الحکم، نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھتا تھا اور جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو وہ نقل اتارتے ہوئے منہ بناتا اور جسم مٹکاتا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اسے دیکھ لیا اور فرمایا: تو ایسا ہی ہو جا۔ چنانچہ وہ مرتے دم تک اسی طرح لرزتا رہا۔''
(الاصابۃ: ۲ ص ۹۱)
اب حکم بن ابی العاص کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے ترجمہ یوں کیا جائے تو آپ کو کیسا لگے گا:
''حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی مجلس میں تشریف فرما ہوتے تھے اور جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو حکم رضی اللہ عنہ نقل اتارتے ہوئے منہ بناتے اور جسم مٹکاتے تھے۔ نبی ﷺ نے انہیں دیکھ لیا اور فرمایا: آپ رضی اللہ عنہ ایسے ہی ہو جایئے۔ چنانچہ حکم رضی اللہ عنہ مرتے دم تک اسی طرح لرزتے رہے۔''
اب ایسی کسی روایت کی اسنادی حیثیت پر کلام تو الگ مسئلہ ہے مگر سوچئے کہ ایسے واقعات کا ترجمہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی عظمت و حرمت کا عزت کا لحاظ رکھنا زیادہ اہم ہوگا یا کسی اور کا؟
ہوسکتا ہے کہ کسی کو اعتراض ہو کہ بعض صحابہ مثلاً حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے اسلام لانے سے قبل کے حالات میں اسلام دشمنی کے واقعات بھی ہیں، وہاں یہ طرزِ عمل کیوں اختیار نہیں کیا جاتا۔
تو عرض یہ ہے کہ ان حضرات کی صحابیت کا ثبوت بہت پختہ ہے یعنی متعدد صحیح روایات سے ثابت ہے اور ان کے قبل از اسلام اور بعد از اسلام حالات کو جمع کیا جائے تو غالب حصہ شرافت، دلیری، نیکی، رسول اللہ ﷺ کے لیے جانثاری اور وفاداری کے کارناموں پر مشتمل ہے، اس لیے وہاں ایسی عبارات سے کم ہی سابقہ

پڑتا ہے مگر حکم بن ابی العاص کے حالات سے متعلقہ تمام روایات جمع کر کے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اس شخصیت کے حوالے سے ایک چیز (اَسْلَمَ یَوْمَ فَتْحَ مَکَّۃَ) کے سوا، سبھی روایات منفی واقعات بیان کر رہی ہیں۔ کہیں رسول اللہ ﷺ کی نقل اُتارنا، کہیں چھپ کر خانۂ رسالت میں جھانکنا اور کہیں آپ ﷺ کے راز فاش کرنا منقول ہے۔

نیز کہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس پر لعنت اور کہیں اسے جلاطن کرنے کا ذکر ہے۔ ہم یہاں ان روایات کی اسنادی پر بحث نہیں کر رہے (خاصی بحث پیچھے ہو چکی ہے اور کچھ آگے بھی آئے گی۔) اجمالاً یہ سمجھنا کافی ہے کہ ان میں صحیح حسن، ضعیف، منکر ہر طرح کی روایات ہیں، مگر سب کا مجموعی معنیٰ یکساں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں اس شخص سے سوائے کلمہ پڑھنے کے، کوئی خیر کی چیز ظاہر ہونا ثابت نہیں۔

اسی لیے ائمہ فنِ رجال میں سے کسی نے بھی حکم بن ابی العاص کا ذکر تعظیم سے نہیں کیا بلکہ احتیاط برتتے ہوئے فقط رؤیت یا ادنیٰ صحبت کا ذکر کیا ہے۔ نیز اسلاف میں سے شاید ہی کسی نے اس کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' کا اضافہ کیا ہو۔ کیوں کہ اگر حکم بن ابی العاص کے لیے ''من مسلمۃ الفتح'' یا ''اَسلم یوم فتح مکۃ'' جیسی تعبیرات مذمت سے مانع ہیں تو دوسری طرف کی روایات کے پیشِ نظر مدح وتوصیف بھی خلافِ احتیاط ہے۔ اسلاف نے یہی کیا کہ الحکم کے بارے میں جو روایات تھیں، انہیں من وعن نقل کر دیا۔ جو روایات ضعیف یا موضوع تھیں، ان کی طرف اشارہ کر دیا اور جو صحیح تھیں، ان کی حیثیت بھی واضح کر دی۔ فیصلہ محققین پر چھوڑ دیا، اپنے الفاظ میں الحکم کی مذمت یا تعظیم وتوقیر، دونوں سے انہوں نے احتراز کیا۔ مگر ان حضرات کا سارا کام عربی میں تھا، اس لیے انہیں اُس سوال سے سابقہ نہیں پڑا کہ حکم بن ابی العاص کے لیے صیغۂ جمع لایا جائے یا صیغۂ واحد۔ چوں کہ اکابر کے اُردو کام میں بھی ایسے مواقع پر واحد ہی کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور ''رضی اللہ عنہ'' سے احتراز کیا گیا ہے، سو ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

حکم بن ابی العاص پر لعنت سے متعلق صحیح روایات اور ایک احتیاط:

ہم نے حکم بن ابی العاص کی بری حرکات اور اس پر لعنت کی روایات صرف اپنے متعلقہ مسئلے کے حل کے لیے ذکر کی ہیں یعنی مروان کی اپنے والد کے ساتھ جلاوطنی اور اس کی بناء پر رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے اُس کی محرومی بخوبی سمجھ آجائے۔ باقی بعض احادیث میں حکم بن ابی العاص پر لعنت کا یہ مطلب نہیں کہ لعنت ہمیشہ متعلق رہی ہوگی، بلکہ توبہ اور رجوع الی اللہ سے ہر گناہ معاف ہوجاتا ہے اور ہر تقصیر کے اثرات دھل جاتے ہیں جیسا کہ بہت سے دلائل سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حکم بن ابی العاص کی جلاوطنی ختم کرکے واپسی کی اجازت دینا، اس اطمینان کے لیے کافی ہے کہ حکم بن ابی العاص کو آخر میں رجوع اور توبہ کی سعادت مل گئی تھی جیسا کہ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جب اعتراض کیا گیا کہ انہوں نے اُس شخص کی جلاوطنی کیسے ختم کردی جسے رسول اللہ ﷺ نے جلاوطن کیا تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب یہی دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا تھا:

وَنَقَمْتُمْ علیٰ ایوائی الحکم بن العاص، وإنَّ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ قَدْ کَانَ یَقْبَلُ تَوْبَۃَ الْکَافِرِ، وَإِنَّ الْحَکَمَ تَابَ فَقَبِلْتُ تَوْبَتَہٗ۔

''تمہارا مجھ پر اعتراض تھا کہ میں نے حکم بن ابی العاص کو (جلاوطنی ختم کرکے مدینہ میں) ٹھکانہ کیوں دیا تو رسول اللہ ﷺ کافر کی توبہ قبول کرلیتے تھے۔ بے شک حکم نے توبہ کی ہے اور میں نے اس کی توبہ قبول کرلی ہے۔''

(تاریخ المدینۃ لابن شبہ: ۳ ص ۱۰۹۲)

پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اعتماد کے باعث ہمیں یہ ماننا چاہیے کہ حکم بن ابی العاص کا آخری دور یقیناً نیکی اور صلاح کا تھا۔ چنانچہ اس زمانے میں حکم بن ابی العاص سے پھر کوئی قبیح شے ظاہر نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب!

☆☆☆

دوسرا باب

مروان اور اس کے خاندان کے بارے میں نبوی پیش گوئیاں

فصل اوّل:

آلِ مروان کے بارے میں نبوی پیش گوئیاں

مروان کے بارے میں معتدل رائے قائم کرنے کے لیے ہم ان پیش گوئیوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے جو نطقِ رسالت سے ظاہر ہوئیں اور ان کا اثر بعض صحابہ کرام کی زبانی بھی کسی موقع پر سامنے آیا۔ رسول اللہ ﷺ کے متعدد فرامینِ مبارکہ میں آلِ مروان کے بارے میں بعض پیش گوئیاں موجود ہیں۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

حدیث اوّل، آلِ بنو العاص۔ عن ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ

مسند ابی یعلیٰ میں بسندِ صحیح حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد منقول ہے:

إِذَا بَلَغَ بَنُو أَبِي الْعَاصِ ثَلَاثِينَ، كَانَ دِينُ اللهِ دَخَلًا، وَمَالُ اللهِ دُوَلًا، وَعِبَادُ اللهِ خَوَلًا۔

''جب نسلِ ابی العاص تیس اَفراد تک پہنچ جائے گی تو وہ اللہ کے دین میں مداخلت کرے گی، اللہ کے مال کو جاگیر اور اللہ کے بندوں کو غلام بنا لے گی۔''

(مسند ابی یعلیٰ، ح: ۶۵۲۳) قال البوصیری: رَوَاهُ أَبُو يَعْلَى بِسَنَدٍ صَحِيحٍ۔ (اتحاف الخیرۃ المہرۃ: ۸ ص ۸۴)

ذکر الرجال:

☆ يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ ابو زکریا المقابری البغدادی: (م ۲۳۴ھ) ثقہ

(تقریب التہذیب، تر: ۷۵۱۲)

☆ اسماعیل بن جعفر ابو اسحاق المدنی: (م ۱۸۰ھ) راوی صحیحین، ثقہ ثبت۔

(تقریب التہذیب، تر: ۴۳۱)

☆ العلاء بن عبدالرحمٰن الحرقی المدنی: (م بعد ۱۳۰ھ) امام محدث، صدوق۔ (سیر اعلام النبلاء: ۶ ص ۱۸۶)

مدنی، تابعی، ثقہ (الثقات للعجلی، ت: ۹۹۱)

یعقوب بن سفیان کہتے ہیں: ثقہ۔ (المعرفۃ والتاریخ: ۱ ص ۳۴۹)

احمد بن حنبل فرماتے ہیں: ثقہ۔ (العلل روایۃ عبداللہ بن احمد، ت: ۳۱۷۱)

☆ عبدالرحمٰن بن یعقوب الحرقی المدنی: تلمیذ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ، ثقہ (تقریب التہذیب، ت: ۴۰۴۶)

یعقوب بن سفیان نے بھی ثقہ قرار دیا ہے۔ (المعرفۃ والتاریخ: ۱ ص ۳۴۹)

نوٹ: یہی حدیث قدیم مخطوطے "احادیث اسماعیل بن جعفر" میں فقط تین واسطوں سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے اور سند بالکل صحیح ہے۔

(احادیث اسماعیل بن جعفر المدنی، م ۱۸۰ھ: ح: ۲۸۴، ط مکتبۃ الرشد، ریاض)

اس حدیث کی تشریح:

یہی حدیث مسند احمد میں اس طرح منقول ہے:

"اتخذوا مال اللّٰہ دُوَلاً، وعِبادَ اللّٰہِ خَوَلاً"

(اللہ کے مال کو جاگیر، اللہ کے دین کو جائے مداخلت اور اللہ کے بندوں کو غلام بنالے گی) (مسند احمد، ح: ۱۱۵۵۸)

شیخ ابوالحسن نورالدین سندھی رحمہ اللہ اس روایت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

قولہ: دَخَلاً، أی: یُدخلون فی دین اللہ أموراً لم تجرِ بها السنة۔ قولہ: دولاً، أی: یتداولون المال، ولا یجعلون لغیرهم نصیباً فیه، أو یستأثرون أهل الشرف بحقوق الفقراء من بیت المال۔ قولہ: خَوَلاً، أی: خدماً وعبیداً، یعنی أنهم یستخدمونهم ویستعبدونهم۔

(دولاً: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مال کو آپس میں ہی گردش دیتے ہیں اور

دوسروں کا اس میں کوئی حصہ نہیں رہنے دیتے، یا بیت المال سے فقراء کے حقوق چھین کر بااثر اور صاحبِ منصب لوگوں کو دے دیتے ہیں۔

''دخلا: مطلب یہ ہے کہ وہ دینِ اسلام میں ایسی چیزیں شامل کر دیتے ہیں جو سنتِ نبوی سے ثابت نہیں ہیں۔

خولاً: یعنی نوکر اور غلام۔ مراد یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اپنا خادم اور غلام بنا لیتے ہیں)

(حاشیہ مسند احمد: ۱۸ص ۲۸۱، ط الرسالۃ)

یاد رہے کہ مسند احمد میں یہ حدیث جس سند سے پیش کی گئی ہے، اس میں ایک راوی ضعیف ہے مگر مسند ابی یعلیٰ میں یہ بسند صحیح منقول ہے۔

ملحوظہ: اس حدیث میں اگرچہ ''بنو ابی العاص'' کا لفظ ہے مگر آگے مسند ابی یعلیٰ کے حوالے سے آنے والی روایت ابوہریرۃ واضح کر رہی ہے کہ ''بنو ابی العاص'' میں ''حکم بن ابی العاص'' کی اولاد مراد ہے۔ تمام آلِ ابی العاص مراد نہیں، لہٰذا روافض کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو (جن کی شان درجنوں صحیح احادیث سے ثابت ہے۔) اولادِ ابی العاص میں سے ہونے کے باعث ان احادیث کا مصداق بتانا محض ضلالت اور فریب ہے۔

یہ نبوی پیش گوئی بالکل سچ ثابت ہوئی:

بعد میں جب آلِ مروان یعنی حکم بن ابی العاص کی اولاد، مروان، عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک وغیرہ کی حکومت آئی تو رسول اللہ ﷺ کی یہ پیش گوئیاں بالکل سچ ثابت ہوئیں جن کا نمونہ دیکھنا ہو تو تاریخ کی کسی بھی قدیم کتاب میں سنہ ۷۳ھ سے ۹۹ھ تک کے حالات پڑھ لیں یا راقم کی تاریخ اُمت مسلمہ کی تیسری جلد کے ابتدائی سو، ڈیڑھ سو صفحات پڑھ لیں۔ یا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی سیرت پر کسی بھی معتبر کتاب کا مطالعہ کر لیں۔ اس موضوع پر امام مالک رحمہ اللہ کے تلمیذِ رشید امام ابن عبدالحکم رحمہ اللہ کی ''سیرۃ عمر بن عبدالعزیز'' سب سے بہترین، مستند اور قدیم ترین مأخذ ہے، جس کا اُردو ترجمہ حضرت مولانا محمد

یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ نے کیا ہے جو بازار میں عام مل جاتا ہے۔ آپ کی آنکھیں کھل جائیں گی کہ مروانی حکمرانوں نے کیسی کیسی بدعات شروع کی تھیں، کس طرح قومی خزانے کو ذاتی جاگیر بنالیا تھا۔ پھر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ان خرابیوں کے ازالے کے لیے کس قدر جانکاہی اور ہمت وعزیمت سے کام لیا۔ (اس صورتحال کی کچھ تفصیلات آپ چھٹے باب کی فصل ہشتم میں پڑھ سکیں گے)

حدیثِ دوئم، آلِ حکم بر منبر نبوی۔ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ رأیٰ فِی المنامِ كَأَنَّ بَنِی الْحَكَمِ بْنِ أَبِی الْعَاصِ يَنْزُونَ عَلَى مِنْبَرِهِ وَيَنْزِلُونَ فَأَصْبَحَ كَالْمُتَغَيِّظِ، وقال: مَالِی رَأَيْتُ بَنِی الْحَكَمِ يَنْزُونَ عَلَى مِنْبَرِی نَزْوَ الْقِرَدَةُ قَالَ: فَمَا رُئِیَ النَّبِیُّ ﷺ مُسْتَجْمِعًا ضَاحِكًا بعد ذالک حَتَّى مَاتَ ﷺ۔

(رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ حکم بن ابی العاص کی اولاد کے لوگ آپ ﷺ کے منبر پر جست لگا کر چڑھ رہے ہیں اور اُتر رہے ہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ صبح کے وقت ایسے تھے جیسے غصے میں ہوں اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے کیا ہوا کہ میں نے حکم کی اولاد کو دیکھا کہ وہ میرے منبر پر بندروں کی طرح کود رہے ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو کبھی کھلکھلا کر ہنستے نہیں دیکھا گیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی۔

(مسند ابی یعلیٰ، ح:۶۴۶۱) اسنادہ صحیح؛ مجمع الزوائد، ح:۹۲۴۶، قال الہیثمی: رواہ ابو یعلیٰ، ورجالہ رجال الصحیح، غیر مصعب بن عبداللہ بن الزبیر وہو ثقہ۔ قال البوصیری، رواہ ابو یعلیٰ و رجالہ ثقات۔ (اتحاف الخیرۃ المہرۃ: ۸: ۸۴ ص، ط دار النشر، ریاض)

اسی روایت کو امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی سند سے نقل کیا ہے:

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: إِنِّی أُرِيتُ فِی مَنَامِی كَأَنَّ بَنِی الْحَكَمِ بْنِ أَبِی الْعَاصِ يَنْزُونَ عَلَى مِنْبَرِی كَمَا تَنْزُو الْقِرَدَةُ قَالَ: فَمَا رُئِیَ النَّبِیُّ ﷺ مُسْتَجْمِعًا ضَاحِكًا حَتَّى تُوُفِّیَ۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ حکم بن ابی العاص کی اولاد باری باری میرے منبر پر بندروں کی مانند کود رہی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو کھل کر ہنستے نہ دیکھا گیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ رحلت فرما گئے۔'' (المستدرک علی الصحیحین، ح:۸۴۸۱) قال الذہبی علیٰ شرط مسلم

قائدہ (۱): اس حدیث میں بھی مروان اور آلِ مروان کو حکمرانی ملنے کی پیش گوئی ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ ان لوگوں کو مسلمانوں کی قیادت ملنا، اگرچہ اللہ کی تقدیر اور مشیت میں طے تھا، مگر ان لوگوں کے اکثر کام یا ان میں سے اکثر کے حالات ایسے نہیں تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو ان پر خوشی ہوتی۔

قائدہ (۲): مسندِ ابی یعلیٰ و مسند احمد کی حدیث میں ''بَنُو أَبِي الْعَاصِ'' مذکور تھا مگر اس صحیح حدیث میں ''بنی الحکم بن ابی العاص'' نے معاملے کو زیادہ واضح کر دیا ہے کہ ''بنوابی العاص'' سے مراد آلِ حکم بن ابی العاص ہے۔ انہی کو آلِ مروان یا مروانی کہا جاتا تھا۔

حدیثِ سوئم، لعنت بر آلِ حکم۔ عن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

آلِ حکم بن ابی العاص میں بعض شریر لوگوں کا آنا تقدیر میں طے تھا جن کے شر کے باعث نطقِ رسالت سے ان پر لعنت ہوئی۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بسندِ صحیح و متصل مروی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو فرماتے سنا کہ حکم اور اس کی اولاد پر اللہ نے اپنے نبی کی زبانی لعنت فرمائی ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورِ بْنِ سَيَّارٍ، قَالَ: نا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أنا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ رضی اللہ عنہ، يَقُولُ وَهُوَ مُسْتَنِدٌ إِلَى الْكَعْبَةِ: وَرَبِّ هَذَا الْبَيْتِ لَقَدْ لَعَنَ اللهُ الْحَكَمَ وَمَا وَلَدَ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(امام شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو جب کہ وہ

کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے تھے، یہ کہتے سنا: اس گھر کے رب کی قسم! بے شک اللہ نے حکم اور اس کی اولاد پر اپنے نبی ﷺ کی زبانی لعنت فرمائی ہے)

(مسند البزار، ح: ۲۱۹۷)

فیہ احمد بن منصور بن سیار: (۱۸۸ھ الی ۲۶۵ھ) ثقہ حافظ۔ (تقریب التہذیب، تر: ۱۱۳) وبقیۃ رجالہ رجال الصحیحین۔

یہی حدیث امام فاکہی رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ یوں نقل فرمائی ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ رضی اللہ عنہ قَالَ: وَرَبِّ هٰذَا الْبَيْتِ الْحَرَامِ، وَالْبَلَدِ الْحَرَامِ، إِنَّ الْحَكَمَ بْنَ أَبِي الْعَاصِ وَوَلَدَهُ مَلْعُونُونَ عَلَى لِسَانِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ۔

(عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: اس بیت حرام اور اس قابل احترام شہر کے پروردگار کی قسم، بے شک حکم بن ابی العاص اور اس کی اولاد پر رسول اللہ ﷺ کی زبانی لعنت کی گئی ہے)

(اخبار مکۃ للفاکہی، ح: ۳۹۷؛ تاریخ الاسلام للذہبی: ۳ص ۳۶۸، ت تدمری، قال الذہبی: اسنادہ صحیح۔) قال الالبانی: رجالہ رجال الشیخین الا احمد بن منصور وہو ثقہ۔

(سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۷ص ۷۲۰)

یاد رہے کہ یہی روایت معجم کبیر طبرانی (۱۳ص ۱۲۲) اور مستدرک حاکم (ح: ۸۴۸۵) میں بھی ہے مگر وہاں ایک راوی احمد بن محمد الرشدین ضعیف ہے مگر ہم نے روایت کو جس سند سے پیش کیا ہے، اس میں بحمد اللہ کوئی راوی مجروح نہیں۔ سب اعلیٰ درجے کے ثقات ہیں اور سند متصل ہے۔ اس لیے یہاں ابن رشدین کا حوالہ دے کر اصل روایت کو پامال کرنے کی غیر علمی کوشش نہ کی جائے۔

نیز یہی روایت امام طبرانی رحمہ اللہ نے ایک اور سند سے بھی پیش کی ہے۔

عن عامر الشعبي، قال: سمعت عبداللہ بن الزبیر وھو یطوف بالکعبۃ، وھو یقول: ورب ھذہ البنیۃ للعن رسول اللہ ﷺ الحکم وما ولد۔

(عامر شعبی رحمہ اللہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: میں نے عبداللہ بن

زبیر رضی اللہ عنہ کو کعبہ کا طواف کرتے ہوئے سنا، وہ کہہ رہے تھے: اس گھر کے رب کی قسم! یقیناً رسول اللہ ﷺ نے حکم بن ابی العاص پر اور اس کی اولاد پر لعنت فرمائی تھی)
(المعجم الکبیر طبرانی: ج ۱۴ ص ۲۴۹: ح: ۱۴۸۸۲)

اس روایت کے رجال:

اس میں بھی کوئی راوی ضعیف یا مجروح نہیں۔

یہاں احمد بن یحییٰ بن خالد بن حیان الرقی (م ۲۹۴ھ) ثقہ ہیں۔

(التذییل علیٰ کتب الجرح والتعدیل: ص ۲۶)

اور محمد بن فضیل کوفی (م ۱۹۵ھ) صحیحین کے صدوق راوی ہیں۔

(تقریب التھذیب، تر: ۶۲۲۷)

ان کے ساتھ احمد بن بشیر کوفی (م ۱۹۴ھ) ہیں، وہ بھی بخاری کے صدوق راویوں میں سے ہیں۔
(تقریب التھذیب، تر: ۱۳)

یحییٰ بن سلیمان جعفی بھی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ ان پر فقط امام نسائی رحمہ اللہ نے ''لیس بہ بأس'' کہہ کر جرح کی ہے مگر امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ثقہ''

(موسوعہ اقوال الدارقطنی: ۲ ص ۷۰۸)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے درمیانی رائے قائم کرتے ہوئے انہیں ''صدوق یخطئ'' کہا ہے۔
(تقریب التھذیب، تر: ۷۵۶۴)

چوں کہ یہاں ان کی روایت دیگر حفاظ کی نقل کے مطابق ہے، اس لیے یہاں ''خطا'' کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ پس روایت ہر طرح ثابت ہے۔

حدیث چہارم: حکم بن ابی العاص پر لعنت کی روایت از عمرو بن مرۃ جہنیؓ، بسند حسن

حدثنا روح بن عبد المؤمن المقری حدثنا مسلم بن ابراھیم عن جعفر بن سلیمان عن سعید بن زید عن علی بن الحکم عن ابی الحسن الجزری، عن عمرو بن مرة الجهنی قال: استذن الحکم بن ابی العاص علی النبی ﷺ فقال: ائذنوا له لعنة الله علیه وعلیٰ من یخرج من صلبه إلا المؤمنین وقلیل ما هم، یشرفون فی الدنیا ویتضعون فی الآخرة۔

(عمرو بن مُرّۃ جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حکم بن ابی العاص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے کی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے اجازت دے دو۔ اس پر اللہ کی لعنت ہو اور ان پر بھی جو اس کی پشت سے نکلیں گے، سوائے مؤمنوں کے مگر وہ کم ہوں گے۔ یہ لوگ دنیا میں معزز ہوں گے مگر آخرت میں پست ہوں گے) (انساب الاشراف: ۶ ص ۲۵۶) اسنادہ حسن

ذکر الرجال:

☆ روح بن عبدالمؤمن (م ۲۳۳ھ) راویٔ صحیح البخاری، صدوق۔
(تقریب التہذیب، ت ۱۹۶۳)

☆ مسلم ابن ابراہیم (م ۲۲۲ھ) راویٔ صحیحین، ثقہ مامون۔
(تقریب التہذیب، ت ۶۶۱۶)

☆ جعفر بن سلیمان (م ۱۷۸ھ) راویٔ صحیح مسلم، صدوق زاہد یتشیع۔
(تقریب التہذیب، ت ۹۴۲)

☆ سعید بن زید البصری (م ۱۶۷ھ) راویٔ صحیح مسلم، صدوق لہ اوہام۔
(تقریب التہذیب، ت ۲۳۱۲)

☆ علی بن الحکم البنانی: (م ۱۳۱ھ) راویٔ صحیح البخاری، ثقہ۔
(تقریب التہذیب، ت ۴۷۲۲)

☆ ابوالحسن الجزری الشامی: من التابعین، قال ابو حاتم ثقہ، وقال ابوزرعہ مدنی ثقہ۔ (التکمیل فی الجرح والتعدیل لابن کثیر، ت: ۱۹۵۳)

☆ عمرو بن مرۃ الجہنی: صحابی۔

اسی روایت کو امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں اپنی اسناد سے ذکر کیا ہے۔
(المستدرک علی الصحیحین، ح: ۸۴۸۴؛ دلائل النبوۃ للبیہقی: ۶ ص ۵۱۲)

اس حدیث سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ وعید میں حکم بن ابی العاص کی اولاد

میں سے ہر شخص مراد نہیں، بلکہ وہی بُرے لوگ مراد ہیں جو فتنوں کا سبب ہوئے۔ مطلب یہ ہے کہ اس وعید کا اطلاق اس خاندان کے خاص خاص لوگوں کے لیے ہی تھا۔ یہی بات ''حدیث غلمۃ قریش'' سے سمجھ آتی ہے جو عن قریب آگے آرہی ہے۔

حکم بن ابی العاص وآلہ پر لعنت کی بعض روایات قابلِ اعتماد ہیں۔ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ:

آج کل بہت سے حضرات زور وشور سے کہتے ہیں کہ حکم بن ابی العاص اور اس کی اولاد پر لعنت کی تمام روایات من گھڑت ہیں۔ ہم ان پر اتمام حجت کے لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول پیش کر دیتے ہیں جو حکم بن ابی العاص اور اس کی اولاد پر لعنت کی بعض روایات کی سند کو عمدہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وقد وردت احادیث فی لعن الحکم والد مروان وما ولد، اخرجها الطبرانی وغیرہ، غالبها فیه مقال وبعضها جید۔''

''بے شک مروان کے والد حکم اور اس کی اولاد پر لعنت کے بارے میں احادیث وارد ہوئی ہیں جنہیں امام طبرانی رحمہ اللہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ ان میں سے اکثر میں کلام ہے اور بعض روایات عمدہ ہیں۔'' (فتح الباری: ۱۳ ص ۱۱)

آلِ مروان کی پیدائش سے پہلے ہی ان پر وعید اور لعنت کیسے؟

بعض حضرات ان روایات پر ایک عقلی اشکال کرتے ہوئے انہیں مشکوک بنانے (درحقیقت جھٹلانے) کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حکم بن ابی العاص کی اولاد میں جو لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، یا ان سے ابھی جرائم سرزد نہیں ہوئے تھے، تو ان پر رسول اللہ ﷺ جیسی لعنت کیسے بھیج سکتے تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو اس لعنت یا وعید کا تعلق اس خاندان کے خاص خاص بُرے لوگوں کے لیے ہی تھا۔ ثانیاً اس کا ظہور اسی وقت ہوا تھا جب وہ لوگ گناہوں اور جرائم میں ملوث ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس لعنت یا وعید کی حیثیت ''پیش گوئی'' کی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ اسی وقت ان لوگوں پر چسپاں نہیں

ہوگئی تھی بلکہ ان کے ساتھ اُسی وقت متعلق مانی گئی جب اُن کے جرائم ظاہر ہوئے ،جیسا کہ مروان کا مجرمانہ کردار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور تک ظاہر نہیں ہوا تھا، اس لیے اُس زمانے میں یہ وعید بھی اُس پر چسپاں نہیں کی گئی تھی۔پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ الزام بھی نہیں آسکتا کہ مروان کو انہوں نے کاتب کا عہدہ کیوں دیا؟

حدیث پنجم ،سفہائے قریش۔عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

صحیح ابن حبان میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشادِ نبوی مروی ہے:

ھلاک أمتی علی یدی غلمان سفہاء من قریش۔

میری اُمّت کی ہلاکت احمق قریشی لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی۔''

(صحیح ابن حبان، ح: ۶۷۱۲، قال الحشی: اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین)

ان احمق قریشی لڑکوں سے مراد حکم بن ابی العاص کی اولاد کے وہ بُرے لوگ تھے جو بعد میں حکمران بنے جیسا کہ اگلی حدیث سے واضح ہورہا ہے۔

حدیث ششم۔غلمۃ قریش،عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ ایک بار حضرت ابو ہریرہؓ نے مروان کو کہا:

سَمِعْتُ الصَّادِقَ المَصْدُوقَ، يَقُولُ: هَلاَكُ أُمَّتِي عَلَى يَدَيْ غِلْمَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ، فَقَالَ مَرْوَانُ: غِلْمَةٌ؟ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ ﷺ: إِنْ شِئْتَ أَنْ أُسَمِّيَهُمْ بَنِي فُلاَنٍ، وَبَنِي فُلاَنٍ

(میں نے حضور صادق و مصدوق ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ: ''میری اُمّت کی ہلاکت قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی۔'' مروان نے یہ سن کر کہا: ''نوجوانوں کے ہاتھوں؟'' اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم چاہو تو نام لے کر تمہیں بتادوں کہ فلاں بن فلاں مراد ہے)

(صحیح البخاری، ح: ۳۶۰۵، المناقب، علامات النبوۃ)

یہی روایت صحیح بخاری میں دوسری جگہ زیادہ تفصیل کے ساتھ یوں مذکور ہے:

حدثنا عمرو بن يحيى بنِ سعِيدِ بنِ عمرِو بنِ سعِيد، قال: أخبرنِي جدِي، قال: كنتُ جالِسا مع أبِي هريرة فِي مسجِدِ النبِي ﷺ بالمدِينةِ، ومعنا مروان، قال أبو هريرة: سمِعت الصادِق المصدوق يقول: هلاكُ أمتِي علىٰ يدى غِلمة مِن قريش۔ فقال مروان: لعنةُ اللهِ عليهِم، غِلمة. فقال أبو هريرة: لو شِئت أن أقول: بنِي فلان، وبنِي فلان، لفعلت. فكنت أخرج مع جدِي إِلىٰ بنِي مروان حِين ملِكوا بِالشامِ، فإذا رآهم غِلمانا أحداثا قال لنا عسىٰ هؤلاءِ أن يكونوا مِنهم؟ قلنا: أنت أعلم۔

(عمرو بن یحییٰ کہتے ہیں، مجھے میرے دادا سعید بن عمرو نے بتایا کہ میں مدینہ میں نبی کریم ﷺ کی مسجد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور ہمارے ساتھ مروان بھی تھا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے سچے اور سچ مانے گئے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: میری امت کی تباہی قریش کے چند ناسمجھ نوجوانوں کے ہاتھوں ہوگی۔ اس پر مروان نے کہا: ان نوجوانوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں چاہوں کہ میں ان کا نام لے کر کہوں کہ وہ فلاں کی اولاد اور فلاں کی اولاد ہیں، تو میں ایسا کر سکتا ہوں۔ راوی عمرو بن یحییٰ کہتے ہیں کہ پھر جب بنو مروان شام کے بادشاہ بنے تو میں اپنے دادا کے ساتھ ان کی طرف جاتا تھا، جب میرے دادا انہیں کم عمر نوجوانوں کی شکل میں دیکھتے تو ہم سے فرماتے: شاید یہ لوگ انہی نوجوانوں میں سے ہیں؟ ہم کہتے: آپ بہتر جانتے ہیں۔")

(صحیح البخاری، ح: ۷۰۵۸، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ هلاك أمتي على يدي أغيلمة سفهاء)

یہی روایت مسند احمد میں کہیں مختصر اور کہیں مفصل مذکور ہے۔ ہر جگہ مرفوع روایت ہے۔

احمق نوجوانوں سے مراد آلِ مروان ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تصریح:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"وفي هذا الحديث ايضا حجة لما تقدم من ترك القيام على السلطان

ولو جار، لانه اعلم اباهريرة باسماء هؤلآء و اسماء آبائهم ولم يامرهم بالخروج عليهم مع اخباره ان هلاک الامة علی ايديهم لکون الخروج اشد فی الهلاک واقرب الی الاستيصال من طاعتهم فاختار اخف المفسدتين وايسر الامرين۔ تنبيه: يتعجب من لعن مروان الغلمة المذکورين مع ان الظاهر انهم من ولده، فکان الله اجری ذالک علی لسانه ليکون اشد فی الحجة عليهم لعلهم يتعظون"

(اس حدیث میں بھی اس بات کی دلیل ہے جو پیچھے گزری کہ سلطان ظالم ہو تب بھی اس کے خلاف خروج ترک کیا جائے؛ کیوں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایسے لوگوں اور ان کے آباء کے نام تک بتادینے کے باوجود ان کے خلاف خروج کا حکم نہیں دیا؛ کیوں کہ خروج ان کی اطاعت کی بہ نسبت زیادہ ہلاکت اور تباہی کا باعث ہوگا۔ پس آپ نے دو خرابیوں میں سے ہلکی خرابی اور دو کاموں میں سے آسان کام کو اختیار کیا۔ تنبیہ: مروان کا ان لڑکوں پر لعنت کرنا عجیب معلوم ہوتا ہے حالاں کہ یہ ظاہر ہے کہ ایسے لڑکے اس کی اولاد میں سے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اللہ نے اس کی زبان پر یہ بات اس لیے جاری کرادی کہ ان لوگوں پر پورے شد و مد سے حجت قائم ہوجائے اور ممکن ہے کہ وہ نصیحت پکڑیں) (فتح الباری: ۱۳/ ۱۱)

☆☆☆

فصل دوئم:

مروان کے لیے وعید اور لعنت کی روایات

اب ہم وہ احادیث یا اقوالِ صحابہ بیان کرتے ہیں جن میں مروان کا نام لے کر اُسے ملعون قرار دینا مذکور ہے۔

یاد رہے کہ ایسی بعض روایات کی سند میں قدرے ضعف ہے مگر یہ ضعف اتنا نہیں کہ ان پر وضع کا حکم لگادیا جائے۔ میرے علم کے مطابق ۱۹۵۰ء سے قبل (بانیٔ ناصبیت محمود عباسی کے ظہور سے پہلے) تیرہ صدیوں میں کسی نے بھی ان

روایات کو جعلی قرار نہیں دیا۔ لہٰذا اصحاب رسول کے ان ارشادات کو اتنا خفیف نہ سمجھا جائے کہ انہیں مروان کی عزت پر قربان کر کے آپ مطمئن ہو جائیں۔ یہ چیزیں ہماری علمی میراث ہیں۔ اغیار کی وضع کردہ نہیں۔ درحقیقت ان روایات کا ایک خاص محل ہے۔ اب اُن روایات کو دیکھ لیجئے:

روایت اوّل۔ قولِ حسن بن علی رضی اللہ عنہ

پہلی روایت میں مروان پر لعنت حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

حدثنا ابراهيم الحاج السامي، حدثنا حماد بن سلمة، عن عطاء بن السائب، عَنْ أَبِي يَحْيَى قَالَ: كُنْتُ بَيْنَ الْحُسَيْنِ وَالْحَسَنِ وَمَرْوَانَ يَتَشَاتَمَانِ فَجَعَلَ الْحَسَنُ يَكُفُّ الْحُسَيْنَ، فَقَالَ مَرْوَانُ: أَهْلُ بَيْتٍ مَلْعُونُونَ، فَغَضِبَ الْحَسَنُ، فَقَالَ: أَقُلْتَ: أَهْلُ بَيْتٍ مَلْعُونُونَ؟ فَوَاللهِ لَقَدْ لَعَنَكَ اللهُ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ ﷺ وَأَنْتَ فِي صُلْبِ أَبِيكَ۔

''ابو یحییٰ کہتے ہیں کہ میں حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما اور مروان کے درمیان تھا اور وہ ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے اور حسن رضی اللہ عنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو روک رہے تھے۔ اتنے میں مروان نے کہا: ''اہلِ بیت پر لعنت کی گئی ہے۔'' پس حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور انہوں نے کہا: ''تم کہتے ہو کہ اہلِ بیت پر لعنت کی گئی ہے؟ اللہ کی قسم اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی زبانی تجھ پر اس وقت لعنت کی تھی جب تو اپنے باپ کی پشت میں تھا۔''

(مسند ابی یعلیٰ: ح: ۶۷۶۴۔ قال المحقق حکیم حسین سلیم اسد: اسنادہ صحیح)

ذکر الرجال:

☆ ابراہیم الحجاج السامی (۲۳۱ھ): امام دارقطنیؒ کہتے ہیں: ثقہ ہیں۔ ابن حجرؒ کہتے ہیں: ثقہ مگر تھوڑا وہم تھا۔

(موسوعہ اقوال الدارقطنی: ۱ ص ۳۳) ثقہ یہم قلیلا۔ (تقریب التہذیب، ت: ۱۶۲)

☆ حماد بن سلمۃ (م ۱۶۷ھ) راویٔ مسلم، ثقہ۔ آخر میں حافظہ کمزور ہوا۔

یحییٰ ابن معینؒ فرماتے تھے جسے حماد بن سلمہ پر تنقید کرتے دیکھو تو اُس کے اسلام کو مشکوک سمجھو۔ (تقریب التہذیب، تر:۱۴۹۹، من تکلم فیہ وہو موثق: ا ص ۷۰)

☆ عطاء بن السائب (م ۱۳۶ھ) تابعی، راویٔ بخاری۔ صدوق، کچھ خلط ملط کرتے تھے۔ امام احمدؒ فرماتے تھے جس نے ان سے پرانے دور میں سماعت کی، اُس کی روایت صحیح ہے۔

(تقریب التہذیب تر:۴۵۹۲) قال احمد: من سمع منہ قدیما فہو صحیح۔ (من تکلم فیہ وہو موثق: ا ص ۱۳۴)

☆ عمیر بن سعید، ابو یحییٰ النخعی الکوفی (۱۰۷ھ) راویٔ صحیحین۔ ثقہ۔

(تقریب التہذیب، تر:۵۱۸۲)

الغرض اس روایت کے تمام ثقات ہیں۔ ان میں سے عطاء بن سائب پر اتنی جرح ہے کہ آخر میں ان کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا۔ مگر حماد بن سلمہ کا ان سے سماع اس سے پہلے کا ہے۔ لہٰذا روایت کی سند صحیح ہے۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۳ ص ۳۰۹؛ الکامل فی ضعفاء الرجال: ۷ ص ۲۷؛ تہذیب التہذیب: ۷ ص ۲۰۶؛ الکواکب النیرات: ا ص ۳۲۵)

روایت دوئم۔ قولِ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

دوسری روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مروان کی خانوادۂ صدیقی پر طعن و تشنیع کے جواب میں مروان پر لعنت کی حدیث نقل فرماتی ہیں۔

فَبَلَغَ ذٰلِکَ عَائِشَۃَ فَقَالَتْ: وَلٰکِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ لَعَنَ أَبَا مَرْوَانَ، وَمَرْوَانُ فِی صُلْبِہٖ، فَمَرْوَانُ فَضَضٌ مِنْ لَعْنَۃِ اللّٰہِ۔

"یہ بات سیدہ عائشہ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا: بلکہ رسول اللہ ﷺ نے مروان کے باپ پر لعنت کی تھی جب مروان اپنے باپ کی پشت میں تھا۔ پس مروان اللہ کی لعنت کے مستحق لوگوں میں ہے۔" (سنن النسائی الکبریٰ، ح: ۱۱۴۲۷)

تھوڑا سا غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان دونوں مقامات پر روایت بالمعنی ہے۔ یعنی اصل احادیث میں "آلِ حکم بن ابی العاص" کا مطلقاً ذکر تھا (یہ احادیث پیچھے گزر چکی ہیں) مگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

نے مروان کے جرائم ظاہر ہوتے دیکھ لیے تھے، اس لیے اب یقینی طور پر اُسے وعید کا واضح مصداق جان کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی وہ لعنت تجھ پر تھی۔ یعنی اب یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ لعنت جو مکی دور میں حکم بن ابی العاص اور اس کی آل پر ہوئی، اس کا مظہر تم اور آلِ حکم کے تم جیسے لوگ تھے۔

ایک شبہ کا جواب:

بعض حضرات سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد کو یکسر مردود قرار دینے کے لیے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی درج ذیل عبارت کا سہارا لیا کرتے ہیں:

ویُروٰی انّها بعثت اِلیٰ مروان تعتِبه وتؤنِبه وتخبره بخبر فِیهِ ذم له ولِابیه، لایصِح عنها.

''مروی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مروان کی طرف عتاب اور ڈانٹ پر مشتمل پیغام بھیجا تھا جس میں مروان کو ایسی خبر دی گئی تھی جس میں مروان اور اس کے باپ کی مذمت تھی۔ یہ روایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح سند سے ثابت نہیں۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۱۱ ص ۳۳۰، ط دار ہجر)

یہ حضرات حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے الفاظ ''لا یصح'' سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ دیکھئے یہ روایت جعلی ثابت ہو گئی۔ مگر یہ بالکل سطحی بات ہے۔ ''لا یصح'' کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ روایت سنداً صحیح کے درجے پر نہیں۔ مگر وہ حسن لذاتہ، حسن لغیرہ یا مقبول درجے کی ضعیف روایت بالکل ہو سکتی ہے۔

علامہ عبدالحئی لکھنوی فرنگی محلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''محدثین بہت دفعہ کہتے ہیں: ''لا یصح، ولا یثبت'' جنہیں (اصولِ روایت کا) علم نہیں، وہ اس سے یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ یہ روایت من گھڑت یا ضعیف ہے۔ حالاں کہ یہ گمان محدثین کی اصطلاحات سے جہالت اور ان کے واضح بیانات سے لاعلمی کی پیداوار ہے۔ ملا علی قاری نے ''تذکرۃ الموضوعات'' میں لکھا ہے کہ ''کسی بات کے ثابت نہ ہونے سے اس کا من گھڑت ہونا لازم نہیں ہو جاتا۔''

نیز فرماتے ہیں: ''روایت کے صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ من گھڑت ہو۔'' (الرفع والتکمیل، ص ۱۹۱)

نیز اگر مان بھی لیا جائے کہ مروان اور اس کے باپ کی مذمت کے بارے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت قابلِ استدلال نہیں تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیوں کہ یہ مسئلہ دیگر اسانید اور طرق سے ثابت کیا جا چکا ہے، پس روایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حیثیت مؤید اور متابع کی ہے۔ پس اس پر جرح کر کے وکلائے مروان دامنِ مروان سے دھبے دور نہیں کر سکتے۔

مکرر تنبیہ:

ایک بار پھر سمجھ لیجئے کہ آلِ حکم بن ابی العاص کی مذمت اور لعنت وغیرہ کی احادیث میں بہرکیف اس خاندان کے سبھی لوگ مراد نہیں تھے۔ کیونکہ اس خاندان میں نیک وصالح، عالم فاضل اور عابد ومجاہد لوگ بھی تھے جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اس کی عمدہ مثال ہیں۔

☆☆☆

دفاعِ مروان کے لیے علامہ ابن قیمؒ اور ملا علی قاریؒ کی آڑ

وکلائے مروان کا ایک حربہ یہ ہے کہ وہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اور ملا علی قاری رحمہ اللہ کی بعض عبارات کو (جو موضوع احادیث کی نشاندہی پر مشتمل ہیں) پیش کر کے مروان کو تمام خطاؤں سے پاک ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وکلائے مروان کا فرمانا ہے:

''علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مروان کی مذمت میں بیان کردہ تمام احادیث من گھڑت ہیں۔ وہ موضوع احادیث کی فہرست بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''وکذا أحادیث ذم الولید و مروان بن الحکم'' (ولید اور مروان کی مذمت والی تمام احادیث کا حکم یہی ہے۔ یعنی من گھڑت ہیں)

(المنار المنیف فی الصحیح والضعیف: ص ۱۱۷، ط مکتبۃ مطبوعات الاسلامیۃ)

نیز ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

ذمِ بنی أمیة ومدحِ المنصورِ والسفاحِ وکذا ذمِ یزید والولید ومروان بنِ الحکمِ۔

(بنو اُمیہ کی مذمت، منصور اور سفاح کی تعریف اور اسی طرح یزید، ولید اور مروان بن حکم کی مذمت کی تمام روایات موضوعات میں سے ہیں)

(الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ: ا ص ۴۷۷)

پس ابن قیم اور ملا علی قاری رحمہا اللہ کے بیانات سے ثابت ہوا کہ مروان اور اس کے باپ پر لعنت و مذمت وغیرہ کی جن احادیث کا حوالہ دیا جاتا ہے، وہ سب جھوٹی ہیں جنہیں راویوں نے تصنیف فرما کر مسلمانوں میں نشر کر دیا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی عبارت کا مطلب وہ نہیں جو مروانی بتاتے ہیں:

اس تلبیس کا پردہ چاک کرتے ہوئے ہم واضح کرنا چاہتے ہیں کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کے اس قول کا مطلب اہلِ علم کے ہاں تو بالکل صاف ہے اور وہ یہ کہ کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس میں مروان کا صریحاً نام لے کر اس کی مذمت یا اس پر لعنت کی گئی ہو۔ ممکن ہے کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کا اشارہ اس روایت کی طرف ہو جس کے مطابق مروان پیدا ہوا تو اسے خدمتِ نبویہ میں لایا گیا اور آپ ﷺ نے اسے ''وزغ ابن وزغ'' (گرگٹ کی اولاد گرگٹ) قرار دیا۔

(اللعن لنعیم بن حماد، ح: ۳۱۷؛ المستدرک علی الصحیحین، ح: ۸۴۷۷)

ہم بتا چکے ہیں کہ اس کا راوی بناء موئی عبدالرحمن بن عوف متروک ہے، اسی بناء پر بعض علماء نے اس روایت کو موضوع کہا ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کے قول کا صحیح محل اسی قسم کی موضوع روایات ہو سکتی ہیں۔ باقی رہی وہ احادیث جنہیں ہم نے پہلے حکم اور آلِ حکم کی مذمت میں پیش کیا ہے، چودہ صدیوں میں کوئی محدث نہیں گزرا جس نے انہیں جعلی کہا ہو۔ موضوعات پر درجنوں کتب موجود ہیں مگر کوئی ایسی کتاب نہیں جس میں مذکورہ احادیث کو موضوع کہا گیا ہو۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ بعض اہلِ علم بھی رسول اللہ ﷺ کے

فرامین عالیہ کو جو پختہ اسناد سے ثابت ہیں، صرف اس رَد کر رہے ہیں کہ ان سے مروان کی شخصیت پر حرف آتا ہے۔ ان حضرات کو غور کرنا چاہیے کہ خدانخواستہ یہاں مروان کی محبت رسول اللہ ﷺ کی عظمت پر غالب تو نہیں آ رہی؟ اگر ایسا نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ مروان کے دفاع کے لیے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو دھاندلی کے ساتھ رَد کیا جا رہا ہے؟ ایسے غیر علمی طریقے سے تو تاریخی روایات بھی رَد نہیں کی جاتیں جس طرح یہاں احادیث نبویہ کو مسترد کیا جا رہا ہے۔

اچھا بالفرض مان لیا جائے کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کا مطلب وہی تھا جو یہ حضرات بتا رہے ہیں تو ہم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کیا احادیث کے معیار کے متعلق علامہ ابن قیم رحمہ اللہ ہر جگہ حجت ہیں اور ہر جگہ ان کی تقلید اُمت پر فرض ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر یہی علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اپنی اسی کتاب میں چند اوراق پہلے فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

ومِن ذٰلکِ ما وضعه بعض جهلةِ اهلِ السنةِ فِی فضائلِ معاویة ابن ابی سفیان قال اِسحاق بن راهویه: "لا یصح فِی فضائِلِ معاوِی بنِ ابی سفیان عنِ النبیِ ﷺ شیء۔ قلت: ومراده ومراد من قال ذلکِ مِن اهلِ الحدِیثِ انه لم یصِح حدِیث فِی مناقِبِه بخصوصِهِ والا فما صح عِندهم فِی مناقِبِ الصحابةِ علی العمومِ ومناقِبِ قریشٍ فمعاوِیة رضی اللہ عنه داخِل فِیهِ۔

''انہی روایات میں سے وہ ہیں جنہیں بعض جاہل سُنیوں نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے فاضل میں گھڑ لیا ہے۔ اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے فضائل میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں۔ میں (ابن قیم) کہتا ہوں کہ ان کی مراد اور یہ بات کرنے والے علمائے حدیث کی مراد یہ ہے کہ خاص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں (یعنی ان کا نام لے کر) کوئی صحیح حدیث منقول نہیں، باقی صحابہ اور قریش کے عمومی مناقب کی احادیث جو علمائے حدیث کے نزدیک صحیح ہیں، ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ داخل ہیں۔''

(المنار المنیف فی الصحیح والضعیف: ص ۱۱۶، ط مکتبہ مطبوعات الاسلامیۃ)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی تحقیق امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان اور خصوصی فضیلت کی کوئی حدیث صحیح نہیں۔ تو کیا ہم پر لازم ہے کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کے اس قول کو حرفِ آخر مانیں؟ کیا یہ درست ہوگا کہ صرف مذکورہ عبارت کا حوالہ دے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں جن دو تین صحیح یا حسن درجے کی احادیث سے ہم واقف ہیں، انہیں من گھڑت قرار دے دیا جائے؟

اگر یہ طرزِ عمل درست نہیں تو یہ کونسی عقل اور کہاں کا انصاف ہے کہ خاندانِ مروان پر لعنت کی مذکورہ صحیح وحسن احادیث کو دیکھتے بھالتے ہوئے بھی ہم علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کے اس قول کو لے کر بیٹھ جائیں کہ جب انہوں نے مروان کی مذمت کی احادیث کو جھوٹا کہا ہے، تو مذکورہ تمام احادیث جھوٹی ملے پا گئیں۔ (حالاں کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی عبارت کا وہ مطلب ہے ہی نہیں جو وکلائے مروان مراد لے رہے ہیں)

ملا علی قاری رحمہ اللہ کی عبارت سے مروان کا دفاع نہیں ہوسکتا:

رہا ملا علی قاری رحمہ اللہ کا قول تو اگر اس کے سیاق وسباق کو دیکھ لیں تو مسئلہ مزید واضح ہوجاتا ہے کہ یہاں بھی مراد فقط یہ ہے کہ کوئی ایسی حدیث ثابت نہیں جس میں یزید یا مروان وغیرہ کا صراحت کے ساتھ نام لے کر ان کی مذمت کی گئی ہو۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ومِن ذلکِ ما وضعه الکذابون فِی مناقِبِ ابی حنِیفة والشافِعِي علی التنصِیصِ علی اسمیهما وکذا ما وضعه الکذابون ایضا فِی ذمِهما ومِن ذلکِ الاحادِیث فِی ذم معاوِیة وذمِ عمرِو بنِ العاصِ وذمِ بنِی أمیة ومدحِ المنصورِ والسفاحِ وکذا ذم یزِید والولِیدِ ومروان بنِ الحکمِ وکذا کل حدِیث فِی مدحِ بغداد وذمِها والبصرة والکوفةِ ومرو وقزوین وعسقلان والاسکندریة ونصیبین وانطاکِیة فهو کذِب۔

''ان روایات میں سے جنہیں کذاب راویوں نے گھڑا ہے، وہ روایات ہیں جو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی (رحمہما اللہ) کے مناقب میں ان کے ناموں کی

وضاحت کے ساتھ گھڑی گئی ہیں۔اسی طرح وہ روایات بھی من گھڑت ہیں جنہیں کذاب راویوں نے ان دونوں حضرات کی مذمت میں گھڑا ہے۔انہیں میں سے وہ روایات بھی ہیں جو حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہما) اور بنوامیہ کی مذمت اور منصور اور سفاح کی تعریف میں گھڑی گئی ہیں۔اسی طرح وہ روایات ہیں جو یزید، ولید اور مروان بن حکم کی مذمت میں گھڑی گئی ہیں اور اسی طرح وہ تمام احادیث جو بغداد کی تعریف یا مذمت میں گھڑی گئی ہیں اور بصرہ، کوفہ، مرو، قزوین، عسقلان، اسکندریہ، نصیبین اور انطاکیہ (کی مدح یا مذمت میں ہیں) وہ جھوٹ ہیں۔"

(الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ: ا ص ۴۷۷)

غور فرمایئے! یہاں تو سارا زور اس بات پر ہے کہ فلاں شخصیات یا مقامات کی مذمت یا تعریف میں کوئی حدیث ان کے نام کے ساتھ ثابت نہیں۔اس کا یہ مطلب کیسے ہوا کہ بعض صحیح یا حسن احادیث (جو ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں) میں بیان کردہ مذمت کے عمومی الفاظ میں بھی یزید اور مروان وغیرہ کا شامل ہونا محال ہے؟ اور اس سے یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ ہم یزید اور مروان وغیرہ کے ثابت شدہ جرائم سے بھی آنکھیں بند کر کے ان کی معصومیت کا کلمہ پڑھنے لگیں۔

سوچیے کہ اگر کسی ظالم حکمران کے خلاف کوئی شخص ایسی جھوٹی احادیث گھڑ کر پھیلا دے جس میں اس کا نام لے کر اس کی مذمت کی گئی ہو اور بعض علماء وضاحت کر دیں کہ ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں جس میں اس نام کے شخص کی برائی ہو تو اس کا کیا یہ مطلب لیا جائے گا کہ وہ دودھ کا دُھلا تھا۔

آپ کے اس معیار پر تو ملا علی قاریؒ کی عبارت "وکذا کل حدیث فی مدح بغداد وذمھا والبصرۃ والکوفۃ ومرو وقزوین وعسقلان والاسکندریۃ ونصیبین وانطاکیۃ فھو کذب۔" کا مطلب یہ ہوگا کہ بغداد، کوفہ اور بصرہ وغیرہ میں نہ کوئی قابلِ مذمت بات ہے نہ قابلِ تعریف۔آپ کے نزدیک بغداد، کوفہ وبصرہ وغیرہ میں ہونے والی نہ آنکھوں دیکھی برائیوں کو مانا جائے گا، نہ ان کی دیکھی

بھالی خوبیوں پر یقین کیا جائے گا اور یہی کہا جائے گا کہ جب ملا علی قاریؒ نے ان کی مدح اور ذم دونوں پر مشتمل روایات کو جھوٹا کہا ہے تو نہ ان کی کوئی خوبی ثابت ہو سکتی ہے، نہ برائی۔ کیوں کہ جب ایسی ساری احادیث من گھڑت قرار پا چکی ہیں جن میں ان کی تعریف یا مذمت ہو، تو آپ کے اصول پر ان مقامات سے مذمت یا مدح کی کلی نفی ہو جاتی ہے۔ ایسی جہالت سے اللہ کی پناہ!

بریں عقل و دانش بباید گریست

ملا علی قاری رحمہ اللہ کی شرح مشکوٰۃ میں آلِ حکم کی کھلی مذمت:

نیز اگر ملا علی قاری رحمہ اللہ کا وہی مطلب تھا جو مروان کا دفاع کرنے والے حضرات نے بزعم خود طے کر دیا ہے تو فرمایئے کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے خود مشکوٰۃ کی شرح میں حدیث ''امارۃ الصبیان'' کے تحت مروان اور آلِ حکم کی مذمت کی احادیث بطورِ استشہاد کیوں نقل کی ہیں۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ کی عبارت دیکھئے:

تعوذوا باللہِ مِن رأسِ السبعِین، ای مِن فِتنة تنشأ فِی ابتِداءِ السبعِین مِن تارِیخِ الهِجرةِ، او وفاتِهِ علیهِ الصلاة والسلام، وإمارةِ الصِبیانِ، ای ومن حکومة الصِغارِ الجهالِ کیزِید بنِ معاوِیة، واولادِ الحکمِ... وهم أغیلِمة مِن قریش، رآهم النبی ﷺ فِی منامِهِ یلعبون علی مِنبرِهِ علیهِ الصلاة والسلام، وقد جاء فِی تفسِیرِ قولِهِ تعالی: وما جعلنا الرؤیا التِی اریناک إلا فِتنة لِلناسِ۔ انه ﷺ رأی فِی المنامِ ان اولاد الحکمِ یتداولون المِنبر کما یتداول الصِبیان الکرة۔

(رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ۷۰ ویں سال سے اللہ کی پناہ مانگو۔ یعنی اُس فتنے سے جو ۷۰ھ کی ابتداء میں ظاہر ہوگا، یا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ۷۰ سال بعد شروع ہوگا۔ فرمایا: اور چھوکروں کی حکومت سے پناہ مانگو۔ یعنی کم عمر جاہلوں کی حکومت سے جیسے یزید بن معاویہ اور حکم کی اولاد..... یہ قریش کے کچھ چھوکرے تھے جن کو نبی ﷺ نے خواب میں اپنے منبر پر کھیلتے کودتے ہوئے دیکھا۔ اور اللہ کے ارشاد: ''وما جعلنا الرؤیا التِی اریناک إلا فِتنة لِلناسِ'' کی تفسیر

میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ حکم کی اولاد منبر نبوی سے یوں کھیل رہی ہے جیسے لڑکے گیند سے کھیلتے ہیں) (مرقاۃ المفاتیح:۶ ص ۲۴۱۸)

اور یہی ملا علی قاری رحمہ اللہ "شرح الشفا" میں کس طرح حکم بن ابی العاص کو بارگاہِ رسالت کی بے ادبی کے باعث رسول اللہ ﷺ کی بددُعا لگنے کا ذکر کر رہے ہیں:

ودعا علی الحکم بن ابی العاص، ای ابن أمیة بن عبد شمس بن عبد مناف وهو ابو مروان عم عثمان اسلم یوم الفتح وتوفی فی خلافة عثمان، وکان یختلج بوجهه ویغمز عند النبی ﷺ ای یجلس خلفه ﷺ فاذا تکلم یحرک شفتیه وذقنه حکایة لفعله ویرمز مشیرا بعینه و حاجبه، فرآه ای النبی علیه الصلاة والسلام مرة وهو یختلج فقال کذلک کن فلم یزل یختلج ای یرتعد ویضطرب الی ان مات۔ رواه البیهقی من طرق عن عبد الرحمن بن ابی بکر وعن ابن عمر وعن هند ابن خدیجة۔

(نبی اکرم ﷺ نے حکم بن ابی العاص کے لیے بددُعا فرمائی جو بیٹا تھا امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف کا، وہ مروان کا باپ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا چچا تھا، فتح مکہ کے دن اسلام لایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں فوت ہوا۔ وہ نبی ﷺ کے پاس منہ بناتا اور اشارے کرتا تھا، یعنی آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھتا، جب رسول اللہ ﷺ کچھ فرماتے تو وہ بھی آپ ﷺ کی نقل کرتے ہوئے اپنے ہونٹ اور تھوڑی کو ہلاتا اور اپنی آنکھوں اور بھوؤں سے اشارے کرتا۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک بار اسے منہ بناتے دیکھ لیا تو فرمایا: تو ہمیشہ ایسا ہی رہے۔ پس اُس کا چہرہ ہمیشہ بگڑا رہا۔ یعنی مرتے دم تک وہ کانپتا اور لرزتا رہا۔ اسے امام بیہقی نے کئی طرق سے نقل کیا ہے، عبد الرحمن بن ابی بکر سے، عبد اللہ بن عمر سے اور ہند بن خدیجہ سے)

وفی روایة فضربه فصرع شهرین ثم افاق مختلجا قد أخذ لحمه وقوته، وقیل مرتعشا۔ وقال التلمسانی قوله: یغمز، إما یعیب لانه کان یخبر المنافقین بسر رسول الله ﷺ او لانه کان یحکی فعله ﷺ فی مشیه وأمره ونحوه۔

(اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم کو ایک ضرب لگائی تو وہ دو ماہ تک بے ہوش رہا، پھر ہوش میں آیا تو اسے رعشہ ہو چکا تھا، جسم کا گوشت اور طاقت ختم ہو چکے تھے۔ طلمسانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ''آنکھوں سے اشارے کرتا تھا'' یا تو اس لیے کہ وہ حضور ﷺ کو عیب لگاتا تھا کیوں کہ وہ منافقوں کو رسول اللہ ﷺ کے راز بتاتا تھا۔ یا اس لیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے چلنے، حکم دینے یا دیگر چیزوں کی نقل اُتارتا تھا) (شرح الشفا للقاری: ۱ ص ۶۶۷)

ملا علی قاریؒ کی شرح شفا میں یزید اور مروان کے جرائم کی مذمت:

نیز اسی کتاب میں ملا علی قاری رحمہ اللہ یزید، مروان اور آلِ مروان کے جرائم کو کھل کر بیان کرتے ہیں اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی دو رِ فتنہ سے متعلق پیش گوئیوں کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

وقال ابو هريرة راويه اى راوى هذا الحديث لو شئت سميتهم لهم اى لبيتهم وقلت لكم انهم بنو فلان وبنو فلان لكنى ما اشاء تسميتهم صريحا خوف الفساد والفتن لان فى العبارة اشارة بالكناية۔ والمراد يزيد بن معاوية فانه بعث الى المدينة السكينة مسلم بن عقبة فاباحها ثلاثة ايام فقتل من خيار اهلها كثيرا فيهم ثلاثة من الصحابة وأزيلت بكارة الف عذراء، وبعده بنو مروان بن الحكم بن العاص فلقد صدر عنهم ما اوجب ان النبى ﷺ تبرأ منهم كما رواه الشيخان انه قال ان آل ابى فلان ليسوا لى باولياء، ولكن لهم رحم سابلها ببلالها۔ فالمكنى هو الحكم بن العاص وبنوه، فانهم آله فكنى عنهم بعض رواة هذا الحديث حذرا منهم۔

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی فرماتے ہیں: ''اگر میں چاہتا تو میں ان کے نام بھی ان لوگوں کو بتا دیتا۔'' یعنی ان لوگوں کو واضح کر دیتا اور تمہیں بتا دیتا کہ وہ فلاں بن فلاں ہیں مگر میں ان کے ناموں کی صراحت نہیں کرنا چاہتا کیوں کہ فتنہ و فساد کا خطرہ ہے۔ اس عبارت میں اشارۃً کنایۃً ان لوگوں کا ذکر

موجود ہے۔ مراد یزید بن معاویہ ہے جس نے مدینہ شریف پر حملے کے لیے مسلم بن عقبہ کو بھیجا جس نے شہر کو تین دن تک حلال کر دیا اور کتنے ہی بہترین لوگوں کو قتل کیا جن میں تین صحابہ کرام بھی تھے اور ایک ہزار کنواری لڑکیوں کی عصمتیں لوٹی گئیں۔ اس کے بعد بنو مروان آگئے اور ان سے ایسے کام صادر ہوئے کہ جن کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے ان سے اظہار برأت لازم سمجھا جیسا کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک ابوفلاں کی اولاد میرے ساتھی نہیں مگر اُن سے صلہ رحمی کے طور پر انہیں عطیات دیتا ہوں۔'' پس اس روایت میں حکم بن ابی العاص اور اس کے لڑکوں کی طرف اشارہ ہے جو اس کی آل تھے پس بعض راویوں نے اسے بنو مروان کے خوف سے اشارۃً نقل کیا۔) (شرح الشفا للقاری: ۱ص ۶۹۵)

الغرض! یہ اچھی طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ، ملا علی قاری رحمہ اللہ اور اسی طرح بعض دیگر محدثین نے اگر کہیں یہ لکھا ہے کہ مروان یا یزید کی مذمت کی احادیث موضوع ہیں، تو اس کا مطلب فقط یہ ہے کہ کوئی ایسی حدیث ثابت نہیں جس میں رسول اللہ ﷺ نے صریح طور پر مروان یا یزید کا نام لے کر ان کی مذمت کی ہو۔ اس سے اُن احادیث پر وضع کا حکم نہیں لگ سکتا جن کے الفاظ مذمت کے عموم میں مروان وغیرہ شامل ہو جاتے ہیں۔ نہ ہی اس طرح ان تاریخی حقائق کی نفی ہوتی ہے جو ان فاسق حکمرانوں کے مظالم اور برائیوں کو تواتر سے ثابت کرتے ہیں۔

☆☆☆

فصل سوئم:

مروان کے بارے میں صحابہ کی پیش گوئیاں

مروان کے بارے میں اکابر صحابہ کرام بعض ایسی پیش گوئیاں فرما گئے تھے جو بعد میں لفظ بلفظ سچ ثابت ہوئیں۔ نمونہ درج ذیل ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیش گوئی:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک بار مروان کو دیکھ کر پیش گوئی کی تھی کہ جب اس کی کنپٹیاں سفید ہوں گی تو یہ گمراہی کا جھنڈا اُٹھالے گا اور اسے کچھ دن کی حکومت ملے گی۔ یہ پیش گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔

قَدْ قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ لَهُ: لَيَحْمِلَنَّ رَايَةَ ضَلَالَةٍ بَعْدَمَا يَشِيبُ صُدْغَاهُ ، وَلَهُ إِمْرَةٌ كَلَعْسَةِ الْكَلْبِ أَنْفَهُ۔

(حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک دن مروان کو دیکھا تو فرمایا: جب اس کی کنپٹیوں کے بال سفید ہو جائیں گے تو یہ گمراہی کا جھنڈا بلند کرے گا، اور اس کی حکومت اتنی مختصر ہوگی جیسے کتا اپنی ناک چاٹ لیتا ہے)

(طبقات ابن سعد: ۵ ص ۴۳، ط صادر)

یہ پیش گوئی بھی بالکل سچ ثابت ہوئی۔ مروان اپنی ادھیڑ عمری میں صحابہ کے خلاف بغاوت کا پرچم لے کر کھڑا ہوا۔ شام میں اس کی حکومت محرم ۶۵ھ میں قائم ہوئی اور فقط آٹھ ماہ بعد وہ اپنے ہی گھر کی عورتوں کے ہاتھوں ایک عبرت ناک موت کا شکار ہو گیا۔

(۲) نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک بار مروان کو دیکھ کر فرمایا تھا:

''جب تیرے بازو کمزور ہو جائیں گے تو تجھ سے اور تیری اولاد سے اُمّت کی ہلاکت ہوگی۔''

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ، قَالَ: حدثنا مُحَمَّد بن جعفر، قال: حدثنا عَوْفٌ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ، عَنْ أَبِيهِ أَبِي سُلَيْمَانَ، قَالَ: بَيْنَا عَلِيٌّ يَوْمًا عَلَى بَعْضِ سِكَكِ الْمَدِينَةِ إِذْ جَاءَ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ فِي حُلَّةٍ فَتًى شَابًّا نَاصِعَ اللَّوْنِ، قَالَ: فَنَظَرَ عَلِيٌّ فِي قَفَاهُ ثُمَّ قَالَ: وَيْلٌ لِأُمَّتِكَ مِنْكَ وَمِنْ بَنِيكَ إِذَا شَابَتْ ذِرَاعَاكَ۔

(ابو سلیمان سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ کی کسی گلی میں تھے کہ اسی دوران مروان بن حکم ایک قیمتی جوڑا پہنے ہوئے

وہاں سے گزرا، وہ اس وقت ایک گورے رنگ کا جوان تھا۔ راوی کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی گدی کی طرف دیکھا اور پھر فرمایا: تیری ذات سے اور تیری اولاد سے تیری قوم کے لیے ہلاکت ہے، جب تیرے بازوؤں کے بال سفید ہو جائیں گے) (تاریخ ابن ابی خیثمہ: السفر الثالث، ۲ ص ۷۲) اسنادہ ضعیف

ذکر الرجال: یحییٰ بن معین: ثقہ معروف؛ محمد بن جعفر الہذلی غندر (م ۱۹۴ھ) راویٔ صحیحین، ثقہ صحیح الکتاب۔ (تقریب التہذیب، تر: ۵۷۸۷)؛ عوف بن ابی جمیلۃ (م ۱۴۶ھ) راویٔ صحیحین، ثقہ رمی بالقدر والتشیع۔ (تقریب التہذیب، تر: ۵۲۱۵)؛ سلیمان بن ابی سلیمان مولیٰ بن ہاشم: مقبول (تقریب التہذیب، تر: ۲۵۶۷)؛ ابو سلیمان: لم یُعرف۔ لم اطلع علیٰ ترجمتہ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی پیش گوئی۔ حدیث امارۃ الصبیان:

اس قسم کی ایک پیش گوئی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی کر گئے تھے۔ صحیح سند سے ان کا یہ قول منقول ہے:

ویل للعرب من شر قد اقترب، امارۃ الصبیان، ان اطاعوھم ادخلوھم النار وان عصوھم ضربوا اعناقھم۔

(عرب کے لیے قریب آجانے والے شر سے ہلاکت ہوگی جو کہ لڑکوں کی حکومت ہے، اگر لوگ ان کی مانیں تو وہ انہیں آگ میں لے جائیں۔ اگر نہ مانیں تو وہ ان کی گردنیں کاٹ دیں) (مصنف ابی شیبہ، ح: ۳۷۷۵۱، ط الرشد) اسنادہ صحیح متصل

ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایسی پیش گوئی ازخود نہیں کر سکتے تھے بلکہ یہ قول علوم رسالت سے مستفاد تھا۔

اگرچہ مذکورہ بعض روایات سنداً ضعیف ہیں مگر زمینی حقائق کے لحاظ سے ان کا ثبوت سورج کی طرح روشن ہے کیوں کہ بالکل ایسا ہی ہوا تھا۔ مروان اور اس کے بیٹے عبدالملک اور ان کے ظالم نائبین حجاج وغیرہ کے ہاتھوں اُمت کو جس خونریزی سے واسطہ پڑا جس میں متعدد صحابہ کرام شہید ہوئے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

اس دور میں جو بدعات وخرافات دین میں داخل کی گئیں اور جس طرح بیت المال کو ذاتی جاگیر بنایا گیا، وہ نہ صرف کتب تاریخ بلکہ کتب حدیث سے بھی ثابت ہے۔ یہ تمام شواہد وحقائق ان پیش گوئیوں کو سو فیصد سچا ثابت کر دیتے ہیں۔

ابوسعید انصاری رضی اللہ عنہ کو حسرت کہ وہ مروان کو قتل نہ کر سکے:

ابوسعید انصاری رضی اللہ عنہ اُسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حویلی کے محاصرے کے دوران مروان بلوائیوں سے جھڑپ میں زخمی ہو گیا تھا۔ ابوسعید انصاری رضی اللہ عنہ بعد میں فرماتے تھے کہ کاش میں اُس دن زخمی مروان کو قتل ہی کر دیتا۔ روایت پیش خدمت ہے:

عن مهاجر بن دِينار: أن أبا سعِيد الانصارِی مرّ بمروان يوم الدارِ وهو صرِيع فقال: يا ابن الزرقاءِ، لو أعلم أنک حیّ أجزتُ عليک، فحقدها عليهِ عبد الملک، فلما استخلِف عبد الملک أتی بهِ، فقال أبو سعِيد: احفظ فِیّ وصِية رسولِ اللهِ ﷺ۔ فقال عبد الملِک بن مروان: وما ذاک؟ فقال: احفظوا من محسِنِهم، وتجاوزوا عن مسِيئِهم۔

"مہاجر بن دینار کہتے ہیں کہ ابوسعید انصاری رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حویلی پر جھڑپ کے دن مروان کے پاس سے گزرے اور وہ زخمی پڑا تھا۔ (بعد میں کسی موقع پر) ابوسعید رضی اللہ عنہ نے مروان کو کہا: اے نیلی آنکھوں والی عورت کے بیٹے! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ زخمی تو ہے تو میں تجھے ختم کر دیتا۔ اس بات (کو مروان کے بیٹے عبدالملک نے سُن لیا اور اس) کی وجہ سے عبدالملک ابوسعید انصاری رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے لگا۔ جب عبدالملک خلیفہ بنا تو ابوسعید رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے لایا گیا۔ تو انہوں نے عبدالملک کو کہا: میرے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی وصیت کا لحاظ رکھو۔ عبدالملک نے کہا: وہ وصیت کیا ہے؟ ابوسعید انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (فرمانِ نبوی ہے کہ) انصار کے اچھے لوگوں کی دیکھ بھال کرنا اور ان کے غلطی کرنے والوں سے درگزر کرنا۔"

(مجمع الزوائد، ح: ۱۶۵۰۲، قال الہیثمی: رواہ الطبرانی، ورجالہ ثقات)

ابن مندہ اور ابونعیم الاصبہانی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ عبدالملک نے یہ سن کر ابوسعید انصاری رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔

(معرفۃ الصحابۃ لابن مندۃ: ۱ص ۸۸۷؛ معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم الاصبہانی: ۵ص ۲۹۱۰)

اس روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید آلِ مروان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کے پیشِ نظر ان صحابی کو یہ خیال ہوا ہوگا کہ مروان کو فلاں موقع پر قتل کر دیا جاتا تو اچھا ہوتا۔ تاہم تقدیر ہمیشہ تدبیر پر غالب آتی ہے۔ چنانچہ نبوی پیش گوئیاں بہرحال پوری ہوئیں اور ایک دن آلِ مروان کی حکومت میں انہی صحابہ کرام کو طرح طرح کی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔

☆☆☆

تیسرا باب
مروان کے صحابی ہونے کی تحقیق

فصل اوّل:

مروان نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا

علمائے اسلام کا سلفاً خلفاً اس پر اتفاق چلا آرہا ہے کہ مروان صحابی نہیں تھا۔ ہاں کئی صدیوں بعد آنے والے ایک دو علماء نے کسی کتاب کا حوالہ دیے بغیر شاید بھول چوک سے یہ لکھ دیا کہ واقدی نے مروان کو صحابی کہا ہے۔ (حالاں کہ واقدی کی اپنی کتب میں اس کا کوئی ثبوت نہیں)

ظاہر ہے کہ اسلاف کے اتفاق کے صدیوں بعد ان اِکا دُکا حضرات کی رائے (جس کی وہ کوئی دلیل بھی پیش نہ کر سکے) کچھ وزن نہیں رکھتی۔ اب ہم مروان کے صحابی نہ ہونے پر مختلف صدیوں کے کچھ جلیل القدر علماء کی عبارتیں پیش کرتے ہیں:

مروان صحابی نہیں۔ اقوالِ علماء

اسلاف کی تحقیق یہی تھی کہ مروان صحابی ہرگز نہیں کیوں کہ اس نے رسول

اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا تھا۔ چند اہم آراء درج ذیل ہیں:

(۱) امام بخاری رحمہ اللہ نے مروان کی صحابیت کی صاف الفاظ میں نفی فرمائی ہے۔

قَالَ التِّرْمِذِیْ: سَأَلت مُحَمَّدًا یَعْنِی البُخَارِیَ قلتُ لَہ: مَرْوَان بن الحکم رای النَّبِی ﷺ؟ قَالَ لَا۔

''امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ میں نے محمد (بن اسماعیل) یعنی امام بخاریؒ سے پوچھا کہ مروان بن حکم نے نبی ﷺ کو دیکھا تھا؟ وہ بولی: نہیں۔''

(تحفۃ التحصیل فی ذکر رواۃ المراسیل لابن العراقی: ۱/۲۹۸)

(۲) امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَمَرْوَانُ لَمْ یَسْمَعْ مِنَ النَّبِیِّ ﷺ وھو من التابعین۔

(مروان نے نبی ﷺ سے کچھ نہیں سنا۔ وہ تابعین میں سے تھا)

(سنن الترمذی، ح: ۳۰۳۳، ابواب تفسیر القرآن، باب من سورۃ النساء)

(۳) علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (م ۴۶۳ھ) کا قول ہے:

ومروان لم یر النبی علیہ السلام۔ ''مروان نے نبی ﷺ کو نہیں دیکھا۔''

(الاستذکار لابن عبدالبر: ۵ ص ۲۳۹، ط العلمیۃ)

(۴) علامہ ابن اثیر ابوالسعادات رحمہ اللہ (م ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

لم یرَ النبیَّ ﷺ۔ ''مروان نے نبی ﷺ کو نہیں دیکھا۔''

(جامع الاصول، لابی السعادات ابن اثیر الجزری: ۱۲ ص ۸۴۷، ط الحلوانی)

(۵) امام نووی رحمہ اللہ (م ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

لم یسمع النبی ﷺ ولا رآہ۔

''مروان نے نبی ﷺ سے نہ کچھ سنا، نہ انہیں دیکھا۔''

(۶) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (م ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

ومات رسول اللہ ﷺ ولم یرہ۔

''رسول اللہ ﷺ وفات پاگئے اور مروان انہیں نہ دیکھ پایا۔''

(جامع المسانید والسنن: ۷ ص ۳۷۲، ط دار خضر بیروت)

(۷) حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (م ۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

واما مروان فلم تصح له صحبة "مروان بن حکم بن ابی العاص اموی کے لیے صحبتِ نبویہ ثابت نہیں۔" (التوضیح لشرح الجامع الصحیح لابن ملقن: ۱۲ ص ۳۹، ط دار الفلاح)

ومروان لم یر رسول اللہ ﷺ۔ "مروان نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا۔" (التوضیح لشرح الجامع الصحیح لابن ملقن: ۲۶ ص ۶۷۰، ط دار الفلاح)

(۸) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مروان بن الحکم بن أبی العاص الأموی ولا تصح له رؤیة ولا سماع۔

"مروان بن حکم بن ابی العاص اموی کے لیے رؤیت نبویہ ثابت ہے نہ سماع۔" (اطراف المسند المعتلی بأطراف المسند الحنبلی: ۵ ص ۲۷۱)

(۹) علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

امامروان فانه لا یصح له السماع من النبی ﷺ ولا صحبة۔

(جہاں تک مروان کا تعلق تو اس کا نہ تو نبی ﷺ سے سماع ثابت ہے اور نہ ہی صحبت۔) (عمدۃ القاری: ۱۳ ص ۲۹۰، کتاب الشروط، باب مایجوز من الشروط فی الاسلام)

(۱۰) امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

انّ مروان لا صحبة له۔ "مروان کو صحبتِ نبویہ نصیب نہیں ہوئی۔"

(التوضیح شرح الجامع الصحیح: ۵ ص ۱۸۴۷، ط مکتبۃ الرشد، ریاض)

(۱۱) علامہ قسطلانی رحمہ اللہ (م ۹۲۳ھ) فرماتے ہیں: "مروان بن الحکم الاموی ولد سنة اثنتین من الهجرة ولم یر النبی ﷺ"

(مروان بن حکم اُموی دو ہجری میں پیدا ہوا۔ اس نے نبی ﷺ کو نہیں دیکھا۔) (ارشاد الساری: ۶ ص ۴۰۴.....)

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ دوسری جگہ مروان کے حالات میں لکھتے ہیں:

انّ مروان بن الحکم بن أبی العاص بن أمیة... لا تثبت له صحبة

(مروان بن حکم بن ابی العاص بن اُمیہ.....اس کی صحابیت ثابت نہیں)

(ارشاد الساری: ۸ ص ۸۹، باب مایجوز من الشعر.....)

مروانی علامہ قسطلانی کی ایک عبارت سے فائدہ اٹھا کر مروان کو صحابی ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس پر مضبوط رد اگلی فصل میں آرہا ہے۔

(۱۲) علامہ زین الدین زکریا انصاری الشافعی (م ۹۲۶ھ) فرماتے ہیں:

ان مروان بن الحکم لم یصح لہ سماع من النبی ﷺ ولا صحبۃ.

(بے شک مروان بن حکم کا رسول اللہ ﷺ سے سماع ثابت ہے نہ صحابیت) (منحۃ الباری بشرح صحیح البخاری، ط مکتبۃ الرشد، ریاض)

ملا علی قاری رحمہ اللہ (م ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

ولم یصح لہ سماع ولا رؤیۃ۔ ''مروان کا (حضور ﷺ سے) نہ سماع ثابت ہے نہ رؤیت۔'' (شرح الشفا: ۱ ص ۴۲۸)

نوٹ: پاکستان کے ممتاز محقق عالم دین حضرت مولانا مجیب الرحمن ڈیروی مدظلہ العالی (مہتمم مدرسہ دار العلوم الاسلامیہ، ماہڑہ، ڈیرہ اسماعیل خان) نے اپنی کتاب ''مروان بن حکم اور اُس کی صحابیت'' میں مروان کے صحابی نہ ہونے کے ثبوت میں جلیل القدر علماء کی ۲۷ عبارات پیش کی ہیں۔ اہل ذوق مزید عبارات وہاں دیکھ سکتے ہیں۔

☆☆☆

فصل دوئم:

مروان کی رؤیتِ نبی ﷺ سے متعلق بعض شبہات کا ازالہ

شبہ (۱) رؤیت کا اِمکان۔

بعض علماء نے اِمکان ذکر کیا ہے کہ شاید مروان کو رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوگئی ہو۔

{تحقیق}

اِمکان اور ثبوت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ نیز جن علماء نے یہ اِمکان ذکر کیا ہے، تحقیق کے بعد اُنہی نے صاف الفاظ میں مروان کی صحابیت کی نفی بھی کی ہے۔ یہ

بھی ذہن میں رہے کہ کچھ علماء نے تبعاً مروان کو طبقات صحابہ کی کتب میں ذکر کر دیا ہے۔ دراصل کتب طبقات صحابہ کا طرز یہ ہے کہ ان میں اضافی معلومات کے لیے صحابہ کے علاوہ دیگر کئی اَقسام کے اَفراد کا ذکر بھی کر دیا جاتا ہے مثلاً:

(الف) جنہیں محض ''اِدراک'' ہوا ہو، یعنی اُنہیں حضور ﷺ کا زمانہ نصیب ہوا ہو۔ زیارت کرنا ثابت نہ ہو۔

(ب) جو ''مُخَضْرَمِیْن'' ہوں۔ (قبل از بعثت پیدا ہوئے اور حضور ﷺ کی رحلت کے بعد مسلمان ہوئے۔) امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ومن التابعین المُخَضْرَمُون، واحدھم مُخَضْرَم، وھو الذی أدرک الجاھلیۃ وزمن النبی ﷺ ولم یرہ وأسلم بعدہ۔

(تابعین میں سے ایک قسم مخضرمون ہیں جن کی واحد مُخَضْرَم ہے، یہ وہ شخص ہے جس نے زمانہ جاہلیت اور نبی ﷺ کا زمانہ دونوں پائے مگر نبی ﷺ کی زیارت نہ کی اور آپ ﷺ کے دنیا سے جانے کے بعد اسلام قبول کیا)

(التقریب والتیسیر للنووی: ص ۹۵)

(ج) جنہیں ہوش سنبھالنے سے قبل کی ''رُؤیت'' (رُؤیت غیر ممیزہ) ہوئی ہو۔ یعنی حضور ﷺ نے انہیں گھٹی دی ہو یا شیر خوارگی کے زمانے میں انہیں برکت کے لیے بارگاہِ رسالت میں لایا گیا ہو۔ ان کتب میں ایسی بیسیوں مثالیں ہیں، مثلاً امام بغوی رحمہ اللہ نے ''معجم الصحابہ'' میں، ابن قانع رحمہ اللہ نے ''معجم الصحابۃ'' میں، امام ابونعیم اصبہانی رحمہ اللہ نے ''معرفۃ الصحابۃ'' میں، ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ''الاستیعاب'' میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''الاصابۃ'' میں محمد بن ابی بکر کا ذکر رُؤیتِ غیر ممیزہ کے باعث کیا ہے۔ قال ابن حجر: لہ رؤیۃ۔ (تقریب التہذیب، تر: ۵۷۶۴)

ان کے علاوہ طبقات صحابہ میں ان لوگوں کے حالات بھی نقل کر دیے گئے ہیں جن کا تعلق دورِ رسالت یا دورِ صحابہ سے تھا۔ چنانچہ امام ابونعیم اصبہانی رحمہ اللہ نے ''معرفۃ الصحابۃ'' اَحنف بن قیس رحمہ اللہ کا بھی ذکر کیا ہے جبکہ وہ صحابی نہیں مخضرمین میں سے ہیں۔ اسی طرح امام اصبہانی رحمہ اللہ نے ''معرفۃ الصحابۃ''، ابن

عبدالبر رحمہ اللہ نے ''الاستیعاب'' اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''الاصابۃ'' میں مروان کا ذکر اسی طور پر کیا ہے کہ وہ صحابہ کے دور کا آدمی تھا۔

پس فقط کتب طبقات صحابہ میں نام آنے سے کسی کو صحابی کہنا درست نہیں۔ جمہور علماء نے مروان کی صحابیت کی نفی کرتے ہوئے فقط تابعی کہا ہے۔ ایسے میں اگر کسی نے بلا دلیل اُسے صحابی شمار کر بھی لیا ہو تو اس کی حیثیت فقط ایک شاذ رائے کی ہوگی جو قابلِ التفات نہیں ہو سکتی۔

شبہ (۲) واقدی کا قول

ابونصر بخاری کلاباذی رحمہ اللہ (م ۳۹۸ھ) نے لکھا ہے: ''قَالَ الْوَاقِدِیْ رأی النَّبِی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔'' (واقدی کا قول ہے کہ مروان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا)

(رجال صحیح البخاری لابی نصر البخاری الکلاباذی: ۲ ص ۷۱۵)

نیز علامہ باجی رحمہ اللہ (م ۴۷۴ھ) اور علامہ عینیؒ نے بھی لکھا ہے کہ واقدی کے بقول مروان کو رؤیت ہوئی تھی۔

قَالَ الْوَاقِدِیْ رأی النَّبِی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(التعدیل والتجریح لابی الولید الباجی: ۲/۷۳۱؛ عمدۃ القاری: ۱۲ ص ۱۳۷)

{تحقیق}

ان حضرات کے قولِ بے دلیل سے مروان کی صحابیت ثابت نہیں ہو سکتی کیوں کہ:

☆ ان دونوں حضرات نے واقدی کے قول کی نہ سند ذکر کی ہے اور نہ ہی کتب واقدی میں سے کسی کا حوالہ دیا ہے۔ ہمیں واقدی یا اُن کے کاتب محمد بن سعد کی کتب میں یہ قول کہیں مذکور نہیں ملا۔ پس عین ممکن ہے کہ ان حضرات میں سے پہلے یعنی ابونصر بخاری کو سہو یا غلط فہمی ہوگئی ہو اور بعد والوں نے بلا تحقیق ان کی بات نقل کر دی ہو۔

☆ اگر مستقبل میں کبھی واقدی کسی کتاب میں یہ قول مل بھی جائے تو پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ واقدی نے اسے کس سے نقل کیا ہے۔ اگر واقدی نے اسے کسی صحابی یا

ثقہ وعادل تابعی سے نقل کیا ہے تو بات اور ہے۔ بصورتِ دیگر فقط واقدی کا قول کسی کو صحابی ثابت نہیں کرسکتا جیسا کہ معرفتِ صحابہ کے طریقوں میں واضح طور پر مذکور ہے۔

☆ واقدی ایک ضعیف راوی ہے، محقق نہیں۔ اُس کا قول تبھی قابلِ قبول ہوسکتی ہے جب وہ دیگر اساطینِ اُمت اُس کے مخالف نہ ہوں۔ یہاں تو امام بخاری رحمہ اللہ اور امام ترمذی رحمہ اللہ جیسے دقیق النظر علماء سمیت تمام علمائے اُمت کی رائے اس کے برخلاف ہے۔ پس تنہا واقدی کیوں معتبر ہوگا۔

☆ اگر یہ قول واقدی کی کتب میں مل بھی جائے تو اس میں فقط ''رُؤیت'' کا ذکر ہے۔ ہم رؤیتِ معتبرہ اور رُؤیتِ مجردہ کا فرق بتا چکے ہیں۔ پس واقدی کا یہ قول اُسی رُؤیتِ مجردہ یعنی بے شعوری کی حالت پر محمول کیا جائے گا۔

ہاں! اگر کسی کا دعویٰ ہے کہ مروان کو بحالتِ شعور زیارت ہوئی تھی تو اسی پر لازم ہے کہ اس مفہوم پر مشتمل کوئی باسند اور صریح روایت پیش کرے۔ ان شاء اللہ تا قیامت ایسی کوئی روایت نہیں دکھائی جاسکتی۔

☆ اس بارے میں علامہ عینی رحمہ اللہ کا قول پیش کرنا بالکل عبث ہے کیوں کہ انہوں نے یہاں فقط واقدی کا قول نقل کیا ہے۔ جہاں تک ان کی اپنی رائے ہے، وہ فرماتے ہیں:

''امامروان فانه لایصح له السماع من النبی ﷺ ولا صحبة۔''

(جہاں تک مروان کا تعلق تو اس کا نہ تو نبی ﷺ سے سماع ثابت ہے اور نہ ہی صحبت) (عمدۃ القاری: ۱۳ص ۲۹۰، کتاب الشروط، باب مایجوز من الشروط فی الاسلام)

☆ علامہ کوررانی حنفی (م ۸۹۳ھ) واقدی کے اس قول کو نقل کرنے والوں پر ردّ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ومروان هو ابن الحكم، ليس له صحبة، وقول الواقدي: رأى رسول الله ﷺ لم يُتابَع عليه،

''مروان بن الحکم کو صحبت نہیں ملی۔ واقدی کے اس قول کی کہ اُس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، متابعت نہیں کی گئی۔''

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری: ۱ص ۳۹۶، ط دار احیاء التراث العربی)

مطلب واضح ہے کہ واقدی کے اس قول کی تنہا کوئی حیثیت نہیں، جب تک ثقات کی کوئی سند اس کی ہم معنیٰ نہ ہو، تنہا واقدی کے قول سے کسی کی صحابیت ثابت نہیں ہو سکتی۔

شبہ (۳) علامہ رشید الدین عطار کا قول

علامہ رشید الدین عطار مالکی اُموی مصری رحمہ اللہ (م ۶۶۹ھ) نے مروان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ (غرر الفوائد المجموعۃ: ص ۲۲۳، ط مکتبۃ العلوم والحکم)

{تحقیق}

یہ اُن کا تفرد و بلا دلیل ہے۔ جمہور کے خلاف کسی کی بات تب قابلِ توجہ ہوتی ہے جب اس کی دلیل بہت قوی ہو۔ علامہ عطار رحمہ اللہ کوئی دلیل پیش نہیں کر سکے۔ اس لیے ان کا قول بے سند و بے دلیل کسی طرح قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔

شبہ (۴) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مروان کے بارے میں لکھا ہے "مختلف فی صحبتہ" (اس کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔) پس معلوم ہوا کہ علماء کا ایک پورا طبقہ مروان کے صحابی ہونے کا قائل رہا ہے۔ (منہاج السنۃ: ۶ ص ۲۴۵)

نیز امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مروان کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا ہم عمر ہونے کے باعث شرفِ رؤیت سے مشرف مانتے تھے اور کہتے تھے کہ مروان کو فتح مکہ یا حجۃ الوداع میں زیارت ہوئی ہوگی۔

ومروان من أقران ابن الزبير، فهو قد أدرک حياة النبي ﷺ، ويمكن أنه رآه عام فتح مكة، أو عام حجة الوداع۔

(مروان عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے معاصرین میں سے تھا۔ پس اس نے رسول اللہ ﷺ کی حیات کا زمانہ پایا تھا، پس ممکن ہے کہ اس نے آپ ﷺ کو فتح مکہ یا حجۃ الوداع کے سال دیکھا ہو) (منہاج السنۃ: ۶ ص ۲۴۶)

{تحقیق}

امام ابن تیمیہؒ نے مروان کے بارے میں جو "مختلف فی صحبتہ" فرمایا ہے یہ تفرد اور دعویٰ بلا دلیل ہے۔ مروان کے صحابی نہ ہونے پر اصحاب جرح وتعدیل کا اس پر اتفاق ہے جس کے شواہد اور عبارات ہم پیچھے پیش کر چکے ہیں۔ پہلی بار چوتھی صدی ہجری کے آخر میں ابو نصر بخاری کلاباذیؒ نے یہ قول واقدی کی طرف منسوب کیا تھا مگر اس پر معرفتِ صحابہ کے اصولوں پر پوری اترنے والی کوئی دلیل نہیں دے سکے تھے۔ ان کے بعد اِکا دُکا بعض علماء نے اس تفرد کو بلا دلیل قبول کیا۔ صدیوں سے طے شدہ مسئلے پر چند علماء کے بلا دلیل اختلاف کی کوئی حیثیت نہیں ہوسکتی بلکہ پوری اُمت کے موقف کے مقابلے میں اسے محض "تسامح" اور "تفرد" ہی کہا جائے گا۔ اس لیے مروان کی صحبت کو "مختلف فیہ" کہنا، ایک غیر معقول اور بے دلیل دعویٰ ہے۔

اگلی عبارت میں امام ابن تیمیہؒ نے مروان کو رؤیت سے مشرف نہیں کہا بلکہ رؤیت کا فقط اِمکان بیان کیا ہے اور اِمکان اور ثبوت میں فرق اہلِ علم سے مخفی نہیں۔ نیز یہاں جس رؤیت کا ذکر کیا ہے، وہ اگر رؤیتِ غیر ممیزہ ہے تو اس سے صحابیت ثابت نہیں ہوتی اور اگر رؤیتِ ممیزہ ہے تو اس کا ثبوت معدوم ہے۔ اگر وکلائے مروان ثبوت پیش کرسکیں چاہے کسی ضعیف روایت سے ہی سہی، تو ضرور کریں۔ ہم سالہا سال سے اس کے منتظر ہیں۔

ہم امام ابن تیمیہؒ سے حسنِ ظن رکھتے ہوئے یہ سمجھتے ہیں کہ مذکورہ عبارتوں میں انہوں نے شیعہ سے مناظرانہ انداز میں گفتگو کی ہے، نہ کہ تحقیقی طور پر۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف روافض کے الزامات کے جواب دے رہے تھے کہ انہوں نے مروان بن حکم کو عہدے یا ذمہ داریاں کیوں دیں۔ مناظرانہ گفتگو میں ہر جگہ مسئلے کی تحقیق مقصود نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات مخصم کو الزامی جوابات کے ذریعے خاموش کرانا زیادہ اہم ہوجاتا ہے۔

مروان کے بارے میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی دیگر عبارتیں کچھ اور ظاہر

کرتی ہیں۔ بعض عبارات سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک مروان کی حیثیت ایک بدعتی کی تھی، چنانچہ اپنے فتاویٰ میں اہلِ بدعت کی بدعتوں کا ذکر کرتے ہوئے وہ مروان کی مثال دیتے ہیں:

ولیس لأحد أن یقول: إنّ مثل هذا من البدعة الحسنة، مثل ما أحدث بعض الناس الأذان فی العیدین، والذی أحدثه مروان بن الحکم، فأنکر الصحابة والتابعون لهم باحسان ذلک.

''کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کہے: بے شک اس قسم کی چیزیں بدعتِ حسنہ ہیں، جیسا کہ بعض لوگوں نے عیدین کے لیے اذان کی بدعت شروع کی اور وہ بدعت جو مروان بن حکم نے شروع کی، پس صحابہ اور بھلائی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں نے اس پر نکیر کی تھی۔'' (الفتاویٰ الکبریٰ لابن تیمیہ: ۲ ص ۹۷)

کتبِ تاریخ میں مروان کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ فریب کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ اس نے ان کی اجازت کے بغیر ایک جعلی خط لکھ کر اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مہر لگا دی تھی اور وہ خط مصر روانہ کر دیا تھا۔ بعد میں مفسدین نے وہ خط پکڑ لیا اور اسینیاد بنا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حویلی کا محاصرہ کر لیا۔ امام ابن تیمیہؒ مروان کے اس فریب کے قصے کو ایک فقہی مسئلے میں بطورِ مثال کسی تردید کے بغیر یوں نقل کرتے ہیں:

وقد یؤخذ خاتم الرجل بغیر أمره ویختم به کتابه کما حکی أن مروان فعل مثل ذلک بعثمان۔

''کبھی آدمی کی مہر اس کی اجازت کے بغیر بھی لے لی جاتی ہے اور اس سے اُس کے خط پر مہر لگا دی جاتی ہے جیسا کہ مروی ہے کہ مروان نے حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ایسا کیا تھا۔'' (النبوات: ۲ ص ۷۷۱)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ دوسرے مقام پر مروان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل اور ان کے خلاف فتنے کے اسباب میں سے ایک اہم سبب تسلیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أن قتل عثمان والفتنة لم يكن سببها مروان وحده، بل اجتمعت أمور متعددة، من جملتها أمور تنكر من مروان .

''بے شک حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے قتل اور فتنے کا سبب مروان تنہا نہ تھا بلکہ اس میں کئی اسباب جمع ہو گئے تھے۔ان اسباب میں بعض کام وہ تھے جن کے باعث مروان پر نکیر کی گئی۔'' (منہاج السنہ:۶ص۲۴۸)

اس پر علماء کا اجماع ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف صحابہ میں سے کوئی بھی شریک نہ تھا۔پس امام ابن تیمیہؒ کا مروان اس فتنے کا اہم کردار قرار دینا ظاہر کرتا ہے کہ وہ مروان کو صحابی نہیں مانتے تھے۔

شبہ(۵) حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا قول

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے مروان کی رُؤیت کا اِمکان بیان کیا ہے۔

وَلَمْ يَصِحَّ لَهُ سَمَاعٌ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، لكن له رؤية إن شاء الله۔

(مروان کا رسول اللہ ﷺ سے سماع ثابت نہیں ،لیکن اگر اللہ نے چاہا ہوگا تو اسے رؤیت ہوئی ہوگی۔) (تاریخ الاسلام للذہبی:۲ص۷۰۶،ت بشار)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

وَقِيلَ: لَهُ رُؤْيَةٌ، وَذَلِكَ مُحْتَمَلٌ۔ (کہا گیا ہے کہ اُسے رؤیت ہوئی تھی۔ اس کا احتمال ہوسکتا ہے) (سیر اعلام النبلاء:۳ص۴۷۶،ط الرسالۃ)

{تحقیق}

رؤیت سے مراد یہاں رؤیت غیر ممیزہ ہے۔ رؤیت صحیحہ مراد نہیں جو بحالتِ ہوش وحواس ہوتی ہے اور جس سے شرفِ صحابیت نصیب ہوتا ہے۔نیز حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے رؤیتِ غیر ممیزہ کا ذکر بھی ''قیل'' کے صیغۂ تمریض (کمزوری ظاہر کرنے والے لفظ) سے کیا ہے اور صرف اِمکان اور احتمال بیان کیا ہے۔

جہاں تک تحقیقی بات کا تعلق ہے، دوسرے مقامات پر انہوں نے خود اپنی

حتمی رائے یہی بیان کی ہے کہ مروان کو شرف صحبت حاصل نہیں۔ چنانچہ وہ دوسرے مقام پر صاف فرماتے ہیں:

قلتُ: تابعی۔ ''میں کہتا ہوں وہ تابعی تھا۔'' (المغنی فی الضعفاء: ۲/۶۵۱)

یہاں یہ بھی ذہن نشین رہے کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کی یہ عبارت ''المغنی فی الضعفاء'' کی ہے جس میں ضعیف راویوں کے حالات جمع کیے گئے ہیں۔ یعنی مروان حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے نزدیک صحابی تو کجا، ثقات تابعین میں سے بھی نہ تھا، بلکہ ضعیف راوی تھا۔ (اکثر محدثین کی یہی رائے ہے کہ مروان ضعیف راوی تھا۔ مدلل بحث اگلے باب میں ہے)

شبہ: (۶) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مروان کو صحابی مانتے تھے؟

مروان کی صحابیت کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے جبکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مروان کو صحابی مانتے تھے؟ جیسا کہ ان کی درج ذیل عبارات سے ظاہر ہے۔

(۱) فلم یثبت لہ أزید من الرؤیۃ۔ (مروان کے لیے رؤیت سے زیادہ کچھ ثابت نہیں) (الاصابۃ: ۶ ص ۲۰۳)

یعنی رؤیت تو ثابت ہوگئی تھی چاہے اس سے زیادہ کچھ نہ ثابت ہوا۔ تو ثبوت رؤیت سے صحابیت بھی ثابت ہوگئی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ دوسری جگہ لکھتے ہیں:

(۲) یقال لہ رؤیۃ فإن ثبتت فلا یعرج علی من تکلم فیہ۔

''کہا جاتا ہے کہ اسے رؤیۃ نصیب ہوئی۔ اگر یہ ثابت ہوجائے تو جس نے اس (مروان) پر جرح کی ہے اس کی جرح مؤثر نہیں ہوگی۔'' (فتح الباری: ۱ ص ۴۴۳، مقدمۃ)

{تحقیق}

یہ بے بنیاد دعویٰ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مروان کو ہرگز صحابی نہیں مانتے تھے۔ ''الاصابہ'' کی عبارت ''فلم یثبت لہ أزید من الرؤیۃ۔'' کا مطلب یہ ہے کہ

بالفرض مان بھی لیں تو زیادہ سے زیادہ مروان کے حلیے رُؤیت غیر ممیزہ ہو سکے گی جو صحابیت کا فائدہ نہیں دیتی۔ (جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا) فتح الباری میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صیغۂ تمریض ''یقال'' سے مروان کی ''رؤیۃ'' کا ایک امکانی اور ضعیف قول نقل کیا ہے۔ کوئی فیصلہ نہیں سنایا۔ مروان کی صحابیت تو بعد کا مسئلہ ہے، پہلے نفسِ رؤیت ممیزہ تو ثابت کی جائے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ ''اگر یہ ثابت ہو جائے تو جس نے مروان پر جرح کی ہے اس کی جرح مؤثر نہیں ہوگی۔'' دراصل ایک چیلنج ہے کہ آج نویں صدی ہجری تک تو مروان کی صحابیت ثابت نہیں ہو سکی۔ اگر کوئی ثابت کر دے تو بات اور ہے۔ مگر کوئی ثابت کرے تو سہی۔ جب نویں صدی ہجری میں بھی رؤیت ثابت نہیں ہو سکی اور اس بارے میں ''قیل، یقال'' سے آگے کچھ ہاتھ نہیں آ رہا، تو بعد میں رؤیت کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی سات عبارتیں جن میں مروان کی صحابیت کی نفی ہے:

باقی رہی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی اپنی رائے تو انہوں نے خود سات مقامات پر مروان کے صحابی ہونے کی واضح نفی کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ عبارات درج ذیل ہیں:

(۱) لاتثبت له الصحبة۔ ''اس کی صحابیت ثابت نہیں۔''
(تقریب التہذیب، ت: ۶۵۶۷)

(۲) لم أرَ من جزم بصحبته۔ ''میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس کی صحابیت کا یقین کیا ہو۔'' (الاصابۃ: ۶/ ۲۰۳)

(۳) وثبت عن مروان أنه قال لما طلب الخلافة فذكروا له بن عمر فقال ليس ابن عمر بأفقه منى ولكنه أسن منى وكانت له صحبة۔ فهذا اعتراف منه بعدم صحبته۔

''مروان سے ثابت ہے کہ جب وہ خلافت طلب کرنے لگا تو لوگوں نے اس کے سامنے عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) کا ذکر کیا، تو مروان کہنے لگا: وہ مجھ سے زیادہ بڑے عالم نہیں مگر وہ مجھ سے زیادہ عمر رسیدہ ہیں اور انہیں شرف صحبت حاصل ہے۔ (حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں) یہ مروان کا اپنا اعتراف ہے کہ وہ صحابی نہیں۔'' (فتح الباری: ۲۳ ص ۳۸۲، ط المعرفۃ)

(۴) مروان بن الحکم بن أبی العاص الأموی ولا تصح له رؤیة ولا سماع۔ ''مروان کے لیے رؤیت نبویہ ثابت ہے نہ سماع۔''

(اطراف المسند المعتلی باطراف المسند الحنبلی: ۵ ص ۲۷۱)

(۵) خرج هذه الروایة بالنسبة إلی مروان مرسلة لأنه لا صحبة له۔

''اس روایت کی تخریج مروان کی نسبت سے مرسل ہے کیوں کہ اسے شرف صحبت نصیب نہ تھا۔'' (فتح الباری: ۵ ص ۳۳۳)

(۶) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مروان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت لینے والے تابعین میں شمار کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۷ ص ۲۹۵، ط دار الفکر)

مطلب صاف ہے کہ وہ صحابی نہ تھا۔ (تابعی تھا مگر ثقہ تابعی تھا؟ یا غیر ثقہ؟ یہ بحث اگلے صفحات میں آرہی ہے)

(۷) حافظ ابن حجرؒ زیاد بن ابی سفیان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لم ینقل أنه رأی النبی ﷺ فهو من نمط مروان بن الحکم والمختار بن أبی عبید۔

''یہ منقول نہیں کہ زیاد نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو۔ پس وہ مروان بن حکم، مختار بن ابی عبید کی طرح کا تھا۔'' (لسان المیزان: ۲ ص ۴۹۳)

مطلب صاف ہے کہ زیاد، مروان اور مختار ثقفی تینوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت نہیں کی تھی۔ پس حافظ ابن حجرؒ رحمہ اللہ کی طرف مروان کی صحابیت کا قول منسوب کرنا، مغالطے کے سوا کچھ نہیں۔

شبہ (۷) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول

ناصبی کہتے ہیں کہ مروان بن الحکم کو صحابہ میں شمار کرنا چاہیے کیونکہ مروان کی ولادت رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہوئی تھی۔ بعض علماء کے نزدیک ۲ھ، بعض کے نزدیک غزوۂ احد کے ایام (۳ھ) اور بعض کے نزدیک غزوۂ خندق کے دنوں (۵ھ) میں مکہ میں ولادت ہوئی تھی۔ (الاستیعاب: ۳/۱۳۸۷؛ الاصابہ: ۶/۲۰۳)

اسی بناء پر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے مروان بن الحکم کے ترجمے میں لکھا ہے:

''وھو صحابی عند طائفة کثیرة۔'' یعنی اکثر علماء کے نزدیک مروان کی صحابیت ثابت ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ سن ۶۵ھ، ترجمۃ: مروان بن الحکم)

(جواب)

یہاں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ''طائفة کثیرة'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا مطلب ہے'' بہت سے لوگ''۔ اس سے اکثریت کا مفہوم اخذ کرنا غلط ہے۔ درحقیقت حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے جس طائفة کثیرة کا ذکر کیا ہے، اس میں شامل لوگ اتنے غیر اہم تھے کہ ان میں سے کسی کا نام بھی معروف نہیں۔ مروان کا دفاع کرنے والے حضرات بھی ان کا تعارف کرانے سے آج تک قاصر ہیں۔ اس'' طائفہ کثیرہ'' کے غیر معروف ہونے کی وجہ یہی ہے کہ یہ طائفہ اہل سنت نہیں، طائفہ مروانیہ تھا، جو مروان کو صحابی مانتا تھا۔ (باقی حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی اپنی رائے میں مروان صحابی تو کجا ثقہ بھی نہ تھا جیسا کہ ہم آگے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی عبارت نقل کریں گے) نیز اس ''طائفة کثیرة'' کے پاس مراون کی صحابیت کی دلیل کیا تھی؟ بہت سی باتیں غلط شہرت کی بناء پر بھی نقل ہو جاتی ہیں اور بہت سی من گھڑت باتوں کے قائلین بھی بکثرت مل جاتے ہیں۔ ہمیں تو مروان کی صحابیت پر کوئی پختہ دلیل درکار ہے جو کہیں بھی دستیاب نہیں اور یہی وجہ ہے کہ علمائے اہل سنت کبھی مروان کے صحابی ہونے کے قائل نہیں رہے۔

یاد رہے کہ یہاں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہاں مروان کی صحابیت کے دعوے داروں کی دو دلیلیں ذکر کی ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ:

لأَنَّهُ وُلِدَ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ ﷺ (اس لیے کہ مروان دورِ نبوت میں پیدا ہوا) (البدایۃ والنہایۃ: سنہ ۶۵ھ)

دوسری دلیل یہ ہے کہ:

وَروى عَنْهُ فِي حَدِيثِ صُلْحِ الْحُدَيْبِيَةِ۔

(اس نے صلح حدیبیہ کا واقعہ نقل کیا ہے) (البدایۃ والنہایۃ: سنہ ۶۵ھ)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے مروانیوں کی پہلی دلیل کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی کیوں کہ اس کا بطلان بالکل عیاں ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کی حیات میں پیدا ہونے سے صحابیت ثابت نہیں ہوتی۔ دوسری دلیل کا جواب حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے مطابق یہ ہے کہ مروان نے صلح حدیبیہ کا واقعہ صحابہ سے سن کر ذکر کیا تھا۔

وقد رواه البخارِي فِي أَوَّلِ كِتابِ الشروطِ، عن يحيىٰ بنِ بكير، عنِ الليث بن سعد، عن عقيل، عَنِ الزُّهرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ وَالْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، عَنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَذَكَرَ الْقِصَّةَ۔ وَهَذَا هُوَ الْأَشْبَهُ، فَإِنَّ مَرْوَانَ، وَمِسْوَرًا كَانَا صَغِيرَيْنِ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ، وَالظَّاهِرُ أَنَّهُمَا أَخَذَاهُ عَنِ الصَّحَابَةِ۔

(امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الشروط کے شروع میں یحییٰ بن بکیر سے، انہوں نے لیث بن سعد سے، انہوں نے عقیل سے، انہوں نے زہری سے، انہوں نے عروہ سے، اور انہوں نے مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ سے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے روایت کی ہے، پھر انہوں نے حدیبیہ کا قصہ ذکر کیا۔ اور یہی سند زیادہ قرینِ قیاس یعنی درست ہے؛ کیونکہ مروان اور مسور صلح حدیبیہ کے دن چھوٹے تھے، اور ظاہر یہی ہے کہ ان دونوں نے یہ واقعہ صحابہ کرام سے سن کر روایت کیا ہے) (البدایۃ والنہایۃ: ۶ ص ۲۳۸، ط دار ہجر)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی یہ رائے تحقیق سے بالکل درست ثابت ہوئی ہے۔

اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

صلح حدیبیہ کی روایت کے مختلف طرق کے الفاظ دیکھئے۔ان میں مروان یا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے کہیں بھی کوئی ایسا لفظ یا صیغہ ذکر نہیں کیا جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ کوئی چشم دید واقعہ نقل کر رہے ہیں۔ملاحظہ فرمائیے:

(۱)اخبرنی عروة بن الزبیر،انه سمع مروان بن الحکم والمِسوَر بن مخرمة،یخبران خبراً من رسول اللہ ﷺ من عمرة الحدیبیة،فکان فیما اخبرنی عروة عنهما،انه لما کاتب رسول اللہ ﷺ سهیل بن عمرو یوم الحدیبیة علی مدة القضیة...

(مجھے عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ انہوں نے مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ کو رسول اللہ ﷺ کے عمرہ حدیبیہ کے بارے میں ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے سنا۔پس عروہ نے ان دونوں کے حوالے سے مجھے جو خبر دی اس میں یہ تھا: جب رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے دن سہیل بن عمرو کے ساتھ مدت صلح کے معاہدے کی تحریر لکھی.....) (صحیح البخاری، ح:۴۱۸۰، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ)

(۲)اسی طرح دوسری روایت (جو غزوۂ حنین سے متعلق ہے) کے الفاظ پر غور کریں: زعم عروة ان مروان بن الحکم و مِسوَر بن مخرمة اخبراہ ان رسول اللہ ﷺ قام حین جاءہ وفد هوازن مسلمین۔

(عروہ نے دعویٰ کیا کہ مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ نے انہیں خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ جب ہوازن کے مسلمانوں کا وفد آیا تو کھڑے ہو گئے)

(صحیح البخاری، ح:۲۳۰۷، کتاب الوکالۃ، باب اذا وہب شیئا)

یہاں سند میں انقطاع اور ارسال کا پورا امکان دکھائی دے رہا ہے۔

(۳)نیز امام بخاریؒ نے کتاب الشروط میں صلح حدیبیہ کے واقعے کی ایک طویل روایت مروان اور مِسوَر بن مَخرَمہ سے نقل کی ہے۔مگر وہ بھی منقطع ہے۔دیکھئے:

أخبرنی الزهری قال أخبرنی عروة الزبیر عن المسوَر بن مخرمة ومروان یصدق کل واحد منهما حدیث صاحبه قالا: خرج رسول اللہ ﷺ زمن الحدیبیة...

(مجھے زہری نے بتایا، کہا کہ مجھے عروہ بن زبیر نے مسور بن مخرمہ اور مروان سے نقل کر کے بتایا جن میں سے ہر ایک کی روایت دوسری کی روایت کی تصدیق کرتی ہے۔ دونوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے زمانے میں نکلے.....)

(صحیح البخاری، ح: ۲۷۳۱، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد؛ ح: ۱۶۹۴، کتاب الحج، باب من اشعر وقلد بذی الحلیفة)

ان تینوں روایت میں نقلِ واقعہ کے جو صیغے استعمال ہوئے ہیں ان میں ہرگز یہ صراحت نہیں کہ راوی واقعات کے عینی شاہد ہیں بلکہ صیغوں میں پورا پورا احتمال موجود ہے کہ انہوں نے کسی سے سنا ہوا واقعہ نقل کیا ہے۔

قرائن ثابت کر دیتے ہیں کہ ایسا ہی تھا۔ مِسْوَر بن مَخرَمہ رضی اللہ عنہ کی ولادت ۲ھ کی ہے مگر وہ مدنی تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۳۹۲، ۳۹۳، ط الرسالة)

بعض روایات کی بناء پر جن میں انہوں نے حضور ﷺ سے سماعت کی صراحت کی ہے، ان کے صحابی ہونے پر اتفاق ہے۔ چنانچہ ان سے یہ روایت منقول ہے:

سمعت رسول اللہ ﷺ وهو یخطب الناس فی ذلک علی منبره هذا وانا یومئذ محتلم فقال: إِنَّ فَاطِمَةَ مِنِّی۔

(میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا کہ آپ ﷺ لوگوں کو اس بارے میں اپنے منبر پر خطبہ دے رہے تھے اور میں اس وقت بلوغت کے قریب تھا۔ آپ نے فرمایا: بے شک فاطمہ میرے وجود کا حصہ ہے)

(صحیح البخاری، ح: ۳۱۱۰، کتاب فرض الخمس، باب ماذکر من درع النبی ﷺ؛ صحیح مسلم، ح: ۲۴۴۹، فضائل الصحابة، باب فضائل فاطمة؛ سنن ابی داؤد، ح: ۲۰۶۹، کتاب النکاح، باب ما یکره ان یجمع بینهن من النساء)

مگر غزوۂ حنین اور صلح حدیبیہ کے عینی شاہد نہ ہی وہ تھے نہ مروان۔ دونوں سنے ہوئے واقعات نقل کر رہے تھے۔ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی طرح مروان کی ولادت بھی ۲ھ مان لی جائے تب بھی ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے وقت دونوں چار سال اور ۸ ہجری میں غزوۂ حنین کے وقت دونوں چھ سال کے ہوں گے۔ صلح حدیبیہ مکہ سے باہر ہوئی تھی اور اس وقت مروان کے والد نے بھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ چار سالہ مروان خود حاضرِ خدمت ہو کر صلح نامے کی شقوں پر بات چیت کا شاہد بنتا۔ اسی طرح مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے وقت چار سال کے تھے۔ ان کے بھی اس سفر میں جانے کا کوئی ثبوت ہے نہ امکان کیوں کہ اس سفر پر کوئی نابالغ ہم رکاب نہ تھا، پس مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ معاہدے کے شاہد ہرگز نہ تھے۔ غزوۂ حنین میں بھی ان کی اور مروان کی شرکت کا سوال پیدا نہیں ہوتا کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتنے کم عمر بچوں کو جہاد پر ساتھ لے کر نہیں جاتے تھے۔ غزوات میں بارہ تیرہ سال کے بچوں کو بھی واپس بھیج دیا جاتا تھا، فقط بالغ لڑکوں کو ساتھ لیا جاتا تھا۔ اس لیے مروان اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ دونوں یقیناً ان واقعات کے شاہد نہیں تھے۔ چنانچہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وروی المسور بن مخرمة ومروان بن الحکم قصة الحدیبیة وسنهما لا یحتمل ذلک لانهما ولدا بعد الهجرة بسنین.

''مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم نے صلح حدیبیہ کا قصہ بیان تو کیا ہے مگر ان کی عمر اتنی نہ تھی کہ اس (واقعے کو دیکھنے) کا احتمال ہوتا، کیوں کہ دونوں ہجرت کے کئی سال بعد پیدا ہوئے تھے۔'' (الموضوعات لابن الجوزی: ۱/۹۹، ط المکتبۃ السلفیۃ)

اب رہی مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی صحبت کا مسئلہ تو ان سے منقول دیگر متصل اور مرفوع روایات کے بناء پر ان کی صحابیت ثابت ہو جاتی ہے جیسا کہ بخاری شریف میں منقول ان کی مرفوع و متصل حدیث ''اِنَّ فَاطِمَةَ مِنِّی۔'' اوپر بیان ہو چکی۔ (صحیح البخاری، ح: ۳۱۱۰، کتاب فرض الخمس، باب ما ذکر من درع النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

مگر مروان فقط صلح حدیبیہ یا غزوۂ حنین کی ان منقطع السند روایات کی بناء پر کیسے صحابی ثابت ہوگا؟ جب وہ شریکِ واقعہ ہی نہ تھا تو وہ ان واقعات کے بارے میں اپنا مشاہدہ کیسے بیان کرسکتا تھا۔

اب آپ صحیح بخاری کی اس روایت کو دیکھئے تو سارا مسئلہ صاف ہوجائے گا، اس روایت کی سند دیگر اسناد کے ابہام کو صاف کرکے یہ بتادیتی ہے کہ مِسْوَر بن مَخْرَمہ رضی اللہ عنہ اور مروان نے یہ واقعات دیگر صحابہ سے سنے ہیں۔

حدثنا یحیی بن بکیر، حدثنا اللیث، عَنْ عُقَیْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِی عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَیْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ مَرْوَانَ، وَالمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا یُخْبِرَانِ، عَنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ قال: لما کاتب سهیل بن عمرو یومئذ...

(ہمیں یحییٰ بن بکیر نے بتایا، کہ ہمیں لیث بن سعد نے بتایا، انہوں نے عقیل سے، انہوں نے زہری سے سنا، وہ کہتے ہیں مجھے عروہ بن زبیر نے بتایا کہ انہوں نے مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ کو سنا کہ وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے روایت کرتے ہوئے بتاتے تھے کہ جب سہیل بن عمرو نے حدیبیہ کا صلح نامہ لکھا.....)

صحیح البخاری، ح: ۲۷۱۱، کتاب الشروط، باب مایجوز من الشروط فی الاسلام

ملحوظہ: اس روایت میں "رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا" سے مسور رضی اللہ عنہ اور اُن کے والد مخرمہ رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ مروان مراد نہیں کیونکہ بخاری شریف میں جہاں الگ سے مروان کا نام (تنہا یا مع ولدیت) آیا ہے، وہاں کہیں "رضی اللہ عنہ" یا "رضی اللہ عنہما" کے صیغے مذکور نہیں۔

ملحوظہ: امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی یہ واقعہ اپنی سند سے یوں نقل کیا ہے:

عن یعقوب بن ابراهیم الدورقی، عن یحییٰ بن سعید، عن ابن المبارک، عن معمر، عن الزهری، عن عروة، عن المِسْوَر بن مخرمة و مروان بن الحکم یخبران عن اصحاب رسول اللہ ﷺ: قال: لما کاتب سهیل بن عمرو...

(السنن الکبریٰ للنسائی، ح: ۱۱۷۴۸)

اسی لیے امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ (م ۲۶۴ھ) فرماتے ہیں:

''مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ لَمْ يَسْمَعْ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ شَيْئًا۔'' (مروان نے نبی ﷺ سے کچھ نہیں سنا) (المراسیل لابن ابی حاتم: ص ۱۹۸، ط الرسالۃ)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا فیصلہ:

الغرض حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی یہ سند نقل کر کے دیگر اسناد کے ابہامات دور کر دیے اور ساتھ ہی مروان کی صحابیت کی مزعومہ واحد دلیل کو یوں مسترد کیا:

''وهذا هو الاشبه، فان مروان ومِسْوَرًا كانا صغيرين يوم الحديبية، والظاهر انهما اخذاه عن الصحابة''

''یہی برمحل ہے، کیونکہ مروان اور مِسْوَر حدیبیہ کے دن کم سن تھے۔ ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں نے یہ واقعہ صحابہ کرام سے سنا ہے۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۶/ ۲۳۷، ۲۳۸)

جامع المسانید والسنن میں مروان کا تعارف کراتے ہوئے فرماتے ہیں:

له عن النبي ﷺ حديث صلح الحديبية، كما سيأتي في مسند المسور بن مخرمة، والصحيح أنهما رواه عن الصحابة اذلم يباشراه۔

(مروان نے رسول اللہ ﷺ سے صلح حدیبیہ کی حدیث روایت کی ہے جیسا کہ مسور بن مخرمہ کے مجموعۂ احادیث میں آگے آرہا ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ ان دونوں نے یہ روایت صحابہ سے سن کر نقل کی ہے کیوں کہ یہ دونوں اس واقعے کے وقت موجود نہ تھے) (جامع المسانید والسنن: ۷ ص ۳۷۳، ط دار خضر بیروت)

اس حدیث کی سند پر علامہ عینی رحمہ اللہ کا تبصرہ:

علامہ عینی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

وهو مرسل لانهما لم يحضرا القصة... اما مروان فانه لا يصح له السماع من النبي ﷺ ولا صحبة لانه خرج الى الطائف طفلا لا يعقل لما نفى النبي ﷺ اباه الحكم، وكان مع ابيه بالطائف حتى استخلف عثمان فردهما... اما المِسْوَر فصح سماعه من النبي ﷺ لكنه انما قدم مع ابيه وهو صغير بعد الفتح، وكانت هذه القصة قبل ذالك بسنتين۔

''یہ روایت مرسل ہے، اس لیے کہ یہ دونوں اس واقعے میں موجود نہ تھے..... جہاں تک مروان کا تعلق تو اس کا نہ تو نبی ﷺ سے سماع ثابت ہے اور نہ ہی صحبت؛ کیونکہ جب نبی ﷺ نے اس کے والد حکم کو شہر بدر کیا تھا تو یہ بھی طائف چلا گیا تھا جبکہ وہ بے عقل بچہ تھا۔ وہ اپنے والد کے ساتھ طائف ہی میں رہا، یہاں تک کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو ان دونوں کو واپس بلا لیا..... جہاں تک مسور رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے، نبی ﷺ سے ان کا سماع ثابت ہے مگر جب وہ اپنے باپ کے ساتھ فتح مکہ کے بعد آئے تو بچے تھے اور یہ قصہ تو اس سے بھی دو سال پہلے کا ہے۔ (عمدۃ القاری: ۱۳ ص ۲۹۰، کتاب الشروط، باب مایجوز من الشروط فی الاسلام)

پس صلح حدیبیہ کے متعلق مروان کی روایات مرسل ہیں جو اس کی صحبت یا رؤیت یا سماع کی دلیل نہیں بن سکتیں۔

حافظ ابن کثیرؒ کی دوٹوک وضاحت۔ مروان کو زیارتِ نبویہ نہ ہو سکی:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے جامع المسانید والسنن میں مروان کا تعارف کراتے ہوئے واضح الفاظ میں لکھا ہے:

ومات رسول اللہ ﷺ ولم یرہ۔ ''رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے اور مروان انہیں نہ دیکھ پایا۔'' (جامع المسانید والسنن: ۷ ص ۲۷۳، ط دار خضر بیروت)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ مروان کی ثقاہت و شرافت کے بھی قائل نہ تھے:

راقم مزید عرض کرتا ہے کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ مروان کی صحابیت تو کیا قائل ہوتے، ان کی بعض عبارات سے ظاہر ہے کہ وہ مروان کی شرافت اور ثقاہت کے قائل بھی نہ تھے۔ چنانچہ وہ صحابہ کرام کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے بری تسلیم کرتے ہوئے فرماتے تھے:

هَذَا لَا يَصِحُّ عَنْ أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ أَنَّهُ رَضِيَ بِقَتْلِ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ بَلْ كُلُّهُمْ كَرِهَهُ، وَمَقَتَهُ، وَسَبَّ مَنْ فَعَلَهُ۔

(یہ صحابہ کرام میں کسی کے بارے میں بھی ثابت نہیں کہ وہ حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی تھا بلکہ سبھی نے اس سانحے کو ناگوار اور قابلِ نفرت سمجھا اور ایسا کرنے والوں کو برا بھلا کہا) (البدایۃ والنہایۃ: ۱۰ص ۳۴۵، ط دار ہجر)

مگر مروان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ اس سانحے کا سب سے بڑا ذمہ دار تھا۔ وَمَرْوَانُ كَانَ أَكْبَرَ الْأَسْبَابِ فِي حِصَارِ عُثْمَانَ۔

(مروان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف محاصرے کے اسباب میں سب سے بڑا سبب تھا۔) (البدایۃ والنہایۃ: ۱۱ص ۲۳۸، ط دار ہجر)

مزید یہ کہ وہ مروان کو توہینِ صحابہ کا مرتکب قرار دیتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

وَلَمَّا كَانَ مَتْوَلِّيًا عَلَى الْمَدِينَةِ لِمُعَاوِيَةَ كَانَ يَسُبُّ عَلِيًّا كُلَّ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ۔

(جب مروان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ کا والی بنا تو وہ ہر جمعہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منبر پر برا بھلا کہتا تھا) (البدایۃ والنہایۃ: ۱۱ص ۷۱۲، ط دار ہجر)

ظاہر ہے کہ توہینِ صحابہ کا عادی بدعتی ہوتا ہے اور اس کی شہادت مخدوش ہوتی ہے۔

شبہ (۸) علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کا قول

ناصبی کہتے ہیں کہ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ (۹۲۳ھ) نے مروان کی روایت صلح حدیبیہ کو "مرسلِ صحابی" شمار کیا ہے۔

وحينئذ فكيون حديث مروان مرسل صحابي۔

(پس اس صورت میں مروان کی یہ حدیث صحابی کی مرسل روایت ہو جائے گی) (ارشاد الساری: ۱ص ۳۰۸۔ باب لا یجوز الوضوء بالنبیذ)

مطلب یہ ہے کہ مروان کی صحابیت ان کے نزدیک ثابت ہے۔

{تحقیق}

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے اسی شرح صحیح بخاری میں چھ مقامات پر مروان کی صحابیت کی صاف الفاظ میں نفی کی ہے۔ پس اس تضاد میں دونوں قسم کے بیانات تو درست ہونے سے رہے۔ لہٰذا یہاں دو احتمالات ہیں:

(اوّل) علامہ قسطلانیؒ کہنا چاہتے تھے کہ اسے مسور بن مخرمہؓ نے مرسلاً

روایت کیا تھا مگر عبارت بنانے میں کچھ تسامح ہو گیا جسے وہ بعد میں درست نہ کر پائے۔

(۲) مان لیا جائے کہ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے اس کو روایت مروان ہونے کی حیثیت سے "مرسل صحابی" کہا ہے تو شواہد موجود ہیں کہ یہ ان کا تسامح ہے۔ کیوں کہ آگے چھ مقامات پر وہ مروان کی صحابیت کی نفی کرتے ہیں:

(۱) "وهذه الرواية مرسلة، لان مروان لا صحبة له۔"

(یہ روایت مرسل ہے کیوں کہ مروان کو صحبتِ نبویہ نصیب نہیں ہوئی)

(ارشاد الساری: ۴ ص ۳۱۷۔ باب من ملک من العرب رقیقا.....)

(۲) أنه سمع مروان بن الحكم و لا صحبة له

(انہوں نے مروان بن حکم سے سنا جس کو صحبت نصیب نہیں ہوئی)

(ارشاد الساری: ۴ ص ۴۳۱۔ باب ما یجوز من الشروط.....)

(۳) عن المسور بن مخرمة و مروان بن الحكم و روايتهما مرسل لأن مروان لا صحبة له و مسور أو ان كان له صحبة لكنه لم يحضر القصة۔

(مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے مروی ہے اور ان کی یہ روایت مرسل ہے، اس لیے کہ مروان کو تو صحبت ہی نہیں ملی اور مسور کو اگرچہ صحبت نصیب ہوئی مگر وہ اس واقعے میں موجود نہ تھے) (ارشاد الساری: ۴ ص ۴۴۳۔ باب الشروط فی الجهاد.....)

(۴) مروان بن الحكم الاموی ولد سنة اثنتين من الهجرة و لم ير النبی صلی اللہ علیہ وسلم (مروان بن حکم اُموی دو ہجری میں پیدا ہوا۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا)

(ارشاد الساری: ۶ ص ۴۰۴.....)

(۵) أنه رای مروان بن الحكم بن أبی العاص التابعی

"(سہل بن سعد نے) تابعی مروان بن حکم بن ابی العاص کو دیکھا۔"

(ارشاد الساری: ۷ ص ۹۱، باب لا یستوی القاعدون.....)

(۶) ان مروان بن الحكم بن أبی العاص بن أمية... لا تثبت له صحبة

(مروان بن حکم بن ابی العاص بن اُمیہ.....اس کی صحابیت ثابت نہیں)

(ارشاد الساری: ۸ ص ۸۹، باب ما یجوز من الشعر.....)

اس کے بعد بھی یہ کہنا کہ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ مروان کو صحابی مانتے تھے، بڑی سخت علمی خیانت ہوگی۔

☆☆☆

فصل سوئم:

طرقِ معرفتِ صحابہ سے مروان صحابی ثابت نہیں

صحابیت ایک عظیم ترین منصب ہے جس کے ساتھ بے شمار فضائل ومناقب وابستہ ہیں۔ قارئین جانتے ہیں کہ کسی عمل کی فضیلت ثابت کرنے والی حدیث کے ثبوت کے لیے بھی کچھ نہ کچھ شرائط کا ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ منصب جس قدر بلند ہوتا ہے، اسی لحاظ سے اس کے ثبوت کی شرائط بھی کڑی اور سخت ہوتی ہیں تاکہ کوئی غیر شخص اس میں شامل نہ ہونے پائے۔ پس مقامِ صحابیت جس کے ساتھ بے شمار فضائل وابستہ ہیں، ایسا خفیف ہرگز نہیں ہوسکتا کہ کسی شرط اور معیار کے بغیر اسے کسی کے لیے بھی ثابت کیا جاسکے۔ یہ منصب اور مرتبہ جتنا عالی ہے، اس کے ثبوت کے لیے شرائط بھی اسی قدر ٹھوس اور بے لچک طے کی گئی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ معرفتِ صحابہ کے طریقے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أوّلها أن يثبت بطريق التواتر أنه صحابي، ثم بالاستفاضة والشهرة، ثم بأن يروي عن آحاد من الصحابة أن فلانا له صحبة مثلاً، وكذا عن آحاد التابعين، بناء على قبول التزكية من واحد، وهو الراجح، ثم بأن يقول هو اذا كان ثابت العدالة والمعاصرة: أنا صحابي.

أما الشرط الاوّل وهو العدالة فجزم به الآمدي وغيره، لأن قوله قبل أن تثبت عدالته: أنا صحابي ومايقوم مقام ذلك، يلزم من قبول قوله اثبات عدالته، لأن الصحابة كلهم عدول، فيصير بمنزلة قول القائل: أنا عدل، وذلك لايُقبَل

وأما الشرط الثاني وهو المعاصرة فيعتبر بمضي مائة سنة وعشر سنين من هجرة النبي صلى الله عليه وسلم، لقوله صلى الله عليه وسلم في آخر عمره لأصحابه: أريتم ليلتكم هذه،

فان علی رأس مائة سنة منها لا یبقی علی وجه الأرض ممن هو الیوم علیها أحد رواه البخاری و مسلم من حدیث ابن عمر.

''صحابیت ثابت ہونے کے طریقوں میں سے پہلا طریقہ یہ ہے کہ تواتر کے ذریعے ثابت ہو کہ وہ صحابی ہے۔ پھر استفاضہ اور شہرت یعنی لوگوں میں بطور صحابی معروف ہونے سے، پھر اس طرح کہ کسی ایک یا چند صحابہ سے مروی ہو کہ فلاں شخص صحابی ہے، اور اسی طرح تابعی کے بیان سے بھی صحابیت ثابت ہو جاتی ہے، اس بنیاد پر کہ ایک شخص کی دی ہوئی گواہی قبول کی جاتی ہے اور یہی موقف راجح ہے۔ پھر اس طریقے سے کہ وہ شخص خود کہے کہ میں صحابی ہوں، بشرطیکہ اس کی عدالت و صداقت اور رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں موجودگی ثابت ہو۔ رہی پہلی شرط یعنی عدالت، تو علامہ آمدی اور دیگر اہل علم نے اسے لازمی قرار دیا ہے کیونکہ اس کی عدالت ثابت ہونے سے پہلے اگر اس کا یہ قول کہ میں صحابی ہوں یا اس جیسا کوئی اور دعویٰ قبول کر لیا جائے، تو اس سے خود بخود اس کی عدالت کا ثبوت لازم آئے گا کیونکہ تمام صحابہ عادل ہیں۔ یوں یہ معاملہ ایسا ہی ہو جائے گا جیسے کوئی کہے کہ میں عادل (سچا) ہوں۔ اور محض دعوے پر اسے قبول نہیں کیا جاتا۔ رہی دوسری شرط یعنی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں موجودگی، تو اس کا اعتبار نبی کریم ﷺ کی ہجرت سے ایک سو سال گزرنے تک کیا جائے گا۔ اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا وہ ارشاد ہے جو آپ ﷺ نے اپنی عمرِ مبارک کے آخری حصے میں صحابہ سے فرمایا تھا: کیا تم نے اس رات کو دیکھا؟ یاد رکھو اس رات سے سو سال مکمل ہونے پر روئے زمین پر ان لوگوں میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے گا جو آج اس پر موجود ہیں۔ اسے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے۔''

(الاصابۃ: ۱/ ۱۶۰، الفصل الثانی فی الطریق الی معرفۃ کون الشخص صحابیا)

حاصلِ کلام یہ ہوا کہ صحابیت کے ثبوت کے معروف طریقے پانچ ہیں:

(۱) اس شخص کا صحابی ہونا تواتر سے ثابت ہو جیسے خلفائے راشدین۔

(۲) اس کا صحابی ہونا مشہور ہو، یعنی بہت سے صحابہ اور تابعین صحابی مانتے ہوں

(۳) اکاذکا صحابہ نے اسے صحابی کہا ہو۔

(۴) تابعین میں سے کسی عادل اور ثقہ فرد نے اس کی صحابیت کی گواہی دی ہو۔

(۵) ۱۱۰ھ تک وفات پانے والے کسی عادل شخص نے صحابیت کا دعویٰ کیا ہو (صحابہ سے اس کی تردید منقول نہ ہو)

ان میں سے کوئی بات مروان پر منطبق نہیں ہوتی، چنانچہ:

☆ تواتر کا تو یہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ورنہ تمام اصحاب جرح وتعدیل مروان کو صحابی مانتے۔

☆ کثرت وشہرت تو کجا اس کی صحابیت پر ایک صحیح روایت (خبر واحد) بھی موجود نہیں۔

☆ کسی ایک صحابی سے بھی اس کی صحابیت کی شہادت منقول نہیں۔

☆ کسی ایک تابعی سے بھی اسے صحابی کہنا ثابت نہیں۔

☆ خود اس نے بھی کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ شرف صحبت رکھتا ہے۔

اہم اعلان: ردّ ناصبیت پر کام کرنے والے علمائے کرام متعدد بار یہ دعوت دے چکے ہیں کہ مروانی گروہ جو مروان بن حکم کی صحابیت کا دعوے دار ہے، وہ معرفتِ صحابہ کے ان معروف اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے، ان میں سے کسی ایک کے مطابق مروان کی صحابیت ثابت کردے۔ ہم اسی چیلنج کو مروانی گروہ کے سامنے پھر دُہرائے دیتے ہیں۔ بہرکیف آج تک مروان کا کوئی وکیلِ صفائی ایسا نہیں کرسکا۔ بس اپنے خودساختہ حربوں کے ذریعے بزعمِ خود مروان کو صحابی سمجھنا اور پھر اس کے دفاع کے نام پر اسلاف اور اکابر کی کردار کشی کرتے رہنا ہی ان کا من پسند مشغلہ ہے۔

فصل چہارم:

احوالِ صحابہ کی کتب میں مروان کو صحابہ میں شمار نہیں کیا گیا

طبقاتِ صحابہ کی کتب میں بہت سے تابعین اور اتباع تابعین، مدرکین اور مخضرمین کے حالات بھی ہوتے ہیں۔ جب تک کسی کے نام کے ساتھ صحابی ہونے کی

صراحت نہ ہو تو فقط کتبِ طبقات میں نام یا ذکر آجانے سے کوئی شخص صحابی ثابت نہیں ہوسکتا۔ احوالِ صحابہ وتابعین پر لکھی گئی معتبر ترین کتب میں مروان کو صحابی شمار نہیں کیا گیا۔

صحابہ وتابعین کے تعارف پر درج ذیل کتب کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہے:

(۱) محمد بن سعد رحمہ اللہ (م ۲۳۰ھ) کی: الطبقات الکبریٰ

(۲) امام بخاری رحمہ اللہ (م ۲۵۶ھ) کی: التاریخ الکبیر

(۳) امام بغوی رحمہ اللہ (م ۳۱۷ھ) کی: معجم الصحابة

(۴) ابن قانع رحمہ اللہ (م ۳۵۱ھ) کی: معجم الصحابة

(۵) حافظ ابن مندہ رحمہ اللہ (م ۳۹۵ھ) کی: معرفة الصحابة

(۶) ابونعیم الاصبہانی رحمہ اللہ (م ۴۳۰ھ) کی: معرفة الصحابة

(۷) علامہ ابن عبدالبرؒ (م ۴۶۳ھ) کی: الاستیعاب فی معرفة الاصحاب

(۸) علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ (۶۳۰ھ) کی: اسد الغابة

(۹) حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) کی: سیر اعلام النبلاء

(۱۰) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ) کی: الاصابة فی تمییز الصحابة

اب مروان کے تعارف کے حوالے سے ان کتب کا حال دیکھئے:

(۱) طبقات ابن سعد میں محمد بن سعد رحمہ اللہ مروان کو مدینہ کے تابعین میں شمار کرتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد: ۵/۳۶، ط صادر)

(۲) التاریخ الکبیر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ساڑھے تین ہزار سے زائد رُواۃ کا تعارف کرایا ہے جن میں صحابہ کرام، تابعین اور اتباع تابعین شامل ہیں۔ ان میں چار سو سے زائد صحابہ کرام کا تعارف ہے جن کا تذکرہ کرتے ہوئے امام بخاری رحمہ اللہ نے اہتمام کے ساتھ ''صحابی'' یا ''لہ صحبة'' کے الفاظ لکھا ہے۔ مروان کے تعارف میں ایسا کچھ نہیں لکھا۔

(۳) امام بغوی رحمہ اللہ کی معجم الصحابہ میں دو ہزار سے زائد صحابہ کرام کا ذکر ہے مگر مروان بن حکم کا کوئی تذکرہ نہیں۔

(۴) ابن قانع رحمہ اللہ کی معجم الصحابہ میں بھی مروان کا سرے سے تذکرہ نہیں۔

(۵) حافظ ابن مندہؒ نے بھی معرفۃ الصحابہ میں مروان بن حکم کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

(۶) ابو نعیم الاصبہانی رحمہ اللہ کی معرفۃ الصحابہ میں صحابہ و تابعین کے حالات مخلوط طور پر حروف تہجی کے اعتبار سے بیان کیے گئے ہیں۔ مروان بن حکم کے تذکرے میں بس وہی روایت نقل کی گئی ہے جسے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور مروان کی سند سے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔ ہم پیچھے مدلل طور پر بتا چکے ہیں کہ اُس روایت سے مروان کی صحابیت ثابت نہیں ہوتی کیوں کہ وہ روایت مرسل ہے۔

(۷) الاستیعاب میں علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے صاف لکھا ہے کہ مروان نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت نہیں کی کیونکہ اس کے باپ کو جلاوطن کیا گیا تو یہ بھی ساتھ ہی طائف چلا گیا اور رسول اللہ ﷺ کی وفات تک وہیں مقیم تھا۔

(الاستیعاب: ۳/۱۳۸۷)

(۸) ابن اثیر الجزری رحمہ اللہ نے اسد الغابہ میں بھی مروان کو صحابی نہیں مانا بلکہ واضح طور پر لکھا ہے:

ولم یر النبی ﷺ لانه خرج الی الطائف طفلا لا یعقل لِما نفی النبی ﷺ أباه الحکم، لِما ذکرناه فِی ترجمة أبیه، و کان مع ابیه بالطائف حتیٰ استخلف عثمان، فردهما۔

''اور مروان نبی کریم ﷺ کو نہیں دیکھا، کیونکہ وہ اس حالت میں طائف چلا گیا تھا کہ اتنا چھوٹا بچہ تھا جو کچھ سمجھنے کے قابل نہ تھا کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے والد حکم بن ابی العاص کو جلاوطن کر دیا تھا جیسا کہ ہم نے اس کے والد کے حالات زندگی میں ذکر کیا ہے۔ وہ اپنے والد کے ساتھ طائف ہی میں رہا یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے، تو انہوں نے ان دونوں کو واپس بلا لیا۔'' (اسد الغابۃ: ۵ ص ۱۳۹)

(۹) سیر اعلام النبلاء میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے مروان بن حکم کے لیے ''رؤیۃ مجردہ'' (جس سے صحابیت ثابت نہیں ہوتی) کے امکان کا ذکر کیا ہے۔

(۱۰) الاصابہ میں مروان کا ذکر جس باب میں کیا گیا ہے، اس پر عنوان

''من لہ رؤیۃ'' لگایا گیا ہے اور اس سے مراد'' رؤیۃ مجردہ'' ہے یعنی بے عقلی کی حالت کی رؤیت جس سے صحابیت ثابت نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس اس باب میں مختلف اقسام کے ملے جلے لوگوں کا ذکر ہے۔ ان سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ ان میں سے کسی کی صحابیت کے ثبوت کے لیے کوئی قوی سند موجود نہیں، چنانچہ اس میں درج ذیل قسموں کے اَفراد کا ذکر کیا ہے:

☆ بعض وہ ہیں جن کے لیے رؤیۃ مجردہ کسی قابل قبول سند سے ثابت ہے چنانچہ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تیسرے بیٹے محسن اور محمد بن ابی بکر صدیق کا ذکر بھی ہے۔ علاوہ ازیں محمد بن ثابت بن قیس بن شماس (شہید یوم حرہ) اور محمد بن عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق وغیرہ حضرات کا ذکر ہے۔ اس کے باوجود انہیں صحابی شمار نہیں کیا گیا کیوں کہ ان کے لیے زیادہ سے زیادہ رؤیۃ مجردہ ہی ثابت ہو سکتی ہے۔

☆ بعض وہ ہیں جن کی رؤیت میں اختلاف ہے جیسے محمد بن عطیہ السعدی۔ صحابیت کے احتمال کے باعث انہیں اس باب میں ذکر کر دیا گیا مگر راجح یہی ہے کہ وہ صحابی نہیں۔

☆ بعض وہ ہیں جو عہد نبوی میں مدینہ میں پیدا ہوئے جیسا کہ محمد بن ابی الجہم (شہید یوم حرہ) اور محمد بن عبدالرحمن بن عوف۔ مگر یہ بھی صحابی نہیں۔

☆ بعض وہ ہیں جو عہد نبوی میں مدینہ سے باہر پیدا ہوئے، جیسا کہ مختار بن ابی عبید اور محمد بن عمرو بن حزم۔ یہ بھی صحابی نہیں۔

☆ بعض وہ ہیں جن کی رؤیۃ مجردہ بھی ثابت تو نہیں مگر اس پر ساقط قسم کی ایک آدھ روایت موجود ہے جسے'' قیل یقال'' سے نقل کر دیا گیا ہے مگر اس روایت پر اعتبار نہیں کیا گیا۔ جیسا کہ مروان بن حکم۔ یہاں مروان کا ذکر کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے واضح کیا ہے: ''لم أر من جزم بصحبتہ''

(میری نظر میں ایسا کوئی نہیں جس نے مروان کے صحابی ہونے کا یقین کیا ہو)

(الاصابۃ: ۶ ص ۲۰۳)

☆☆☆

فصل پنجم:

مروانیوں کے من مانے اصول صحابیت ثابت نہیں کرتے

قارئین! ہم نے مروان کے دفاع میں مروانیوں اور نواصب کی لکھی ہوئی کئی کتب پڑھی ہیں، ان میں مروان کو صحابی قرار دینے کے لیے وہ اصول استعمال کرنے سے قصداً گریز کیا گیا ہے جو علمائے اصول نے معرفتِ صحابہ کے لیے طے کیے ہیں۔ کیوں کہ مروانی بھی جانتے ہیں کہ مروان کی صحابیت ان اصولوں سے ہرگز ثابت نہیں کی جاسکتی۔ پس مروانی حضرات مروان کو صحابی ثابت کرنے کے لیے چار من مانے اصول استعمال کرتے ہیں اور وہ بھی صرف مروان کے لیے۔

اگر کوئی دوسرا شخص انہی اصولوں کے ذریعے اُن کی پسندیدہ ہستیوں کے سوا کسی اور کو صحابی ثابت کرنے کی کوشش کرے تو وہاں مروانی مُکر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سراسر بے اصولی ہے۔ پس مروانیوں کے ان اصولوں کو اصول کہنا ہی غلط ہے بلکہ انہیں ''حربے'' کہنا چاہیے۔

پہلا حربہ اور اس کا جواب:

صحابیتِ مروان کے ثبوت کے لیے مروانیوں کا پہلا حربہ یہ ہے کہ مروان کو چاہے بے شعوری کی حالت میں سہی مگر زیارت ہوگئی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ مروان ۸ھ میں پیدا ہوا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ اُسے گھٹی دلوانے کے لیے خدمتِ نبویہ میں لایا گیا تھا، پس صحابیت ثابت ہوگئی کہ ثبوتِ صحابیت کے لیے رؤیتِ ممیزہ ضروری نہیں بلکہ رؤیتِ مجردہ (بے شعوری کی رؤیت) بھی کافی ہے۔

(یہاں مروانی یہ بات گول کر جائیں گے کہ ایسی فقط دو روایات ہیں جو نعیم بن حماد رحمہ اللہ کی ''کتاب الفتن'' میں ہیں یہ روایات اتنی شدید ضعیف ہیں کہ ان پر بعض علماء نے وضع کا حکم لگایا ہے)

ہم جواباً عرض کرتے ہیں کہ اس صورت میں آپ پر لازم ہے کہ محمد بن

ابی بکر کو بھی صحابی مانیں جن کی رؤیت مجردہ سب کے نزدیک ثابت ہے۔

(قال ابن حجر: لہ رؤیۃ (تقریب التھذیب، تر: ۵۷۶۴)۔ بعض حضرات نے صحابی بھی کہا ہے: الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم، ح: ۶۶۴)

نیز آج تک آپ کے گروہ نے محمد بن ابی بکر پر جس قدر طعن وتشنیع کی ہے، اس کا کفارہ ادا کریں، ان پر لگائے گئے الزامات کی تردید کریں اور ان کے دفاع پر اسی قدر توجہ دیں جس قدر دفاع مروان پر ہے۔ اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو شبہ ہوگا کہ آپ کو خانوادۂ ابوبکر سے کوئی خاص خلش ہے کہ جس معیار پر آپ کے ہاں مروان صحابی ہے، اُس معیار پر ہو کر پسرِ ابوبکر صحابی نہیں۔ نیز نواسۂ صدیق اکبر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو تو آپ صحابی مان کر بھی ان کا دفاع نہیں کرتے بلکہ ان پر ظلم ڈھانے والے یزید، حجاج اور مروان کا دفاع کرتے رہتے ہیں۔ خانوادۂ صدیق سے اس بغض کی آخر وجہ کیا ہے؟

دوسرا حربہ:

مروانی جب پہلے حربے کے ذریعے مروان کو صحابی ثابت نہیں کر سکتے تو کہتے ہیں کہ مروان کی ولادت سنہ ۲ ہجری میں ہوئی تھی، یعنی رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت اس کی عمر کم از کم نو سال تھی، پس مروان کے صحابی ہونے کی اصل دلیل یہ ہے کہ اس عمر کے لڑکے کا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہونا ہی شرفِ زیارت کو ثابت کر دیتا ہے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں آپ محمد بن ابی حذیفہ کو بھی صحابی مانیے، جس کے والد ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ نے ہجرتِ حبشہ کی تھی۔ محمد بن ابوحذیفہ کی ولادت بالاتفاق اسی ہجرتِ حبشہ کے زمانے میں ہوئی تھی۔ پھر ۷ ھ میں تمام مہاجرینِ حبشہ مدینہ آ گئے، جن میں ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ بھی تھے اور ان کا گھرانہ مدینہ ہی میں مقیم رہا۔ مطلب یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں محمد بن ابی حذیفہ نے لڑکپن یا عنفوانِ شباب کے کم وبیش تین سال مدینہ میں گزارے۔ پھر ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ جنگِ یمامہ میں شہید ہو گئے اور محمد بن ابی حذیفہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تربیت

اور کفالت نصیب ہوئی۔ بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف مصر میں بغاوت بھڑکانے کا جرم کیا۔ (الاصابۃ:۶ ص۹؛ سیر اعلام النبلاء:۳ ص۴۸۰؛ تاریخ الاسلام للذہبی:۲ ص۳۴۰، ت بشار؛ تاریخ دمشق:۵۲ ص۲۶۷)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وُلِدَ لِأبيه لما هاجر الهجرة الاولى لحبشة ،وله رؤية،ولما توفي النبي ﷺ كان هذا ابن احد عشر سنين أو اكثر.

(یہ اپنے باپ کے ہاں اس وقت پیدا ہوا جب انہوں نے حبشہ کی پہلی ہجرت کی۔ اسے زیارت نصیب ہوئی۔ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو یہ گیارہ برس یا اس سے زیادہ عمر کا تھا۔) (سیر اعلام النبلاء:۳ ص۴۷۹، ۴۸۰، ط الرسالۃ)

الغرض آپ کے اصول کے مطابق محمد بن ابی حذیفہ کی صحابیت مروان سے زیادہ پختہ طور پر ثابت ہو جانی چاہیے۔

مگر آپ محمد بن ابی حذیفہ کو صحابی نہیں مانتے کہ کسی روایت میں اس کا زیارتِ نبویہ سے مشرف ہونا صراحتاً ثابت نہیں اور قیاس سے یہ بات طے نہیں ہو سکتی۔ آپ یہاں جمہور علماء کے قول کو اختیار کیے ہوئے ہیں کہ اس نے حضرت عثمانؓ کے خلاف سبائی فتنے کو مصر میں پھیلانے میں مرکزی کردار ادا کیا اور آخر میں حضرت معاویہؓ نے اسے گرفتار کر کے قتل کرایا۔ کتب تاریخ کی بہت سی روایات اس پر شاہد ہیں۔

(الاستیعاب:۳ ص۱۳۶۹؛ الاصابۃ:۶ ص۹؛ تاریخ الاسلام للذہبی:۲ ص۳۴۰، ت بشار؛ تاریخ دمشق:۵۲ ص۲۶۷)

بہر کیف آپ پر اپنے اصول کے مطابق لازم ہے کہ جس طرح آپ مروان کو لڑکپن میں معاصرتِ نبویہ کے باعث قیاساً صحابی تصور کرتے ہیں اور اس کے بارے میں تمام منفی چیزوں کو آپ شیعوں اور سبائیوں کا پروپیگنڈہ اور ایک صحابی کی توہین قرار دیتے ہوئے خلافِ ایمان تصور کرتے ہیں، تو اسی طرح محمد بن ابو حذیفہ کو بھی صحابی مان کر اس کے خلاف تمام منفی چیزوں کی تردید کیا کریں یعنی:

☆ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنے میں محمد بن ابی حذیفہ کی شمولیت کی کُل روایات کو من گھڑت قرار دیں۔ ☆ حضرت مُعاویہ رضی اللہ عنہ کے محمد بن ابی حذیفہ کو قصاصاً قتل کرنے کو بھی غلط فہمی یا اجتہادی غلطی کہیں یا ان واقعات پر ہی حرفِ تنسیخ پھیر دیں۔ ☆ محمد بن ابی حذیفہ کے فضائل نشر کریں مثلاً: (۱) والدین کی ہجرت حبشہ (۲) لڑکپن میں ہجرت مدینہ (۳) والدین کا السابقون الاوّلون میں سے ہونا (۴) اس کا حضرت مُعاویہ رضی اللہ عنہ کا ماموں زاد بھائی ہونا۔ (۵) ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کا اس کی پھوپھی ہونا (۵) ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کا اس کا پھوپھا ہونا۔

جب مروان کی بُرائیوں کو کالعدم کرنے کیے لیے آپ کتبِ حدیث کی روایات کو بھی مسترد کرنے پر کمربستہ رہتے ہیں تو محمد بن ابی حذیفہ کی منفی تصویر دکھانے والی تاریخی روایات کو آپ کیوں سچ تصور کرتے ہیں؟

بہرحال مروانیوں کا یہاں ردِّعمل یہی ہوتا ہے کہ محمد بن ابی حذیفہ کی صحابیت اس طرح ثابت نہیں ہوسکتی۔ کیوں کہ کسی روایت میں بھی اس کا رسول اللہ ﷺ سے بحالتِ ہوش وحواس ملنا صراحتاً ثابت نہیں تو ہم قیاس یا رؤیۃ مجردہ سے مرتبۂ صحابیت کیسے ثابت مان لیں؟ جب ہم کہتے ہیں کہ ہمیں ایسی ہی دلیل مروان کی صحابیت کے ثبوت کے لیے درکار ہے تو مروانی جواب میں چپ سادھ لیتے ہیں یا کردارکشی اور ذاتی حملوں پر اُتر آتے ہیں۔

مروانیوں کا تیسرا حربہ:

مروانیوں کا تیسرا حربہ یہ ہے کہ وہ مروان کی صحابیت ثابت کرنے کے لیے علماء کے تفردات کو استعمال کرتے ہیں کہ فلاں فلاں حضرات نے مروان کو صحابی کہا تھا، چنانچہ ابونصر بخاریؒ اور علامہ باجیؒ کا حوالہ دیتے ہیں کہ ان دونوں کے بقول واقدی نے کہا ہے کہ مروان نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔ اور علامہ رشید الدین عطارؒ (م ۶۶۹ھ) نے مروان کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اُسے رؤیت ان شاء اللہ ہوئی ہوگی۔

اس حربے کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی کی صحابیت کے ثبوت کے لیے بعض علماء کے تفردات کافی ثبوت ہیں (چاہے باقی علماء کا ایک جم غفیر سلفاً وخلفاً اس کے خلاف کہہ رہا ہو) تو اس صورت میں آپ ہر اس شخص کو صحابی مانیے جسے تفرداً کسی نے صحابی کہا ہو، یا اس کے لیے رؤیۃ کا قول کیا ہو۔ چنانچہ آپ پر لازم ہے کہ اپنے اصول کے مطابق:

☆ محمد بن ابی حذیفہ کو بھی صحابی مانیں جس کے متعلق نامور محدث امام ابن حبان رحمہ اللہ (م ۳۵۴ھ) نے لکھا ہے کہ "لہ صحبۃ" (اسے شرف صحبت نصیب ہے) (مشاہیر علماء الامصار: ۱ص ۹۵)

اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے "ان شاء اللہ" جیسا احتمالی وامکانی صیغہ استعمال کیے بغیر حتمی طور پر لکھا ہے: "ولہ رؤیۃ" (اسے زیارت نصیب ہے۔)

(سیر اعلام النبلاء: ۳ص ۴۸۰)

علامہ صلاح الدین کیکلدی دمشقی رحمہ اللہ بھی لکھتے ہیں: "ولہ رؤیۃ" (اسے زیارت نصیب ہے) (جامع التحصیل: ۱ص ۲۶۳)

☆ محمد بن ابی بکر کو بھی صحابی مانیے جن کے بارے میں ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "ولہ رؤیۃ" (اسے زیارت نصیب ہے) (تقریب التہذیب، ت: ۵۷۶۴)

☆ عبدالرحمن بن عدیس کو بھی صحابی مانیے جس کے بارے میں روایات متفق ہیں کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بلوے میں پیش پیش تھا۔ بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے گرفتار کیا مگر وہ فرار ہو گیا اور اسی حالت میں ایک دیہاتی کے ہاتھوں مارا گیا۔ (الاستیعاب: ۲ص ۸۴۰؛ تاریخ الاسلام للذہبی: ۲ص ۲۹۸، ۲۹۹، ت بشار)

اسے بھی بعض علماء نے تفرد اختیار کرتے ہوئے یا غلط فہمی کی بناء پر صحابی کہہ دیا، چنانچہ

امام ابن حبان رحمہ اللہ (م ۳۵۴ھ) نے بھی لکھا ہے کہ "لہ صحبۃ" (اسے شرف صحبت نصیب ہے) (مشاہیر علماء الامصار: ۱ص ۹۵)

ابن سعد رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے: صحب النبی ﷺ (اس نے نبی ﷺ کی صحبت پائی۔) (طبقات ابن سعد: ۷ص ۵۰۹)

مگر تمام علماء یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بلوے کا ایک سرغنہ تھا۔ (الاستیعاب: ۲ ص ۸۴۰؛ تاریخ الاسلام للذہبی: ۲ ص ۲۹۸، ۲۹۹، ت بشار)

اب اس پر تو اجماعِ اُمت ہے کہ اس فساد میں کوئی صحابی شریک نہ تھا۔ اس لیے خارجی قرائن وشواہد کے تحت یہ شخص صحابی ثابت نہیں ہوتا۔ پس جمہور کے اصول پر تو بعض علماء کے تفردات سے اس کی صحابیت ثابت نہیں ہوتی، لیکن مروانی کہاں جائیں گے جن کے نزدیک بس "لہ رؤیۃ" اور "لہ صحبۃ" سے ہی صحابیت قطعی طور پر ثابت ہوجاتی ہے اور اس کے بعد اس شخص کی عظمت ایسی طے ہوجاتی ہے کہ اس کے منفی اور فتنہ انگیز کردار کی گواہی دینے والی تمام روایات کو سبائیت زدہ ماننا لازم ہوجاتا ہے۔

مروانیوں کا چوتھا حربہ:

مروانیوں کا چوتھا حربہ یہ ہے کہ وہ جسے صحابی قرار دینا چاہتے ہیں اس کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کا ذکر طبقاتِ صحابہ کی فلاں فلاں کتب میں آگیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ کتبِ طبقات صحابہ میں محمد بن ابی بکر، محمد بن ابی حذیفہ، عبدالرحمن بن عدیس البلوی کا ذکر بھی ہے۔ دیکھئے:

☆ محمد بن ابی بکر، معرفۃ الصحابۃ للاصبہانی: ۱ ص ۱۶۸؛ معجم الصحابۃ: ۴ ص ۵۲۶

☆ محمد بن ابی حذیفہ: معرفۃ الصحابۃ للاصبہانی: ۱ ص ۱۸۴، معجم الصحابۃ للبغوی: ۴ ص ۵۲۲، ۵۲۳ ☆ عبدالرحمن بن عدیس البلوی: معرفۃ الصحابۃ للاصبہانی: ۴ ص ۱۸۵۲؛ الاستیعاب: ۲ ص ۸۴۰؛ معجم الصحابۃ للبغوی: ۲ ص ۴۸۴

اس قسم کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔ ایسے بہت سے اَفراد کا ذکر طبقاتِ صحابہ کی کتب میں ہے مگر وہ صحابی نہیں ہیں۔ جمہور علماء انہیں صحابی نہیں مانتے۔

حاصلِ کلام:

مروانی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی بحالتِ عقل وشعور مروان کے خدمتِ نبویہ میں آنے کی کوئی ضعیف ترین روایت بھی پیش نہیں کرسکتے۔ اب اگر اس ناکامی کو چھپانے کے لیے وہ یہ کہتے ہیں کہ ثبوتِ صحابیت کے لیے بحالتِ عقل وشعور زیارت شرط

نہیں بلکہ بچپن کی رؤیت مجردہ ہی سے صحابیت ثابت ہو جاتی ہے تو پھر اس صورت میں ان پر لازم ہے کہ وہ محمد بن ابی بکر کو بھی صحابی مانیں جن کی رؤیت مجردہ پر اتفاق ہے۔

اگر مروانی یہ کہیں کہ مروان کے صحابی ہونے کی اصل دلیل یہ ہے کہ اس عمر کے لڑکے کا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہونا ہی شرف زیارت کو ثابت کر دیتا ہے، چاہے زیارت کی صراحت کہیں نہ ہو۔ تو اس صورت میں مروانیوں پر لازم ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت میں سرگرم رہنے والے محمد بن ابی حذیفہ کو بھی صحابی مانیں کہ بقول حافظ ذہبی رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت محمد بن ابی حذیفہ کی عمر کم از کم گیارہ برس تھی۔

اگر مروانی یہ کہتے ہیں کہ مروان کی صحابیت کی دلیل یہ ہے کہ بعض علماء نے اس کے لیے ''رؤیۃ'' کا قول کیا ہے یا بعض نے اسے صحابی کہا ہے تو اس صورت میں ان کو محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ سمیت کتنے ہی اَفراد کو صحابی ماننا پڑے گا جن کے لیے بعض علماء نے ''رؤیۃ'' اور بعض نے ''صحبۃ'' کا قول بھی کیا ہے، مگر مروانی انہیں صحابی تو کجا ایک شریف شخص بھی نہیں مانتے۔

پس آلِ مروان کے نام نہاد اصولوں کی ہنڈیا بیچ چوراہے میں پھوٹ چکی ہے۔ رہے نام اللہ کا۔

☆☆☆

چوتھا باب

مروان کے تابعی اور ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کی بحث

فصل اوّل

مروان کا شمار تابعین کے طبقے میں ہے

اساطینِ اُمت نے مروان کو صحابہ میں شمار نہیں کیا بلکہ صراحت کے ساتھ بتایا ہے کہ وہ طبقۂ تابعین میں سے تھا۔ چند حوالے پیشِ خدمت ہیں:

(۱) امام مسلم رحمہ اللہ نے ''الاسماء والکنیٰ'' میں مروان کا شمار بطور صحابی نہیں بطور تابعی کیا ہے۔

أبو عبد الملک مروان بن الحکم، سمع عثمان وعلیا روی عنه عروة بن الزبیر وعلی بن الحسین۔

(عبدالملک کا باپ مروان بن حکم۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع کیا۔ اس سے عروہ بن زبیر رحمہ اللہ اور علی بن حسین رحمہ اللہ نے روایت لی) (الکنیٰ والاسماء، ت: ۲۴۳۸)

(۲) امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَهُوَ مِنَ التَّابِعِينَ۔ (مروان تابعین میں سے تھا) (سنن الترمذی، ح: ۳۰۳۳، ابواب تفسیر القرآن، باب من سورۃ النساء)

(۳) امام علی بن مدینی رحمہ اللہ (۲۳۴ھ) زید بن ثابت سے روایت لینے والے تابعین کی فہرست پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَمَنْ رَوَى عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ مِمَّنْ لَقِيَهُ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مِنَ التَّابِعِينَ: ... وَمَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ۔

''اور مدینہ کے جن تابعین نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کی، جو ان سے ملاقات کر چکے تھے، ان میں..... (چودہ تابعین کے نام بیان کر کے فرماتے ہیں)..... مروان بن حکم بھی ہے۔'' (العلل: ص ۴۷، ط المکتبۃ الاسلامی)

(۴) امام ابوالعرب تمیمی رحمہ اللہ (م ۳۳۳ھ) نے افریقہ میں قدم رکھنے والے تابعین کی فہرست میں مروان کا نام بھی شامل کیا ہے:

دَخَلَ افريقية من جلّة التابعين: معبد اخو عبد الله بن عباس... ومروان بن الحكم....

(افریقہ میں کبار تابعین داخل ہوئے۔ معبد جو عبداللہ بن عباس کے بھائی تھے..... اور مروان بن حکم.....) (طبقات علماء افریقیۃ: ۱ ص ۱۸، ط دار الکتب اللبنانی۔ بیروت)

(۵) امام طبرانی رحمہ اللہ (م ۳۶۰ھ) نے معجم کبیر میں مروان کا شمار تابعین میں کیا ہے اور حضرت معاویہ کی روایات بیان کرتے ہوئے ایک جگہ عنوان لگایا ہے:

''من روی عن معاویۃ رضی اللہ عنہ من تابعی اھل المدینۃ مروان بن الحکم'' (معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے مدنی تابعین میں سے: مروان بن الحکم) (المعجم الکبیر: ۱۹ ص ۳۱۹)

(۶) امام الدارقطنی رحمہ اللہ (م ۳۸۵ھ) نے بھی ''ذکر اسماء التابعین'' میں مروان کا شمار تابعین میں کیا ہے۔ (ذکر اسماء التابعین ومن بعدہم، ت: ۱۰۸۵)

(۷) امام ثعلبی رحمہ اللہ (م ۴۲۷ھ) فرماتے ہیں:

ومن التابعین وأتباعھم عروۃ بن الزبیر وأبو بکر بن عمر بن حزم ومروان بن الحکم۔ (تابعین اور اتباع تابعین میں سے عروہ بن زبیر، ابوبکر بن عمرو بن حزم اور مروان بن حکم بھی ہیں) (الکشف والبیان: ۱ ص ۱۱۳، ط دار احیاء التراث)

(۸) امام ابن حزم الظاہری رحمہ اللہ (م ۴۵۶ھ) ''ومن التابعین'' کہہ کر ایک لمبی فہرست بیان کرتے ہوئے اس میں مروان کا نام بھی نقل کرتے ہیں۔

(المحلی بالآثار لابن حزم الظاہری م ۴۵۶ھ: ۱۱ ص ۲۹۴، ط دار الفکر)

(۹) علامہ سبط ابن الجوزیؒ (م ۶۵۴ھ) مروان کے بارے میں فرماتے ہیں: مروان بن الحکم... من الطبقۃ الأولی من التابعین من اھل المدینۃ (مروان تو مدنی تابعین کے پہلے طبقے میں سے ہے)

(مرآۃ الزمان فی تواریخ الاعیان: ۸ ص ۳۵۱)

(۱۰) حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) بھی یہی فرماتے ہیں: قلت: تابعی۔ ''میں کہتا ہوں وہ تابعی تھا۔'' (المغنی فی الضعفاء: ۲/ ۶۵۱)

(۱۱) شارح صحیح بخاری علامہ کرمانی رحمہ اللہ (م ۷۸۶ھ) فرماتے ہیں:

ومروان تابعی۔ (رہا مروان تو وہ تابعی ہے)

(الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری: ۱۷ ص ۸۶)

(۱۲) علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ (م ۸۰۸ھ) فرماتے ہیں:

أما مروان فکان من الطبقۃ الأولی من التابعین۔ (رہا مروان تو وہ تابعین کے پہلے طبقے میں سے ہے) (تاریخ ابن خلدون: ۱ ص ۲۷۵)

(۱۳) امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

عن مروان، وھو تابعی۔ ''مروان سے مروی ہے اور وہ تابعی تھا۔''

(التوشیح شرح الجامع الصحیح: ۶ ص ۲۸۲۰، مکتبۃ الرشد، ریاض)

جب یہ ظاہر ہے کہ مروان تابعین میں سے ہے تو وہ یقیناً صحابی نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے جمہور اہل سنت کا اس کے صحابی نہ ہونے پر اتفاق ہے۔ بلاشبہ وہ زمانے کے لحاظ سے تابعین کے پہلے طبقے میں تھا مگر کیا وہ ثقہ تابعی تھا؟ یا اُن لوگوں میں سے تھا جو علم وفضل کے باوجود فتنہ پرور اور غیر ثقہ مانے گئے؟ یہ بحث آگے آئے گی۔

☆☆☆

فصل دوئم

تابعی کا عادل اور متقی ہونا ضروری نہیں

بعض حضرات کہتے ہیں کہ مروان صحابی نہ سہی مگر تابعین میں سے تو تھا، اس لیے بہرحال اس کی عظمت وبزرگی اور عدالت وثقاہت ثابت ہے کیوں کہ صحابہ کرام کے بعد اُمت میں سب سے بڑا درجہ تابعین ہی کا ہے۔ اسی طرح یزید بن معاویہ اور حجاج بن یوسف بھی تابعین میں سے تھے کہ انہوں نے صحابہ کرام کی صحبت پائی تھی۔ پس ان کی عظمت اور عزت واحترام لازم ہے اور ان پر اعتراض وتنقید ناجائز ہے۔

اس بارے میں عرض ہے کہ تابعی اور صحابی میں بہت فرق ہے۔ ان حضرات نے تابعین کے بارے میں جو مقام تصور کرلیا ہے، وہ صرف صحابہ کرام کا ہے جن کے بارے میں اُمت کا یہی عقیدہ ہے کہ ''الصحابۃ کلھم عدول'' (وہ سب کے سب عادل ہیں۔) مگر تابعین کے بارے میں یہ ضروری نہیں کہ اُن کا ہر ہر فرد عادل، نیک اور قابل بھروسہ ہو۔ صحابہ کرام کی انفرادی شان اور باقی اُمت سے ان کا غیر معمولی امتیاز یہی ہے کہ صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں جبکہ غیر صحابہ سب کے سب عادل نہیں۔ پس تابعین کی عدالت کے لیے وہی شرائط ہیں جو عام انسانوں کے لیے ہیں، یعنی ان کی زندگی کے حالات، ان کی سچائی اور ان کے تقوی کو جانچا جاتا ہے۔

تابعی ہونے کے بارے میں علماء کے ایک طبقے نے صحابی سے ملاقات یا صحبت کی شرط لگائی ہے اور کہا ہے:

التابعی: من صحب الصحابی . (تابعی وہ ہے جو کسی صحابی کے ساتھ رہا ہو) اس بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" لم یکتفوا بمجرد رؤیته الصحابی، کما اکتفوا فی اطلاق اسم الصحابی علیٰ من رآه علیه السلام. والفرق: عظم وشرف رؤیته علیه السلام.

"میں کہتا ہوں: محدثین نے کسی شخص کو تابعی کہنے کے لیے محض صحابی کو دیکھ لینے کو کافی قرار نہیں دیا، جیسا کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو محض دیکھ لینے والے پر صحابی کے لفظ کا اطلاق کافی سمجھا ہے۔ ان دونوں کے درمیان فرق نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی عظمت اور اس کا شرف ہے۔"

تاہم علماء کی بہت بڑی تعداد تابعی ہونے کے لیے کسی صحابی کی زیارت اور رؤیت کو کافی سمجھتی ہے۔ (شرح التبصرہ والتذکرۃ العراقی: ۲ ص ۱۵۹)

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ جمہور علماء کے نزدیک "تابعی" کے لیے بزرگی اور تقویٰ لازم نہیں۔ تابعی کی حیثیت محض ایک خاص دور کے مسلمان کی ہے جس نے کسی صحابی کو دیکھا ہو۔ پس تابعی خیر وصلاح کا پیکر بھی ہوسکتا ہے اور فاسق وفاجر اور ظالم وشریر بھی۔ چنانچہ علامہ ابو اسحاق الاسفرائینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والاحسان قدر زائد علی الایمان والاسلام ... ولیس بشرط فی التابعی.

(نیکی ایمان اور اسلام سے ایک زائد شے ہے..... یہ تابعی میں ہونا شرط نہیں) (الوجیز الفیاح من علوم ابن الصلاح: ۲ ص ۵۲۳)

یہ درست ہے کہ عرف میں عام طور پر جب "تابعی" کا لفظ بولا جاتا ہے تو یقیناً اس سے ایک اعلیٰ مفہوم ذہن میں آتا ہے کیوں کہ اس دور کے زیادہ تر لوگ صحابہ کرام کی صحبت وتربیت کے باعث اعلیٰ کردار کے حامل تھے مگر ہر شخص ایسا نہ تھا۔ بعض

ایسے تھی دست بھی تھے جو یہ مبارک دور پا کر بھی محروم رہے مگر انہیں بھی زمانہ صحابہ پانے کے باعث ''تابعی'' کہہ دیا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر ''تابعین'' سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے صحابہ سے ملاقات کی۔ ان میں اچھے بھی تھے اور بُرے بھی۔ اس لیے ان میں فرق کرنا ضروری ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ اصحاب جرح وتعدیل نے تابعین کے حالات کی اسی طرح چھان بین کی ہے جس طرح انھوں نے بعد کے راویوں کے حالات کو نقد ونظر کی کسوٹی پر جانچا ہے۔ اگر سارے تابعین بزرگ ہوتے تو ائمہ حدیث کو اس چھان بین کی ضرورت کیا تھی؟ مگر ائمہ نے اس معاملے کو پوری ذمہ داری سے دیکھا اور اس بحث وتمحیص کے نتیجے میں تابعین میں سے بھی بہت سے لوگوں کو ضعیف، ناقابلِ اعتماد اور بُرے کردار والا قرار دیا۔ چنانچہ یزید بن مُعاویہ، مختار بن ابوعبید ثقفی، مروان بن حکم، حجاج بن یوسف اور عبیداللہ بن زیاد جیسے لوگ اسی قسم کے تابعین ہیں۔ ان میں بعض خوبیاں بھی ضرور تھیں مگر مجموعی طور پر یہ لوگ صحابہ کی قربت اور رشتے ناطوں کا شرف پا کر بھی فسق وفجور اور فتنہ پروری میں ملوث رہے۔

تابعین کے مفہوم میں علمائے اُمت کے دوسرے طبقے کی رائے:

یہ بھی یاد رکھئے کہ علمائے اصول کا ایک طبقہ ''تابعی'' کے لیے نیکی اور صلاح وتقویٰ پر استقامت کو شرط لازم قرار دیتا ہے۔ چنانچہ امام ابن صلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قلتُ: ومطلقہ مخصوص بالتابع باحسان۔

''میں کہتا ہوں کہ تابعی کا مطلق لفظ اس شرط کے ساتھ مخصوص ہے کہ اس شخص نے نیکی کے ساتھ (صحابہ کی) پیروی کی ہو۔'' (مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۵۰۶، ط دار المعارف)

ان حضرات کا کہنا ہے کہ قرآن مجید میں تابعین کے لیے یہی شرط لگائی گئی ہے:

''وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ''

(جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی) (سورۃ الانفال، آیت: ۱۰۰)

پس ان حضرات کے نزدیک مروان بن حکم، یزید بن معاویہ اور حجاج بن یوسف جیسے لوگ، جن کی بُرائیاں تواترِ معنوی سے ثابت ہیں، ''تابعین'' کی اصطلاحی

تعریف میں سرے سے داخل نہیں ہوتے۔ انہیں ''تابعی'' کہنا مجازی طور پر بایں معنیٰ ہے کہ انہوں نے صحابہ کا زمانہ پایا تھا اور تابعین کے بھی ہم عصر تھے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے علماء کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے کسی غیر عالم کو بھی جو بظاہر باریش اور عمامہ پوش ہونے کے باعث دینی شخصیت لگتا ہو، ''مولانا'' کہہ دیا جاتا ہے۔

پس اس قول کو لیا جائے تو مروان، یزید اور حجاج بن یوسف جیسے لوگوں کے حوالے سے کوئی اشکال ہی وارد نہیں ہوتا کہ وہ تابعین میں داخل ہی نہیں۔

☆☆☆

فصل سوئم:

مروان کی ثقاہت اور جمہور علماء کی آراء

حقیقت یہ ہے کہ ایک عالم وفاضل شخصیت ہونے کے باوجود مروان کو جمہور اُمت کے ہاں درجۂ ثقاہت نصیب نہیں ہوسکا۔ متعدد صفات کے باوجود اُس کے متعلق مجموعی طور پر اہلِ علم کی رائے منفی رہی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اُمت جب کسی سیاسی شخصیت کو یاد کرتی ہے تو وہ اُس کے زہد وعبادت اور علم وفضل سے کہیں زیادہ اس پہلو کو دیکھتی ہے کہ اس شخص سے اُمت کو مجموعی طور پر فائدہ زیادہ ہوا یا نقصان۔ جب اس پہلو سے جائزہ لیا جاتا ہے تو مروان کے محاسن پر اس کے جرائم بھاری پڑ جاتے ہیں۔ اسی بناء پر جمہور محدثین مروان سے روایت لینا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس کے کچھ شواہد پیشِ خدمت ہیں:

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کا مروان پر عدمِ اعتماد:

مروان سے اَحکام اور حلال وحرام کے مسائل میں فقط ایک ہی حدیثِ مرفوع منقول ہے جو شرمگاہ کے چھونے سے وضو واجب ہونے کے بارے میں ہے۔ مروان نے اسے بُسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا سے سنا تھا مگر جب مروان نے اسے تابعین کے مشہور محدث حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کو سنایا تو ان کا فعل جو کتبِ حدیث میں ''حدیثِ بُسرۃ'' کے تحت مذکور ہے، واضح کرتا ہے کہ ان کے ہاں مروان ثقہ راوی نہیں تھا۔ ابنِ حبان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَأَمَّا خَبَرُ بُسْرَةَ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ، فَإِنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ سَمِعَهُ مِنْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ، عَنْ بُسْرَةَ، فَلَمْ يُقْنِعْهُ ذَلِكَ حَتَّى بَعَثَ مَرْوَانُ شُرْطِيًّا لَهُ إِلَى بُسْرَةَ فَسَأَلَهَا، ثُمَّ آتَاهُمْ، فَأَخْبَرَهُمْ بِمِثْلِ مَا قَالَتْ بُسْرَةُ، فَسَمِعَهُ عُرْوَةُ ثَانِيًا عَنِ الشُّرْطِيِّ، عَنْ بُسْرَةَ، ثُمَّ لَمْ يُقْنِعْهُ ذَلِكَ حَتَّى ذَهَبَ إِلَى بُسْرَةَ فَسَمِعَ مِنْهَا، فَالْخَبَرُ عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ بُسْرَةَ، مُتَّصِلٌ لَيْسَ بِمُنْقَطِعٍ، وَصَارَ مَرْوَانُ وَالشُّرْطِيُّ كَأَنَّهُمَا عاريتان يسقطان من الإسناد۔

(رہا بُسرہ بنتِ صفوان رضی اللہ عنہا والی خبر کا معاملہ جس کا ہم نے ذکر کیا، تو بات یہ ہے کہ عروہ بن زبیر نے اسے مروان بن حکم سے سنا تھا جو بُسرہ رضی اللہ عنہا سے روایت کر رہا تھا، لیکن عروہ اس پر مطمئن نہ ہوئے یہاں تک کہ مروان نے اپنا ایک سپاہی بُسرہ کی طرف بھیجا اور اس نے جا کر پوچھا۔ پھر سپاہی واپس آیا اور انہیں وہی بات بتائی جو بُسرہ رضی اللہ عنہا نے کہی تھی۔ عروہ نے اسے دوسری بار سپاہی کے واسطے سے بُسرہ رضی اللہ عنہا سے سنا، پھر بھی مطمئن نہ ہوئے یہاں تک کہ خود بُسرہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور براہِ راست ان سے حدیث سنی۔ پس عروہ کی بُسرہ رضی اللہ عنہا سے روایت متصل ہے، منقطع نہیں ہے اور درمیان میں مروان اور وہ سپاہی ایسے ہو گئے جیسے عارضی واسطے ہوں جو سند سے ساقط ہو جاتے ہیں) (صحیح ابن حبان: ۳ ص ۳۹۷، ط موسسۃ الرسالۃ)

ثابت ہوا کہ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کے نزدیک مروان تنہا اس قابل نہ تھا کہ حدیثِ رسول کے حوالے سے اس پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کر لیا جائے۔

مروان کے بارے میں امام ابن حبان رحمہ اللہ کی رائے:

مروان کے بارے میں امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"عَائِذٌ بِاللهِ أَنْ نَحْتَجَّ بِخَبَرٍ رَوَاهُ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ وَذُرِّيَّتُهُ فِي شَيْءٍ مِنْ كُتُبِنَا۔

(ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ اپنی کتابوں میں کسی بھی مسئلے میں ایسی خبر سے حجت پکڑیں جسے مروان بن حکم یا اس جیسے لوگوں نے روایت کیا ہو)

(صحیح ابن حبان: ۳ ص ۳۹۷، ط موسسۃ الرسالۃ)

مروان کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے:

یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ جیسے امام مجتہد نے بھی مروان کو برے کام کرنے والوں میں شمار کیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فاسق کے پیچھے نماز کے جواز پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'وَقَدْ صَلَّى أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ خَلْفَ مَنْ لَا يَحْمَدُونَ فِعَالَهُ مِنَ السُّلْطَانِ وَغَيْرِهِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: أَخْبَرَنَا مُسْلِمٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ اعْتَزَلَ بِمِنًى فِي قِتَالِ ابْنِ الزُّبَيْرِ وَالْحَجَّاجِ بِمِنًى فَصَلَّى مَعَ الْحَجَّاجِ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ قَالَ: أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنَا حَاتِمٌ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا كَانَا يُصَلِّيَانِ خَلْفَ مَرْوَانَ قَالَ فَقَالَ: أَمَا كَانَا يُصَلِّيَانِ إِذَا رَجَعَا إِلَى مَنَازِلِهِمَا؟ فَقَالَ لَا وَاللهِ مَا كَانَا يَزِيدَانِ عَلَى صَلَاةِ الْأَئِمَّةِ'

(بے شک اصحاب رسول ﷺ نے ایسے لوگوں یعنی ایسے حکمران وغیرہ کے پیچھے بھی نماز ادا کی جن کے کاموں کی وہ تعریف نہیں کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حجاج کی جنگ کے دوران منیٰ میں الگ تھلگ رہے اور حجاج کے پیچھے نماز ادا کی۔ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما مروان کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ حضرت علی بن حسین سے پوچھا گیا کہ کیا وہ گھر جا کر نماز لوٹا لیتے تھے۔ انہوں نے کہا: نہیں بخدا! وہ امام کے پیچھے ادا کردہ نماز پر کوئی اضافہ نہیں کرتے تھے۔ یعنی اُسے دہراتے نہیں تھے) (کتاب الام للشافعی: ۱/ص ۱۸۵، ط دار المعرفۃ)

مروان کے متعلق امام اوزاعی رحمہ اللہ کی رائے:

مروان کے متعلق اس رائے میں شیعہ سُنی منافرت یا عراقی و شامی تعصب کا کوئی دخل نہ تھا بلکہ ہر خطے کے علمائے اہل سنت کی معتدل رائے یہی تھی۔ دوسری صدی ہجری کے اوائل میں اُمویوں کے سیاسی گڑھ شام کے سب سے بڑے فقیہ امام اوزاعی رحمہ اللہ تھے۔ وہ بھی مروان کو اُمت کے شریر لوگوں میں شمار کرتے تھے۔ اُن سے پوچھا گیا: کیا مشہور و معروف فاسق پر لعنت کی جاسکتی ہے؟ فرمایا: ''ہم ابو مسلم

(خراسانی) اور مروان کو جانتے ہیں۔ بے شک وہ دونوں اس اُمت کے شریر لوگوں میں سے تھے مگر میں ان پر بھی لعنت کرنا پسند نہیں کرتا۔"

يَعْقُوبُ بْنُ سُفْيَانَ، قَالَ: نا صَفْوَانُ بْنُ صَالِحٍ، قَالَ: نا عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْوَاحِدِ، قَالَ: سَمِعْتُ الْأَوْزَاعِيَّ، سُئِلَ عَنْ فَاسِقٍ مَعْرُوفٍ بِفِسْقِهِ قَالَ: أَيُلْعَنُ؟ قَالَ: نَرَى أَبَا مُسْلِمٍ وَمَرْوَانَ فَإِنَّهُمَا كَانَا مِنْ شِرَارِ هَذِهِ الْأُمَّةِ، وَمَا أُحِبُّ لَعْنَهُمَا۔

(عمر بن عبدالواحد کہتے ہیں، میں نے امام اوزاعی رحمہ اللہ کو کہتے سنا، جب اُن سے پوچھا گیا کہ جس کا فسق وفجور معروف ہو، تو کیا اُس پر لعنت کی جاسکتی ہے؟ امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ہم ابو مسلم اور مروان کو جانتے ہیں کہ وہ اس اُمت کے شریر لوگوں میں سے تھے مگر پھر بھی میں ان پر لعنت کرنا پسند نہیں کرتا)

(شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ للالکائی: ح ۲۰۲۲، ج ۶ ص ۱۱۵۰) رجالہ ثقات او موثقون

امام مسلم رحمہ اللہ کی رائے:

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں مروان کی روایت نہیں لی۔ علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ اس پر لکھتے ہیں:

وھو لا یخرج لہ استقلالا، ولا یحتج بروایتہ

(امام مسلم رحمہ اللہ مستقل طور پر مروان سے روایت نہیں لیتے اور اس کی روایت کو حجت نہیں سمجھتے) (فتح الباری شرح صحیح البخاری لابن رجب: ۷ ص ۲۵)

امام دارقطنی رحمہ اللہ کی رائے:

امام دارقطنی رحمہ اللہ امام بخاری رحمہ اللہ کی بعض تفسیری روایات کا درجہ متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وھو صحیح إلا عن مروان۔

(یہ روایات صحیح ہیں سوائے اُن کے جو مروان سے مروی ہیں)

(موسوعۃ اقوال الدارقطنی: ۲ ص ۶۴۳)

مطلب صاف ظاہر ہے کہ جن روایات کی سند میں مروان موجود ہو، وہ صحیح کے درجے میں قائم نہیں رہے گی، کیوں کہ مروان عادل اور ثقہ راوی نہ تھا۔

ابن عساکر رحمہ اللہ کی رائے:

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رأی غیر واحد من الأئمة ترک الاحتجاج بحدیثه لما روی عنه بشأن طلحة بن عبید الله۔

''متعدد ائمہ کی رائے یہ تھی کہ مروان بن حکم کی حدیث سے استدلال قابلِ ترک ہے، وجہ وہ روایات تھیں جن میں اُس کا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے متعلق حال مروی ہے۔'' (یعنی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا)

(تاریخ دمشق: ۵۷ ص ۲۳۷؛ مختصر تاریخ دمشق: ۲۴ ص ۱۷۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اور امام اسماعیلی رحمہ اللہ:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ حدیثِ بُسرہ رضی اللہ عنہا کے متعلق امام اسماعیلی رحمہ اللہ کا قول کسی رَدّ و کد کے بغیر یوں نقل کرتے ہیں:

وَالْوَاسِطَةُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِمَّا مَرْوَانُ وَهُوَ مَطْعُونٌ فِي عدالته أو حرسيه وَهُوَ مَجْهُولٌ۔

''عروہ اور بُسرہ کے درمیان واسطہ یا تو مروان ہے جس کی عدالت مجروح ہے یا وہ سپاہی ہے جو مجہول ہے۔'' (النکت الظراف: ۱ ص ۳۴۱، ط العلمیہ)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی رائے:

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مروان کو ناصبی فرقے (مروانیہ) کا بانی قرار دیا ہے۔ (تحفہ اثنا عشریہ، اردو، ص ۱۳۹، ۱۴۰، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

علامہ امیر صنعانی رحمہ اللہ مروان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''وقد ذکر بعض مساوی مروان وهو اوّل من شق عصا المسلمین بلا شبیه ولا تاویل وقتل النعمان بن بشیر اوّل مولود فی الاسلام فی الانصار صاحب رسول اللہ ﷺ وذکر انه خرج علی ابن الزبیر بعد ان بایعه علی الطاعة۔ وذکر البخاری والذهبی انه ای مروان لیس بصحابی قلت: بل کان عدوا لاصحاب

رسول اللہ ﷺ کما یعرف ذلک من عرف اخبارہ و اکثر ما قیل فیہ ای فی تنزیھہ انہ لم یکن متھما فی الحدیث وھذا لا ینفع الا مع التاویل و التدین وھو منھما براء کما تقدم عن ابن حزم۔

''ابن حزم رحمہ اللہ نے مروان کی بعض برائیاں بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ پہلا شخص تھا جس میں مسلمانوں میں کسی سابقہ نظیر یا تاویل کے بغیر تفرقہ ڈالا اور اسلام کی تاریخ میں انصار کے ہاں پیدا ہونے والے پہلے بچے، صحابیٔ رسول حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔ ابن حزمؒ نے ذکر کیا کہ مروان نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے اطاعت کی بیعت کرنے کے بعد ان کے خلاف خروج کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ وہ صحابی نہیں تھا۔ میں کہتا ہوں کہ وہ اصحاب رسول کا دشمن تھا جیسا کہ اس کے حالات سے واقف شخص یہ جانتا ہے۔ مروان کے بارے میں یعنی اس کی صفائی میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا گیا ہے کہ وہ حدیث کے معاملے میں مشکوک نہ تھا۔ مگر یہ بات بھی کسی تاویل (کی گنجائش) اور (مروان کی) دین داری (ثابت ہونے) کے صورت میں ہی کہی جاسکتی تھی مگر مروان ان دونوں چیزوں سے عاری ہے۔ (نہ اس کی غلطیوں کی تاویل ہوسکتی ہے اور نہ تاویل کی ضرورت ہے کیوں کہ وہ دیندار بھی نہ تھا۔) جیسا کہ ابن حزمؒ کے حوالے سے یہ باتیں گزر چکی ہیں۔'' (توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار: ۲ ص ۴۵)

مروان اور مروانیوں کا فسق سورج سے زیادہ روشن

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ومن المعلوم ان فسق مروان و اتباعہ اظھر من الشمس و ابین من الامس۔

''یہ بات ظاہر ہے کہ مروان اور اس کے پیروکاروں کا فسق و فجور سورج سے زیادہ روشن اور گزرے ہوئے کل سے زیادہ واضح ہے۔''

(الکوکب الدری: ۱ ص ۱۱۳، باب الوضوء من مس الذکر)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمہ اللہ:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمہ اللہ مروان کے بارے میں ابن حبان رحمہ اللہ کا قول کسی ردّوکد کے بغیر یوں نقل کرتے ہیں:

معاذاللہ! ان نحتج بمروان بن الحکم فی شیء فی کتبنا

''معاذ اللہ! ہم مروان بن الحکم سے اپنی کتب میں کوئی حجت پکڑیں۔''

(اوجز المسالک: ۱/ ۴۸۳ ط دار القلم دمشق)

☆☆☆

فصل چہارم:

کیا عروہ بن زبیرؒ نے مروان کو سندِ توثیق دی؟

مروان کے بارے میں بعض حضرات فرماتے ہیں کہ وہ حدیث کے معاملے میں معتبر تھا کیوں کہ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ جیسے امام حدیث نے مروان کو حدیث میں مطلقاً معتبر قرار دیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے: ''وقال عروة بن الزبیر: مروان لا یُتَّهَمُ فی الحدیث'' (مروان حدیث کے بارے میں مشکوک نہیں) (فتح الباری: ۱ص ۴۴۳)

مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک مشہور غلط فہمی ہے۔ تحقیقی بات یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کی طرف یہ قول منسوب کرنا کہ ''مروان لا یُتَّهَمُ فی الحدیث'' درست نہیں۔ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے کبھی بھی یہ نہیں فرمایا بلکہ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کے اصل الفاظ یہ تھے:

''لا اِخالُهُ یُتَّهَمُ علینا''

(میں نہیں سمجھتا کہ مروان ہمارے بارے میں قابلِ تہمت ہوسکتا ہے)

یہاں تہمت کی نفی مطلقاً نہیں بلکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے بارے میں تہمت کی نفی ہے، یعنی مروان نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا ایک واقعہ نقل کیا تھا اور حضرت عروہ رحمہ اللہ نے اس پر کہا تھا کہ میں نہیں سمجھتا کہ مروان جو

ہمارا مخالف ہے، وہ ہمارے والد کی فضیلت میں مبالغہ آرائی کرے گا۔

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کے ان الفاظ کو نقل کرنے میں سب سے پہلے پانچویں صدی ہجری میں علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ سے تسامح ہوگیا اور انہوں نے ان الفاظ کو روایت بالمعنیٰ کے طور پر یوں نقل کر دیا:

وقال عروة: كان مروان لا يتهم في الحديث (الاستیعاب: ۳ص ۱۳۹۰)

جس سے مطلب کچھ کا کچھ ہوگیا اور بعد والے کئی حضرات نے اسے اسی طرح نقل کر دیا، حتیٰ کہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ جیسے ممتاز ناقد و محقق کو بھی یہاں تحقیق کا موقع نہیں ملا اور وہ بھی اس غلطی کا شکار ہوگئے۔ بتقاضائے بشریت کبھی کبھار جلیل القدر علماء سے بھی کوئی بھول چوک ہوجانا محال نہیں۔ مگر ہمیں اصل ماخذ پر جا کر دیکھنا چاہیے کہ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کے الفاظ کیا تھے جن کے اصل ناقل امام بخاری رحمہ اللہ ہیں۔ یہ الفاظ جس روایت کے ذیل میں ہیں اُسی سے واضح ہے کہ مروان کی توثیق مطلقاً نہیں بلکہ ایک خاص واقعے میں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ ''التاریخ الکبیر'' میں وہ واقعہ یوں نقل کرتے ہیں:

حدّثنا محمد بن سعيد، قال: حدّثنا علي بن مسهر، عن هشام بن عروة، عن أبيه، قال: أخبرني مروان بن الحكم، قال: فلا إ [redacted] خاله يتّهم علينا، قال: أصاب عثمان بن عفان زُعاف شديد، حتى حبسه عن الحج، فأوصى سنة الزعاف، فدخل عليه رجل من قريش، فقال له: استخلف؟ قال: وقالوه؟ قال: نعم، قال: ومن؟ فسكت، ثم دخل عليه رجل آخر، قال: أحسبه ابن الحكم، فقال: استخلف؟ قال: قالوه؟ قال: نعم، قال: ومن؟ قال: فسكت، قال: لعلهم قالوا الزبير بن العوام؟ قال: نعم، قال: والذي نفسي بيده، إنه لخيرهم ما علمت، وإن كان لأحبهم إلى رسول الله ﷺ، ثلاث مرات۔

(ہم سے محمد بن سعید نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن مسہر نے ہشام بن عروہ سے، انہوں نے اپنے والد عروہ سے روایت کی، عروہ کہتے ہیں مجھے مروان بن حکم

نے خبر دی، اور میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے حوالے سے اس پر کوئی تہمت لگائی جا سکتی ہے۔ مروان نے کہا کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو نکسیر پھوٹنے کا شدید مرض لاحق ہوا، یہاں تک کہ اس نے آپ کو حج سے روک دیا۔ پس نکسیر والے اسی سال آپ رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی، تو قریش کا ایک شخص آپ کے پاس آیا اور عرض کیا: آپ کسی کو خلیفہ نامزد کر دیں؟ آپ نے پوچھا: کیا لوگوں نے یہ بات کہی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے پوچھا: کس کے بارے میں؟ تو وہ خاموش رہا۔ پھر ایک دوسرا شخص آپ کے پاس آیا، عروہ کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ وہ مروان بن حکم ہی تھا، اس نے بھی کہا: آپ کسی کو خلیفہ بنا دیں؟ آپ نے پوچھا: کیا لوگوں نے ایسا کہا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے پوچھا: کسے؟ تو وہ بھی خاموش رہا۔ آپ نے فرمایا: شاید انہوں نے زبیر بن عوام کا نام لیا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، جہاں تک میں جانتا ہوں وہ ان سب میں بہتر ہیں، اور وہ رسول اللہ ﷺ کو ان سب سے زیادہ محبوب تھے۔ یہ بات تین مرتبہ دہرائی) (التاریخ الکبیر: ۷ ص ۳۶۸)

امام احمد، امام نسائی، امام ابن ابی خیثمہ، عمر بن شبہ اور امام بغوی رحمہم اللہ نے بھی عروہ رحمہ اللہ کے من وعن یہی الفاظ اسی واقعے کے تحت نقل کیے ہیں:

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَرْوَانَ، وَمَا إِخَالُهُ يَتَّهِمُ عَلَيْنَا...

(مسند احمد، ح: ۴۵۵؛ السنن الکبریٰ للنسائی، ح: ۸۱۵۲؛ التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ، السفر الثالث: ۱ ص ۳۱، ۲ ص ۶۱؛ فضائل الصحابۃ للنسائی، ح: ۱۰۵؛ معجم الصحابۃ للبغوی: ۲ ص ۴۳۰؛ تاریخ المدینۃ لابن شبہ: ۳ ص ۱۰۵۵)

قرائنِ حالیہ اس جملے کا جو مطلب متعین کرتے ہیں وہ یہی ہے کہ مروان ویسے تو ثقہ نہیں اور اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور مزید یہ کہ وہ میرے بھائی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا مخالف تھا، اس تناظر میں وہ ہمارے خاندان کی جتنی بھی برائی کرے کم ہے مگر اس کے باوجود وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ایک واقعہ نقل کر رہا ہے تو کم از کم اس معاملے میں اس کی روایت قبول کی جائے گی کیوں کہ یہاں تو جھوٹ کا بھی شائبہ نہیں ہو سکتا۔

بالفاظ دیگر چوں کہ اس روایت میں مروان حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت بزبانِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نقل کر رہا ہے تو عروہ بن زبیر رحمہ اللہ اس منقبت کو نقل کرنے سے قبل اپنی سند کے ضعیف راوی کو اس خاص موقع پر قابلِ بھروسہ ظاہر کرنے کے لیے فرمایا:

"فَلَا إِخَالُهُ يَتَّهِمُ عَلَيْنَا"

"میں نہیں سمجھتا کہ مروان ہماری تعریف میں کوئی روایت نقل کرے تو وہ قابلِ تہمت ہو سکتا ہے۔"

الغرض عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کی طرف سے مروان کی یہ توثیق ایک خاص تناظر میں اور ایک خاص معاملے کی حد تک ہے۔ اس سے ہٹ کر مروان ثقہ تھا یا نہیں ؟ اس کا فیصلہ دیگر دلائل کریں گے۔ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کے مقید الفاظِ توثیق میں اس کا اثبات ہے نہ نفی۔ بہرکیف اصل مأخذ کو دیکھے بغیر نقل در نقل کے باعث یہ تسامح اتنا مشتہر ہو گیا کہ بعض علماء مروان کی توثیق میں عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کی طرف یہی الفاظ "مروان لا يتهم في الحديث" منسوب کرنے لگے جبکہ ان کا قول "لَا إِخَالُهُ يَتَّهِمُ عَلَيْنَا" ہے۔ دونوں باتوں میں بہت فرق ہے۔

حدیثِ بُسرہؓ شاہد ہے کہ عروہؒ کو مروان کی روایت پر اعتماد نہ تھا:

حدیثِ بُسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا شاہد ہے کہ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کو مروان کی روایت حدیث پر اعتماد نہیں تھا۔ اگر انہیں بہر صورت اعتماد ہوتا تو اس حدیث کی تحقیق کیوں کرتے۔ مگر عروہ رحمہ اللہ نے فقط مروان پر اعتماد کر کے اسے قبول نہیں کیا تھا بلکہ اسے قابلِ التفات ہی نہیں سمجھا۔ حدیثِ بسرۃ بنت صفوان رضی اللہ عنہا کے الفاظ دیکھیے:

فَقَالَ مَرْوَانُ: حَدَّثَتْنِي بُسْرَةُ بِنْتُ صَفْوَانَ ، أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَأْمُرُ بِالْوُضُوءِ مِنْ مَسِّ الْفَرْجِ فَكَأَنَّ عُرْوَةَ لَمْ يَرْفَعْ بِحَدِيثِهَا رَأْسًا، فَأَرْسَلَ مَرْوَانُ إِلَيْهَا شُرْطِيًّا۔ فرجع فأخبرهم أنها سمعت رسول اللهِ ﷺ يأمر بالوضوءِ من مسِ الفرجِ۔

(مروان نے کہا: مجھے بُسرہ بنتِ صفوان رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ انہوں نے

رسول اللہ ﷺ کو شرمگاہ چھونے پر وضو کرنے کا حکم دیتے ہوئے سنا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ گویا عروہ مروان کی روایت سے مطمئن نہیں ہوئے، تو مروان نے بُسرَہ رضی اللہ عنہا کی طرف ایک سپاہی بھیجا۔ اس نے واپس آ کر انہیں خبر دی کہ بُسرَہ رضی اللہ عنہا نے واقعی رسول اللہ ﷺ کو شرمگاہ چھونے پر وضو کا حکم دیتے ہوئے سنا ہے۔)

(مصنف عبدالرزاق، ح:۴۱۱؛ شرح معانی الآثار، ح:۴۲۸)

حدیث بُسرَہ رضی اللہ عنہا کی مزید تفصیلی آگے آرہی ہے اور وہاں علماء کی آراء بھی پیش کی جائیں گی جن سے ثابت ہوگا کہ واقعی عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے مروان سے یہ حدیث سن کر بھی اس پر اعتماد نہیں کیا تھا بلکہ دیگر ذرائع سے تصدیق کے بعد ہی یہ حدیث نقل کی تھی، کیوں کہ مروان ثقہ راوی نہیں تھا۔

☆☆☆

پانچواں باب
مروان کی بعض صفات اور بعض عیوب

فصل اوّل:

مروان کی بعض صفات

مروان بن حکم کا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا ہے جن میں اچھی صفات اور کئی علوم وفنون کی قابلیت بھی تھی۔ یہ انصاف نہ ہوگا کہ ہم مروان کے فقط جرائم کو دیکھیں اور اس کی صفات کو بالکل نظر انداز کر دیں۔ تاہم یہاں ایک اصول اچھی طرح سمجھ لیں۔ مروان کوئی ایسی شخصیت ہرگز نہیں کہ جس کی تعریف قرآن مجید میں ہو یا جس کی فضیلت رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہو اور یوں وہ اُن شخصیات میں سے ہو گیا ہو کہ جن کی عقیدت ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔

صفات اور رذائل کے بارے میں چند اصولی باتیں:

مروان پہلی صدی ہجری کی شخصیات میں سے ایک شخصیت تھا۔ وہ اچھا تھا یا

بُرا؟ اس کا فیصلہ تحقیق سے کیا جانا چاہیے اور تحقیق سے قبل یہ حقیقت ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ کچھ اچھائیاں بُرے لوگوں میں بھی ہوتی ہیں اور بعض اوقات صالحین سے بھی بُرائیوں کا ارتکاب ہو جاتا ہے، لہٰذا کسی شخصیت کے اچھے یا بُرے ہونے کا فیصلہ اُس کی غالب صفات اور افعال کو دیکھ کر کیا جاتا ہے۔

نیز اس میں یہ بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ اچھائیوں یا بُرائیوں میں سے کونسی باتیں معتبر ذرائع سے منقول ہیں اور کونسی غیر معتبر ذرائع سے۔ جب ہمارے پاس واحد ذریعہ روایات ہیں تو روایات چاہے تاریخی ہوں یا حدیثی، ان کے معتبر وغیر معتبر کا ہونے دارومدار سند پر ہوتا ہے۔ پس ہمیں سند کی قوت اور عدم قوت کو ملحوظ رکھ کر دیکھنا ہوگا کہ کسی شخصیت کے غالب عناصر اور افعال کیا تھے اور اُن کی روشنی میں اس کا کردار مجموعی طور پر قابلِ تحسین تھا نہیں؟

لہٰذا مروان کے متعلق بھی یہ فیصلہ سند کی قوت اور ضعف کے فرق کے ساتھ ہوگا۔ اگر اُس کی صفاتِ حسنہ اور کارہائے خیر زیادہ تر صحیح اور حسن روایات میں ہوں اور بُرائیاں اکثر و بیشتر بے سند اور شدید ضعیف روایات میں ہوں، تب تو اُسے قابلِ تحسین شخصیت ماننے میں کسی کو قطعاً کوئی باک نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن اگر روایات اور اسناد کا معاملہ اس کے برعکس ہو تو پھر مروان کا معاملہ بھی برعکس ہوگا۔

ہاں! اگر کسی کے غالی کے نزدیک مروان بذاتِ خود معیارِ حق قرار پا گیا ہو اور اس کے نزدیک بنیادی اصول ہی یہ ہو کہ جو روایات مروان کے حق میں ہوں، وہی معتبر ہوں گی، چاہے بے سند ہوں اور جو روایات اُس کے خلاف ہوں گی، وہ جھوٹی قرار پائیں گی چاہے وہ صحیح یا حسن کے درجے پر ہوں تو ایسے جذباتی پن کا کوئی علاج نہیں۔ اس تمہید کے بعد اب ہم مروان کی بعض صفات کا ذکر کرتے ہیں:

قریشی جوانوں کا سردار:

مروان بنواُمیہ کا رئیس تھا، لہٰذا اسے قریش کے سرداروں میں شمار کیا جاتا تھا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَدْ كَانَ مَرْوَانُ مِنْ سَادَاتِ قُرَيْشٍ وَفُضَلَائِهَا۔

''مروان قریش کے رؤساء اور عالم فاضل لوگوں میں سے ایک تھا۔''

(البدایۃ والنہایۃ: سنہ ۶۵ھ)

ایک سخت ضعیف روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر اسے ''سیّدُ شباب قریش'' کہا تھا۔

(اسنادہ ضعیف جدًا۔ فیہ یحیی بن ابراھیم شیخ سعید بن ابی مریم مجھول الذات، ولم اطلع علی ترجمۃ عبیداللہ بن المغیرۃ (شیخ یحیی)، وفیہ الحارث بن سفیان، قال یحیی بن معین لیس بثقۃ۔ (میزان الاعتدال: ۱ ص ۴۳۴)، وذکرہ الازدی وقال کان ضعیفا جدا۔ (لسان المیزان: ۲ ص ۱۵۲)

ایک سخت ضعیف روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگِ جمل کے بعد مروان کے بارے میں پوچھتے رہے، کسی نے وجہ دریافت کی تو فرمایا:

" تعطفنی علیہ رحم ماسۃ وھو مع ذلک سید من شباب قریش۔"

''مجھے اس پر رشتہ داری کے باعث ترس آتا ہے اور وہ قریش کے جوانوں میں سے ایک سردار بھی ہے۔''

(تاریخ دمشق: ۵۷ ص ۲۳۸، اسنادہ ضعیف جدًا، فیہ مجاھیل، ابو الحسین (شیخ تمام بن محمد) مجھول الذات، ومحمد بن یحیی بن آدم مجھول الحال، وابو علی الصفار مجھول الذات)

دلیری اور بہادری:

مروان جنگجو اور دلیر بھی تھا۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں: کَانَ ذَا شَھَامَۃٍ، وَشَجَاعَۃٍ، وَمَکْرٍ، وَدَھَاءٍ۔ ''وہ دلیر، بہادر، چالاک اور ہوشیار تھا۔'' (سیر اعلام النبلاء: ۳ ص ۴۷۷، ط الرسالۃ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع میں زخمی ہوا:

مروان مدینہ پر بلوائیوں کے حملے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتا

رہا اور ان کی شہادت کے موقع پر قاتلوں سے لڑتے ہوئے بُری طرح زخمی بھی ہوا۔

(البدایۃ والنہایۃ: سنہ ۳۵ھ؛ الاستیعاب: ۳ ص ۱۰۴۶؛ تہذیب التہذیب: ۷ ص ۱۴۱، ۱۴۲)

علم وفضل:

بعض علماء کے بقول اُسے فقہاء میں شمار کیا جاتا تھا۔

وکان یعدّ فی الفقہاء۔ (الاصابۃ: ۶ ص ۲۰۳)

مروان کے کئی فقہی فیصلے کتب حدیث میں مذکور ہیں اور اس سے بعض احادیث بھی منقول ہیں۔ اس کے عدالتی فیصلوں میں کئی مواقع پر شریعت، عقل اور انصاف کے تقاضے پورے ہونے کی شہادت ملتی ہے جو قابلِ تحسین چیز ہے۔

مروان کے فقہی فیصلوں کے بارے میں ایک قابلِ لحاظ بات:

کردارِ مروان کے حدیثی و فقہی پہلوؤں پر ساتویں اور آٹھویں باب میں تفصیل سے بات ہوگی۔ تاہم یہاں ایک اصولی بات یاد رکھی جائے کہ کسی قاضی یا حاکم کے فیصلوں کا قانون اور عدل وانصاف کے مطابق ہونا ایک بڑی خوبی ضرور ہے مگر یہ اس کی شخصیت کا فقط ایک پہلو ہے۔ محض اس بناء پر اسے سراپا خیر، مجسمۂ محاسن یا متقی و پرہیز گار نہیں مانا جاسکتا۔ آج بھی بہت سے اہلِ علم وفضل ایسے ملیں گے جو علمی لحاظ سے بڑے قابل ہیں مگر دوسری طرف ان کا کردار بہت قبیح ہے۔ بہت سے جج صاحبان ایسے ملیں گے جو اپنی کرسی پر عموماً عدل وانصاف کا دامن نہیں چھوڑتے مگر ان کی زندگی پوری طرح شریعت کے مطابق نہیں بلکہ بعض اوقات وہ کھلم کھلا کبیرہ گناہوں میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں۔ ایسے کافر حاکم اور رؤساء بھی ایسے گزرے ہیں، جن کے انصاف وسخاوت کی مثالیں شہرۂ آفاق ہیں چنانچہ حاتم طائی کی سخاوت اور کسریٰ نوشیروان کے عدل کے قصے فارسی وعربی ادب میں مشہور ومعروف ہیں اور بعض اوقات جلیل القدر علماء وعظ ونصیحت میں بھی ان کے حوالے دیتے ہیں۔ بلاشبہ ایسی شخصیات اس خاص پہلو سے قابلِ تحسین ہوتی ہیں۔ لیکن اگر اس خوبی کے ساتھ

ان کی بدعقیدگی یا بدعملی بھی ثابت ہو، تو ان کے انکار پر مصر ہونا بھی کوئی معقول رویہ نہیں مانا جائے گا۔ یہ تو انتہائی شخصیت پرستی ہوگی کہ ہم ان لوگوں کے عدل وانصاف یا جود وسخا کی چند مثالیں پڑھ کر انہیں اولیائے کرام یا دینی شخصیات کا درجہ دینے لگیں۔

اچھا قاری:

بعض علماء نے لکھا ہے کہ مروان اچھا قاری بھی تھا۔ من رجل قاری من مروان بن الحکم۔ (معرفۃ قراء الکبار علی الطبقات والاعصار للذہبی: ۱ ص ۶۵، ط العلمیۃ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قربت، قرابت، عہدے داری:

بعض روایات میں جن کی سند موجود نہیں، مذکور ہے کہ مروان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنا داماد بنایا اور اپنی بیٹی اُم ابان کبریٰ اس کے نکاح میں دی۔

(ملاحظہ ہو: المحبر: ص ۵۵؛ نسب قریش: ص ۱۱۲؛ انساب الاشراف: ۶ ص ۳۰۷)

هذه الرواية لا سند لها۔

اسی طرح کی بعض بے سند روایات میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے اپنا کاتب بھی بنایا۔

(تاریخ خلیفۃ بن خیاط: ص ۱۷۹؛ المحبر: ص ۴۷۷؛ طبقات ابن سعد: ۵ ص ۳۶؛ الاصابۃ: ۶ ص ۲۰۳) ضعیف جداً، بلا اسناد۔

ایک بے سند روایت میں ہے کہ مروان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بحرین کا حاکم بھی بنایا گیا۔

(ملاحظہ ہو: تاریخ خلیفۃ بن خیاط: ص ۱۸۰) ضعیف جداً، روایۃ بلا اسناد۔

ان بے سند روایات کو مان لیں تو مروان کو رشتہ یا عہدے دینے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن کی گنجائش ہرگز نہیں نکل سکتی کیوں کہ عالم الغیب والشہادۃ صرف اللہ کی ذات ہے۔ مروان کی فتنہ پروری اس زمانے میں ظاہر نہیں ہوئی تھی اور اس وقت وہ ایک قابل اور عالم فاضل نوجوان شمار ہوتا تھا۔

اسلام پر اظہارِ تشکر:

ایک شدید ضعیف روایت میں ہے کہ مروان اسلام کے تذکرے پر اللہ کا شکر ادا کیا کرتا تھا کہ اُسے یہ نعمت نصیب ہوئی۔ اس بارے میں اس سے ایک شعر بھی منقول ہے

بِنِعْمَةِ رَبِّی لَا بِمَا قَدَّمَتْ یَدَیَ...وَلَا بِبَرَائَتِیْ اِنَّنِی کُنْتُ خَاطِئاً

(یہ میرے رب کا احسان ہے، میرے اعمال کا بدلہ نہیں، نہ میری بے گناہی کا صلہ ہے، میں بلاشبہ خطا کار ہوں)

(اسناده ضعیف ، فیه محمد اسماعیل بن عیاش ،ذکره الذهبی فی الضعفاء۔ (دیوان الضعفاء،تر:۳۶۰۳) قال ابوداؤد :لم یکن بذاک۔(تاریخ الاسلام للذهبی: ۵ص ۶۶۶ ، ت بشار) قال ابن حجر:عابوا علیه انه حدث عن ابیه بغیر سماع۔ (تقریب التهذیب، تر:۵۷۳۵)و قال ابو زُرعة :کان لا یدری امر الحدیث۔(جامع الجرح والتعدیل: ۲ص ۴۵۰) و فیه عبدالرحمٰن بن عبیدالله بن عبدالله ،قال الخطیب : کتبنا عنه وکان صدوقا غیر ان سماعه فی بعض ما رواه عن النجاد کان مضطربا، وهذه الروایة من مروایاته عن سلمان بن النجاد۔)

قیراط سے محرومی کی تلافی:

ایک خاصی ضعیف روایت میں سالم ابو النضرؒ سے مروی ہے کہ مروان ایک بار حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی کی نمازِ جنازہ میں شریک ہوا اور تدفین سے قبل واپس ہوگیا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: اس نے ایک قیراط ثواب پالیا اور ایک قیراط سے محروم رہ گیا۔ یہ بات مروان کو معلوم ہوئی تو فوراً واپس آکر تدفین میں شرکت کی۔

(تاریخ دمشق:۵۷ ص ۲۴۰ ؛ اسناده ضعیف ،فیه اللیث بن یزید، مجهول الذات، وفیه انقطاع بین سالم ابو النضر (م ۱۲۹ھ) ومروان۔

مروانی صاع:

ایک بے سند روایت میں ہے کہ مروان نے مختلف قسم کے صاع (پیمانے)

جمع کیے اور ان میں سے سب سے بہتر اور مناسب کا انتخاب کر کے اُسے رائج کرایا جسے ''صاحِ مروان'' کہا جاتا تھا۔

(طبقات ابن سعد: ۵ ص ۳۸، ط دار صادر، ضعیف جداً، فقلہ ابن سعد بلا سند ولا یتابعہ احد)

متبرک مقامات کی زیارت:

ایک ضعیف روایت میں ہے کہ ایک بار مروان نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو کہا کہ میرے ساتھ چل کر مجھے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کی رہائش کے (متبرک) مقامات سے مطلع کریں۔ چنانچہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اُس کے ساتھ گئے اور یہ خدمت انجام دی۔ (التاریخ الکبیر: ۲ ص ۲۵۸؛ التاریخ الاوسط: ۱ ص ۱۰۴، اسنادہ: ضعیف۔

احوال الرجال: ابراھیم بن حمزۃ الزبیری: (م ۲۳۰ھ) من رجال البخاری، صدوق۔ (تقریب التھذیب، تر: ۱۶۹)؛ موسیٰ بن شیبۃ الانصاری: (م بعد ۱۸۱ھ) قال ابو حاتم: صالح الحدیث۔ (تاریخ الاسلام للذھبی: ۴ ص ۹۸۶)؛ ولد کعب بن مالک: مجھول؛ عبد اللہ بن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن کعب بن مالک الانصاری: ذکرہ ابن ابی حاتم ولم یذکر فیہ جرحاً ولا تعدیلاً، فھو مجھول الحال۔ (الجرح والتعدیل: ۵ ص ۱۹۵)

مروان کی اکثر خوبیاں ضعیف یا بے سند روایات میں ہیں:

ناظرین ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ مروان کی مذکورہ خوبیوں یا صفات کی اکثر روایات ضعیف ہیں۔ پھر ان میں سے بھی اکثر بلا سند یا شدید ضعیف ہیں۔ اگرچہ ان روایات کو بعد میں البدایۃ والنہایۃ، الاستیعاب اور الاصابۃ جیسی درجنوں کتب میں نقل کیا جاتا رہا ہے مگر جو روایت اصلاً ضعیف یا اس سے بڑھ کر بے سند ہو، وہ بعد میں کثرتِ نقل سے صحیح یا حسن کا درجہ حاصل نہیں کر سکتی۔ ہم مروان کی ان خوبیوں یا صفات کو قارئین کے سامنے پیش کر رہے ہیں تو اس التزام کے ساتھ کہ ان کے بل بوتے پر اُن صحیح اور حسن یا نسبتاً کم ضعیف روایات کو مسترد کرنے کی گنجائش قطعاً نہیں ہو سکتی جن میں مروان کی شخصیت کا ناپسندیدہ رُخ سامنے آتا ہے۔ علمی طرزِ استدلال کا تقاضا یہی ہے جسے ملحوظ رکھتے ہوئے ہم آگے چلیں گے۔

اگر کسی شخصیت کے بارے میں کچھ روایات اُس کی حسنات ثابت کرتی ہوں اور کچھ روایات اُس کے جرائم اور گناہ ظاہر کرتی ہوں تو ہم دونوں قسم کی روایات کو مان سکتے ہیں کیوں کہ دُنیا کے اکثر لوگوں میں خیر اور شر، دونوں پہلو ہوتے ہیں ،ہاں کسی میں خیر غالب ہوتی ہے اور کسی میں شر کا غلبہ ہوتا ہے۔ اب کسی شخصیت میں خیر یا شر کا غلبہ زیرِ بحث آجائے تو حقیقت کا فیصلہ روایات کی درجہ بندی سے کیا جاسکتا ہے۔ اگر اس کے جرائم اور بُرائیاں زیادہ تر صحیح اور قوی روایات سے ثابت ہوں جبکہ قابلِ تعریف کام زیادہ تر ضعیف اور بے سند روایات میں ہوں تو ظاہر ہے یہاں شر کا غلبہ مانا جائے گا۔ اگلے باب میں ہم ثابت کریں گے کہ اس اصول کے مطابق مروان کی بُرائیاں ثابت ہیں کیوں کہ ان کا غالب حصہ صحیح اور حسن روایات میں ہے۔

اگر کچھ لوگ اصرار کریں کہ کسی شخصیت کے بارے میں اگر نیکیوں اور بُرائیوں کی روایات ملی جلی ہوں گی تو ہم صرف ایک طرح کی روایات قبول کریں گے تو اس کا یہ طریقہ نہیں کہ آپ جسے چاہیں اُس کی فقط نیکیوں کی روایات قبول کر کے اسے ہیرو بنادیں اور جسے چاہیں اُس کی فقط برائیوں کی روایات کو یقینی مان کر اُسے مجرم قرار دے دیں بلکہ یہاں تو زیادہ اہتمام کے ساتھ روایات کی درجہ بندی کی جائے گی۔ یعنی صحیح اور معتبر روایات کو لے لیا جائے گا۔ بے سند اور شدید ضعیف روایات کو بالکل ساقط قرار دیا جائے گا۔ مروان کے بارے میں اگر آپ فقط ایک قسم کی روایات لینے پر اصرار کریں گے تو مروان زیادہ بڑا مجرم ثابت ہوگا کیوں کہ اُس کے جرائم زیادہ تر ثقہ راویوں سے منقول ہیں جبکہ اس کی اکثر نیکیوں اور اچھی صفات کا ذکر ایسی روایات میں ہے جو ضعیف، شدید ضعیف یا بے سند ہیں۔

☆☆☆

فصلِ دوئم:

مروان کے بعض عیوب

مروان مذکورہ خوبیوں اور صفات کے ساتھ عیوب سے خالی نہ تھا۔ ذیل میں ان کا مختصراً ذکر کیا جارہا ہے:

مروان کا عجیب حلیہ:

مؤرخین کے مطابق مروان کا حلیہ اور ڈیل ڈول متناسب نہ تھا۔ رنگت، سُرخ تھی۔ گردن پتلی اور چھوٹی تھی۔ سر بڑا تھا اور ڈاڑھی لمبی۔ قد کے بارے میں دو اَقوال ہیں۔ ایک قول کے مطابق اس کا قد لمبا تھا۔ دوسرے قول کے مطابق قد چھوٹا تھا۔ اُس کی عجیب جسامت خصوصاً گردن کے پتلا ہونے کے باعث اُسے ''خیط باطل'' (کچا دھاگا) کہا جاتا تھا۔ (یعنی گردن، قد یا پوری جسامت کو دھاگے سے تشبیہ دی جاتی تھی)

(البدء والتاریخ للمقدسی: ۶ ص ۱۹؛ تاریخ الاسلام للذہبی: ۵ ص ۲۲۰، ت تدمری؛ البدایۃ والنہایۃ: ۱۱ ص ۷۱۴) روی من اسانید ضعیفۃ۔

اگرچہ جسامت اور حلیے اور جسامت کا تعلق خلقی اُمور سے ہے جس میں بندے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ تاہم ایسی چیزیں عیوب ہی شمار ہوتی ہیں، خوبیاں نہیں۔

فحش گوئی:

کسی کا حلیہ لاکھ بدنما ہو، لیکن اگر اخلاق اچھے ہوں تو وہ تمام جسمانی عیوب اور کمزوریوں کو چھپا لیتے ہیں۔ مگر مروان اچھے اخلاق سے محروم تھا۔ بُرے اَخلاق کی کئی انواع ہیں مثلاً حسد، خودنمائی، ریاکاری اور تکبر وغیرہ مگر ان میں بدزبانی سب سے بدنما عیب ہے کیوں کہ دیگر اخلاقِ رذیلہ کا تعلق دل سے ہے جبکہ بدزبانی کا اظہار فوراً ہو جاتا ہے اور اس سے دوسروں کو فوری تکلیف پہنچتی ہے۔ اس لیے احادیثِ مبارکہ میں زبان کی حفاظت کی بڑی تاکید ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

''مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ''

''جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ خیر کی بات کہے، ورنہ خاموش رہے۔'' (صحیح البخاری، ح: ۶۰۱۸)

ایک صحابی نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا: ''نجات کا ذریعہ کیا ہے؟'' فرمایا: ''اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ، وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ، وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ''

''اپنی زبان پر قابو رکھو، اپنے گھر میں رہو اور اپنی خطاؤں پر روتے رہو۔''

(سنن الترمذی، ح:۲۴۰۶، باب ماجاء فی حفظ اللسان، قال الترمذی ہذا حدیث حسن۔)

بدزبانی کی سب سے بُری قسم بے ہودہ گوئی اور فحش کلامی ہے جو کسی مؤمن کے شایانِ شان نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم ﷺ کا فرمان منقول ہے:

ما کان الفُحشُ فِی شَیئٍ اِلَّا شانَہ

''فحاشی جس چیز میں بھی ہوگی، اسے عیب دار کردے گی۔''

(سنن الترمذی، ح:۱۹۷۴، باب ماجاء فی الحیاء، قال الترمذی ہذا حدیث حسن)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مروی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْفَاحِشَ الْمُتَفَحِّشَ

''بے شک اللہ بے حیا اور فحش گو آدمی کو پسند نہیں کرتا۔''

(سنن ابی داؤد، ح:۴۷۹۲، باب فی حسن العشرۃ) اسنادہ صحیح

مروان کی فحش گوئی

ان احادیث کو سامنے رکھنے کے بعد ہم مروان کے کردار کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ فحش گو اور بدزبان انسان تھا۔ یہی فحش گوئی اس کی موت کا سبب بنی تھی۔

مروان کی فحش گوئی کا ثبوت بسندِ صحیح:

مروان نے آخری عمر میں یزید کی بیوہ اُم خالد سے شادی کر لی تھی۔ ایک دن اُس نے یزید کے بیٹے خالد کو سب کے سامنے فحش گالی دیتے ہوئے کہا:

''یاابن رطبۃ الاست'' (اس گالی کا ترجمہ قابلِ حذف ہے)

خالد نے آکر یہ ماجرا اپنی والدہ اُم خالد کو سنایا تو وہ مشتعل ہوگئی اور اس نے اپنی باندیوں کے ساتھ مل کر مروان کو اس وقت قتل کر دیا جب وہ سو رہا تھا۔

(طبقات ابن سعد ۵: ص ۳۸، ط دار صادر)

ابن سعد نے اس روایت کو صحیح سند سے نقل کیا ہے جس میں تمام راوی صحیحین کے

ثقہ رجال ہیں۔ بعد میں بہت سے جلیل القدر علماء نے اسے کسی ردّوکدّ کے بغیر ذکر کیا ہے۔

(تاریخ الطبری:۵ص ۲۱۱؛ المنتظم لابن الجوزی:۶ص ۴۹؛ الکامل فی التاریخ :۳ ص ۲۷۴ ؛ تاریخ الاسلام للذہبی:۵ص ۲۳۴،ت تدمری؛ البدایۃ والنہایۃ: ۱۱ ص ۷۰۵، طدارھجر...سنۃ ۶۵ھ)

امام ابوالعرب تمیمی رحمہ اللہ بھی یہ واقعہ نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مروان فحش گو تھا:

قَالَ لَهُ خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ رُدَّ عَلَيَّ سِلَاحِي فَأَبَى عَلَيْهِ فَأَلَحَّ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ مَرْوَانُ وَكَانَ فَاحِشًا: يَا ابْنَ كَذَا۔

(مروان کو خالد بن یزید نے کہا کہ مجھے میرے ہتھیار لوٹا دو، تو مروان نے انکار کر دیا۔ خالد نے اصرار کیا تو مروان نے جو ایک فحش گو شخص تھا، اُسے کہا: ارے زانیہ کی اولاد!) (الحن:ص ۲۰۵) اسنادہ ضعیف

مروان کی فحش گوئی کا دوسرا ثبوت:

حسن روایت میں ایک صحابی کی گواہی موجود ہے کہ مروان فحش گوئی کا عادی تھا۔ ایک موقع پر اُس نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ بے ہودہ گوئی کی۔ اس پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"يَا مَرْوَانُ إِنَّكَ قَدْ آذَيْتَنِي، وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: يُبْغِضُ اللهُ الْفَاحِشَ الْمُتَفَحِّشَ، وَإِنَّكَ فَاحِشٌ مُتَفَحِّشٌ۔"

"اے مروان! تو نے مجھے ایذا دی اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ کو بے حیا، فحش گو انسان سے نفرت ہے۔ تو ایک بے حیا اور فحش گو انسان ہے۔"

(تاریخ ابن ابی خیثمۃ:السفر الثالث: ۲ص ۷۵، اسنادہ علی شرط مسلم؛ واخرجہ ابن حبان، ح: ۵۶۹۴، قال المحشی: اسنادہ حسن؛ واخرجہ احمد مختصراً عن ابی معشر، ح: ۲۱۷۶۴)

مروان کے بارے میں حضرت معاویہؓ اور حضرت اسامہؓ کی آراء کا تقابل:

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی مروان پر جرح کی یہ روایت قابلِ قبول نہیں ہونی چاہیے۔ کیوں کہ مروان کی تعریف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زبانی بسندِ صحیح حضرت قبیصہ بن جابر رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ چنانچہ ان کے بقول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان کی یہ صفات بیان کی تھیں:

"القاری لِکتابِ اللّٰہِ، الفقِیہ فِی دِینِ اللّٰہِ، الشدِید فِی حدودِ اللّٰہِ"

"قرآن مجید کا قاری، اللہ کے دین کا فقیہ، اللہ کی حدود میں شدید"

(تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ص ۵۹۲، ۵۹۳)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی بہ نسبت بڑے صحابی ہیں، لہٰذا اُن کی بات راجح ہوگی۔ نیز مروان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نائب رہا ہے، اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے حالات سے زیادہ واقف ہوں گے۔ پس حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ والی روایت مرجوح ہے۔

اس بارے میں عرض یہ ہے کہ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مروان کی مذمت اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف کی روایات میں تعارض ضرور ہے مگر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی روایت مرجوح نہیں۔ جیسا کہ درج ذیل اُمور میں غور کرنے سے واضح ہوگا:

(۱) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت جس کے راوی قبیصہ بن جابر رحمہ اللہ ہیں، اگرچہ بظاہر ثقات کی روایت ہے مگر اس میں بعض باریک علتیں ہیں، اس لیے اس روایت کو حتمی طور پر صحیح کہنا محلِ نظر ہے۔ ان علتوں کی تفصیل مفتی اعجاز بشیر صاحب کی کتاب "مروان بن الحکم اُموی، منتخب مباحث جرح و تعدیل" (مطبوعہ ورلڈ ویو پبلشرز کراچی) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(۲) اگر قبیصہ بن جابر رحمہ اللہ کی روایت کو دقیق علتوں سے صرفِ نظر کرکے صحیح مانا جائے تو صورتحال یہ ہوگی کہ مروان پر ایک صحابی کی جرح ثابت ہے

اور دوسرے کی تعدیل بھی ثابت ہے۔ پس یہ دونوں اقوال ''اذا تعارضا تساقطا'' کے اصول کے مطابق محلِ بحث نہیں رہیں گے اور مروان کی حالت سمجھنے کے لیے ہمیں دیگر شواہد سے استدلال کرنا ہوگا۔

(۳) جب ہم دیگر صحیح روایات کو دیکھتے ہیں تو ان سے مروان کے جرائم اور فضائح اس قدر ثابت ہو جاتے ہیں کہ فقط ایک روایت قبیصہ بن جابر رحمہ اللہ کی بناء پر ان سب کو مسترد کرنا ممکن نہیں، سوائے اس کے کہ انسان علمی منہج کو چھوڑ کر فیصلہ اپنے جذبات کے حوالے کر دے۔

(۴) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہاں مروان کی تین صفات بیان کی ہیں:

(الف) قاری (ب) فقیہ (ج) اللہ کی حدود کا سختی سے پابند

مروان کے قاری اور فقیہ ہونے سے انکار نہیں اور کسی شخص میں یہ دونوں صفات ثابت ہونے سے اس کا جرائم اور برائیوں میں مبتلا ہونا محال نہیں ہو جاتا بلکہ یہ امرِ واقع ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے علماء اور قاریوں کے لیے وعیدیں مذکور ہیں۔ ایسے قاری اور فقیہ ''علمائے سوء'' کے زمرے میں آتے ہیں جو فنی اور علمی لحاظ سے اعلیٰ مگر اخلاقی سطح، عملی حالت اور باطنی کیفیت میں پست ہوتے ہیں۔

رہا مروان کا ''اللہ کی حدود کا سختی سے پابند ہونا'' تو یہ حقیقت کے مطابق نہیں کیوں کہ صحیح روایات سے ثابت شدہ مروان کی برائیاں اس کی نفی کرتی ہے۔ پس اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنے علم کے مطابق بیان کہا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ وہ انسان تھے۔ بعض مسائل میں یا بعض اشخاص کے بارے میں ان کی رائے کا درست نہ ہو پانا کوئی ناممکن تو نہ تھا۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کے مخالف رہے اور ان کے اس اقدام کو علمائے اُمت اجماعی طور پر ''خطائے اجتہادی'' کہتے ہیں۔ ان سے خطائے اجتہادی کیوں سرزد ہوئی؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبریں جس انداز میں ان تک پہنچائی گئیں، اُن کی بناء پر وہ یہ سمجھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قاتلینِ عثمان کو رعایت دیتے یا قصاص لینے میں تساہل برتتے ہیں۔ یقیناً یہ خبریں درست نہ تھیں مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے علم میں معذور تھے۔

ایسے واقعات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ عالم الغیب والشہادۃ ذات صرف اللہ کی ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بدرجہا اعلیٰ صحابہ کرام کی رائے بعض اوقات زمینی حقائق کے مطابق ثابت نہیں ہوئی۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں گمان کیا کہ وہ منافق ہوگئے ہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ سے یہاں تک کہا کہ اجازت ہو تو ان کی گردن ماردوں۔ مگر یہ گمان درست نہ تھا، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اجازت نہ دی اور ان کی غلط فہمی دور فرمائی۔ (صحیح البخاری، ح: ۳۰۰۷، باب الجاسوس)

☆ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض صحابہ کرام کو گمان ہوا کہ وہ تن آسانی اور عیش وآرام کے باعث غزوۂ تبوک میں نہیں آئے، جبکہ اُن کا گمان درست نہ تھا۔ (صحیح مسلم، ح: ۷۰۹۲، باب توبۃ کعب بن مالک)

☆ غزوۂ بدر کے قیدیوں کا مسئلہ اس کی بہت واضح مثال ہے جسمیں اکثر صحابہ کی رائے درست ثابت نہ ہوئی۔

الغرض! کبھی کبھار غلط رائے قائم کرنا شانِ صحابیت کے خلاف نہیں اور اس سے کسی صحابی کی شان میں کوئی کمی بھی نہیں آتی۔ انسانوں کا علم محدود ہوتا ہے چاہے وہ علم وفضل کے کتنے ہی بلند درجے پر کیوں نہ ہوں۔ پس کسی صحابی کا کسی دوسرے شخص کے بارے میں گمان یا علم غلط بھی ہوسکتا ہے۔

(۵) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعدیل کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی جرح پر ترجیح دینے کے لیے یہ وجہ بیان کرنا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بڑے تھے، درست نہیں۔ عمر کے لحاظ سے اگرچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کچھ بڑے تھے مگر علمی دلائل میں ایک عالم کے دوسرے سے چند سال چھوٹے بڑے ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہاں! مراتب صحابہ کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور اس لحاظ سے دیکھا جائے تو طولِ صحبت، سبقت فی الاسلام اور فضائل ومناقب میں حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر فضیلت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی وفات کے وقت اٹھارہ برس کے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۲ ص ۵۰۰)

انہیں اپنے والد کے ساتھ ہجرت کا شرف حاصل تھا۔ انہیں بحالتِ عقل وشعور تقریباً دس سال تک صحبتِ نبویہ میسر رہی۔ قرآنِ مجید میں ہے:

"لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى۔

"جولوگ فتح سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کر چکے اور لڑ چکے اور جو اس کے بعد لڑے اور خرچ کیا، دونوں برابر نہیں۔ وہ لوگ درجے میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد خرچ کیا اور لڑے اور (ویسے) اللہ نے بھلائی (یعنی ثواب) کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے۔" (سورۃ الحدید: آیت ۱۰)

یہاں فتح سے مراد قولِ مشہور کے مطابق فتحِ مکہ اور دوسرے قول کے مطابق صلح حدیبیہ ہے۔

الْفَتْحُ: فَتْحُ مَكَّةَ، وَهُوَ الْمَشْهُورُ، وَقَوْلُ قَتَادَةَ وَزَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ وَمُجَاهِدٍ۔ وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ وَالشَّعْبِيُّ: هُوَ فَتْحُ الْحُدَيْبِيَةِ۔ (البحر المحیط: ۱۰ ص ۱۰۳)

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے طے کر دیا کہ فتوحات کا دور شروع ہونے قبل سے اسلام لانے اور اس کے لیے قربانیاں دینے والوں کا درجہ اُن حضرات سے بہت بلند ہے جو صلح حدیبیہ یا فتح مکہ کے بعد مؤمن یا مجاہد بنے۔

علاوہ ازیں کتبِ حدیث میں مناقب اور فضائل کے ابواب کو دیکھا جائے تو بھی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ سے خصوصی قربت اور فضیلت واضح ہے۔ علم وفضل کے لحاظ سے بھی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا ایک مقام ہے چنانچہ ان سے احادیث کا اچھا خاصا ذخیرہ مروی ہے۔

اس تقابل کا مقصد نعوذ باللہ کسی ایک صحابی کی تنقیص ہرگز نہیں، بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ جہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ اونچا ہے تو وہاں حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کا مقام اُن سے کم نہیں بلکہ از روئے آیتِ سورۃ الحدید اُن سے بلند ہے۔ وہ کوئی معمولی ہستی نہیں کہ ان کی بات کو معمولی سمجھ کر پسِ پشت ڈال دیا جائے۔

(۶) یہ کہنا کہ مروان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نائب تھا، اس لیے وہی اس کے حالات کو زیادہ جانتے ہوں گے، ایک کمزور قیاس ہے۔ حالات کو زیادہ اور گہرائی سے جاننے کے لیے طویل مدت تک صحبت شرط ہے۔ مروان کبھی بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ طویل مدت نہیں رہا۔ غور فرمایئے:

☆ مروان بچپن میں باپ کے ساتھ شہر بدر ہو کر طائف چلا گیا تھا جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس زمانے میں مکہ سے مدینہ منتقل ہو گئے تھے۔

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام چلے گئے۔ اس کے کئی سال بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مروان کی اپنے والد کے ساتھ مدینہ واپسی ہوئی مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس دور میں بھی شام ہی میں قیام تھا جبکہ مروان کا اس زمانے میں شام جانا ثابت نہیں۔ اس زمانے میں ایک دو بار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کسی سرکاری کام یا مشاورت کے لیے مدینہ آئے اور چند دن ٹھہر کر واپس چلے گئے۔

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی مروان کا قیام مدینہ میں رہا۔ ۳۶ھ میں وہ مدینہ سے بصرہ تک گیا تھا مگر جنگِ جمل میں شریک ہو کر پھر مدینہ منورہ واپس آ گیا اور سیاسی اُمور سے لاتعلق ہو کر وہیں رہا۔

☆ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی مروان شام میں نہیں رہا بلکہ مدینہ ہی میں مقیم رہا۔ اُسے دو بار مدینہ کی اِمارت ملی تھی اور مختلف اُمور میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس کی خط و کتابت ہوتی رہتی تھی مگر میل ملاقات بہت کم رہی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیس سالہ دورِ خلافت میں فقط تین بار حج و عمرہ کے لیے مدینہ آئے۔ ایک بار ۴۵ھ میں۔ دوسری بار ۵۱ھ میں، تیسری بار ۵۶ھ میں۔

(تاریخ خلیفۃ بن خیاط: ص ۲۰۷، ۲۱۳؛ تاریخ الطبری: ۵ ص ۳۰۱)

ظاہر ہے کہ اس دوران مروان کے ساتھ مختصر وقت ہی گزر سکتا تھا۔

☆ الغرض! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مروان کو کبھی طویل مدت تک ساتھ رہنے کی نوبت نہیں آئی۔

☆ دوسری طرف اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے مکہ سے ہجرت کے بعد تقریباً ساری عمر مدینہ منورہ میں گزاری۔ اُدھر مروان بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی سالوں سے لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات تک مدینہ میں رہا۔ اس طرح یہ دونوں تقریباً تیس سال تک ایک شہر میں رہے ہیں۔ ایسے میں حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو مروان کے جو اچھے بُرے احوال دیکھنے کا موقع ملا تھا، وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو میسر نہیں آسکا۔

چنانچہ معاملے کو اس نظر سے دیکھا جائے تو اختلافِ اقوال میں حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی جرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعدیل پر غالب ہونی چاہیے۔

(۷) خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنا آخری فعل ظاہر کرتا ہے کہ وہ مروان کے بارے میں آخر میں خوش گمان نہ رہے تھے بلکہ فرمایا تھا:

رجل یرجو الخلافۃ من بعدی ''یہ ایسا آدمی ہے جو میرے بعد خلافت کی آرزو کر رہا ہے۔'' (تاریخ دمشق: ۳۸ ص ۲۰۷)

اسی لیے انہوں نے مروان کو اپنی وفات سے کچھ مدت قبل تمام عہدوں سے معزول کر دیا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ مروان کے متعلق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اچھی رائے وقتی اور عارضی تھی جو بعد میں تجربات کے بعد تبدیل ہوگئی۔

(۸) جب ایک سنداً صحیح روایت اپنے متن کے لحاظ سے بہت سی صحیح روایات سے متصادم ہو تو اس صحیح روایت کو ''شاذ'' کہا جاتا ہے اور وہ قابلِ عمل یا قابلِ استدلال نہیں ہوتی۔ یہاں صورتحال یہی ہے کہ قبیصہ بن جابر کی روایت متن کے لحاظ سے صرف اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی جرح ہی سے نہیں، بلکہ ان متعدد صحیح روایات سے متصادم ہے جن سے مروان کے جرائم اور فضائح (جو آگے آرہے ہیں) ثابت ہوتے ہیں۔ پس اس شاذ روایت کو لے کر مروان کی عظمت کے ڈنکے بجانا، علم و تحقیق کے میدان میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

☆☆☆

مروان کا غرور و تکبر

یہ درست ہے کہ مروان عالم اور فقیہ آدمی تھا مگر علم کے ساتھ اہل اللہ کا ادب نصیب نہ ہو اور انسان اپنے علم پر غرور و تکبر میں مبتلا ہو تو ایسا علم جہلِ مرکب کہلاتا ہے۔ جس عالم کو صحابہ کا ادب نصیب نہ ہو، وہ چاہے کتنا ہی بڑا فقیہ و محدث ہو مگر اس کا شمار علمائے ربانی میں نہیں، علمائے سوء میں ہی کیا جائے گا۔

مروان کو وہ مبارک زمانہ ملا تھا جس میں پیر و مرشد اور اولیاء اللہ صحابہ کرام تھے اور سعادت مند مسلمان ان کے قدم دھو کر پینا اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے تھے مگر مروان کی زندگی کے متعدد واقعات ثابت کرتے ہیں کہ اسے صحابہ کرام کا کوئی اَدب نصیب نہ تھا جس کی وجہ غرور و تکبر کے سوا کچھ نہ تھی۔

مروان کا حال یہ تھا کہ وہ بعض اوقات اپنی جہالتوں اور بدعتوں پر متنبہ کرنے والے جلیل القدر صحابہ کرام کی بھی نہ سُنتا بلکہ اپنے علم پر غرور کرتے ہوئے اُن صحابہ کے علم کو فضول کہتا تھا۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں تکبر:

چنانچہ جب مروان نے نمازِ عید سے قبل خطبے کی بدعت جاری کی تو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے اُسے منع کیا۔ اس پر مروان نے کہا:

لَا یَا اَبَا سَعِیدٍ قَدْ تُرِکَ مَا تَعْلَمُ۔

''نہیں اے ابو سعید! تمہارا علم تو متروک ہو چکا ہے۔'' (نعوذ باللہ من ذالک)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس پر جواب دیا تھا:

کَلَّا وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِہٖ لَا تَأْتُونَ بِخَیْرٍ مِمَّا أَعْلَمُ، ثَلَاثَ مِرَارٍ ثُمَّ انْصَرَفَ۔

''اللہ کی قسم! میرے علم کے مقابلے میں تم چیز لا رہے ہو وہ خیر کی بات نہیں (بلکہ بدعت ہے۔) تین بار یہ فرما کر حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ لوٹ گئے۔''

(صحیح مسلم، ح: ۲۰۹۰، صلاۃ العیدین)

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اسے جواباً کہا تھا:

كَلَّا وَرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، لَا تَأْتُونَ بِخَيْرٍ مِمَّا نَعْلَمُ۔

''ہرگز نہیں! مشرق ومغرب کے رب کی قسم! تم ہمارے علم کے مقابلے میں کوئی خیر نہیں لاسکو گے۔'' یہ تین بار فرمایا۔''

(مصنف عبدالرزاق، ح:۵۶۴۸) اسنادہ صحیح

اس کے باوجود مروان پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ ایک بدعت جاری کرنے پر مصر رہا۔ (صحیح مسلم، ح:۲۰۹۰، صلاۃ العیدین)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں تکبر:

حد یہ ہے کہ مروان نے ایک بار خود کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی بڑا فقیہ قرار دیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

وثبت عن مروان أنه قال لما طلب الخلافة فذكروا له ابن عمر ،فقال: ليس ابن عمر بافقه منى، ولكنه أسن منى وكانت له صحبة۔

''مروان سے ثابت ہے کہ جب وہ خلافت طلب کرنے لگا تو لوگوں نے اس کے سامنے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا، تو مروان کہنے لگا: وہ مجھ سے زیادہ بڑے عالم نہیں مگر وہ مجھ سے زیادہ عمر رسیدہ ہیں اور انہیں شرف صحبت حاصل ہے۔''

(فتح الباری: ۲۳ ص ۳۸۲، ط المعرفۃ) اسنادہ ضعیف

تکبر سب سے بڑا اَخلاقی گناہ ہے:

علماء نے اخلاقی عیوب میں سے غرور وتکبر کو سب سے بڑا عیب قرار دیا ہے بلکہ اسے نفسانی امراض کی جڑ کہا جاتا ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ ''شریعت وطریقت'' میں ''اُمّ الامراض، تکبر'' کے عنوان کے تحت تحریر

فرماتے ہیں: ''اس رسالہ کے مناسب کبر کا بیان کرنا بہت ضروری ہے کہ یہ سارے معاصی میں صرف میری نگاہ میں نہیں بلکہ قرآن و حدیث کے ارشادات میں سخت ترین مرض ہے اور طریقت میں تو بہت ہی مہلک ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ''احیاء العلوم'' میں بہت اہمیت سے مستقل کتاب اس کے بارے میں ذکر فرمائی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ نے قرآن پاک میں کئی جگہ کبر کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے:

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ۔

(میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں) (سورۃ الاعراف، آیت: ۱۴۶، ترجمہ از بیان القرآن)

کیونکہ اپنے کو بڑا سمجھنا حق اُس کا ہے جو واقعہ میں بڑا ہے۔ وہ ایک خدا کی ذات ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ۔

''اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور و جابر کے پورے قلب پر مہر کر دیتے ہیں۔''

(سورۃ المؤمن آیت: ۳۵، ترجمہ از بیان القرآن)

اور ارشاد ہے: اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ۔

''یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔''

(سورۃ النحل، آیت: ۲۳، ترجمہ از بیان القرآن)

اور ارشاد ہے: وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دَاخِرِیْنَ۔

''اور تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کرلوں گا جو لوگ میری عبادت سے (جس میں دعاء بھی داخل ہے) سرتابی ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔'' (سورۃ المؤمن آیت: ۶۰، ترجمہ از بیان القرآن)

تکبر کی مذمت قرآن پاک میں بہت زیادہ آئی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جنت میں وہ داخل نہیں ہوگا جس کے قلب میں رائی دانے کے برابر بھی کبر ہوگا۔'' صحیح مسلم ح:۲۷۵، باب تحریم الکبر و بیانہ، کتاب الایمان

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے، تو جو کوئی شخص ان دونوں چیزوں میں سے کسی میں مجھ سے جھگڑا کرے گا تو اُس کو جہنم میں ڈال دوں گا اور ذرا پرواہ نہیں کروں گا اور ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جس کے قلب میں رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہوگا، اللہ تعالیٰ اُس کو منہ کے بل جہنم میں ڈال دے گا۔'' (سنن ابی داؤد، ح:۴۰۹۰، باب ماجاء فی الکبر)

اس طرح کی بہت سی روایات اور آثار نقل کرنے کے بعد حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اخلاقِ سیئہ بہت سے ہیں مگر اکثر نے دس میں محصور کر دیا ہے اور پھر دسوں کا خلاصہ تکبر کو بتایا ہے۔ اگر یہ دور ہو جائے تو باقی خود دُور ہو جاتے ہیں۔''

(شریعت وطریقت کا تلازم: ص ۲۱۷ تا ۲۲۱)

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے ان ارشادات سے ثابت ہوتا ہے کہ تکبر سب سے بڑی اخلاقی بیماری ہے اور اگر تکبر باقی رہے تو باقی اخلاقِ رذیلہ بھی موجود رہتے ہیں۔ پھر اُس شخص کا کیا حال ہوگا جو صحابہ کرام جیسی عظیم ہستیوں کے سامنے تکبر کرتا ہو۔ مروان کی بداخلاقیوں کی مثالیں اور بھی ہیں مگر یہاں اس کے معائب ومثالب جمع کرنا مقصود نہیں، لہٰذا اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اہم تنبیہ:

اس باب میں ہم نے فصلِ اوّل میں مروان کی بعض خوبیاں اور فصلِ دوئم میں اس کے بعض عیوب بیان کیے ہیں۔ انہیں دیکھ کر مروان کی شخصیت کے اچھے یا بُرے ہونے کا اندازہ تو لگایا جاسکتا ہے مگر حتمی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں اتنا کہا جاسکتا ہے کہ اس میں کچھ خوبیاں بھی تھیں اور کچھ عیوب بھی۔ بہرحال فیصلہ کُن مواد ہم اگلے

باب میں قارئین کے سامنے لا رہے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ مروان کے بڑے بڑے جرائم اور قابلِ نفرت بُرائیوں پر مشتمل اکثر روایات سنداً صحیح اور حسن ہیں۔ ہر غیر جانبدار اور انصاف پسند شخص موازنہ کر کے آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ مروان کو کیا مقام دیا جانا چاہیے۔

☆☆☆

چھٹا باب

مروان کے جرائم

جرائم مروانیہ کی فہرست

مروان کے جو جرائم اُس کی بدنامی کا سبب ہوئے، ان میں سرفہرست یہ ہیں:

(۱) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا قتل

(۲) فدک کو غصب کر کے اولاد کی ملکیت میں دے دینا

(۳) شرعی خلیفہ کے خلاف بغاوت کرنا اور اُمت میں فساد پھیلانا

(۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت پر سب وشتم

(۵) صحابہ کرام کی توہین وتذلیل

(۶) حیاتِ انبیاء کا انکار

(۷) عقیدۂ عدالتِ صحابہ سے انحراف

(۸) فرقہ مروانیہ (نواصب) کی بنیاد

فصل اوّل

مروان کا پہلا جرم

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا قتل

مروان کے جرائم میں سے سب سے بھیانک جرم یہ ہے کہ وہ عشرۂ مبشرہ میں سے ایک جلیل القدر صحابی حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا۔ اس کا یہ

سنگین جرم جن قوی اسناد سے منقول ہے وہ اتنی ہیں کہ یہ واقعہ خبرِ مشہور کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ مروان کا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا "بارہ" روایوں سے منقول ہے جو درج ذیل ہیں:

(۱) قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ (۲) یزید بن حیان رحمہ اللہ

(۳) عکراش بن ذؤیب رضی اللہ عنہ

یہ تینوں جنگِ جمل میں حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ تھے۔ ان تینوں سے یہ روایت صحیح اسناد سے منقول ہے۔

(۴) جارود بن ابی سبرہ رحمہ اللہ

ان سے بھی یہ روایت بسندِ صحیح منقول ہے۔ یوں صحیح الاسناد روایات چار ہو جاتی ہیں۔

(۵) نافع مولیٰ عمر رحمہ اللہ (۶) محمد بن سیرین رحمہ اللہ

ان دونوں حضرات سے یہ روایت ثقات کی سند سے منقول ہے مگر ان دونوں نے واقعہ مرسلاً بیان کیا ہے۔

(۷) مروان سے خود بھی اس جرم کا اعتراف بسندِ صحیح منقول ہے۔

(۸) عوف بن ابی جمیلہ رحمہ اللہ (۹) عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ

(۱۰) عبدالملک بن مروان (۱۱) ولید بن عبدالملک

(۱۲) رَوح بن زِنباع

ان آخری پانچوں سے مروان کا یہ جرم ضعیف اسناد کے ساتھ منقول ہے۔ اب روایات ملاحظہ ہوں:

(۱) روایت قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ

أَبو أُسامة، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ، قَالَ أَخْبَرَنَا قَيْسٌ، قَالَ: رَمَى مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ يَوْمَ الْجَمَلِ طَلْحَةَ بِسَهْمٍ فِي رُكْبَتِهِ، فمات۔

(ابواسامہ کہتے ہیں، ہم سے اسماعیل بن ابی خالد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں قیس نے خبر دی اور کہا: مروان بن حکم نے جنگِ جمل کے دن حضرت طلحہ

رضی اللہ عنہ کو تیر مارا جو ان کے گھٹنے میں جا کر لگا، پس وہ فوت ہو گئے)

یہ مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے جس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ نیز اس روایت کو المعرفۃ والتاریخ، معجم کبیر طبرانی اور طبقات ابن سعد میں بھی نقل کیا گیا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ، ح:۱۲۰۹۶، ۳۷۷۷۰ باسناد صحیح، ط الرشد؛ المعجم الکبیر للطبرانی:۱ص ۱۱۳؛ طبقات ابن سعد: ۳ص ۳۲۳، دار صادر)

امام ہیثمی رحمہ اللہ نے اسے صحیح السند کہا ہے۔

قال الهيثمي: رجاله رجال الصحيح۔ (مجمع الزوائد:۹ص ۱۵۰)

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے نقل کر کے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ وأخرج يعقوب بن سفيان بسند صحيح، عن قيس بن أبي حازم أن مروان بن الحكم رأى في الخيل فقال: هذا أعان على عثمان، فرماه بسهم في ركبته، فما زال الدم يسيح حتى مات۔ (الاصابۃ: ۳ص ۴۳۲)

امام حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ نے بھی اسے نقل کیا ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس پر صحیح کا حکم لگایا ہے۔ (المستدرک علی الصحیحین، ح:۵۵۹۱) قال الذہبی: صحیح

ذکر الرجال:

☆ابو اسامۃ حماد بن اسامۃ بن زید (م ۲۰۱ھ) راوی صحیحین، حافظ، حجۃ

(الکاشف، ت:۱۲۱۲)

☆اسماعیل بن ابی خالد (م ۱۴۶ھ) راوی صحیحین، ثقہ، ثبت۔

(تقریب التہذیب، ت:۴۳۸)

☆قیس بن ابی حازم: (م نحو ۹۰ھ) راوی صحیحین، ثقہ

(تقریب التہذیب، ت:۵۵۶۶)

قیس بن ابی حازم کی ثقاہت پر اعتراض:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے مروان کے ہاتھوں قتل ہونے کی جس روایت کو صحیح کہا جاتا ہے، اس کے راوی قیس بن ابی حازم پر یحییٰ بن

سعید القطان کی طرف سے ''منکر الحدیث'' ہونے کی جرح موجود ہے۔ پس یہ روایت صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہے۔

اس بارے میں عرض ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ نے قیس بن ابی حازم پر ''منکر الحدیث'' ہونے کا جو حکم لگایا ہے تو اس کا مطلب نہ تو آج کل کا ''منکرِ حدیث'' ہونا ہے، نہ ہی یہ محدثین کی عام اصطلاح کے مطابق ان کے ضعف کی طرف اشارہ ہے۔ بلکہ اس کا مطلب فقط یہ ہے کہ راوی ایسی روایات بھی لاتا ہے جو دوسرے راوی نقل نہیں کرتے۔ اصل بات یہ ہے کہ کسی راوی کو ''منکر الحدیث'' کہنا دو معنوں میں ہوتا ہے: ایک یہ کہ راوی کی اکثر روایات عجیب وغریب قسم کی ہوں۔ دوسرے یہ کہ وہ بعض منفرد اور الگ قسم کی روایات پیش کرتا ہے۔

پہلی صورت میں راوی ضعیف اور مشکوک ہو جاتا ہے۔ جبکہ دوسری صورت میں وہ ضعیف ثابت نہیں ہوتا۔

شیخ عبداللہ بن یوسف الجدیع لکھتے ہیں:

''منکر الحدیث کی اصطلاح کے استعمال میں ایک استثنائی صورت بھی ہے جو خاص توجہ کے لائق ہے، وہ یہ کہ: بعض قدیم علماء نے یہ اصطلاح استعمال کر کے مراد یہ لی ہے کہ راوی اس روایت میں منفرد ہے اور وہ ایک الگ روایت پیش کر رہا ہے۔ بعض ائمہ نے یحییٰ بن سعید القطان کے قیس بن ابی حازم کو منکر الحدیث قرار دینے کو اسی پر محمول کیا ہے۔'' (تحریر علوم الحدیث: ۱/۶۱۶، ط موسسۃ الریان بیروت)

اسی لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بھی قیس بن ابی حازم کے بارے میں یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ کے قول ''منکر الحدیث'' کا مطلب بتایا ہے: ''الفرد المطلق'' (مطلقاً بعض منفرد روایات کا راوی) (تہذیب التہذیب: ۸/۳۸۹، ط نظامیہ دکن)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے متعدد ثقہ راویوں کو انہی معنوں میں ''منکر الحدیث'' کہا ہے، مثلاً وہ حسین بن الحسین الاشقر کے بارے میں فرماتے ہیں:

''منکر الحدیث و کان صدوقاً۔'' (منکر الحدیث تھے اور وہ سچے راوی تھے) (موسوعہ اقوال احمد بن حنبل: ۱/۲۶۵)

یہاں ''منکر الحدیث'' کا دوسرا معنیٰ مراد ہے نہ کہ پہلا۔ اگر منکر الحدیث کا مطلب ہر جگہ ناقابلِ اعتبار راوی ہوتا تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ انہیں ''منکر الحدیث'' کہنے کے ساتھ سچا کیوں کہتے؟ ثابت ہوا کہ منکر الحدیث ہر جگہ ایسے معنیٰ میں نہیں جس سے راوی ناقابلِ اعتماد اور ضعیف ثابت ہو۔

بالفرض اگر مان لیا جائے کہ یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ نے ''منکر الحدیث'' کہہ کر قیس بن ابی حازم پر ضعف کا حکم لگایا ہے تو بھی ایک شخص کی طرف سے لگائے گئے اس شاذ حکم کی کوئی حیثیت نہیں کیوں کہ جمہور کے نزدیک قیس ابن ابی حازم معروف تابعی اور ثقہ راوی ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے ان سے روایات لی ہیں۔ ان کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ثقة'' (تقریب التہذیب، ت:۵۵۶۶)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے الفاظ توثیق یہ ہیں: ''العالم، الثقة، الحافظ''

(سیر اعلام النبلاء: ۴/ ۱۹۸ ط الرسالۃ)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: ''ثقة، حجة۔''

(میزان الاعتدال: ۳/ ۳۹۲)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے تھے: اجود التابعین اسنادا قیس۔ ''تابعین میں سب بہتر سند قیس کی ہے۔''

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے تھے: ''کوفہ میں قیس سے بڑھ کر صحابہ سے روایت نقل کرنے والا کوئی نہ تھا۔''

ان کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے عشرۂ مبشرہ میں سے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر باقی سب کی صحبت پائی اور ان سے روایت نقل کی۔

(سیر اعلام النبلاء: ۴/ ۱۹۸ ط الرسالۃ)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ یہ بھی فرماتے تھے کہ قیس کی ثقاہت پر اجماع ہے اور جس نے ان پر جرح کی اس نے خود ہی کو تکلیف دی۔ (میزان الاعتدال: ۳/ ۳۹۲، ۳۹۳)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ قیس کو ''افضل التابعین'' قرار دیتے تھے۔

(موسوعۃ اقوال الامام احمد: ۳/ ۱۸۷)

پھر دلچسپ بات یہ ہے کہ کوفہ میں رہتے ہوئے بھی قیس بن ابی حازم اس دور کی سیاسی کش مکش میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بجائے، قصاصِ عثمان کی آواز بلند کرنے والوں کے ساتھ تھے یعنی وہ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ وزبیر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے حامی تھے۔ اس لیے انہیں "عثمانی" کہا جاتا تھا۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وکان کوفیا عثمانیا وذلک نادر۔" (قیس کوفی تھے اور عثمانی تھے اور یہ ایک عجیب بات ہے) (تاریخ الاسلام للذہبی تدمری: ۶/۴۵۸؛ بشار: ۲/۱۱۵۹)

قیس پر اگر کچھ جرح ہوئی بھی ہے تو قصاصِ عثمان کی تحریک میں شریک ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت اور عثمانیت میں شدت کی بناء پر۔ بعض محدثین نے ان سے روایت ترک کر دی تھی تو اس کی وجہ یہی تھی۔ کیوں کہ کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سیاسی مخالف کو تنقیدی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَمنهم من لم يحمل عليه في شيء من الحديث وحمل عليه في مذهبه، وقالوا: كان يحمل على علي۔

(بعض محدثین وہ ہیں جنہوں نے قیس پر حدیث کے معاملے میں تو کوئی گرفت نہیں کی، البتہ ان کے نظریات کی بناء پر ان پر کلام کیا ہے؛ اور نقادوں نے کہا ہے کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کے خلاف سخت رائے رکھتے تھے)

(سیر اعلام النبلاء: ۴/۱۹۹، ط الرسالۃ)

یاد رہے کہ قیس بن ابی حازم سے صحیح مسلم میں ۱۴، ابوداؤد میں ۳، ترمذی میں ۱۸، نسائی میں ۲، ابن ماجہ میں ۱۴ روایات منقول ہیں۔ صحاح ستہ میں ان کی سب سے زیادہ روایات امام بخاری رحمہ اللہ نے لی ہیں یعنی صحیح بخاری میں قیس کی ۲۱ روایات ہیں۔ اسی طرح ائمہ اربعہ نے بھی ان کی روایات کو قبول کیا ہے۔ مؤطا امام مالک میں ان کی ایک، کتاب الآثار لابی یوسف میں ایک اور مسند امام شافعی میں چار، اور مسند احمد میں ۱۷ روایات نقل کی گئی ہیں۔

ایسے بزرگ سے مروان کے خلاف روایت یقیناً معتبر ہونی چاہئے کیوں کہ وہ قصاصِ عثمان کی تحریک میں مروان کے ہمراہ تھے۔

یاد رہے کہ کسی بھی راوی کے ثقہ یا ضعیف ہونے کا فیصلہ اسماء الرجال کی کتب سے کیا جاتا ہے نہ کہ اپنے ذوق سے۔ اگر جرح وتعدیل کا اختیار آج کے لوگوں کو دے دیا جائے تو ہمارے بہترین راوی بلکہ بعض ائمہ مجتہدین بھی مجروح ہو سکتے ہیں۔ ثقہ راویوں بلکہ نامور فقہاء ومحدثین میں سے بھی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جس پر کسی نہ کسی نے جرح کی ہے۔ لہٰذا ثقاہت یا ضعف کا فیصلہ کسی ایک آدھ نقاد کی رائے سے نہیں ہوگا بلکہ جمہور کی ان آراء سے ہوگا جنہیں حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ جیسے حضرات نے مرتب کیا ہے۔

(۲) روایت یزید بن حیان رحمہ اللہ

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَمِّي، أَوْ عَمٌّ لِي، قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ مُتَرَاقِفُونَ إِذْ رَمَى مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ بِسَهْمٍ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللهِ، فَشَكَلَ سَاقَهُ بِجَنْبِ فَرَسِهِ، فَقَمَصَ بِهِ الْفَرَسُ مَوْلِيًا، وَالْتَفَتَ إِلَى أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ وَهُوَ إِلَى جَنْبِهِ فَقَالَ: قَدْ كَفَيْتُكَ أَحَدَ قَتَلَةِ أَبِيكَ۔

''یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ مجھے میرے چچا (یزید بن حیان) نے بتایا، کہا: ہم (جنگ کے لیے صفوں میں) کھڑے تھے کہ اچانک مروان بن حکم نے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو تیر مارا، پس تیر نے ان کی پنڈلی کو ان کے گھوڑے کے پہلو سے چمٹا دیا۔ پس گھوڑا بدک کر واپس پلٹا۔ مروان نے اپنے پہلو میں کھڑے ابان بن عثمان کی طرف متوجہ ہو کر کہا: میں نے تمہارے باپ کے قاتلوں میں سے ایک کو تو نمٹا ہی دیا۔''

(تاریخ المدینۃ لابن شبۃ: ۴ ص ۱۱۷۰)

ذکر الرجال:

زہیر بن حرب اور وہب بن جریر دونوں صحیحین کے ثقہ راوی ہیں۔

(تقریب التہذیب، تر: ۲۰۴۲، ۷۴۷۲)

جویریۃ بن اسماء بھی صحیحین کے ثقہ راوی ہیں۔ (الکاشف للذہبی، تر: ۸۲۷)

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے مراد یحییٰ بن سعید القطان مراد نہیں جن کا ذکر پیچھے قیس بن ابی حازم کی جرح وتعدیل کی بحث میں آیا ہے بلکہ یہ صحیحین کے راوی یحییٰ بن سعید بن حیان تیمی رحمہ اللہ (م ۱۴۵ھ) ہیں جنہیں ابوحیان تیمی کہا جاتا ہے اور جو بلاشبہ ثقہ راوی ہیں۔ (تاریخ الاسلام للذہبی: ۳ص ۱۰۰۸، بشار)

جب کہ یزید بن حیان تیمی الکوفی رحمہ اللہ (م بعد ۱۰۰ھ) مسلم کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (تاریخ الاسلام للذہبی: ۳ص ۱۷۹، بشار)

یزید بن حیان رحمہ اللہ کی یہی روایت مستدرک حاکم میں درج ذیل سند سے نقل کی گئی ہے۔ حدثنا محمد بن ظفر الحافظ عن الحسین بن عیاش، عن یحیی بن عیاش، عن الحسین بن یحیی المروزی عن غالب بن حلبس الکلبی ابو الھیثم عن جویریة بن اسماء عن یحیی بن سعید عن عمه...

(المستدرک علی الصحیحین، ح: ۵۵۹۳)

نیز امام خلیفہ بن خیاط رحمہ اللہ نے بھی اپنی تاریخ میں اسے بسندِ صحیح نقل کیا ہے۔ وحدثنی جویریة بن اسماء عن یحیی بن سعید عن عمه قال: رمی مروان طلحة بن عبید الله بسهم ثم التفت إلی ابان بن عثمان فقال قد کفیناک بعض قتلة ابیک۔

(مروان بن حکم نے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو تیر مارا، پھر ابان بن عثمان کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ہم تمہارے لیے تمہارے باپ کے قاتلوں میں سے ایک کو نمٹا چکے) (تاریخ خلیفہ بن خیاط، ص ۱۸۵)

(۳) روایت عکراش بن ذویب رضی اللہ عنہ

اخبرنی محمد بن یعقوب الحافظ أنا محمد بن إسحاق الثقفی ثنا عباد بن الولید العنزی ثنا حبان ثنا شریک بن الخطاب حدثنی عتبة بن صعصعة بن الأحنف عن عکراش قال: کنا نقاتل علیا مع طلحة و معنا مروان قال: فانهزمنا قال: فقال مروان: لا أدرک بثاری بعد الیوم من طلحة قال: فرماه بسهم فقتله۔

''عکراش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف قتال کر رہے تھے اور مروان ہمارے ساتھ تھا۔ پس ہم پسپا ہوئے تو مروان کہنے لگا: آج کے دن کے بعد میں طلحہ رضی اللہ عنہ سے کبھی اپنا انتقام نہ لے سکوں گا۔ پس اس نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو ایک تیر مارا، پس انہیں قتل کر ڈالا۔''

(المستدرک علی الصحیحین، ح:۵۵۸۹)

ذکر الرجال:

☆ محمد بن محمد بن یعقوب النیسابوری ابوالحسین الحجاجی (۲۸۵ھ تا ۳۶۸ھ) حافظ، ثقہ، صدوق

(طبقات الحافظ للسیوطی، تر:۸۶۳؛ تاریخ الاسلام للذہبی:۸ ص ۲۹۵، ت بشار)

☆ محمد بن اسحاق ثقفی السراج (۲۱۶ھ تا ۳۱۳ھ): امام، ثقہ۔

(طبقات الحافظ للسیوطی، تر:۷۱۰)

☆ عباد بن الولید (۲۵۸ھ): صدوق (تقریب التہذیب، تر:۳۱۵۱)

☆ حبان بن ہلال الباہلی: (۲۱۶ھ): راویٔ صحیحین۔ ثقہ، ثبت۔

(تقریب التہذیب، تر:۱۰۶۹)

☆ شریک بن الخطاب عنبری تمیمی اور عتبہ بن صعصہ کو ابن حبان اور ابن قطلوبغا نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ ان پر کوئی جرح نہیں ہے۔

(الثقات لابن حبان، تر:۱۳۶۱۹، تر:۴۷۰۱؛ الثقات ممن لم یقع فی الکتب الستۃ لابن القاسم قطلوبغا، تر:۵۰۹۸، تر:۷۵۸۱)

الغرض! اس روایت کو چشم دید راوی صحابی عکراش بن ذؤیب رضی اللہ عنہ نقل کر رہے ہیں اور تمام راوی ثقہ ہیں۔

(۴) روایت جارود بن ابی سبرہ رحمہ اللہ

حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْجَارُودِ بْنِ أَبِي سَبْرَةَ قَالَ نَظَرَ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ إِلَى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ يَوْمَ الْجَمَلِ فَقَالَ لَا أَطْلُبُ بِثَأْرِي بَعْدَ الْيَوْمِ فَرَمَاهُ بِسَهْمٍ فَقَتَلَهُ۔

''جارود بن سبرہ کہتے ہیں کہ مروان نے جنگِ جمل کے دن طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور کہنے لگا: آج کے دن کے بعد میں اپنا انتقام نہ لے پاؤں گا۔ پس اس نے انہیں ایک تیر مارا، پس انہیں قتل کر دیا۔'' (تاریخ خلیفۃ بن خیاط: ص ۱۸۱)

ذکر الرجال:

☆ معاذ بن ہشام الدستوائی بصری (م ۲۰۰ھ) صحیحین کے صدوق راوی ہیں۔ (تقریب التہذیب، تر: ۶۷۴۲)

☆ ہشام بن ابی عبداللہ دستوائی (۱۵۴ھ): صحیحین کے ثقہ وثبت راوی ہیں۔ (تقریب التہذیب، تر: ۷۲۹۹)

☆ جارود بن ابی سبرہ (۱۲۰ھ): صدوق۔ (تقریب التہذیب، تر: ۸۸۱)

امام ابن ابی خیثمہ رحمہ اللہ نے بھی اسے تاریخ میں بعینہٖ اسی طرح نقل کیا ہے۔

حَدَّثَنَا عَمْرو بْنُ مَرْزُوق، قال: حدثنا عِمْرَان الْقَطَّان، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ الْجَارُودِ بْنِ أَبِي سَبْرَةَ الْهُذَلِيِّ، قَالَ: نَظَرَ مَرْوَان إِلَى طَلْحَةَ يَوْمَ الْجَمَلِ، فَقَالَ: لا أَطْلُبُ بِثَأْرِي بَعْدَ الْيَوْمِ فَرَمَاهُ بِسَهْمٍ فَقَتَلَهُ۔

''جارود بن سبرہ کہتے ہیں کہ مروان نے جنگِ جمل کے دن طلحہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور کہنے لگا: آج کے دن کے بعد میں اپنا انتقام نہ لے پاؤں گا۔ پس اس نے انہیں ایک تیر مارا، پس انہیں قتل کر دیا۔'' (تاریخ ابن ابی خیثمہ السفر الثالث: ۲ ص ۷۶)

نیز امام ابوالقاسم البغویؒ نے بھی انہی الفاظ میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔

حدثنا علی بن مسلم نا أبو داود الطیالسی عن عمران یعنی القطان عن قتادة عن الجارود بن أبی سبرة قال: لما کان یوم الجمل نظر مروان إلی طلحة فقال: لا أطلب بثاری بعد الیوم فنزع له سهما فقتله۔

''جارود بن سبرہ کہتے ہیں کہ جب جنگِ جمل کا دن تھا تو مروان نے طلحہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور کہنے لگا: آج کے دن کے بعد میں اپنا انتقام نہ لے پاؤں گا۔ پس اس نے ان کا تیر سے نشانہ لیا، پس انہیں قتل کر دیا۔''

(معجم الصحابۃ: ۳ ص ۴۱۱، ط مکتبۃ دار البیان کویت)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (الاصابۃ: ۳ص ۴۳۲)

(۵) روایت نافع مولیٰ عمر رحمہ اللہ

أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنْ نَافِعٍ قَالَ: كَانَ مَرْوَانُ مَعَ طَلْحَةَ فِي الْخَيْلِ فَرَأَى فُرْجَةً فِي دِرْعِ طَلْحَةَ فَرَمَاهُ بِسَهْمٍ فَقَتَلَهُ۔

''نافع کہتے ہیں کہ مروان گھڑسواروں میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ پس اس نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی زرہ میں ایک شگاف دیکھا، پس اس نے انہیں تیر مارا، پس انہیں قتل کر ڈالا۔'' (طبقات ابن سعد: ۳ص ۲۲۳)

اس سند کے بھی تمام راوی ثقہ ہیں۔ سند صحیح ہے۔ مگر نافع رحمہ اللہ اسے مرسلا نقل کر رہے ہیں۔

(۶) روایت محمد ابن سیرین رحمہ اللہ

- حَدثنی أَبُو عَبْد الرَّحْمَن الْقرشِی عَن حَمَّاد بْن زید عَن قُرَّة بْن خَالِد عَن ابْن سِیرِین قَالَ رمی طَلْحَة بِسَهْم فَأَصَاب ثغرة نَحره قَالَ فَأقر مَرْوَان أَنه رَمَاه۔

''حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو ایک تیر آ کر لگا جو ان کے حلق میں گھس گیا۔ پھر مروان نے اعتراف کیا کہ اسی نے انہیں تیر مارا تھا۔'' (تاریخ خلیفہ بن خیاط، ص ۱۸۵)

اس روایت کا بظاہر دوسری روایات کے ساتھ اختلاف محسوس ہوتا ہے کہ وہاں گھٹنے پر تیر لگنے کا ذکر تھا اور یہاں حلق میں تیر لگنے کا۔ اگر ترجیح کا طریقہ اختیار کیا جائے تو جو بات روایات کے مجموعے سے ثابت ہے اسے ترجیح دی جائے گی اور اس روایت میں حلق کو راوی کے وہم پر محمول کر لیا جائے گا۔ یا تطبیق کی شکل بھی ممکن ہے اور وہ یہ کہ مروان نے دو تیر چلائے ہوں، ایک گھٹنے پر اور دوسرا حلق پر لگا ہو۔

اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں البتہ روایت مرسل ہے کیونکہ محمد ابن سیرین رحمہ اللہ موقع پر موجود نہ تھے۔

وُلد ابن سیرین سنة ۳۳ھ

(الاعلام للزرکلی: ۶/ ۱۵۴؛ طبقات ابن سعد: ۷/ ۱۹۳ط صادر)

(۷) مروان بن حکم کا اپنا اعتراف

امام خلال رحمہ اللہ نے محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے بسند صحیح نقل کیا ہے:

"عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، أَنَّ مَرْوَانَ اعْتَرَفَ أَنَّهُ قَتَلَ طَلْحَةَ"

(محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ مروان نے اعتراف کیا کہ اس نے حضرت طلحہ کو قتل کیا تھا) (السنۃ للخلال: ۳/۵۱۸)

یاد رہے کہ ابن سیرین رحمہ اللہ کی ولادت ۲۲ھ کی ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا سانحہ ۳۶ھ میں پیش آیا جبکہ مروان کا قتل ۶۵ھ میں ہوا تھا۔ یعنی محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے عین جوانی میں مروان کا زمانہ پایا تھا۔

(۸) روایت عوف

أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَوْفٌ قَالَ: بَلَغَنِي أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ رَمَى طَلْحَةَ يَوْمَ الْجَمَلِ۔

"ہمیں روح بن عبادہ نے خبر دی، کہا: ہمیں عوف نے بتایا، کہا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ مروان بن حکم نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو جنگِ جمل میں تیر مارا تھا۔"

طبقات ابن سعد: ۳ ص ۳۲۳

عوف بن ابی جمیلہ (۶۰ھ تا ۱۴۶ھ) واقعے کو "بلغنی" کہہ کر بیان کر رہے ہیں، لہٰذا روایت سنداً منقطع ہے۔ تاہم متن صحیح ہے۔

(۹) روایت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ

عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي لَيْلَى قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ يَوْمَ الْجَمَلِ أَيْنَ الزُّبَيْرُ فَجَعَلْتُ أَتَخَلَّلُ الدَّوَابَّ حَتَّى نَظَرْتُ إِلَيْهِمَا قَدِ اخْتَلَفَتْ أَعْنَاقُ دَابَّتَيْهِمَا وَعَلِيٌّ يَقُولُ لَهُ أَتَذْكُرُ أَتَذْكُرُ فَانْصَرَفَ الزُّبَيْرُ رَاجِعًا فَقَالَ طَلْحَةُ مَا شَأْنُهُ فَأَخْبَرُوهُ فَرَكِبَ يَشْتَدُّ فَرَمَاهُ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ فَقَتَلَهُ۔

"عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں: میں نے جنگِ جمل کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا: زبیر کہاں ہیں؟ پس میں سواریوں کے درمیان گھستا ہوا آگے بڑھا تاکہ ان دونوں حضرات کو دیکھ لوں۔ تو دیکھا کہ ان دونوں کی سواریوں کی

گردنیں آپس میں ملی ہوئی ہیں اور علی رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو فرما رہے ہیں: تمہیں یاد ہے، تمہیں یاد ہے۔ پس حضرت زبیر رضی اللہ عنہ واپس جانے کے لیے مڑ گئے۔ تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: انہیں کیا ہوا۔ لوگوں نے انہیں ماجرا بتایا تو وہ اپنی سواری پر سوار ہوئے تا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو رخصت کریں، تو مروان نے انہیں تیر مارا، پس انہیں قتل کر ڈالا۔" (المحن لابی العرب التمیمی: ص ۱۱۶، اسنادہ ضعیف)

(۱۰) عبدالملک بن مروان

عَنْ عَوَانَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ: قَالَ عَبْدُ الْمَلِكِ بْن مروان: لولا أن أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مروان أَخْبَرَنِي أنه هُوَ قتل طَلْحَةَ مَا تركت من ولد طَلْحَةَ أحدا إلا قتلته بعثمان، فهو كَانَ أشد النَّاس عَلَيْهِ حَتَّى قتل۔

"عبدالملک بن مروان نے کہا: اگر امیر المؤمنین مروان نے مجھے یہ نہ بتایا ہوتا کہ انہوں نے ہی طلحہ کو قتل کیا تھا تو میں قصاص عثمان میں طلحہ کی اولاد میں سے کسی کو قتل کیے بغیر نہ چھوڑتا کیونکہ طلحہ (رضی اللہ عنہ) حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کی دشمنی میں تمام لوگوں سے زیادہ شدید تھے یہاں تک کہ انہیں قتل ہی کر ڈالا۔"

(انساب الاشراف: ۱۰ ص ۱۲۷، اسنادہ ضعیف)

(۱۱) ولید بن عبدالملک کا اعتراف

مروان کا پوتا ولید بھی تسلیم کرتا تھا کہ اُس کے دادا نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔

دخل موسى بن طلحة على الوليد بن عبد الملك فقال له الوليد ما دخلتَ عليَّ قطُّ إلا هممتُ بقتلك لولا أن أبي أخبرني أن مروان قتل طلحة۔

"موسیٰ بن طلحہ ولید بن عبدالملک کے پاس گئے تو ولید نے کہا: تم جب بھی میرے پاس آئے ہو میں نے تمہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا، اگر میرے والد نے مجھے یہ نہ خبر دی ہوتی کہ مروان نے طلحہ کو قتل کیا تھا (تو میں تمہیں قتل کرنے کے ارادے پر عمل کر لیتا)"

(تاریخ دمشق: ۶۰ ص ۴۲۳، اسنادہ ضعیف)

دراصل مروان کی طرح اس کی آل اولاد کو بھی یہی بدگمانی تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا اہم کردار تھا (نعوذ باللہ) اس لیے مروانی خاندان طلحہ رضی اللہ عنہ سے نفرت کرتے تھے۔ ولید کا مطلب یہ تھا کہ اگر مروان نے طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے حساب برابر نہ کر دیا ہوتا تو میں یہ بدلہ طلحہ رضی اللہ عنہ کی اولاد سے لیتا۔

یہ روایات بتا رہی ہیں کہ مروان، اس کے بیٹے عبدالملک اور اس کے پوتے ولید کا بھی یہی کہنا تھا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو مروان نے قتل کیا تھا۔

(۱۲) مروان کے دستِ راست رَوح بن زِنباع کی گواہی

۶۴ھ کے اواخر میں مروان بن حکم نے خلیفۂ وقت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف باغیانہ تحریک شروع کی اور شام میں اپنی نام نہاد خلافت کی تحریک شروع کی۔ اس تحریک کا آغاز ہی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی کردار کشی سے ہوا۔ اس حوالے سے اُردن کے علاقے جابیہ میں مروانیوں نے اپنی کانفرنس منعقد کی اور اس میں مروان کے حق اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف تقریریں کی گئیں۔

اس دوران مروان کے دستِ راست روح بن زنباع نے کہا:

وَأَمَامَرْوَان فَمَا كَانَ فِي الإسلام صدع إلا كَانَ مِمَّن شعبه

(اسلام میں کوئی رخنہ ایسا نہیں آیا جسے مروان صاحب نے پُر نہ کیا ہو)

اس کے بعد اس کی دلیل دیتے ہوئے کہا: ورمی طَلْحَة فاستقاد منه لعثمان

(مروان صاحب ہی نے تو طلحہ پر تیر چلایا تھا، پس انہوں نے اُس سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لے لیا) (انساب الاشراف: ۶ ص ۲۶۷)

روح بن زنباع نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قتل کو مروان کے کارنامے اور اسلام کی خدمت کے طور پر پیش کیا اور مروان، اُس کے پیروکاروں اور حامیوں کے پورے مجمع میں کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا، کیوں کہ ان کے نزدیک تو یہ اسلام کی بہت بڑی خدمت تھی۔ (نعوذ باللہ)

الغرض! یہ بارہ روایات جن میں شروع کی چار صحیح السند ہیں، اس قضیے کا فیصلہ

کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اتنی اسناد سے منقول روایت بلاشبہ خبرِ مشہور کا درجہ رکھتی ہے اور کامل یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ ایسے پختہ حقائق کا انکار تعصب کے سوا کچھ نہیں۔

☆☆☆

مروان ہی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا

اسلاف کے اقوال

مروان کا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل ہونا، کوئی آج کل کی تحقیق نہیں، نہ ہی یہ فضول قسم کے ادیبوں اور مؤرخین کے اقوال ہیں بلکہ جلیل القدر علمائے اہلِ سنت کا یہی قول ہے اور اس پر ان کا اتفاقِ رائے ہے۔

(۱) امام خلال رحمہ اللہ صحیح سند سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

حدثنا مهنی، قال سئلت احمد عن طلحة بن عبيدالله ، من قتله؟ قال: يقولون: مروان۔ قلت: كيف؟ قال: قال اسماعيل بن ابی خالد، عن قيس بن ابی حازم، نظر مروان الى طلحة بن عبيدالله يوم الجمل فقال: لا اطلب ثأری بعد اليوم، قال: فرمی بسهم فقتله۔

(ہمیں مہنی نے بتایا کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا کہ انہیں کس نے قتل کیا؟ امام احمد نے فرمایا: محدثین کہتے ہیں کہ مروان نے۔ میں نے کہا: وہ کیسے؟ فرمایا: اسماعیل بن ابی خالد نے قیس بن ابی حازم سے روایت کی ہے کہ مروان نے جنگِ جمل کے دن طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور کہنے لگا: آج کے دن کے بعد میں اپنا انتقام نہ لے پاؤں گا۔ پس اس نے انہیں ایک تیر مارا، پس انہیں قتل کر دیا) (السنۃ لابی بکر الخلال: ۳ ص ۵۱۷)

☆ دوسرے مقام پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هذا طلحة بن عبيدالله انتزع له مروان بن الحكم سهما وهو معهم واقف فی الصف وقال لا اطلب بدم عثمان احداً غيرک، فرماه بسهم فقتله۔

''یہ طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ ہیں، مروان بن حکم نے جوان کے ساتھ تھا اور صف میں کھڑا تھا، ان کی سمت ایک تیر (کمان پر) چڑھایا اور بولا: میں تیرے سوا عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص کسی سے نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر انہیں تیر مارا، پس انہیں قتل کر دیا۔''

(الجامع لعلوم الامام احمد: ۴ ص ۳۴۱)

(۲) امام عجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وطلحة والزبير لم يقتلهما أصحاب علي رضي الله عنه، طلحة قتله مروان بن الحكم والزبير قتله ابن جرموز وهو منصرف۔

(حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے قتل نہیں کیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو تو مروان بن حکم نے قتل کیا تھا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ابن جرموز نے اس وقت قتل کیا تھا جب وہ واپس لوٹ رہے تھے)

(الثقات: ۱ ص ۳۴۸)

(۳) امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَتله المروان بْن الحكم بِسَهْمٍ رَمَاهُ۔

(حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو مروان نے تیر سے قتل کیا جو اس نے چلایا تھا)

(الثقات لابن حبان: ۲ ص ۲۳۹)

(۴) علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ولا يختلف العلماء الثقات في ان مروان قتل طلحة۔''

''ثقہ علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مروان ہی نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔'' (الاستیعاب: ۲ ص ۱۰۳)

(۵) یہی امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے۔ (المنتظم: ۶ ص ۴۸)

(۶) اسی طرح ابن الاثیر الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَكَانَ الَّذِي رَمَى طَلْحَةَ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ۔ (جس نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو تیر مارا تھا، وہ مروان بن حکم تھا)

(الکامل فی التاریخ: ۲ ص ۶۰۱)

(۷) حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ورمی مروان طلحة بن عبید الله بن عثمان التیمی أحد العشرة بسهم فقتله

(مروان نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان تیمی رضی اللہ عنہ کو جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں، تیر چلا کر قتل کر دیا۔) (العبر فی خبر من غبر: ۱ص ۲۷)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"وَسَارَ مَعَ طَلْحَةَ وَالزُّبَيْرِ لِلطَّلَبِ بِدَمِ عُثْمَانَ، فَقَتَلَ طَلْحَةَ يَوْمَ الجَمَلِ، وَنَجَا، لَا نَجَّى۔"

"مروان حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے لیے نکلا، پس اُس نے جنگِ جمل میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا اور خود بچ نکلا، اللہ کرے وہ نجات نہ پائے۔" (سیر اعلام النبلاء: ۳ص ۴۷۷)

(۸) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی مروان کے اس جرم کی روایت ذکر کر کے اس کو سنداً صحیح قرار دیا ہے۔

واخرجه ابو القاسم البغوی بسند صحیح من الجارود بن ابی سبرة قال: لما کان یوم الجمل نظر مروان الی طلحة، وقال: لم اطلب ثأری بعد الیوم، فنزع له بسهم فقتله۔

"ابو القاسم بغوی نے جارود بن ابی سبرہ سے بسند صحیح روایت نقل کی ہے کہ جنگِ جمل کے دن مروان نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور کہا: میں آج کے بعد اپنا انتقام نہ لے سکوں گا۔ یہ کہہ کر ان کی جانب تیر چلایا اور انہیں قتل کر ڈالا۔"

(الاصابۃ: ۳/ ۴۳۲، ط العلمیۃ)

دوسرے مقام پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وانما نقموا علیه انه رمی طلحة یوم الجمل بسهم فقتله

"علماء نے مروان پر طعن کیا ہے کہ اس نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو جنگِ جمل کے دن تیر مار کر قتل کر دیا تھا۔" (فتح الباری ۱ص ۴۴۳)

تیسرے مقام پر فرماتے ہیں:

وقتل طلحة يوم الجمل سنة ست وثلاثين، رُمِيَ بسهم جاء من طرقٍ كثيرة ان مروان بن الحكم رماه۔

''حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جنگِ جمل کے دن سنہ ۳۶ھ میں قتل ہوئے۔ بکثرت طرق آیا ہے کہ مروان نے انہیں تیر مارا تھا۔'' (فتح الباری: ۷ ص ۸۲)

(۹) علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں:

وقتل طلحة يوم الجمل سنة ست وثلاثين، رُمِيَ بسهم، ورُوِيَ من طرقٍ كثيرة ان مروان بن الحكم رماه۔

''حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جنگِ جمل کے دن سنہ ۳۶ھ میں قتل ہوئے۔ بکثرت طرق سے مروی ہے کہ مروان نے انہیں تیر مارا تھا۔'' عمدۃ القاری (۱۶ ص ۲۲۶)

(۱۰) علامہ صلاح الدین کیکلدی رحمہ اللہ مروان کے بارے میں فرماتے ہیں:

وهو الذي باشر قتل طلحة رضي الله عنه

''وہی تھا جس نے بذاتِ خود حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔''

(تحقیق منیف الرجبۃ لمن قبلہ شریف الصحبۃ: ص ۸۸)

(۱۱) علامہ برہان الدین ابواسحاق ابناسی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

والصحيح: أَنَّ الذي رمى طلحة هو مروان بن الحكم

''صحیح یہ ہے کہ جس نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو تیر مارا، وہ مروان بن الحکم تھا۔'' (المقاصد الفياح من علوم ابن الصلاح: ۲ ص ۷۲۷)

(۱۲) حافظ زین الدین عراقی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

والذي رمى طلحة هو مروان بن الحكم على الصحيح

''صحیح قول کے مطابق جس نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو تیر مارا، وہ مروان بن الحکم تھا۔'' (شرح التبصرۃ والتذکرۃ الفیۃ العراقی: ۲ ص ۳۰۶)

(۱۳) یہی امام سخاوی رحمہ اللہ کی تحقیق ہے۔

(فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث: ۴ ص ۳۲۵)

الغرض! اس موضوع پر لکھنے والے بے شمار علماء کی تحقیق یہی ہے۔ اس بارے میں تیس کے لگ بھگ جلیل القدر علماء کے حوالے "مروان بن حکم اور اُس کی صحابیت" نامی شاندار تحقیقی کتاب میں آگئے ہیں جو حضرت مولانا مجیب الرحمن ڈیروی مدظلہ کی کاوش ہے اور ماہنامہ صفدر لاہور کے ۲۰۱۹ء تا ۲۰۲۰ء کے شماروں میں قسط وار شایع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں مروان کے بارے میں اور بھی کئی مفید اور قابل دید تحقیقات ہیں۔

☆☆☆

مروان کے قاتل طلحہؓ ہونے پر تین شبہات اور ان کے جوابات

پہلا شبہ:

حافظ ابن کثیرؒ نے مروان کو حضرت طلحہؓ کا قاتل نہیں مانا؟:

بعض حضرات اس بارے میں یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قتل کو مروان کی طرف منسوب نہیں کیا بلکہ اس کی تردید کی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی عبارت یہ ہے:

وَيُقَالُ: إِنَّ الَّذِي رَمَاهُ بِهَذَا السَّهْمِ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ، وَقَالَ لِأَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ: قَدْ كَفَيْتُكَ رَجُلًا مِنْ قَتَلَةِ عُثْمَانَ۔ وَقَدْ قِيلَ: إِنَّ الَّذِي رَمَاهُ غَيْرُهُ۔ وَهَذَا عِنْدِي أَقْرَبُ وَإِنْ كَانَ الْأَوَّلُ مَشْهُورًا۔ وَاللهُ أَعْلَمُ۔

"کہا جاتا ہے کہ جس نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو یہ تیر مارا وہ مروان بن حکم تھا، اس نے ابان بن عثمان سے کہا: میں نے قاتلین عثمان میں سے تمہارے لیے ایک شخص کو تو نمٹا دیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہیں کسی اور نے تیر مارا تھا۔ یہ میرے نزدیک اَقرب ہے اگرچہ قول اوّل مشہور ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۱۰ص ۴۷۶)

{تحقیق}

اس بارے میں عرض ہے کہ پہلے یہ طے کرلیا جائے کہ کیا حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول حرفِ آخر ہے؟ اور کیا اُن سے کہیں کوئی تسامح نہیں ہوسکتا؟ کیا انہوں نے

اپنی تاریخ میں بعض غلطیاں نہیں کیں؟ مثلاً کیا انہوں نے وہ روایت کسی ردّ وکد کے بغیر نقل نہیں کر دی جس کے مطابق یزید حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں شرابی کبابی تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے یہ فعل خفیہ طور پر کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۱۱ ص ۶۴۱، ترجمۃ یزید بن معاویۃ، سنۃ ۶۴ھ)

کیا آپ کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ سے یہاں بھی اتفاق ہے؟ اگر نہیں تو مطلب یہ کہ ہم اس پر متفق ہیں کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی جلالت شان کے باوجود بشری خطاؤں سے منزہ نہ تھے اس لیے البدایۃ والنہایہ میں متعدد مقامات پر تسامحات موجود ہیں۔ اگر ان کا قول دیگر جلیل القدر اساطین اُمت کے برخلاف اور واضح دلائل سے متصادم ہو تو اسے تسامح ہی مانا جائے گا اور اسے منوانے پر وہی اصرار کرے گا جو انصاف سے دور اور تعصب کی دلدل میں دھنسا ہوا ہو۔

اب ہم مروان کے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی بابت حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے موقف پر نگاہ ڈالتے ہیں۔ یہ واضح ہے کہ انہوں نے مشہور قول تو اسی کو کہا ہے کہ مروان قاتل تھا۔ ہاں انہوں نے اس بات کو "اقرب" قرار دیا ہے کہ تیر کسی اور فرد نے مارا تھا۔

اب یہاں اَقرب سے مراد کیا ہے؟ اگر اَقرب سے مراد "اقرب الی القیاس" ہے تو سوال پیدا ہوگا کہ خبر مشہور پر قیاس کو ترجیح دی جانے لگے تو کیا اعتزال اور عقل پرستی کا دروازہ نہ کھل جائے گا؟ پھر تو باطل فرقوں کو تو کھلا راستہ مل جائے گا کہ وہ اخبار مشہورہ سے ثابت شدہ حقائق کو بھی مسترد کر کے قیاساً اپنی من مانی تجتیں قائم کرنے لگیں۔

اگر اَقرب سے کچھ اَور مراد ہے تو یہ وکلائے مروان کے ذمے ہے کہ اُسے واضح کریں تاکہ اس پر بات کی جائے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے قول "قیل: ان الذی رماہ غیرہ" میں وہ "فردِ غیر" کون تھا اور وہ کونسی روایت میں اس کا ذکر ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس روایت کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔

راقم کی تلاش کے مطابق درحقیقت ایسی کوئی روایت موجود ہی نہیں جس میں یہ لکھا ہو کہ مروان نے نہیں بلکہ کسی اور نے تیر مارا تھا۔ مروان کا دفاع کرنے والے صاحبان بھی آج تک کوئی ایسی کوئی روایت پیش نہیں کر سکے، جس میں مروان کے تیر مارنے کی نفی ہو، یا کسی اور شخص کا ذکر ہو جس نے تیر چلایا ہو۔

البتہ ایک روایت میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ''سھم غرب'' یعنی نا گہانی تیر لگنے سے شہید ہونے کا ذکر آتا ہے جسے امام طبری رحمہ اللہ اور امام خلیفہ بن خیاط رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ (تاریخ الطبری: ۴ ص ۵۰۸، ۵۲۷)

نیز ایسی ایک روایت ابو نعیم الاصبہانی رحمہ اللہ نے ''یقال'' کہہ کر یعنی بے سند نقل کی ہے۔ (معرفۃ الصحابۃ: ۱ ص ۹۸)

یہ روایات بالکل بے حیثیت ہیں، کیوں کہ:

☆ امام طبری رحمہ اللہ کی نقل کردہ سند میں شعیب بن ابراہیم مجہول ہے اور سیف بن عمر ضعیف۔ سند منقطع بھی ہے۔

☆ خلیفہ بن خیاط رحمہ اللہ نے اسے دو جگہ ذکر کیا ہے مگر بلا سند۔

(تاریخ خلیفہ بن خیاط: ص ۱۷۹، ۱۸۵)

☆ ابو نعیم الاصبہانی رحمہ اللہ کی نقل کردہ روایت بھی سند ہے یعنی صیغۂ تمریض ''یقال'' کے ساتھ اور وہ بھی بے سند پیش کی گئی ہے۔

درحقیقت اس کی سند ایک ہی ہے یعنی جو امام طبریؒ نے نقل کی ہے۔ خلیفہ بن خیاط اور ابو نعیم الاصبہانی رحمہما اللہ نے اسی کو بلا سند ذکر کیا ہے۔ علمی استدلال اور خاص کر محلِ نزاع میں ایسی ساقط روایت کی جو حیثیت ہو سکتی ہے، وہ اہلِ علم خوب جانتے ہیں۔ دوسری طرف متعدد ثقات کے چشم دید مشاہدے پر مبنی متعدد صحیح روایات مروان کو قاتل ثابت کر رہی ہیں۔ ان نہایت قوی روایات پر ایسی شدید ضعیف یا بے سند راویت کو ترجیح دینا کہاں کا انصاف ہے؟

یہ اصول طے ہے کہ ضعیف روایت کو صحیح پر ترجیح نہیں ہو سکتی۔ اور یہاں تو

شدید ضعیف کے بالمقابل صحیح کا مجموعہ ہے۔ علمی طرزِ استدلال میں اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ ہم ان صحیح روایات کو جذبات کی بناء پر چھوڑ کر ایک ضعیف ترین روایت سے استدلال کرنے لگیں۔ یہ باطل فرقوں کا طریقہ ہے نہ کہ اہلِ سنت والجماعت کا۔

مروان کے تیر چلانے اور سہم غرب والی روایت میں درحقیقت تعارض نہیں

راقم مزید عرض کرتا ہے کہ اگر یہاں مزید غور کیا جائے تو درحقیقت مروان کے تیر چلانے اور سہم غرب والی روایت میں درحقیقت تعارض نہیں، وہ اس طرح کہ یہ الگ الگ زاویے سے دیکھنے والے لوگوں کے مشاہدے کا فرق ہے:

☆ موقع پر موجود جو لوگ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قریب اور ان کی طرف متوجہ تھے، وہ تیر چلانے والے کو نہ دیکھ سکے، لہٰذا انہوں نے اتنا ہی نقل کیا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اچانک ایک تیر آلگا تھا۔

☆ جن ثقہ راویوں نے مروان کو تیر چلاتے دیکھ لیا تھا، انہوں نے اپنی روایات میں واضح کر دیا کہ تیر مروان نے چلایا تھا۔ پس یہاں تعارض ہے ہی نہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے بارے میں ہمارا حسنِ ظن ہے کہ وہ اس مسئلے کی تحقیق نہیں کر سکے ورنہ وہ ذرا غور فرما لیتے تو اپنی رائے سے رجوع کر لیتے۔ بہرکیف جب ایک بات صحیح روایات سے ثابت ہو چکی ہے تو اسے ماننا ہی اصول کا تقاضا ہے۔

دوسرا شبہ:

مروان کو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قتل میں کیا دلچسپی تھی؟:

بعض حضرات یہاں یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ آخر مروان کو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قتل میں کیا دلچسپی ہو سکتی تھی؟ اگر کہا جائے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں حصے دار کے طور پر مشہور تھے، اس لیے مروان ان کے خلاف تھا، تو یہ کوئی وجہ نہیں بن سکتی؛ کیوں کہ اس پروپیگنڈے سے مدینہ کے باہر والے تو متاثر ہو سکتے تھے۔ مروان کو اس جھوٹ پر کیسے یقین ہو سکتا تھا؟ اگر مروان حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا چاہتا تو یہ کام عام دنوں میں زیادہ آسانی سے ہو سکتا تھا۔ پوشیدہ

قتل کے کئی طریقے آسانی سے آزمائے جاسکتے تھے۔ جنگ کے دن سینکڑوں لوگوں کی موجودگی میں ان کو قتل کرنے کا خطرہ کوئی کیوں مول لیتا؟ اگر مروان نے تمام احتیاطیں پسِ پشت ڈال کر مجمع عام میں یہ ظلم ڈھا ہی دیا تھا تو صحابہ اور تابعین نے اس کو کیوں چھوڑ دیا؟ اتنے بڑے صحابی کے قاتل سے بدلہ کیوں نہ لیا گیا؟

{تحقیق}

جواب میں عرض ہے کہ مروان کا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا عجیب یا غیر متوقع ضرور ہے مگر کسی چیز کے خلافِ توقع ہونے اور ناممکن ہونے میں بڑا فرق ہے۔ اگر کوئی عجیب خبر مصدقہ ذرائع سے ہم تک پہنچے تو اس پر یقین کرنا پڑتا ہے۔ تاریخی حیثیت سے کسی بھی خبر کے ثبوت کے لیے جو اعلیٰ معیار درکار ہے وہ یہاں موجود ہے۔ اگر اس معیار پر ثابت واقعے کو بھی ہم محض اپنے ذہن میں آنے والی عقلی خلجان کی بناء پر مسترد کردیں تو پھر دوسروں کو بھی اختیار ہوگا کہ جو روایت انہیں خلافِ توقع لگے وہ اسے جھوٹ مانیں، چاہے وہ صحیح السند ہو اور ہم اس کے ثابت شدہ ہونے پر مصر ہوں۔

مروان کے لیے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا محرک یہ تھا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو سبائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل مشہور کردیا تھا، چنانچہ ایک روایت کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرکے انہوں نے شور مچایا:

این طلحة بن عبید اللہ، قد قتلنا ابن عفان۔

''طلحہ بن عبید اللہ کہاں ہیں؟ ہم نے عثمان کو قتل کردیا ہے۔''

(تاریخ طبری: ۴/۳۱۹، عن سعید بن عبد الرحمن ابن ابزیٰ عن ابیہ)

اس طرح انہوں نے لوگوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ یہ کام حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ایماء پر ہوا ہے۔

درحقیقت سبائی پروپیگنڈا دودھاری تلوار تھا۔ اس نے ایک طرف کچھ لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں غلو پر اُکسا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف برانگیختہ کیا اور دوسری طرف انہی کا پروپیگنڈا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بہت سے

عقیدت مندوں کو یہ یقین دلانے کا سبب بنا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کی سرپرستی بعض اکابر صحابہ کر رہے تھے۔ چنانچہ اسی بناء پر مروان نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور اسی پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اہل شام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم نہ کیا اور اسی قسم کی ہفوات کو عین ایمان سمجھنے کے باعث کچھ لوگ روافض بن گئے اور حضرت عثمان، حضرت عائشہ، حضرت طلحہ و زبیر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم پر طعن کرنے لگے اور دوسری طرف مروانی (ناصبی) فرقہ وجود میں آیا جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت پر سب و شتم کو اپنا شعار بنایا۔ مروان یقیناً اس سبائی پروپیگنڈے سے متاثر تھا اور اُس نے بعض اکابر صحابہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں ملوث سمجھ لیا تھا۔

یہ دعویٰ بے بنیاد ہے کہ مروان سبائیوں کے جھانسے میں نہیں آسکتا تھا۔ اگر دوسرے بہت سے لوگ فتنے میں مبتلا ہو گئے تھے تو مروان بھی کوئی فرشتہ نہ تھا۔ صحیح روایت کے مطابق مروان نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قتل کے وقت خود یہ کہا تھا کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا بدلہ ہے۔

رمیٰ مروان طلحة بسهم ثم التفت الی ابان بن عثمان وقال قد کفیناک بعض قتلة ابیک۔

(مروان بن حکم نے طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو تیر مارا، پھر ابان بن عثمان کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ہم تمہارے لیے تمہارے باپ کے قاتلوں میں سے ایک کو نمٹا چکے) (تاریخ خلیفہ بن خیاط، ص ۱۸۵) اسنادہ صحیح

اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ وہ سبائی پروپیگنڈے کا شکار ہو چکا تھا۔

اسی طرح یہ کہنا کہ قاتلانہ حملے کے لیے میدانِ جنگ غیر موزوں موقع تھا یا یہ خیال کرنا کہ مروان کو ایسا کرنا ہوتا تو وہ جنگ کے بعد اس کا بہتر موقع پا سکتا تھا، محض ایک گمان ہے۔ تاریخی روایت کے مطابق خود مروان کا بھی خیال تھا کہ اسے حالتِ جنگ کی افراتفری سے بہتر موقع پھر نہیں ملے گا۔ اس کی دو وجوہ تھیں:

☆ ایک یہ کہ حالتِ جنگ کے قتل پر شرعی عدالت سزا جاری نہیں کرتی۔ حملہ

آور کو شک کا فائدہ ملنے کی وجہ سے قضاءً اس مقدمے کو خارج سمجھا جاتا ہے۔ مروان کو فقہی و قانونی نکات کا خوب علم تھا لہٰذا تیر چلانے سے پہلے کہا:

لا اطلب بثأری بعد الیوم۔ ''میں آج کے بعد اپنا انتقام نہیں لے سکوں گا۔''

(تاریخ خلیفۃ بن خیاط، ص ۱۸۱) اسنادہ صحیح

☆ دوسرے یہ کہ جنگ کے وقت ہر ایک کی توجہ صرف اپنے مدِ مقابل کی طرف ہوتی ہے، اگر کوئی دور مار ہتھیار سے کسی کو نشانہ بنا دے تو اس کا پتا چلانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ویسے بھی ہنگامے کے دن کو مخالفین سے ذاتی دشمنی نکالنے کے لیے بہترین موقع سمجھا جاتا ہے جس کی مثالیں ہنگامہ آرائی اور بلووں میں اکثر دکھائی دیتی رہتی ہیں۔ یہاں ہنگامے کے ساتھ جنگ بھی تھی۔ جنگ کے وقت ہر ایک کی توجہ صرف اپنے مدِ مقابل کی طرف ہوتی ہے، ادھر اُدھر دیکھنے بھالنے کا موقع عموماً نہیں ہوتا۔ نیز لوگوں کے چہرے اتنے واضح نہیں ہوتے، عمامے یا خود سے چہروں کو ڈھانپا جاتا ہے، مطلع صاف نہیں ہوتا، گرد و غبار کے بادل اڑ رہے ہوتے ہیں، پھر جنگِ جمل میں کوئی صفیں باندھ کر لڑائی نہیں ہو رہی تھی بلکہ لوگ بدنظمی کے ساتھ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو گئے تھے۔ ایسے میں کسی کے لیے کسی کو دور مار ہتھیار سے کسی کو نشانہ بنا دینا بہت آسان تھا اور اس کا پتا چلانا یقیناً بہت مشکل تھا۔ پس مروان اس وقت کو قاتلانہ وار کے لیے غنیمت اور عدالتی باز پرس سے خارج سمجھ رہا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ بعد میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قتل کے بدلے مروان سے قصاص نہ لیا گیا کیوں کہ قضاءً یہ مقدمہ ناقابلِ سماعت تھا۔ چنانچہ جرم کے باوجود عدالت میں اس پر کوئی مقدمہ نہیں چلایا گیا۔

<u>یاد رہے کہ فقہی قاعدہ جس پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا تھا، یہی تھا کہ خانہ جنگیوں کے دوران فریقین نے ایک دوسرے کے جو لوگ قتل کیے، ان کے حوالے سے کسی پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔</u>

(المبسوط للسرخسی، باب الخوارج: ۱۰ ص ۱۲۷، ۱۲۸؛ الفقہ الابسط لابی حنیفۃ: ص ۲۰)

تیسرا شبہ:

فرزند حضرت طلحہؓ کا دعویٰ کہ ان کے والد کو حضرت علیؓ نے قتل کیا:

بعض حضرات یہاں ایک روایت پیش کر کے دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ یا ان کے لوگوں ہی نے قتل کیا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ عمران بن طلحہ (حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے فرزند) نے آ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہا تھا کہ آپ نے میرے باپ کو قتل کیا ہے، روایت یہ ہے:

جَاءَ ابْنُ طَلْحَةَ فَسَلَّمَ عَلَى عَلِيٍّ، فَرَحَّبَ بِهِ عَلِيٌّ فَقَالَ: تُرَحِّبُ بِي يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ وَقَدْ قَتَلْتَ وَالِدِي وَأَخَذْتَ مَالِي، قَالَ: أَمَّا مَالُكَ فَهُوَ مَعْزُولٌ فِي بَيْتِ الْمَالِ، فَاغْدُ إِلَى مَالِكَ فَخُذْهُ، وَأَمَّا قَوْلُكَ: قَتَلْتَ أَبِي، فَإِنِّي أَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا وَأَبُوكَ مِنَ الَّذِينَ قَالَ اللّٰهُ: وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ۔ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ هَمْدَانَ أَعْوَرُ: اللّٰهُ أَعْدَلُ مِنْ ذَلِكَ، فَصَاحَ عَلِيٌّ صَيْحَةً تَدَاعَى لَهَا الْقَصْرُ قَالَ: فَمَنْ ذَاكَ إِذَا لَمْ نَكُنْ نَحْنُ أُولَئِكَ؟

''حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا آیا اور اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سلام کیا، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے خوش آمدید کہا۔ اس نے کہا: امیر المؤمنین آپ مجھے خوش آمدید کہتے ہیں جبکہ آپ نے میرے والد کو قتل کیا ہے اور میرا مال چھینا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تمہارا مال بیت المال میں الگ محفوظ ہے۔ جا کر اپنا مال لے لو۔ جہاں تک تمہارا یہ کہنا ہے کہ میں نے تمہارے باپ کو قتل کیا ہے تو مجھے امید ہے کہ میں اور تمہارا باپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے: ''اور ان کے دلوں میں جو کینہ تھا، وہ ہم سب دور کر دیں گے کہ سب بھائیوں کی طرح تختوں پر آمنے سامنے ہوں گے۔'' (طبقات ابن سعد: ۳ ص ۲۲۵، ط دار صادر)

اس روایت میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے عمران نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اپنے والد کے قتل کا دعویٰ کیا۔ اگر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو مروان نے قتل کیا ہوتا تو حضرت

علی رضی اللہ عنہ فوراً کہتے کہ میں نے تو تمہارے والد کو قتل نہیں کیا۔ ان کا تردید نہ کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ قاتل مروان نہیں تھا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے یا انہی کے لوگ تھے۔

{تحقیق}

اس بارے میں عرض ہے کہ اس روایت کی سند اور متن دونوں محل نظر ہیں۔ سنداً اس طرح کہ اس کے ایک راوی ابان بن عبداللہ کوفی کو اگرچہ عمومی طور پر ثقہ یا صدوق مانا گیا ہے مگر امام دارقطنی رحمہ اللہ نے انہیں ضعیف کہا ہے۔

(موسوعہ اقوال الامام الدارقطنی: ۱ ص ۲۸)

امام عقیلی نے انہیں ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ (الضعفاء الکبیر للعقیلی: ۱ ص ۴۲)

اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں فحش غلطیاں کرنے والا کہا ہے۔

وَ کَانَ مِمَّن فحش خَطؤُہُ وَانْفَرَدَ بِالْمَنَاکِیر۔

(یہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے فاش غلطیاں کی ہیں اور منکر روایات لانے میں منفرد رہے) (المجروحین: ۱ ص ۹۹)

متناً اس لحاظ سے یہ محل نظر ہے کہ اسی روایت کو امام احمد، امام الآجری، امام طبرانی، امام حاکم اور امام بیہقی رحمہم اللہ نے بھی نقل کیا ہے مگر ''قَتَلْتَ وَالِدِیْ'' کے الفاظ سرے سے ذکر نہیں کیے۔

(فضائل الصحابہ للامام احمد بن حنبل ح: ۱۲۹۵؛ الشریعۃ للآجری: ص ۲۵۲۸؛ المعجم الاوسط للطبرانی، ح: ۸۲۷؛ المستدرک علی الصحیحین، ح: ۵۶۱۳)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ زائد الفاظ ابان بن عبداللہ کی غلطیوں میں سے ایک ہیں۔ پس یہ زیادتی ''منکر'' ہے۔

چلئے بالفرض اگر اس زیادتی کو درست مان لیا جائے اور لفظ ''قَتَلْتَ'' کو حقیقی معنیٰ پر محمول کر لیا جائے یعنی اس کا ترجمہ یہ کیا جائے کہ ''اے علی! آپ نے میرے والد کو قتل کیا۔'' تو محض اس الزام لگا دینے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سکوت اختیار کرنے سے الزام کیسے ثابت ہو جائے گا؟

صحابہ کرام اور اسلاف کی زندگیوں میں ایسی مثالیں بکثرت ہیں کہ کسی نے غلط فہمی کے باعث ان پر بدترین الزام تراشی کی مگر ان حضرات نے نہایت صبر وتحمل سے سب کچھ سنا اور خاموشی اختیار کرلی۔ یہ تو حسنِ اخلاق اور چھوٹوں پر شفقت کی اعلیٰ مثالیں ہیں۔

اگر کسی کی فکر ونظر اتنی پست ہو کہ وہ ایسے واقعات سے اسلاف ہی کو مجرم سمجھنے لگے تو اس کی عقل پر ماتم کرنا چاہیے۔ درحقیقت مذکورہ عبارت پڑھ کر کوئی صاحب عقلِ سلیم تصور بھی نہیں کرسکتا کہ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بذاتِ خود حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا ثابت ہوسکتا ہے۔

پس ماننا پڑے گا کہ یہاں معاملہ دو صورتوں سے خالی نہیں؟

(۱) عمران بن طلحہ کو کوئی شدید غلط فہمی لگ گئی تھی جیسا کہ مروان نے غلط فہمی ہی کی بنیاد پر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل سمجھ لیا تھا اور اہلِ شام نے غلط فہمی ہی کے باعث حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قاتلینِ عثمان کا سرپرست تصور کرلیا تھا۔ اس ہنگامے اور فتنے کے حالات میں اسی قسم کی غلط فہمی عمران بن طلحہ کو ہوگئی ہو تو عجب نہیں۔ اور اسی بنیاد پر انہوں نے کہہ دیا کہ ''اے علی! آپ نے میرے والد کو قتل کیا۔'' تو اس میں تعجب کیسا؟

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ عمران بن طلحہ کا فقرہ ''قَتَلْتَ'' مجازی معنیٰ پر محمول تھا نہ کہ حقیقی۔ یعنی مراد یہ تھی کہ ''اے علی! آپ کی فوج نے میرے والد کو قتل کیا۔''

یقیناً عمران بن طلحہ یہ معنیٰ مجازی مراد لے سکتے تھے کیوں کہ وہ اس جنگ میں موجود نہ تھے اور افواہوں کے زور کے باعث یہاں بھی انہیں غلط فہمی ہوسکتی تھی۔ مگر کیا زمینی حقائق بھی یہی تھے؟ کیا واقعی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کسی سپاہی نے قتل کیا تھا؟

زمینی حقائق دیکھنے کے لیے جب ہم روایات تلاش کرتے ہیں تو ہمیں کوئی ضعیف روایت بھی ایسی نہیں ملتی جس میں لشکرِ علوی کے کسی فرد کا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا مذکور ہو۔

دوسری طرف متعدد صحیح روایات مل جاتی ہیں جن سے واضح ہے کہ یہ جُرم مروان کا تھا، نہ کہ حضرت علیؓ کے اَصحاب میں سے کسی کا۔ چنانچہ امام مجلیؒ فرماتے ہیں:

وطلحة والزبير لم يقتلهما أصحاب علي رضي الله عنه، طلحة قتله مروان بن الحكم والزبير قتله ابن جرموز وهو منصرف۔

(حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے قتل نہیں کیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو مروان نے قتل کیا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ابن جرموز نے اس وقت قتل کیا جب وہ واپس لوٹ رہے تھے) (الثقات: ۱ص ۳۴۸)

اساطینِ اُمت سلفاً وخلفاً اسی کے قائل ہیں چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے لے کر امام سخاوی رحمہ اللہ تک جلیل القدر علماء کے اَقوال ہم پیچھے نقل کر چکے ہیں جو سب متفق ہیں کہ یہ جرم مروان بن حکم ہی نے کیا تھا۔ ان حقائق اور شواہد کے پیشِ نظر لامحالہ ہمیں یہاں عمران بن طلحہ کو غلط فہمی کا شکار ماننا پڑے گا۔ یعنی اگر وہ واقعی اس بات کے قائل تھے کہ ان کے والد کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اَصحاب میں سے کسی نے قتل کیا ہے تو یقیناً وہ کسی اَفواہ سے متاثر تھے۔

تطبیق کی صورت:

یہاں ایک تطبیق کی صورت بھی ہے اور وہ سب سے آسان اور واضح ہے۔ وہ یہ کہ مجازی معنیٰ میں ''قَتَلْتَ'' کو ''قَاتَلْتَ'' کے مفہوم میں لیا جائے۔ یعنی: ''اے علی! آپ نے میرے والد سے قتال کیا۔''

یہ مجازی معنیٰ زمینی حقائق کے بالکل مطابق ہے کہ فریقین کا قتال تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ یہاں نہ عمران بن طلحہ کو غلط فہمی کا شکار ماننا پڑے گا اور نہ ہی اُن صحیح روایات کی تردید کی نوبت آئے گی جن سے مروان کا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل ہونا ثابت ہے۔ یوں روایات میں کوئی تعارض نہیں رہتا۔ یاد رہے کہ ایک روایت میں عمران بن طلحہ کا یہ لفظ: ''قَاتَلْتَ'' ہی منقول ہے جیسا کہ امام ابوبکر بن عبداللہ الدوادری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

دخل ولد طلحة علی علیؑ کرّم اللہ وجهه، فرحّب به علیؑ علیه السلام فقال: اترحّب بی یاامیر المؤمنین، وقد قاتلتَ ابی، واخذت ماله؟ فقال: امّا مالک فهو معزول فی بیت المال، فاذهب فخذه، وامّا قتالی اباک فإنّی ارجو ان اکون انا وابوک ممّن قال اللہ عزّ وجلّ فیهم: وَنَزَعْنا مافِی صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ الآیة، وکان الذی قبض من طلحة ارضا له فردّها علیؑ رضی اللہ عنہ وردّ غلّتها للسنین الماضیة۔

(حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس آیا، تو آپ نے اسے خوش آمدید کہا۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین! کیا آپ مجھے خوش آمدید کہہ رہے ہیں حالانکہ آپ نے میرے باپ سے جنگ کی اور ان کا مال چھین لیا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جہاں تک تمہارے مال کا تعلق ہے، تو وہ بیت المال میں الگ محفوظ رکھا ہے، جا اور اسے لے لو۔ اور جہاں تک میرا تمہارے باپ سے جنگ کرنے کا معاملہ ہے، تو مجھے امید ہے کہ میں اور تمہارے والد ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ زوجل نے فرمایا: اور ہم نے ان کے سینوں میں جو کینہ تھا اسے نکال دیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے جو چیز قبضے میں لی گئی تھی وہ ان کی ایک زمین تھی، سو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ زمین بھی واپس کر دی اور گزشتہ سالوں کی اس کی آمدنی بھی لوٹا دی) (کنز الدرر وجامع الغرر: ۳ص ۳۳۳)

اگر کوئی کنز الدرر کی اس روایت کو قبول نہیں کرتا اور اُسے مذکورہ تعلیق سے بھی اتفاق نہیں تو اُس کی مرضی۔

مگر اپنے خلجان اور اپنی ضد کے باعث اُن متعدد صحیح روایات پر خاک ڈالنے کی گنجائش نہیں نکل سکتی جن میں بعض صحابہ اور بعض تابعین نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے بچشمِ خود مروان کو یہ جرم کرتے دیکھا تھا کیوں کہ ان روایات کا درجہ ''خبرِ مشہور'' کا ہے اور وہ اپنے مفہوم میں صریح اور بالکل واضح ہیں۔ جبکہ ابان بن عبداللہ کی روایت خبرِ واحد، سنداً نسبتاً ضعیف، اپنے مفہوم میں غیر صریح اور مؤوّل

ہے۔ تعارض کے وقت صحیح وصریح کو مؤوّل پر ترجیح ہوتی ہے، اسی طرح خبرِ واحد اور خبرِ مشہور میں تعارض کے وقت بلاشبہ خبرِ مشہور ثابت اور خبرِ واحد ساقط ہوجاتی ہے یا اُس کی خبرِ مشہور کے مطابق تاویل لازم ہوتی ہے۔

الغرض تمام علمی قواعد کے مطابق مروان کے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی روایات ثابت جبکہ اس کے خلاف جانے والی روایات کئی وجوہ سے ناقابلِ استدلال ٹھہرتی ہیں۔

☆☆☆

فصل دوئم

مروان کا دوسرا جرم

فدک کو غصب کرکے اولاد کی ملکیت میں دے دینا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انتظامی طور پر ''فدک'' کو مروان کی تحویل میں دیا تھا مگر اس نے خلفائے راشدین کی سنت کے برخلاف اسے ذاتی جاگیر بنالیا اور اسی لیے بعد میں اپنی اولاد میں تقسیم کردیا۔ یہ بھی اس کا ایک بڑا جرم تھا۔

فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں:

تفصیل یہ ہے کہ فدک خیبر کے قریب ایک زرعی زمین تھی جس کی آمدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو ہاشم کے ضرورت مندوں اور مسلمانوں کی اہم ضروریات میں خرچ فرماتے تھے۔

کما قال عمر رضی اللہ عنہ: هما صدقة رسولِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم، كانتا لِحقوقِهِ التي تعروه ونوائِبِه، وأمرهما إلى من ولي الأمر۔ (صحیح بخاری، ح: ۳۰۹۳، کتاب فرض الخمس) وقال عمر بن عبدالعزیز: ان رسول اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم: كانت له فدك، فكان ينفق منها ويعود منها على صغيرِ بني هاشم، ويزوج منها أيمهم۔ (سنن ابی داؤد، ح: ۲۹۷۲، باب فی صفایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

اسی ضمن میں بقدرِ ضرورت اپنے اہلِ بیت پر بھی خرچ فرماتے تھے۔

کما قال ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ: انما یأکل آل محمد ﷺ فی هذا المالِ۔ (صحیح البخاری، ح: ۴۲۴۰، باب غزوۃ خیبر)

بنونضیر کے باغات کا معاملہ الگ ہے:

مدینہ منورہ کی بعض اراضی مثلاً باغاتِ بنونضیر سے بھی اہلِ بیت کو آمدن ملتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان اراضی کی تولیت حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو سونپ دی تھی۔ انہیں دورِ خلفائے راشدہ میں یا اس کے بعد کبھی حکومتی تحویل میں نہیں لیا گیا بلکہ وہ برابر اہلِ بیت کے پاس رہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

فأما صدقته بالمدینة فدفعها عمر إلی علیٍ و عباس۔

(رہی رسول اللہ ﷺ کی وہ اراضیٔ صدقات جو مدینہ میں تھیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو سونپ دی تھیں)

(صحیح البخاری، ح ۳۱۵۱؛ سنن ابی داؤد، ح: ۲۹۶۴)

لہٰذا اُس مسئلے کو یہاں خلط ملط نہ کیا جائے۔

فدک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں:

حضور اقدس ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بطور سربراہِ مملکت اس کی تولیت سنبھال لی تاہم اس کی آمدن کو اہلِ بیت پر خرچ کرنا بند نہ فرمایا۔ انہوں نے کہا:

انما یأکل آل محمد ﷺ فی هذا المالِ، وإنی واللہ لا أُغیر شیئاً من صدقةِ رسولِ اللہ ﷺ عن حالِها التی کان علیها فی عهد رسولِ اللہ ﷺ، ولأعملنَ فیها بما عمِل به رسول اللہ ﷺ۔

(بس آلِ محمد ﷺ اس مال میں سے کھاتے رہیں گے، اور اللہ کی قسم! میں رسول اللہ ﷺ کے صدقہ یعنی مالِ فدک وغیرہ میں سے کسی چیز کو اس حال سے نہیں

بدلوں گا جس پر وہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں تھا، میں اس میں یقیناً وہی عمل کروں گا جو رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے) (صحیح البخاری، ح: ۴۲۴۰، باب غزوۃ خیبر)

ترمذی کی روایت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے الفاظ یوں منقول ہیں:

سمعتُ رسول اللہ ﷺ یقول: لانورَث، ولکنی أعول من کان رسول اللہ ﷺ یعوله، وأنفِق علی من کان رسول اللہ ﷺ ینفِق علیه۔

(میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا (یعنی ہم انبیاء جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ وراثت میں تقسیم نہیں ہوتا)، لیکن جن اہلِ خانہ کی کفالت رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے، میں بھی ان کی کفالت کروں گا، اور جن پر رسول اللہ ﷺ خرچ فرمایا کرتے تھے، میں بھی ان پر خرچ کرتا رہوں گا۔ یعنی اہلِ بیت کی کفالت جاری رہے گی)

(سنن الترمذی، ح: ۱۶۰۸، باب ماجاء فی ترکۃ رسول اللہ ﷺ)

امام ابو ہلال العسکری رحمہ اللہ (م ۳۹۵ھ) اپنی سند سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سیّدہ فاطمہ سے فدک کے موضوع پر گفتگو کا آخری حصہ یوں نقل کرتے ہیں:

فَلَکِ عَلیٰ اَنْ اَصْنَعَ فِیهَا صَنِیْعُ أبیکِ علیه الصلاۃ والسلام فانه یدفع الیهم مایکفیهم، ویقسم الباقی،

(آپ کے ساتھ یہ وعدہ ہے کہ میں اس جائداد میں آپ کے والد ﷺ کے طریقے پر ہی چلوں گا کہ آپ ﷺ اہلِ بیت پر اتنا خرچ فرماتے جو انہیں کافی ہوتا اور باقی کو تقسیم فرما دیتے) (الاوائل للعسکری: ۱ص ۲۵۸)

فدک حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے دور میں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی ترتیب کو جاری رکھا۔ صحیح بخاری میں ہے:

وأما خیبر، وفدک فأمسکها عمر وقال: هما صدقة رسولِ اللہ ﷺ، کانتا لِحقوقِهِ التی تعروه ونوائبِه، وأمرهما إلی من ولی الأمر۔

(اور جہاں تک خیبر اور فدک کا تعلق ہے، تو انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

اپنے پاس ہی روکا یعنی ریاست کی نگرانی میں رکھا اور فرمایا: یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے صدقات ہیں، یہ آپ ﷺ کے ان حقوق اور ضرورتوں کے لیے تھے جو آپ ﷺ کو پیش آتی تھیں اور پیش آمدہ حوادث و مصائب کے لیے تھے، اور ان دونوں کا معاملہ اب اسی کے ہاتھ میں ہوگا جو ولی امر یعنی وقت کا حکمران بنے گا)

(صحیح بخاری، ح: ۳۰۹۳، کتاب فرض الخمس)

حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے دور میں بھی فدک کی حیثیت اور اس کے مصارف وہی رہے۔ ابن سعد رحمہ اللہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا بیان نقل کرتے ہیں:

ثُمَّ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ فَوَلِيَ أَبُو بَكْرٍ، فَسَلَكَ بِهَا مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَفْعَلُ، ثُمَّ تُوُفِّيَ أَبُو بَكْرٍ وَوَلِيَ عُمَرُ، فَسَلَكَ بِهَا مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَفْعَلُ، ثُمَّ كَانَ عُثْمَانُ فَمِثْلُ ذَلِكَ۔

(پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے، تو انہوں نے فدک کے معاملے میں وہی طریقہ اختیار کیا جو رسول اللہ ﷺ کرتے تھے۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اور عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے، تو انہوں نے بھی وہی طریقہ اپنایا جو رسول اللہ ﷺ کا تھا۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو انہوں نے بھی ویسا ہی کیا)

امام بلاذری رحمہ اللہ اپنی سند سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا یہی بیان اس طرح روایت کرتے ہیں:

"ثُمَّ ولي أبو بكر وعمر وعثمان وعلي رضي الله عنهم فوضعوا ذلك بحيث وضعه رسول الله ﷺ"

(پھر ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم حکمران بنے، تو انہوں نے بھی اسے وہیں خرچ کیا جہاں رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا) (فتوح البلدان: ۱/ص ۴۱، ۴۲)

امام ابوہلال عسکری رحمہ اللہ (م ۳۹۵ھ) اپنی سند سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے طریقے کا ذکر کر کے فرماتے ہیں:

وکذلک فعل عمر وعثمان وعلی۔

(حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی فدک کا معاملہ اسی طرح رہا) (الاوائل للعسکری:۱ص۲۵۸)

خلفائے راشدین کے دور میں فدک کا انتظام سنت طریقے پر تھا:

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ اس مسئلے سے متعلقہ بہت سی روایات کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ يَصْنَعُونَ صَنِيعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ وَفَاتِهِ۔

''رسول اللہ ﷺ نے فدک کے ساتھ آخر تک یہی معاملہ کیا اور آپ ﷺ کی رحلت کے بعد حضرات ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم آپ کے اسی طریقے پر عمل پیرا رہے۔'' (الکامل فی التاریخ:۲ص۱۰۳)

تنبیہ: مذکورہ روایات میں بعض کی سند کا ضعف مضر نہیں کیوں کہ تعدد طرق اور متابعت سے ضعف دور ہو جاتا ہے۔

فدک مروان کی تولیت میں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مروان مدینہ کا حاکم بنا۔ اس کی درخواست پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اجتہاد سے کام لے کر فدک بطور انتظام اس کی تحویل میں دے دیا۔ ابن سعد رحمہ اللہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا بیان یوں نقل کرتے ہیں:

''فَلَمَّا كَانَتِ الْجَمَاعَةُ عَلَى مُعَاوِيَةَ سَنَةَ أَرْبَعِينَ وَلَّى مُعَاوِيَةُ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ الْمَدِينَةَ، فَكَتَبَ إِلَى مُعَاوِيَةَ يَطْلُبُ إِلَيْهِ فَدَكَ، فَأَعْطَاهُ إِيَّاهَا۔

(پھر جب سنہ چالیس ہجری میں اُمت کی جماعت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہوئی، تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان بن حکم کو مدینہ کا والی مقرر کیا۔ مروان نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر فدک کا مطالبہ کیا، تو انہوں نے اسے وہ دے دیا)

☆امام ابوبکر بن خلاد رحمہ اللہ (م ۳۵۹ھ) اپنی سند سے عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ بیان مختصراً یوں ذکر کرتے ہیں: "فَوَلَّوْهَا بَنُو أُمَيَّةَ، حَتَّى صَارَتْ لِمَرْوَانَ۔"

(پس بنو اُمیہ فدک کے متولی ہوئے یہاں تک کہ یہ اراضی مروان کی ہوگئی) (فوائد ابی بکر بن خلاد النصیبی، م ۳۵۹ھ، ح: ۲۲۱، مخطوط، المکتبۃ الشاملۃ)

☆امام عسکری رحمہ اللہ (م ۳۹۵ھ) اپنی سند سے نقل کرتے ہیں:

فلما ولی معاویۃ وذلک بعد الحسن، تداولوھا حتی ولی مروان۔

(حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی فدک کا معاملہ اسی طرح رہا۔ پھر جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو بنو اُمیہ فدک کو آپس میں لینے دینے لگے یہاں تک کہ مروان اس کا متولی ہوگیا) (الاوائل للعسکری: ۱ص ۲۵۸)

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَلَمَّا وَلِيَ مُعَاوِيَةُ الْخِلَافَةَ أَقْطَعَهَا مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ۔

"جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو فدک کو مروان کے سپرد کردیا۔" (الکامل فی التاریخ: ۲ص ۱۰۳)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا فدک کو مروان سے واپس لینا:

کچھ مدت بعد حضرت معاویہؓ مروان سے ناراض ہوگئے جس کے باعث مروان کو خطرہ محسوس ہوتا رہا کہ فدک بھی اس سے چھن جائے گا۔ امام طبریؒ لکھتے ہیں:

وحج بالناس فی ھذہ السنۃ مروان بن الحکم فی قول عامۃ أھل السیر، وھو یتوقع العزل لموجدۃ کانت من معاویۃ علیہ، وارتجاعہ منہ فدک۔

(عام مؤرخین کے مطابق اس سال مروان بن حکم کی امارت میں حج ہوا۔ مروان اپنے اوپر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عتاب کے باعث اپنی معزولی اور اپنے سے فدک کے واپس لیے جانے کا خدشہ محسوس کررہا تھا۔)

(تاریخ الطبری: ۵ص ۲۳۱؛ المنتظم: ۶ص ۲۳۳)

کچھ عرصے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم جاری کر کے مروان سے فدک واپس لے لیا۔ امام طبری لکھتے ہیں:

أن معاوية كتب إلى سعيد بن العاص يأمره بقبض أموال مروان كلها فيجعلها صافية، ويقبض فدك منه، وكان وهبها له۔

(حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر حکم دیا کہ مروان کے تمام اموال پر قبضہ کر لے اور انہیں مرکز کے لیے الگ کر دے اور فدک اس سے چھین لے، جب کہ اس سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فدک اُسے دے چکے تھے) (تاریخ الطبری: ۵ ص ۲۹۳، ۲۹۴)

علامہ قلقشندی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان سے فدک واپس لے لیا تھا۔

وكان معاوية بن أبي سفيان قد وهبها لمروان بن الحكم، ثم ارتجعها منه لموجدة وجدها عليه۔

(حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے مروان بن حکم کو فدک عطا کیا، پھر ایک ناراضی کے باعث جو انہیں مروان سے ہو گئی تھی، اُس سے فدک واپس لے لیا) (صبح الاعشیٰ: ۴ ص ۲۹۵)

فدک دوبارہ مروان کے پاس:

تاہم آخر میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب دوبارہ مروان کو مدینہ کا امیر مقرر کیا تو فدک بھی دوبارہ اُسی کی ذمہ داری میں دے دیا۔ ابن سعد رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

فلما ولي معاوية مروان المدينة المرة الآخرة ردها عليه بغير طلب من مروان ورد عليه غلتها فيما مضى، فكانت بيد مروان۔

(پھر جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان کو دوبارہ مدینہ کا امیر مقرر کیا، تو مروان کے مانگے بغیر ہی اسے فدک کی اراضی واپس کر دی اور گزشتہ زمانے کی اس

کی آمدنی بھی اسے لوٹا دی۔ چنانچہ وہ دوبارہ مروان کے قبضے میں آ گئی)

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ۳ ص ۳۸۸، ط دار صادر)

فدک کے باب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن درست نہیں:

فدک کے باب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن درست نہیں کیوں کہ وہ مجتہد تھے۔ انہوں نے فدک کو مروان کے حوالے کیا تھا تو اجتہاد سے کام لے کر اُسے ایک انتظامی ذمہ داری سونپی تھی۔ زمین اُس کی ملکیت میں نہیں دی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ درمیان میں اُس سے یہ اراضی واپس بھی لے لی تھی جو ملکیت میں نہ دینے کا واضح ثبوت ہے۔

مروان کا فدک کو ذاتی جائیداد کی طرح اولاد میں تقسیم کرنا:

بعد میں مروان نے فدک کو ذاتی جائیداد بنا کر اولاد میں تقسیم کر دیا۔ امام بلاذری رحمہ اللہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا بیان یوں نقل کرتے ہیں:

فوهبها مروان لأبي ولعبد الملک فصارت لي وللوليد وسليمان۔

(مروان نے اسے میرے والد عبدالعزیز اور عبدالملک کو ہبہ کر دیا۔ یوں وہ وراثت میں میرے، ولید اور سلیمان کے حصے میں آ گئی) (فتوح البلدان: ۱ ص ۴۱، ۴۲)

ابن سعد رحمہ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کے بعد کے حالات ذکر کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں:

فَكَانَتْ بِيَدِ مَرْوَانَ فَأَعْطَى عَبْدَ الْمَلِكِ نِصْفَهَا وَأَعْطَى عَبْدَ الْعَزِيزِ بْنَ مَرْوَانَ نِصْفَهَا، فَوَهَبَ عَبْدُ الْعَزِيزِ نِصْفَهَا الَّذِي كَانَ بِيَدِهِ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَبْلَ فَلَمَّا تُوُفِّيَ عَبْدُ الْمَلِكِ طَلَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى الْوَلِيدِ حَقَّهُ فَوَهَبَهُ لَهُ وَطَلَبَ إِلَى سُلَيْمَانَ حَقَّهُ فَوَهَبَهُ لَهُ، ثُمَّ بَقِيَ مِنْ أَعْيَانِ بَنِي عَبْدِ الْمَلِكِ حَتَّى خَلَصَتْ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ...:

(چنانچہ وہ مروان کے قبضے میں رہا، یہاں تک کہ مروان نے اس کا آدھا

حصہ اپنے بیٹے عبدالملک کو اور آدھا حصہ عبدالعزیز بن مروان کو دے دیا۔ پھر عبدالعزیز نے اپنا آدھا حصہ اپنے بیٹے عمر بن عبدالعزیز کو ہبہ کر دیا۔ عبدالملک نے وفات پائی، تو عمر بن عبدالعزیز نے عبدالملک کے بیٹے ولید سے اپنا حق مانگا تو اس نے وہ انہیں دے دیا، اور سلیمان سے اپنا حق مانگا تو اس نے بھی وہ انہیں دے دیا، تاہم کچھ حصہ بنو عبدالملک کے عمائد کے پاس رہا مگر آخرکار تمام اراضی عمر بن عبدالعزیز کے پاس آگئی) (الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ۳ ص ۳۸۸، ط دار صادر)

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَوَهَبَهَا مَرْوَانُ ابْنَيْهِ عَبْدَ الْمَلِكِ وَعَبْدَ الْعَزِيزِ، ثُمَّ صَارَتْ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ۔ (پھر مروان نے فدک کی زمین اپنے بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو ہبہ کردی۔ پھر یہ جائداد عمر بن عبدالعزیز کی ہوگئی) (الکامل فی التاریخ: ۲ ص ۱۰۳)

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا فدک کو اپنے محل پر لوٹانا:

آخر کار تقریباً تین عشروں بعد جب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلیفہ بنے تو انہوں نے فدک کے مسئلے پر علماء سے تحقیق کرائی اور اس کے بعد اسے خلفائے راشدین کی سنت پر لوٹا دیا۔ ابن سعد رحمہ اللہ نقل عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا بیان یوں نقل کرتے ہیں:

قال جعفر: فلقد ولي عمر بن عبد العزيز الخلافة وما يقوم به وبعياله إلا هي تغل عشرة آلاف دينار في كل سنة وأقل قليلا وأكثر، فلما ولي الخلافة سئل عن فدك وفحص عنها فأخبر بما كان من أمرها في عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وعمر، وعثمان حتى كان معاوية، قال: فكَتَبَ عُمَرُ إِلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ كِتَابًا فِيهِ: بِسْمِ اللهِ الرحمنِ الرحِيمِ: مِن عبدِ اللهِ عمر أمير المؤمنين إلى أبي بكرِ بنِ محمد، سلام عليك۔ فإني أحمد إلى الله الذي لا إله إلا هو۔ أما بعد، فَإِنِّي نَظَرْتُ فِي أَمْرِ فَدَكَ، وَفَحَصْتُ عَنْهُ، فَإِذَا هُوَ لَا يَصْلُحُ لِي، وَرَأَيْتُ أَنْ أَرُدَّهَا عَلَى مَا كَانَتْ عَلَيْهِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ،

وَعُثْمَانَ وَأَتْرُكَ مَا حَدَثَ بَعْدَهُمْ، فَإِذَا جاءَ كِتابِي هذا فاقبضها وولِّها رجلا يقوم فِيها بالحقِ۔ والسلام عليك۔"

(جعفر کہتے ہیں: جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے، تو (تب تک) ان کا اور ان کے عیال کا گزارہ صرف اسی فدک سے ہوتا تھا جس سے ہر سال کم وبیش دس ہزار دینار آمدنی ہوتی تھی۔ مگر جب وہ خلافت کے منصب پر بیٹھے تو فدک کے بارے میں دریافت کیا اور اس کی تحقیق کی، تو انہیں بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے دور میں اس کا کیا معاملہ رہا، یہاں تک کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور آیا۔ راوی کہتے ہیں: پھر عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو ایک خط لکھا جس میں درج تھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے بندے، امیر المؤمنین عمر کی طرف سے ابوبکر بن محمد کے نام۔ تم پر سلام ہو، میں تمہارے سامنے اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ امابعد! میں نے فدک کے معاملے میں غور وفکر کیا اور اس کی تحقیق کی، تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ میرے لیے حلال نہیں ہے۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ اسے اسی حالت پر لوٹا دوں جس پر وہ رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد میں تھا، اور ان کے بعد جو کچھ تبدیلی ہوئی اسے چھوڑ دوں۔ جب میرا یہ خط تمہیں ملے تو اس کا قبضہ لے لو اور کسی ایسے شخص کو اس کا نگران بنا جو اس میں حق کے ساتھ کام کرے، والسلام!) (الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ۳ ص ۳۸۸، ۳۸۹، ط دار صادر)

امام بلاذری رحمہ اللہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا بیان نقل کرتے ہیں:

" فلما ولي الوليد سئلته حصته منها فوهبها لي ،وسئلت سليمان حصته منها فوهبها لي، فاستجمعتها ،وما كان لي من مال أحب الي منها، فاشهدوا أني قد رددتها إلى ما كانت عليه۔"

(جب ولید خلیفہ بنا تو میں نے اس سے اس کا حصہ مانگا، اس نے مجھے دے دیا، پھر سلیمان سے اس کا حصہ مانگا تو اس نے بھی مجھے ہبہ کر دیا۔ اس طرح وہ پوری میرے پاس جمع ہو گئی، اور میرے پاس میرے مال میں سے اس سے زیادہ

پسندیدہ کوئی چیز نہیں تھی۔ پس تم گواہ رہو کہ میں نے اسے اسی حال پر لوٹا دیا ہے جس پر وہ پہلے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھی) (فتوح البلدان: ۱ص ۴۱، ۴۲)

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں:

فَجَعَلَ مَرْوَانُ ثُلُثَيْهَا لِعَبْدِ الْمَلِكِ وَثُلُثَهَا لِعَبْدِ الْعَزِيزِ فَجَعَلَ عَبْدُ الْمَلِكِ ثُلُثَيْهِ ثُلُثًا لِلْوَلِيدِ وَثُلُثًا لِسُلَيْمَانَ، وَجَعَلَ عَبْدُ الْعَزِيزِ ثُلُثَهُ لِي فَلَمَّا وَلِيَ الْوَلِيدُ جَعَلَ ثُلُثَهُ لِي فَلَمْ يَكُنْ لِي مَالٌ أَعْوَدُ عَلَيَّ مِنْهُ وَلَا أَسَدُّ لِحَاجَاتِي ثُمَّ وَلِيتُ أَنَا فَرَأَيْتُ أَنَّ أَمْرًا مَنَعَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَاطِمَةَ ابْنَتَهُ أَنَّهُ لَيْسَ لِي بِحَقٍّ...“

(پس مروان نے اس جائیداد کے دو تہائی حصے عبدالملک کے لیے اور ایک تہائی عبدالعزیز کے لیے مقرر کر دیا۔ پھر عبدالملک نے اپنے حصے کے دو تہائی میں سے ایک تہائی ولید کے لیے اور ایک تہائی سلیمان کے لیے کر دیے۔ اور عبدالعزیز نے اپنا ایک تہائی حصہ میرے لیے کر دیا۔ پھر جب ولید خلیفہ بنا تو اس نے بھی اپنا ایک تہائی حصہ مجھے دے دیا۔ چنانچہ میرے پاس اس سے زیادہ نفع دینے والا اور میری ضرورتوں کو پورا کرنے والا کوئی مال نہ تھا۔ پھر جب میں خلیفہ بنا، تو میں نے سوچا کہ جس چیز سے نبی کریم ﷺ نے اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو منع فرما دیا تھا، اس پر میرا کوئی حق نہیں ہے۔ اور میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے اسی حالت پر لوٹا دیا ہے جس پر وہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں تھی) (التمہید: ۸ص ۱۷۰)

امام ابوبکر بن خلاد رحمہ اللہ (م ۳۵۹ھ) اپنی سند سے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا یہی بیان روایت کرتے ہیں:

”حَتَّى صَارَتْ لِمَرْوَانَ، فَوَهَبَهَا مَرْوَانُ لِأَبِي عَبْدِ الْعَزِيزِ، فَوَرِثْتُهَا أَنَا وَإِخْوَتِي، فَسَأَلْتُهُمْ أَنْ يَهَبُوا لِي حِصَصَهُمْ، فَمِنْهُمْ مَنْ بَاعَنِي، وَمِنْهُمْ مَنْ وَهَبَ لِي حَتَّى اسْتَخْلَصْتُهَا، فَرَأَيْتُ أَنْ أَرُدَّهَا عَلَى وَلَدِ فَاطِمَةَ۔

(حتیٰ کہ وہ جائیداد مروان کے پاس پہنچی، تو مروان نے وہ میرے والد عبدالعزیز کو ہبہ کر دی۔ پھر میں اور میرے بھائی اس کے وارث بنے، تو میں نے ان

سے درخواست کی کہ وہ اپنے حصے مجھے ہبہ کر دیں۔ چنانچہ ان میں سے کسی نے اپنا حصہ مجھے بیچ دیا اور کسی نے مجھے ہبہ کر دیا، یہاں تک کہ وہ پوری جائیداد خالصتاً میری ملکیت میں آ گئی۔ پھر میں نے یہ مناسب سمجھا کہ اسے اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو واپس لوٹا دوں)

(فوائد ابی بکر بن خلاد النصیبی، م ۳۵۹ھ، ح: ۲۲۱، مخطوط، المکتبۃ الشاملۃ)

امام عسکری رحمہ اللہ (م ۳۹۵ھ) اپنی سند سے بیان کرتے ہیں:

حتی ولی مروان، فوهبها لعبد العزیز بن مروان، فتخلصها عمر ابنه فی حیاة أبیه، فلما ولی کانت أول مظلمة ردها علی بنی علی علیه السلام۔

(یہاں تک کہ جب مروان حکمران بنا تو اس نے یہ جائیداد عبدالعزیز بن مروان کو ہبہ کر دی۔ پھر ان کے بیٹے عمر نے اپنے والد کی زندگی ہی میں اسے دیگر ورثاء سے خالص اپنے لیے حاصل کر لیا تھا۔ چنانچہ جب وہ خلیفہ بنے، تو یہ پہلا غصب شدہ حق تھا جسے انہوں نے آلِ علی علیہ السلام کو واپس لوٹایا) (الاوائل للعسکری: ۱ ص ۲۵۸)

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَلَمَّا وَلِیَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِیْزِ الْخِلَافَةَ خَطَبَ النَّاسَ، وَأَعْلَمَهُمْ أَمْرَ فِدک، وَأَنَّهُ قَدْ رَدَّهَا إِلَی مَا کَانَتْ عَلَیْهِ مع رسول اللہ ﷺ وأبی بکر وعمر وعثمان وعلی۔ فولیها اولاد فاطمة بنت رسول اللہ ﷺ۔

(پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلافت کے عہدے پر فائز ہوئے، تو انہوں نے لوگوں سے خطاب کیا اور انہیں فدک کے معاملے سے آگاہ کیا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ انہوں نے فدک کو اسی حالت پر لوٹا دیا ہے جس پر وہ رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے دور میں تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد اس کی متولی بن گئی) (الکامل فی التاریخ: ۲ ص ۱۰۳)

الغرض! مروان کا فدک کو جاگیر بنا کر اولاد میں بانٹنا ثابت ہو جاتا ہے۔

سنن ابی داؤد کی ایک روایت:

سنن ابی داؤد کی ایک حسن روایت بھی اسے ثابت کرتی ہے۔

حدثنا عبدالله بن الجراح، حدثنا جرير، عن المغيرة، قال: جمع عمر بن عبد العزيزِ بنى مروان حين استخلف، فقال: إن رسول اللهِ ﷺ: كانت له فدك، فكان ينفق منها ويعود منها على صغيرِ بنى هاشم، ويزوج منها أيمهم، وإنّ فاطمة سئلته أن يجعلها لها فأبى، فكانت ذلك فى حياةِ رسولِ اللهِ ﷺ حتى مضى لسبيلِه، فلما أنْ وُلِّىَ أبو بكر رضى الله عنه، عمِلَ فيها بما عمِلَ النّبىّ ﷺ فى حياتِه حتى مضى لسبيلِه، فلما أنْ وُلِّىَ عمرُ عمِلَ فيها بمثلِ ما عمِلا حتى مضى لسبيلِه، ثمّ أقطعها مروانَ۔ ثم صارت لعمر بنِ عبد العزيزِ... الخ۔

(عبداللہ بن الجراح نے ہمیں حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں، ہمیں جریر نے مغیرہ کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے کہا: عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جب خلیفہ بنے تو انہوں نے بنومروان کو جمع کیا اور فرمایا: بے شک رسول اللہ ﷺ کے پاس فدک تھا، آپ ﷺ اس کی آمدنی سے اپنی ضروریات پر خرچ فرماتے تھے اور اسی سے بنو ہاشم کے چھوٹے بچوں پر بھی خرچ کرتے اور ان کی بیواؤں کی شادی کرواتے تھے۔ اور یقیناً فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے سوال کیا تھا کہ آپ ﷺ وہ زمین ان کے نام کر دیں، لیکن آپ ﷺ نے انکار فرما دیا تھا۔ پس رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں معاملہ اسی طرح رہا یہاں تک کہ آپ ﷺ رخصت ہو گئے۔ پھر جب ابوبکر رضی اللہ عنہ حکمران بنے تو انہوں نے بھی اس میں وہی عمل کیا جو نبی کریم ﷺ اپنی زندگی میں کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ بھی رخصت ہو گئے۔ پھر جب عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے بھی ویسا ہی کیا جیسا ان دونوں نے کیا تھا، یہاں تک کہ وہ بھی رخصت ہو گئے۔ پھر بعد میں اسے مروان نے جاگیر بنالیا (یا اسے مروان کی جاگیر بنا دیا گیا) اور پھر آخر کار یہ عمر بن عبدالعزیز کے حصے میں آئی)

(سنن ابی داود، ح: ۲۹۷۲، باب فی صفایا رسول اللہ ﷺ)

اس روایت کو شیخ البانی مرحوم نے ضعیف قرار دیا ہے مگر یہ درست نہیں۔

اس کے آخری دو راوی یعنی جریر بن عبدالحمید اور مغیرہ بن مقسم صحیحین کے راوی ہیں جب کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے شیخ عبداللہ بن جراح بھی ثقہ ہیں۔

قَالَ النَّسَائی: ثقة، وذکرہ ابن حِبَّان فِی کتاب الثقات۔

(امام نسائی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں اور ابن حبان نے ان کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے) (تہذیب الکمال: ۱۴ ص ۳۶۲)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ (الکاشف، ت: ۲۶۶۲)

امام شمس الدین المقدسی الصالحی رحمہ اللہ (م ۷۶۳ھ) نے اسی بناء پر اس روایت کو ''حسن'' کہا ہے۔ (کتاب الفروع مع تصحیح الفروع: ۱۰ ص ۲۷۸، ط الرسالۃ)

اگر اس میں اِرسال مانا جائے تب بھی یہ روایت اصح مافی الباب تو بہر حال ہے۔ اسے رَد کرنا تب درست ہوگا جب یہ کسی شرعی اصول کے خلاف ہو یا اس کے خلاف کوئی اس سے مضبوط روایت پیش کی جائے۔

مروان کا جرم ثابت ہے:

الغرض! بہت سے حوالوں کے ساتھ یہ ثابت ہے کہ مروان نے فدک کو ملکیت بنا کر اولاد میں تقسیم کرنے کا جرم کیا۔ ایک مدت دراز بعد جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلیفہ بنے تو اسے اصل پر واپس لوٹا دیا اور اس میں اہل بیت کا وظیفہ جاری فرما دیا۔

روایت ابوداؤد سے حضرت عثمانؓ پر مروان کو فدک بخشنے کا اعتراض:

اعتراض: ابوداؤد کی مذکورہ روایت کو جو مشکوٰۃ میں بھی نقل کی گئی ہے، بعض قدیم شارحین نے اس طرح بیان کیا ہے کہ اس سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر الزام آتا ہے۔ انہوں نے یہاں ''اقطعها مروان'' میں فعل کو مجہول ''أُقْطِعَ'' پڑھا ہے یعنی مروان کو فدک بطور جاگیر دی گئی۔ اس کے بعد تشریح میں فرمایا ہے:

اِنما أُقْطِعَهَا مَروانُ فی أیام حیاۃ عثمان بن عفان۔

(بے شک مروان کو فدک کی اراضی بطور جاگیر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں دی گئی تھی) (معالم السنن للخطابی: ۳ص ۲۰)

نیز بعض علماء نے فعل کو معروف پڑھا ہے، یعنی ''ثُمَّ أَقْطَعَهَا مَرْوَانَ'' میں فعل کے اندر ''ھو'' ضمیر مستتر کو فاعل مان کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف راجع کیا ہے جبکہ ''مروان'' کو مفعول سمجھ کر منصوب قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فدک کو مروان کی جاگیر بنا دیا تھا۔ دونوں صورتوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مروان کو فدک بخشنے کا اعتراض بنتا ہے۔ خصوصاً شیعہ اسے لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر معترض ہوتے ہیں۔ جواب کیا ہے؟

{تحقیق}

ابوداؤد شریف کی اس روایت میں ''اَقطع'' کا فاعل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہرگز نہیں۔ جن علماء نے ایسا سمجھا، انہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ انہوں نے محض قیاس سے کام لے کر یہ سمجھ لیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور تھا تو ''اقطع'' کا فاعل وہی ہوں گے۔ حالانکہ یہ قیاس غلط ہے۔ دیکھئے! اس سے قبل دورِ صدیقی اور دورِ فاروقی میں ''فَلَمَا'' (جب) مذکور ہوا تھا۔ جبکہ یہاں لفظ ''ثُمَّ'' ہے جو تراخی (تاخیر) کے لیے آتا ہے۔ ''ثُمَّ'' سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ایک وقفے یعنی طویل زمانے کے بعد اگلی بات پیش آئی۔ ایک بار پھر غور فرمائیے کہ اس روایت میں آگے پیچھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کوئی ذکر ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس لیے أَقْطَعَ میں ضمیر مستتر کو اُن کی طرف راجع کرنا بے دلیل ہے۔ اس طرح انہیں فاعل ماننے سے ضمیر کا بلا مرجع یا معہود فی الذہن ہونا لازم آئے گا جو نحوی لحاظ سے غلط یا غیر راجح شکل ہے۔ درحقیقت ''أَقْطَعَهَا مَرْوَان'' میں فاعل مروان ہی ہے جو اسم ظاہر ہے، اس کو بطور فاعل، مرفوع پڑھنا چاہیے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا: ''پھر مروان نے اس زمین کو جاگیر بنالیا۔'' (یعنی اپنی جاگیر بنالیا)

نیز اگر فعل کو مجہول کر کے ''أُقطِعها'' (مروان کو جاگیر دے دی گئی)

پڑھا جائے تب بھی مذکورہ اعتراض ثابت نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ تاریخی طور پر ایسا کوئی معتبر حوالہ موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مروان کو یہ جاگیر دی تھی۔ ثابت شدہ بات وہی ہے جو ہم نقل کر چکے ہیں۔ چنانچہ دورِ حاضر کے عظیم محقق دکتور اکرم ضیاء العمری فرماتے ہیں:

و أما إقطاعه فدک لمروان بن الحکم فلم یعرف من طریق صحیحة۔

(رہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مروان کو فدک بطور جاگیر عطا کرنا تو یہ بات کسی معتبر سند سے مذکور نہیں) (عصر الخلافۃ الراشدۃ: ص ۲۴۵)

عہدِ حاضر کے نامور مؤرخ دکتور علی محمد الصلابی نے بھی یہی فرمایا ہے۔

(تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ عثمان بن عفان: ص ۱۲۹)

مروان محض اراضیٔ فدک کا منتظم نہ تھا:

بعض حضرات مروان کا دفاع کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جیسے دیگر خلفاء نے بطور حکمران فدک کا نظم ونسق سنبھال لیا تھا، مروان نے بھی یہی کیا تھا۔

اس توجیہہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور تک تو تسلیم کرنا چاہیے کہ انہوں نے مروان کو محض منتظم بنایا تھا اور اسی لیے ایک بار اس سے فدک کا انتظام واپس بھی لے لیا تھا، مگر بعد میں مروان نے اس زمین پر غاصبانہ قبضہ کرلیا تھا اور خود کو زمین کا مالک بنالیا تھا۔ اگر مروان ہمیشہ زمین کا منتظم ہی رہا ہوتا تو پھر اسے اپنے بچوں میں تقسیم کرنے کا کیا مطلب؟ پھر ابوداؤد شریف، طبقات ابن سعد اور متعدد قدیم حدیثی، فقہی اور تاریخی مآخذ میں مذکور ان روایات کا بھی کوئی معنیٰ نہیں رہتا جس کے مطابق حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فدک کو سنتِ خلفائے راشدین پر لوٹانے کا اعلان کیا تھا۔ پھر ہمیں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی اس اصلاح کو کالعدم ماننا پڑے گا، جسے پوری دنیا کے علماء آج تک سراہتے آرہے ہیں۔

مروان کا فدک کو ملکیت میں لینا اور اولاد میں تقسیم کرنا اجتہاد نہ تھا:

اگر کوئی یہ کہے کہ فدک کی اراضی کو ملکیت میں لینا اور اولاد میں تقسیم کرنا

مروان کا اجتہاد تھا، اس لیے یہ عمل قابلِ اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

تو ہم عرض کریں گے کہ یہ ہرگز اجتہاد نہ تھا کیوں کہ اس کے حق میں کوئی شرعی دلیل موجود نہیں تھی۔ اگر کوئی دلیل ہوتی تو خلفائے راشدین سے زیادہ بڑا عالم کون تھا؟ ان میں سے کوئی ایک تو اس کی گنجائش سمجھ لیتا؟ جس چیز پر خلفائے راشدین کا اجماع ہو، اور باقی تمام صحابہ کا سکوت اس سے اتفاق کی علامت ہو اور کسی ایک صحابی سے بھی اس کی مخالفت ثابت نہ ہو، تو کسی غیر صحابی کا اس کے خلاف عمل، اجتہاد نہیں، محض ہوائے نفس کہلائے گا، خصوصاً اس صورت میں جب کہ اس ''نام نہاد اجتہاد'' کا تمام نفع اسی ''مجتہد'' کی اولاد کو ہو رہا ہو۔

نیز اگر یہ اجتہاد ہوتا تو خود مروان کے پوتے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو اس کی گنجائش سمجھ آجاتی، وہ اپنے دادا کی تاویل قبول کر لیتے اور فدک کو بنو مروان کے ہاتھوں سے نکال کر خلفائے راشدین کی سنت پر لوٹانے کے لیے اتنا اصرار نہ فرماتے۔

☆☆☆

فصل سوئم

مروان کا تیسرا جرم

شرعی خلیفہ کے خلاف بغاوت کرنا اور اُمت میں فساد پھیلانا

مروان میں حُبِ جاہ اور ہوسِ اقتدار کا مرض کب پنپنا شروع ہوا؟ یہ اللہ بہتر جانتا ہے مگر یہ ثابت ہے کہ اس کا کچھ نہ کچھ اظہار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہو چکا تھا۔ یہ مروان کی ادھیڑ عمری کا زمانہ تھا۔ اس زمانے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان کو پہلی بار ۴۲ھ میں مدینہ کا امیر بنایا اور ربیع الاوّل ۴۹ھ میں معزول کر دیا۔ ۵۴ھ میں اُسے دوبارہ مدینہ کا امیر بنایا اور ذوالقعدہ ۵۷ھ میں اُسے پھر معزول کر دیا۔ (تاریخ الطبری: سنہ ۴۲ھ، ۴۹ھ؛ تاریخ الطبری: سنہ ۵۴ھ، ۵۷ھ)

دراصل شروع میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مروان کی ہوسِ اقتدار

کا اندازہ نہیں تھا مگر آخر میں انہیں خوب معلوم ہوگیا کہ یہ شخص خلافت کا لالچی ہے۔ چنانچہ اس کے بارے میں فرمایا: رجل یرجو الخلافۃ من بعدی۔ ''یہ ایسا آدمی ہے جو میرے بعد خلیفہ بننے کی اُمید لگائے ہوئے ہے۔'' (مختصر تاریخ دمشق: ۱۶ ص ۴۰)

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آخر کار مروان کو تمام عہدوں سے ہٹا دیا تھا۔ غالباً مروان کی اس فطرت کا علم یزید کو بھی تھا، اس لیے اُس نے بھی اپنے دور میں مروان کو کوئی عہدہ نہیں دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جس بات کو بعد میں سمجھ لیا، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر پہلے سے عیاں تھی، اس لیے وہ مروان کی جوانی کے دور میں ہی اُسے دیکھ کر فرماتے تھے:

لَیَحْمِلَنَّ رَایَۃَ ضَلَالَۃٍ بَعْدَ مَا یَشِیبُ صُدْغَاہُ، وَلَہُ إِمْرَۃٌ کَلَحْسَۃِ الْکَلْبِ أَنْفَہ

''جب اس کی کنپٹیاں سفید ہوں گی تو یہ گمراہی کا جھنڈا اُٹھالے گا اور اسے اتنی دیر کی حکومت ملے گی جیسے کتا اپنی ناک چاٹ لیتا ہے۔''

(طبقات ابن سعد: ۵ ص ۴۳، ط صادر)

یہ پیش گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ مروان نے بڑھاپے میں جا کر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شرعی خلافت کے مقابلے میں بغاوت کی جس کے باعث کئی سالوں تک مسلمانوں کے درمیان خونریزی ہوتی رہی، تاہم مروان اس بغاوت کے بعد فقط آٹھ ماہ تختِ اقتدار پر رہا اور پھر اچانک قتل ہوگیا۔

یاد رہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت رجب ۶۴ھ میں مکمل ہوگئی تھی اور عالمِ اسلام کے تمام صوبوں میں ان کے نائبین نے انتظام سنبھال لیا تھا اور ان کی موجودگی میں کسی اور کا خلافت کا دعویٰ بالکل باطل تھا۔ افسوس کہ مروان نے اس کے چار ماہ بعد جابیہ کا اجتماع منعقد کر کے اپنی بیعت کی طرف دعوت دینا شروع کر دی۔

(تاریخ الطبری، المنتظم لابن الجوزی، الکامل فی التاریخ، البدایۃ والنہایۃ، سنہ ۶۴ھ، ۶۵ھ)

مروان کی تحریک قبائلی تعصب کی بناء پر تھی:

عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف اس باغیانہ تحریک کو ''بغاوت اجتہادی'' کہنا محض ایک تکلف ہوگا، کیوں کہ یہاں کوئی دینی مقصد یا شرعی تاویل کہیں نہیں دکھائی دیتی، جبکہ علاقائی وقبائلی تعصب اور ذاتی اغراض کا جذبہ واضح نظر آتا ہے جسے بعض مذہبی عنوانات سے ہوا دی جارہی تھی۔ جب معاویہ بن یزید کی وفات کے بعد اہل اردن کے سوا تمام اہل شام نے عبداللہ بن زبیرؓ سے بیعت کر لی تو سابق حکومت کے کچھ وفادار آپس میں کہنے لگے: ''حکومت تو ہم اہل شام کے پاس چلی آرہی تھی، یہ حجاز میں کیوں منتقل ہو گئی؟ ہم اسے کبھی قبول نہیں کریں گے۔'' (تاریخ دمشق: ۱۸/ ۲۴۸)

ان زعماء نے لوگوں میں متشددانہ رجحانات کو اُبھارا اور مذہبی حوالے سے نئے سوالات اٹھائے۔ یزید کے ماموں زاد حسان بن مالک نے اُردُن کے لوگوں میں تعصب کی آگ لگائی اور کہا: ''اگر یزید حق پر تھا تو آج بھی اسی کے پیروکار حق پر ہیں۔ اگر عبداللہ بن زبیر کل باطل پر تھا تو آج بھی وہ اہل باطل میں سے ہے۔''

(انساب الاشراف: ۶/ ۲۶۴، ط دار الفکر)

اُدھر مروان نے عبیداللہ بن زیاد کے مشورے سے سیاسی رشتہ داری کے طور پر یزید کی بیوہ اُمّ خالد سے شادی کر لی اور یوں قبائلی تعصب کی بنیاد پر ایک بڑا مجمع اپنے گرد اکھٹا کر لیا۔ یہ لوگ جن میں امرائے شام و بنو اُمیّہ کی خاصی تعداد شریک تھی، جابیہ کے مقام پر جمع ہوئے۔

(طبقات ابن سعد، متمم الصحابۃ، الطبقۃ الخامسۃ: ۲/ ۲۰۲ تا ۲۰۴؛ تاریخ الاسلام للذہبی: ۵/ ۱۳۵، ۱۳۶، ت تدمری؛ تاریخ خلیفۃ بن خیاط، ص ۲۶۰)

جابیہ کے اجتماع میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی مذمت اور مروان کے ''فضائل ومناقب'' پر تقاریر ہوئیں۔ رَوح بن زِنباع نے کھڑے ہو کر کہا:

جہاں تک مروان بن حکم کا تعلق ہے، اسلام میں کوئی رخنہ ایسا واقع نہیں ہوا، جسے جناب مروان نے پُر نہ کیا ہو۔ انہوں نے امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کے

گھر پر حملے والے دن ان کے دفاع میں لڑائی کی، انہوں نے جنگِ جمل میں علی بن ابو طالب سے لڑائی کی، یہی وہ ہستی ہیں جنہوں نے طلحہ کو قتل کر کے عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقام لیا۔ تو کیا ہم چھوٹے سے بیعت کر لیں اور بڑے کو چھوڑ دیں؟''

(انساب الاشراف: ۶/ ۲۶۷، ط دار الفکر)

حسان بن مالک نے اپنی تقریر میں کہا: ''مروان صاحب قریش کے بڑے اور عمر رسیدہ فرد ہیں۔ خلیفۂ مظلوم عثمان رضی اللہ عنہ کے چچا زاد ہیں۔ سب سے پہلے قصاصِ عثمان کا مطالبہ اٹھانے والے ہیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ کی میراث انہی کا حق ہے۔ یہ ابن زبیر سے کہیں بہتر ہیں، جو بے دین ہے، جس نے خلافت سے سرکشی کی، جس نے کھلم کھلا اللہ کی نافرمانی کی۔'' (انساب الاشراف: ۶/ ۲۶۰، ط دار الفکر)

جو حضرات مروان کو صحابی قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہتے ہیں، وہ ذرا غور فرمائیں! مروان کے ان مناقب کے فہرست میں اس کے صحبتِ نبویہ سے شرف یاب ہونے کا کوئی ذکر ہے؟ حالانکہ اگر وہ واقعی اس سعادت سے شرف یافتہ تھا تو اس کے مداح اس کا اشارۃً ہی ذکر کر دیتے مگر یہاں اس کے مناقب یہ بیان کیے جا رہے ہیں کہ اس نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی۔ پس اُس وقت کے مروانیوں کے ہاں بھی مروان صحابی نہیں تھا بلکہ اس کا شرف تحریکِ قصاص میں متحرک ہونا تھا۔ جا بیہ اجتماع کے مناظر یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ ۶۴ھ تک یزید کے حامی شامی گروہ میں ناصبیت کا رُجحان اتنا شدید ہو چکا تھا کہ ان کے ہاں مخالف صحابہ کو قتل کرنا بھی فضیلت کا کام سمجھا جاتا تھا۔ الغرض ان تقاریر کے بعد اسی اجتماع میں حاضرین کے اتفاقِ رائے سے مروان نے اپنی نام نہاد خلافت کا دعویٰ کر دیا۔ یہ ذوالقعدہ ۶۴ھ کا واقعہ ہے

(طبقات ابن سعد، متمم الصحابۃ، الطبقۃ الخامسۃ: ۲/ ۲۰۲ تا ۲۰۴؛ تاریخ الاسلام للذہبی: ۵/ ۱۳۵، ۱۳۶، ت تدمری؛ تاریخ خلیفۃ بن خیاط، ص ۲۶۰)

مروان کے ناجائز دعوائے خلافت نے حضرت مُعاویہ رضی اللہ عنہ کے پوتے

معاویہ بن یزید کی اس قربانی کو بے اثر کر دیا جو اس نے اقتدار کا معاملہ مسلم عوام کی رضا اور شورائیت پر منحصر کر کے پیش کی تھی۔ اس غلط قدم کی وجہ سے اُمت دوبارہ ایک نئی خانہ جنگی میں مبتلا ہو گئی جو نو سال تک رکنے میں نہ آئی۔ اس فساد کی سب سے زیادہ ذمہ داری مروان اور اُس کے چیلوں: روح بن زنباع، عبید اللہ بن زیاد اور حسان بن مالک پر ہی عائد ہوتی ہے جنھوں نے قبائلی اور علاقائی عصبیت کو ہوا دے کر مسلمانوں میں افتراق کی آگ دوبارہ بھڑکائی اور مسلمان ایک خلیفہ پر متفق ہونے کے بعد پھر بکھرنے لگے۔ خلافت کو کسی اور خاندان میں تسلیم کرنے سے انکار کر کے یہ لوگ ایک باغی گروہ کی شکل اختیار کر گئے۔

معرکۂ مَرْج راہِط:

آخر کار مروان لشکر لے کر مَرْج راہِط پہنچا جہاں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے نائب حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ لشکر سمیت موجود تھے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۳/ ۹۲ باسناد حسن متصل، ط مکتبۃ ابن تیمیۃ)

ذوالحجہ ۶۴ھ کے درمیان فریقین میں جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ بیس روز تک کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ تب عبید اللہ بن زیاد نے مروان کو کہا: ''یہ جنگ ہم دھوکے ہی سے جیت سکتے ہیں۔ انہیں صلح کی دعوت دو۔ جب وہ بے فکر ہو جائیں تو حملہ کر دو۔'' اس کے مشورے پر مروان نے حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ کو جنگ بندی اور مذاکرات کی دعوت دی۔ ضحاک رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی مان گئے۔ ان کی بے فکری کے دوران ایک شب مروان نے زوردار حملہ کر دیا۔ ضحاک رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت بے جگری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور ان کا لشکر منتشر ہو گیا۔

(تاریخ الاسلام للذہبی: ۵/ ۱۳۵، ۱۳۶ عن المدائنی ؛ تاریخ خلیفۃ بن خیاط، ص ۲۶۰)

اس کے بعد شام میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے حامیوں کے لیے کوئی جگہ مامون نہ رہی۔ مروانیوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دوسرے نائب یعنی حاکمِ حمص حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو بھی، جو مشہور صحابی تھے، اپنے ظلم کا نشانہ

بنایا۔ وہ حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ کی شکست کی خبر سن کر اہل وعیال سمیت شہر چھوڑ گئے تھے مگر حمص کے نواح میں باغیوں نے انہیں ڈھونڈ نکالا اور قتل کر کے سر قلم کر دیا۔ اس طرح پورا شام باغیوں کے قبضے میں آ گیا۔

(تاریخ الطبری: ۵/۵۴۱ ؛ انساب الاشراف، بلاذری: ۶/۲۶۹ تا ۲۷۵، ۲۸۳، ط دار الفکر ؛ سیر اعلام النبلاء: ۳/۴۱۲، ط الرسالۃ ؛ طبقات ابن سعد، متمم الصحابۃ: ۲/۲۰۴ تا ۲۰۷ ؛ طبقات ابن سعد ۶/۵۳، ط صادر)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا کٹا ہوا سر ان کی اہلیہ نائلہ کی جھولی میں ڈال دیا گیا۔ یہ دیکھ کر ان کی صاحبزادی اُمّ ابان نے فخر کے ساتھ کہا: ''میں اس کی زیادہ حق دار ہوں۔'' سپاہیوں نے سر اُٹھا کر ان کی گود میں پھینک دیا۔

(انساب الاشراف: ۶/۲۸۳)

مَرْج راہط میں امرائے شام کے باغیانہ اقدام کے ذریعے اقتدار پر قابض ہونے سے نبی اکرم ﷺ کی یہ پیش گوئی پوری ہوگئی:

إِذَا وُضِعَ السَّيْفُ فِي أُمَّتِي لَمْ يُرْفَعْ عَنْهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

''جب میری اُمّت میں تلوار رکھ دی جائے گی تو قیامت تک چلتی رہے گی۔'' (سنن الترمذی، ح: ۲۲۰۲، قال الترمذی ہذا حدیث صحیح)

اگرچہ اس پیش گوئی کا ظہور حضرت عثمانؓ کے قتل سے ہو چکا تھا مگر صلحِ حسن ومعاویہ رضی اللہ عنہما نے زخم پر مرہم رکھ دیا تھا اور امن وامان قائم ہوگیا تھا۔ مگر یزید اور اس کے ظالم امراء نے زخموں کو دوبارہ کُرید دیا۔ یزید کے بعد اس کے نیک بیٹے معاویہ بن یزید نے، جو سخت بیمار اور قریب بہ مرگ تھا، اُمتِ مسلمہ کو ایک موقع دیا اور وفات سے پہلے اپنے خاندان کے کسی فرد کو جانشین بنانے کی بجائے فیصلہ اُمت پر چھوڑ دیا، چنانچہ مسلمانوں نے عبداللہ بن زبیرؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا اور ہر طرف امن وامان ہوگیا مگر چار ماہ بعد مَروان اور اس کے پیروکاروں نے حصولِ اقتدار کے لیے تلوار سونت لی۔ پس مسلم معاشرے میں اس کے بعد حصولِ اقتدار کے لیے جو کشت وخون شروع ہوا وہ کبھی رکنے میں نہ آیا۔ یہ ساری تفصیلات درجنوں علمائے اُمت اپنی کتب میں لکھ

چکے ہیں اور راقم نے بھی مستند روایات سے تاریخ اُمت مسلمہ میں ان تمام حالات کا خلاصہ قلمبند کر دیا ہے جنہیں پڑھ کر انسان خون کے آنسو رونے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ خلیفہ برحق تھے اور مروان بن حکم باغی

اسلاف کے اقوال:

مذکورہ شواہد کی بناء پر جمہور علمائے اسلام کا مسلک واضح ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے دور کے برحق خلیفہ تھے اور ان کے خلاف مروان اور اس کے حامی اُمراء بلاشک وشبہ باغی تھے۔ اس بارے میں ہمارے اسلاف کے اقوال درج ذیل ہیں:

امام ابن حزم الظاہریؒ جو بنو اُمیہ کے بڑے حامی علماء میں سے تھے، لکھتے ہیں:

''قام علیٰ امیر المؤمنین عبداللہ بن الزبیر وادعی الخلافۃ۔''

''مروان نے امیر المؤمنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا اور خلافت کا دعویٰ کیا۔'' (جمہرۃ انساب العرب لابن حزم، ص ۸۷)

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بُوِیعَ لَهٗ بعد بیعَة ابن الزبیر، وَکَانَ ابن الزبیر أولی مِنهُ فَکَانَ هُوَ فِی مقام غَاصِب۔

''مروان کی بیعت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد ہوئی تھی۔ عبداللہ بن زُبیر رضی اللہ عنہ اس سے زیادہ خلافت کے مستحق تھے، پس مروان کی حیثیت ایک غاصب کی تھی۔'' (کشف المشکل من حدیث الصحیحین: ۱ ص ۴۵۰)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ومذهب أهل الحق أن بن الزُبَیرِ کَانَ مَظلُومًا وَأَنَّ الحَجَّاجَ وَرُفقَتَهٗ کَانُوا خَوَارِجَ عَلَیه۔

''اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مظلوم تھے۔ حجاج اور اس کے ساتھی ان کے خلاف بغاوت کے مرتکب تھے۔'' (شرح مسلم للنووی: ۱۶ ص ۹۹)

امام ابوالعباس قرطبی رحمہ اللہ اس بارے میں امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں: وکان ابن الزبیر اولیٰ بالامر من مروان وابنه علیٰ ماقاله مالک، وهو الحق لعلم ابن الزبیر، وفضله، وبیته۔

''عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مروان اور اس کے بیٹے کی بہ نسبت خلافت کے زیادہ حق دار تھے جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے علم وفضل اور شرافتِ نسبی کے لحاظ سے یہی قول برحق ہے۔''

المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم: ۶ ص ۵۰۲، ط دار ابن کثیر

راقم عرض کرتا ہے کہ فضل وشرف کے علاوہ سیاستِ شرعیہ کے قواعد سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کیوں کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت پہلے ہو چکی تھی۔ مروان نے ان کی بیعت تام ہونے کے کئی ماہ بعد خلافت کا دعویٰ کیا تھا جو سراسر غیر شرعی تھا۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: إِنَّهُ خَارِجٌ عَلَى ابْنِ الزُّبَيْرِ بَاغٍ۔

''مروان عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف باغی تھا۔''

(تاریخ الاسلام للذہبی: ۶ ص ۱۳۳، تدمری)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے حالات سے قبل عنوان لگایا ہے: ''ترجمة امير المؤمنين عبدالله بن زبير رضي الله عنه''

(البدایہ والنہایہ: ۱۲/ ۱۸۶)

پھر فرماتے ہیں:

وَتَمَّتِ الْبَيْعَةُ لَهُ سَنَةَ أَرْبَعٍ وَسِتِّينَ، وَكَانَ النَّاسُ بِخَيْرٍ فِي زَمَانِهِ

(ان کی بیعت مکمل ہو گئی تھی اور ان کا زمانہ لوگوں کے لیے خیر تھا)

(البدایہ والنہایہ: ۱۲/ ۱۸۷، ط دار ہجر)

پھر تقریباً بیس (۲۰) صفحات میں ان کے مناقب نقل کیے ہیں، اس دوران فرماتے ہیں: ''وَهُوَ أَرْشَدُ مِنْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ، حَيْثُ نَازَعَهُ بَعْدَ أَنِ اجْتَمَعَتِ الْكَلِمَةُ عَلَيْهِ۔''

(وہ مروان بن حکم سے بہتر تھے جس نے ان کی خلافت پر اجتماعیت قائم ہونے، ہر سمت ان کی بیعت ہو جانے اور ان کی حکومت منظم ہو جانے کے بعد ان سے نزاع کیا) (البدایہ والنہایہ: ۱۲/ ۲۰۶)

☆☆☆

فصل چہارم

مروان کا چوتھا جرم

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت پر سب وشتم

مروان بن حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم اور اہل بیت پر لعن طعن کیا کرتا تھا۔ مروان کا اس حرکت میں ملوث ہونا متعدد صحیح اور حسن روایات سے ثابت ہے۔

(۱) مروان کا ہر جمعہ کو منبر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کرنا:

حدثنا اسماعیل، قال حدثنا ابن عون عَنْ عمیر بن إسحاق قال: كَانَ مَرْوَانُ أَمِيرًا عَلَيْنَا سِنِينَ، فَكَانَ يَسُبُّ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كُلَّ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ، ثُمَّ عُزِلَ مَرْوَانُ، وَاسْتُعْمِلَ سَعِيدُ بْنُ العاصي سِنِينَ، فَكَانَ لَا يَسُبُّهُ، ثُمَّ عُزِلَ سَعِيدٌ، وَأُعِيدَ مَرْوَانُ، فَكَانَ يَسُبُّهُ، فقِيل لِلحسنِ بنِ علِي: ألا تسمع ما يقول مروان؟ فلا يرد شيئا، فكان يجيء يوم الجمعة، فيدخل حجرة النبي صلى الله عليه وسلم فيكون فِيها، فإذا قضِيتِ الخطبة دخل إِلى المسجِدِ فصلّى فِيهِ، ثم يرجِع إِل أهلِهِ، فلم يرض بذلك مروان حتى أهدى له فِي بيتِهِ، فإنا لجلوس معه إذ قِيل له: فلان على البابِ. فأَذِن له، فدَخل فقال: إِنِي جِئتُ مِن عِندِ سلطان، وجِئتك بِعزمة، فقال: تكلّم. فقال: أرسل مروان بِعلِي وبِعلِي وبك وبكِ، وما وجدت مثلك إِلا مثل البغلِ يقال لها: من أبوك؟ فتقول: أمي الفرس. فقال: ارجِع إِليهِ فقل له: واللهِ لا أمحو عنك شيئا مما قلت بأَنّي استبك، ولكن موعِدك ومَوعِدك الله، فإن كنت صادِقا يأجرك الله بِصِدقك، وإِن كنتَ كاذِبا فالله أشد نِقمة، قد اكرم الله جدِي أن يكون مثلِي مثل البغلِ، ثم خرج فلقِي الحسين فِي الحجرةِ فسئله، فقال: قد أرسِلتُ بِرِسالة وقد بلغتها، قال: واللهِ لتخبِرنِي بِها أو لآمرن بك أن تضرب حتى لا تدرِي متى يرفع عنك الضرب، فلما رآه الحسن قال: أرسِله. قال: لا أستطِيع. قال: لِم؟ قال: قد حلفت: قال: أرسل مروان بِعلِي وبِعلِي وبك وبكِ، وما وجدت مثلك إِلا مثل البغلِ يقال لها: من أبوه؟ فتقول: أمِي الفرس.

فقال الحسين: أكلت بظر أمك إن لم تبلغه عني ما أقول له، قل له: بك وبأبيك وبقومك، وآية ما بيني وبينك أن تمسك منكبيك من لعن رسولِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم۔

"عمیر بن اسحٰق کہتے ہیں مروان مدینہ میں کچھ سال ہمارا امیر رہا، وہ جمعوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کرتا تھا۔ پھر مروان کو معزول کر دیا گیا اور سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کچھ سال اُمیر رہے، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم نہ کرتے تھے۔ پھر انہیں معزول کر دیا گیا اور دوبارہ مروان کو اُمیر بنا دیا گیا۔ وہ جمعوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کرتا تھا۔ تو حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: کیا آپ نہیں سنتے جو مروان کہتا ہے؟ مگر آپ کوئی جواب نہ دیتے۔ آپ جمعہ کے دن آتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک میں داخل ہو کر وہیں ٹھہر جاتے۔ جب خطبہ ختم ہو جاتا تو مسجد میں داخل ہوتے، نماز پڑھتے اور پھر اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ جاتے۔ مروان اس پر بھی راضی نہ ہوا یہاں تک کہ اس نے آپ کے گھر پر بدزبانی کا پیغام بھیجا۔ ہم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے کہ بتایا گیا: فلاں شخص دروازے پر ہے۔ آپ نے اسے اجازت دی، وہ داخل ہوا اور کہا: میں حاکم کی طرف سے آیا ہوں اور ایک لازمی پیغام لے کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا: کہو۔ اس نے کہا: مروان نے علی کے بارے میں یہ یہ نازیبا کلمات کہے ہیں اور آپ کے بارے میں یہ یہ کہا ہے۔ اور مروان کہتا ہے کہ تمہاری مثال تو اس خچر جیسی ہے جس سے پوچھا جائے کہ تیرا باپ کون ہے؟ تو وہ کہے: میری ماں گھوڑی ہے۔ (نعوذ باللہ) حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کے پاس واپس جاؤ اور اس سے کہو: اللہ کی قسم میں تمہاری ان باتوں میں سے کسی کے جواب میں گالی دے کر اس کے گناہ کو تم سے مٹاؤں گا نہیں، بلکہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کا وعدہ فیصلہ ہے۔ اگر تم سچے ہو تو اللہ تمہیں تمہاری سچائی کا اجر دے گا اور اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔ اللہ نے میرے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے معزز رکھا ہے کہ میری مثال خچر جیسی ہو۔

پھر وہ شخص باہر نکلا تو حجرے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے ملا۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا: میں ایک پیغام لے کر آیا تھا اور پہنچا دیا ہے۔ حضرت حسنؓ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم تم مجھے وہ پیغام ضرور بتاؤ گے ورنہ میں تمہیں اتنا مارنے کا حکم دوں گا کہ تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا کہ مارکب رکے گی۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو فرمایا: اسے جانے دو۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ایسا نہیں کرسکتا۔ پوچھا: کیوں؟ کہا: میں قسم کھا چکا ہوں۔ تب اس شخص نے بتایا کہ مروان نے علی کے لیے یہ یہ کہا ہے اور آپ دونوں کے لیے یہ یہ کہا ہے، اور کہا ہے کہ تمہاری مثال فچر جیسی ہے جس سے پوچھا جائے کہ اس کا باپ کون ہے؟ تو وہ کہے کہ میری ماں گھوڑی ہے۔ تب حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے سخت غصے میں فرمایا: تو اپنی ماں کا ستیاناس کرے، اگر تو میرا پیغام مروان کو نہ پہنچائے۔ مروان سے جا کر کہنا تجھ پر، تیرے باپ پر اور تیری قوم پر وہی سب لوٹے اور میرے اور تیرے درمیان فیصلہ کن علامت یہ ہے کہ تو اپنے ماضی کو یاد کرلے کہ کون شخص تھا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی تھی۔''

(اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ: ۸ ص ۸۲، ۸۳؛ طبقات ابن سعد، متمم الصحابۃ، الطبقۃ الخامسۃ: ۱/ ۳۹۹، قال البوصیری: رواہ اسحاق بن راہویہ ورجالہ ثقات)

یہی روایت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے فرزند عبداللہ رحمہ اللہ نے اپنے والد کی سند سے مختصراً یوں نقل کی ہے:

حدثنی ابی، قال حدثنا اسماعیل، قال حدثنا ابن عون عَنْ عمیر بن إسحاق قال: كَانَ مَرْوَانُ أَمِيرًا عَلَيْنَا سِنِينَ، فَكَانَ يَسُبُّ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كُلَّ جُمُعَةٍ، ثُمَّ عُزِلَ، ثمّ استُعْمِلَ سَعِيدُ بْنُ العاص سنتين، فَكَانَ لَا يَسُبُّهُ، ثُمَّ أُعِيدَ مَرْوَانُ، فَكَانَ يَسُبُّهُ...

(مجھ سے میرے والد امام احمد بن حنبلؒ نے بیان کیا، کہا، ہم سے اسماعیل بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا، ہمیں ابن عون نے بتایا کہ عمیر بن اسحاق کہتے ہیں:

مروان کئی سال ہمارا حاکم رہا، پس وہ ہر جمعہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کرتا تھا۔ پھر وہ معزول کیا گیا۔ پھر سعید بن العاص رضی اللہ عنہ دو سال حاکم رہے۔ پس وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم نہ کرتے تھے۔ پھر مروان کو دوبارہ حاکم بنایا گیا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کرتا تھا) (موسوعہ اقوال الامام احمد: ۳ ص ۳۳۶)

ذکر الرجال:

☆ اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم الکوفی ابن علیۃ (م ۱۹۳ھ) راویٔ صحیحین ،اعلیٰ درجے کے ثقہ۔ (تقریب التھذیب، ترجمہ: ۴۱۶)

☆ عبداللہ بن عون المزنی البصری (م ۱۵۰ھ): راویٔ صحیحین ، اعلیٰ درجے کے ثقہ۔ (تقریب التھذیب، ترجمہ: ۳۵۱۹)

عمیر بن اسحاق بھی مقبول راویوں میں سے ہیں۔

وقال ابن حجر: مقبول۔ (تقریب التھذیب، ترجمہ: ۵۱۷۹)

اگرچہ عمیر بن اسحاق پر جرح کی گئی ہے کہ مدینہ کے کسی عالم نے ان سے روایت نہیں لی۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال: ۶/ ۱۳۳؛ طبقات ابن سعد: ۷/ ۲۲۰، ط صادر)

مگر جرح کے باوجود مجموعی طور پر انہیں قابلِ قبول اور توثیق شدہ مانا گیا ہے۔ کیونکہ ابن معین رحمہ اللہ نے ایک جگہ ان پر جرح کی ہے مگر دوسرے موقع پر کہا ہے کہ وہ ثقہ ہیں اور امام نسائی رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں۔

قال یحیی بن معین لا یساوی حدیثہ شیئاً لکن یکتب حدیثہ ھذہ روایۃ عباس عنہ، وأما عثمان فروی عن یحیی أنہ ثقۃ، وقال النسائی وغیرہ لیس بہ بأس

(یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کی کوئی حیثیت نہیں مگر ان کی روایت لکھی جاسکتی ہے۔ یہ رائے عباس نے ان سے نقل کی ہے مگر عثمان نے یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ عمیر بن اسحٰق ثقہ ہیں۔ امام نسائی رحمہ اللہ اور دیگر حضرات کہتے ہیں کہ ان سے روایت میں کچھ حرج نہیں) (میزان الاعتدال: ۳ ص ۲۹۶)

اسی بناء پر امام بوصیری رحمہ اللہ نے عمیر بن اسحاق کی مذکورہ روایت کو نقل کر کے اس کے رجال کو ثقات قرار دیا ہے۔

قال البوصیری: رواہ اسحاق بن راھویہ و رجالہ ثقات۔ (اتحاف الخیرۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشرۃ: ۸ ص ۸۳، ۸۲)

فائدہ: اس روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگرچہ مروان منبر پر سبّ وشتم کرتا تھا مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اُمراء اور نائبین کو اس ناپاک حرکت کا حکم نہیں دیا تھا جیسا کہ بعض لوگوں کا دعویٰ ہے۔ کیوں کہ اگر یہ سرکاری حکم ہوتا تو پھر سعید بن العاص رضی اللہ عنہ بھی اپنے دورِ امارت میں ایسا ہی کرتے، یا استعفیٰ دے دیتے۔ اُن کا اپنے منصب پر رہتے ہوئے اس فعل سے احتراز کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سبّ وشتم کوئی سرکاری پالیسی نہیں تھی بلکہ مروان یا اُسی جیسے بعض لوگ اپنے طور پر یہ حرکت کیا کرتے تھے۔

(۲) مروان کا اہلِ بیت کو ملعون قرار دینا اور سیدنا حسنؓ کا جواب:

مروان فقط حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہیں بلکہ تمام اہلِ بیت کو ملعون کہا کرتا تھا۔ مسند ابو یعلیٰ کی صحیح روایت کے مطابق اُس نے حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو مخاطب کر کے انہیں کہا تھا کہ تم اہلِ بیت ملعون لوگ ہو۔ (نعوذ باللہ)

عَنِ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِي يَحْيَى قَالَ: كُنْتُ بَيْنَ الْحُسَيْنِ وَالْحَسَنِ، وَمَرْوَانَ يَتَشَاتَمَانِ فَجَعَلَ الْحَسَنُ يَكُفُّ الْحُسَيْنَ، فَقَالَ مَرْوَانُ: أَهْلُ بَيْتٍ مَلْعُونُونَ فَغَضِبَ الْحَسَنُ، فَقَالَ: أَقُلْتَ: أَهْلُ بَيْتٍ مَلْعُونُونَ؟ فَوَاللهِ لَقَدْ لَعَنَكَ اللهُ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ ﷺ وَأَنْتَ فِي صُلْبِ أَبِيكَ۔

''ابو یحییٰ کہتے ہیں کہ میں حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اور مروان کے درمیان تھا اور وہ ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو روک رہے تھے۔ ایسے میں مروان نے کہا: تم اہلِ بیت ملعون ہو۔ پس حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا۔ وہ بولے: تو کہتا ہے کہ اہلِ بیت ملعون

ہیں! اللہ کی قسم اللہ تیرے باپ حکم پر اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی زبانی اس وقت لعنت کی تھی جب تو اُس کی پشت میں تھا۔" (مسند ابی یعلیٰ، ح:۶۷۶۴) قال الحق حسین سلیم: صحیح

اسی روایت کو ابن سعد رحمہ اللہ نے اخبرنا عفان بن مسلم، قال حدثنا حماد بن سلمہ، قال اخبرنا عطاء بن سائب عن ابی یحییٰ کی سند سے نقل کیا ہے۔

طبقات ابن سعد، متمم الصحابۃ، الطبقۃ الخامسۃ: ۱/۴۰۲، ط مکتبۃ الصدیق، واخرجہ ابن عساکر فی تاریخ دمشق: ۵۷/۲۴۴

عفان بن مسلم صحیحین کے، حماد بن سلمہ مسلم کے اور عطاء بن سائب بخاری کے راوی ہیں، تینوں ثقہ ہیں۔ (تقریب التہذیب، تراجم: ۴۶۲۵، ۱۴۹۹، ۴۵۹۲)

ابو یحییٰ الاعرج (زیاد) بھی ثقہ ہیں۔ (تہذیب الکمال: ۹/۵۳۱)

عطاء بن سائب پر اتنی جرح ہے کہ آخر میں ان کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا۔

(میزان الاعتدال: ۳ص ۷۰)

مگر حماد بن سلمہ کا ان سے سماع اس سے پہلے کا ہے۔

(تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۳ص ۳۰۹؛ الکامل فی ضعفاء الرجال: ۷ص ۲۷؛ تہذیب التہذیب: ۷ص ۲۰۶؛ الکواکب النیرات: ۱ص ۳۲۵)

لہٰذا روایت کی سند صحیح ہے۔

اسی روایت کو امام ابو یعلیٰ موصلی رحمہ اللہ نے ابو معمر عن جریر عن عطاء بن سائب سے بھی نقل کیا ہے (مسند ابی یعلیٰ موصلی، ح:۶۷۶۶)

ابو معمر اور جریر بن عبد الحمید دونوں صحیحین کے ثقات رُواۃ میں سے ہیں۔

ابو معمر اسماعیل بن ابراہیم: (م ۲۳۶ھ) من رجال الصحیحین، ثقہ۔ (تقریب التہذیب، تر:۴۱۵) جریر بن عبد الحمید الکوفی (م ۱۸۸ھ) من رجال الصحیحین، ثقہ۔ (تقریب التہذیب، تر:۹۱۶)

البتہ جریر بن عبد الحمید کا سماع عطاء بن سائب سے اختلاط کے بعد تھا۔ لہٰذا روایت سنداً ضعیف ہو گی مگر متابع کے باعث حسن لغیرہ ضرور ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

اس روایت کو بعض حضرات نے اس بناء پر مسترد کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اگر کسی کو بددعا دیتے بھی تھے تو اس کی شدید سرکشی کی وجہ سے۔ کسی کی پیدائش اور جرائم سے ہی پہلے آپ ﷺ اسے بددعا اور لعنت کیسے دے سکتے ہیں۔

{تحقیق}

اہل سنت کا منہج یہ نہیں کہ صحیح یا حسن روایت کو اپنے ذہنی خلجان یا عقلی بنیاد پر مسترد کیا جائے۔ صحیح یا حسن روایات بالاتفاق قوی دلیل شمار ہوتی ہیں اور ان کا مضمون کسی عقلی شبہے سے زائل نہیں ہوجاتا بلکہ ایسے عقلی شبہات کے جواب میں درست توجیہات پیش کی جاتی ہیں۔ اگر کسی کو درست توجیہ نہ ملے تب بھی اس عذر کے باعث ارشادِ نبوی کو باطل ٹھہرانے کی جسارت نہیں کی جائے گی۔ اور یہاں تو درست توجیہ بہت واضح ہے۔ وہ یہ کہ یہاں رسول اللہ ﷺ کا مقصد فی الحال لعنت کرنا نہیں بلکہ ملعون ہونے کی پیش گوئی کرنا ہے۔ یعنی مقصد یہ بتانا تھا کہ اس کی اولاد سے بعض فتنہ پرور اَفراد پیدا ہوں گے اور وہ لعنت ان کے ساتھ اسی وقت منسوب ہوگی جب وہ فتنہ پھیلائیں گے۔ جیسا کہ بعض احادیثِ صحیحہ میں قریشی لڑکوں کے ہاتھوں اُمت کی بربادی کی پیش گوئی ہے۔ (صحیح البخاری، ح:۳۶۰۵)

اور اس پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"وقد وردت احادیث فی لعن الحکم والد مروان وما ولد، اخرجها الطبرانی وغیرہ، غالبها فیه مقال اور بعضها جید، ولعل المراد تخصیص الغلمة المذکورین بذالک۔"

"مروان کے والد حکم اور اس کی اولاد پر لعنت کے متعلق کئی احادیث مروی ہیں جنہیں طبرانی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ ان میں سے اکثر کے طرق میں کلام ہے اور بعض روایات عمدہ ہیں۔ غالباً اس لعنت کا مصداق یہی لڑکے ہیں (یعنی حکم کی

وہ اولاد جس کے ہاتھوں اُمت کی بربادی کی پیش گوئی ہے۔ تمام اولادِ حکم یا تمام بنو اُمیہ مراد نہیں) (فتح الباری: ۱۳ص ۱۱)

(۲) مروان کا حضرت علیؓ پر سب وشتم اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا غم وغصہ:

"حدثنا ابراهيم بن المنذر، قال: حدثنا يعقوب بن جعفرِ بن ابی كثير، عن مهاجرِ بنِ مسمار، قال: اخبرتنی عائشة بنت سعد، ان مروان بن الحكم كان يعود سعد بن ابی وقاص وعِنده ابو هريرة، وهو يومئذ قاض لمروان بنِ الحكم، فقال سعد: ردوه، فقال ابو هريرة: سبحان اللهِ كهل قريش وامِير البلدِ جاء يعودك وكان حق ممشاه عليك ان ترده؟ فقال سعد: ائذنوا له ۔فلما دخل مروان وابصره سعد ،تولى بوجهه نحو سرير ابنته عائشة،فارعد سعد وقال: ويلك يامروان !انه طاعتك يعنی اهل الشام علی شتم علی بن ابی طالب، فغضب مروان فقام وخرج مغضبا۔"

(عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص فرماتی ہیں کہ مروان بن الحکم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے آرہا تھا، ان کے پاس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے جوان دنوں مروان کے قاضی تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اسے واپس لوٹادو۔" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بولے: "سبحان اللہ! قریش کا بڑا آدمی اور شہر کا حاکم آپ کی عیادت کے لیے آرہا ہے۔ کیا اس کے آنے کا حق یہ ہے کہ آپ اسے لوٹادیں!" حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اچھا اسے آنے دو۔" جب مروان اندر داخل ہوا اور سعد رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا تو چہرہ اپنی بیٹی عائشہ کی چارپائی کی طرف پھیر لیا۔ پھر ان پر کپکپی طاری ہوگئی اور وہ بولے: "اے مروان! تیرا برا ہو۔ یہ لوگ یعنی اہلِ شام اس کے باوجود کہ تم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کرتے ہو، تمہارے مطیع ہیں۔" یہ سن کر مروان غصے سے اٹھا اور وہاں سے نکل گیا۔ (التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ، السفر الثالث: ۲/ ۷۴، اسنادہ متصل صحیح)

احوال الرجال:

☆ابراہیم بن المنذر: امام بخاریؒ کے استاد، ثقہ۔

(سیر اعلام النبلاء: ۱۰/ ۶۸۹، ط الرسالۃ)

☆یعقوب بن جعفر بن ابی کثیر: نسائی کے راوی، مقبول۔

(تقریب التھذیب، ت: ۷۸۱۴)

☆مہاجر بن مسمار:۔ صحیح مسلم کے راوی، ۱۵۰ھ میں وفات پائی، ثقہ۔

(تہذیب الکمال: ۲۸/ ۵۸۳، ۵۸۴)

☆عائشہ بنت سعد: ۱۱۷ھ میں بعمر ۸۴ برس فوت ہوئیں، صحیح بخاری کی راویہ، ثقہ

(تقریب التھذیب، ت: ۸۶۳۴؛ تاریخ الاسلام للذہبی: ۷/ ۳۹۲)

(۳) مروان کا حضرت علیؓ پر سیاسی مقاصد کے لیے سب وشتم کا اعتراف:

حدثنا ابن الاصبهانی قال انا شریک عن محمد بن اسحاق، عن عمر بن علی بن الحسین عن علی بن الحسین قال لی مروان بن الحکم، ما کان فی القوم احذا دفع عن صاحبنا یعنی عثمان بن عفان من صاحبکم یعنی علی بن ابی طالب، قلت: فما بالکم تسبوہ علی المنابر، قال: لا یستقیم الامر الا بذاک۔

''حضرت زین العابدین (رحمہ اللہ) کو مروان بن حکم نے کہا: ہمارے آقا (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کا جس قدر دفاع آپ کے آقا (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے کیا، اتنا کسی نے نہیں کیا۔ حضرت زین العابدین رحمہ اللہ نے پوچھا: پھر تم انہیں منبروں پر برا بھلا کیوں کہتے ہو؟ مروان نے کہا: ''حکومت اسی کے سہارے تو قائم ہے۔'' (التاریخ الکبیر السفر الثانی: ۲/ ۹۱۷)

اس روایت کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

ذکر الرجال:

☆ابن الاصبہانی، محمد بن سعید: (م ۲۰۰ھ) بخاری ومسلم کے ثقہ راوی ہیں۔

(تقریب التھذیب، ت: ۵۹۱۱)

☆شریک بن عبداللہ نخعی:(م ۱۷۷ھ) مسلم، ترمذی،نسائی،ابوداؤد کے صدوق راوی ہیں۔امام بخاری نے تعلیقاً روایت لی ہے۔ (تقریب التہذیب،ت:۲۷۸۷)

☆محمد بن اسحاق:(م ۱۵۰ھ) مسلم،ترمذی،نسائی،ابوداؤد کے صدوق راوی ہیں۔امام بخاریؒ نے ان سے تعلیقاً روایت لی ہے۔ (تقریب التہذیب،ت:۲۵۵۷)

عمر بن علی بن الحسین :(م ۱۲۰ھ) مسلم،نسائی و ترمذی کے ثقہ راوی ہیں۔ (تہذیب الکمال ۲۱/۴۶۶)

علی بن الحسین، امام زین العابدین رحمہ اللہ: کسی تعارف کے محتاج نہیں۔

بعض علماء نے شریک اور محمد بن اسحاق میں معمولی ضعف مانا ہے مگران دونوں کی روایت امام مسلم رحمہ اللہ نے لی ہے۔پس ان کی موجودگی صحتِ سند کے منافی نہیں،اس لحاظ سے روایت کا درجہ ''صحیح علیٰ شرط مسلم'' ہے۔کم ازکم اس کے حسن ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں۔حافظ ذہبیر حمہ اللہ نے اس سند کو''قوی'' شمار کیا ہے۔ (تاریخ الاسلام للذہبی:۳/۴۶۱،تدمری)

اسی روایت کو ابن عساکر رحمہ اللہ نے ابوبکر بن ابی خیثمہ رحمہ اللہ سے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔اس میں بھی کوئی ضعیف راوی نہیں۔(تاریخ دمشق:۴۲/۴۳۸)

یہی روایت امام بلاذری رحمہ اللہ نے مدائنی عن شریک عن محمد بن اسحق عن عمر بن علی کی سند سے یوں نقل کی ہے۔

قال مروان لعلی بن الحسین:ماکان احد اکف عن صاحبنا من صاحبکم،قال:فلم تشتمونہ علی المنابر فقال:''لایستقیم لنا ھذا الا بھذا۔''

''مروان نے علی بن حسین سے کہا: ہمارے آقا (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کا دفاع کرنے والا تمہارے آقا (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے بڑھ کر کوئی بھی نہ تھا۔ علی بن حسین نے کہا:''پھر تم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منبروں پر کیوں کوستے ہو؟ مروان نے کہا: ہمارا یہ کام اس کے بغیر نہیں چلتا۔'' (انساب الاشراف:۲/۱۸۴)

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ مروان اور اس کے بہت سے پیروکار جانتے

تھے کہ حضرت علیؓ اور اہلِ بیت ان کے لگائے گئے الزامات سے بری ہیں مگر" نظریہ ضرورتِ سیاسی" کے تحت وہ ان کی کردار کشی کیا کرتے تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اپنے گروہ کی عصبیت کو اور اس کے بل بوتے پر قائم حکومت کو وہ اسی طرح باقی رکھ سکتے ہیں۔

مروان کے اہلِ بیت پر سب وشتم کی ضعیف روایات بہت ہیں۔ چونکہ مذکورہ بالا روایات سے بات ثابت ہوجاتی ہے، اس لیے باقی روایات کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اصولی طور پر ان روایات سے ثابت ہوجاتا ہے کہ مروان اور اس کے پیروکار حضرت علی، اہلِ بیت اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم پر سب وشتم اور طعن وتشنیع کرتے رہتے تھے۔

☆☆☆

آلِ مروان کے بنو ہاشم سے رشتے مروان کی پاکبازی کی دلیل نہیں

مروانی کہتے ہیں کہ مروان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کرنا عقلاً ممکن نہیں کیوں کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سمدھی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دو صاحبزادیاں مروان کے بیٹوں: عبدالملک اور معاویہ کے نکاح میں آئی تھیں۔

(جمہرۃ انساب العرب لابن حزم، ص ۳۸، ۸۷)

اگر ان حضرات میں ایسی دشمنی ہوتی کہ منبر پر باپ کو گالی دی جاتی اور جواباً لعنت بھیجی جاتی تو یہ رشتہ داریاں کیسے ہوتیں؟ اگر مروان بزبانِ نبوت سے ملعون تھا تو سادات کا اس کے گھرانے سے رشتے ناتے رکھنا کیسے ممکن تھا؟

{تحقیق}

مروانیوں کی یہ دلیل ان کے مذہب کی طرح بودی اور دقیانوسی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹیوں کا مروان کے بیٹوں کے عقد میں آنا بے سند روایات میں منقول ہے جو کسی طرح حجت نہیں۔ جبکہ مروان کے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کا ذکر بعض صحیح روایت میں بھی ہے۔ اگر مروان کا دفاع کرنے والے حضرات کے ہاں عقلی بنیاد پر صحیح اور حسن روایات کو مسترد کیا جاسکتا ہے تو پھر کوئی زیادہ وثوق کے ساتھ ان بے

سند روایات کا انکار کرسکتا ہے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹیوں کا مروان کے بیٹوں کے ساتھ نکاح مذکور ہے۔ وہ بھی عقلی بنیاد پر کہہ سکتا ہے کہ یہ ناممکن تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹیاں انہیں گالیاں دینے والوں کے نکاح میں جانا قبول کرلیتیں۔

اگر کسی شخص کو فقط اس لیے دودھ کا دھلا ہوا ماننا لازم ہو کہ اس کی رشتہ داریاں بڑی بڑی نیک ہستیوں سے ہیں تو کوئی احمق یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ عبداللہ بن اُبی منافق نہیں بلکہ مخلص مسلمان تھا کیوں کہ اس کے بیٹے عبداللہ کا صحابی اور بیٹی جمیلہ کا صحابیہ ہونا ثابت ہے۔ (الاستیعاب: ۳ص ۲۴۰؛ معرفۃ الصحابۃ للاصبہانی: ۳ص ۱۶۹۳؛ معجم الصحابۃ للبغوی: ۴ص ۹۷؛ الاصابۃ: ۸ص ۷۰)

کوئی صاحب یہ بھی فرماسکتے ہیں کہ ابوجہل کے کفر اور سیاہ کاریوں کی ساری روایات مشکوک ہیں؛ کیوں کہ ابوجہل کی بیٹی جویریہ سے عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا تھا۔ (الاصابۃ: ۸/ ۷۲)

پھر تو روافض کا یہ دعویٰ بھی درست ماننا پڑے گا کہ مختار کذاب، فتنہ باز نہیں بلکہ بہت بڑا ولی اللہ تھا کیونکہ اس کی بہن صَفِیّہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی۔ (تہذیب الکمال: ۳۵/ ۲۱۲)

حالانکہ یہ سب فضول قیاس آرائیاں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے بُرے لوگوں کی بُرائیاں بھی اپنی جگہ ثابت ہیں اور بُروں کی اولاد یا رشتے داروں سے اچھے لوگوں کے رشتے ناتوں کا انکار کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ اس زمانے میں آج کل جیسی تنگ دلی اور تنگ نظری نہیں تھی کہ ایک شخص کی بُرائی کی وجہ سے اس کے پورے خاندان کو مطعون سمجھ لیا جائے۔ نہ ہی کسی شخص کے فسق و فجور یا مظالم کے باعث شرعاً اس کے ساتھ رشتہ داری بنانا یا نبھانا منع ہوجاتا ہے۔ ہاں ظلم اور فسق میں شریک ہونا یقیناً منع ہے۔ مخالفین سے اس طرح کے رشتے ناتے کرانے میں یہ مصلحت بھی ملحوظ ہوتی تھی کہ مخالفین پر مثبت اثرات ڈالے جائیں اور انہیں تعصب سے نکال کر راہِ اعتدال پر لایا جائے۔

مروان پر سادات کے اِحسانات سے مروان کی بزرگی ثابت نہیں

مروانی گروہ یہ بھی کہتا ہے کہ ۶۳ھ میں جب اہلِ مدینہ بنواُمیہ کے خلاف کھڑے ہوئے تو مروان کی جان بچانے اوراسے اپنے گھر میں پناہ دینے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت زین العابدین علی بن حسنؒ تھے۔

(تاریخ الطبری: ۵/ ۴۹۳)

مروانی اس واقعے کا حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ اگر مروان اہلِ بیت یا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سبّ وشتم کا عادی ہوتا تو حضرت زین العابدین رحمہ اللہ اس کو مع اہل وعیال پناہ کیوں دیتے؟

{تحقیق}

حضرت زین العابدین رحمہ اللہ کے مروان وآلِ مروان کو پناہ دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مروان کوئی مقدس شخصیت تھا۔ یہ تو بزرگانِ اہلِ بیت کی وسعتِ ظرفی تھی کہ ایسے شخص اوراس کے خاندان کو بھی مصیبت کے وقت پناہ دی جس سے ان کو ایذائیں پہنچتی رہیں۔ نواصب کی یہ فضول دلیل اس بات کا ثبوت ہے کہ ذرّیتِ مروان آج بھی اہلِ بیت کے بارے میں بدگمان چلی آرہی ہے، تبھی تو خاندانِ نبوت کی جودوسخا کو محدود تصور کررہی ہے اور اسی غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ خانوادۂ نبوت کا لطف وکرم فقط دوستوں تک محدود تھا۔

شریروں کے پیچھے نماز پڑھنا، ان کے صالح ہونے کی دلیل نہیں

ناصبیوں کی طرف سے مروان بن حکم کے سراپا خیر وخوبی ہونے کی ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ مروان مسجدِ نبوی میں نمازیں پڑھاتا رہا اور صحابہ اس کے پیچھے نمازیں ادا کرتے رہے۔ اگر وہ نیک وصالح نہ ہوتا تو صحابہ کرام اس کی اقتداء کیوں کرتے؟ اس سلسلے میں ایک روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما مروان کے پیچھے مدتوں مدینہ منورہ میں نماز پڑھتے رہے اور کبھی نمازیں نہ لوٹائیں۔

(سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۴۷۸، ط الرسالۃ)

مروانیوں کی یہ دلیل فقہِ اسلامی سے ان کی یکسر ناواقفیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ بلاشبہ اسلامی تعلیمات میں نماز کی امامت کے لیے بہترین شخص کو متعین کرنے کا حکم ہے مگر یہ تبھی ہے جب لوگوں کو اس کا اختیار ہو۔ اگر کہیں اضطراری طور پر کوئی پست کردار، کوئی فاسق وظالم یا کوئی بدعتی امامت کر رہا ہو اور مقتدیوں کو اسے ہٹانے کا اختیار نہ ہو، یا اسے ہٹانے کی کوشش فتنے اور جھگڑے کا باعث بن سکتی ہو، یا اس میں سخت تکلیف اور آزمائش کا خدشہ ہو تو ایسے میں شرعی تعلیم یہی ہے کہ ایسے اماموں کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے اور نماز باجماعت ترک نہ کی جائے۔ کیوں کہ فرمانِ نبوی ہے:

''صَلُّوا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ'' (ہر نیک وبد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو)

(سنن الدارقطنی، ح:۱۷۶۸، ط موسسۃ الرسالۃ)

حضرت عثمانؓ نے بدعتی مفسدین کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت دی:

خلفائے راشدین اور صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کو پیشِ نظر رکھا تھا، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف محاصرے کے دوران ان کی ترغیب پر صحابہ کرام وتابعین نے بعض اوقات ان بدعتی باغیوں کے پیچھے بھی نماز ادا کی۔ روایت مع ترجمۃ الباب ملاحظہ ہو:

''بَابُ إِمَامَةِ الْمَفْتُونِ وَالْمُبْتَدِعِ'':وقال الحسن :صَلِّ وَعَلَيْهِ بِدْعَتُهُ۔عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ خِيَارٍ، أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَهُوَ مَحْصُورٌ فَقَالَ: إِنَّكَ إِمَامُ عَامَّةٍ، وَنَزَلَ بِكَ مَا نَرَى، وَيُصَلِّي لَنَا إِمَامُ فِتْنَةٍ، وَنَتَحَرَّجُ؟ فَقَالَ: الصَّلَاةُ أَحْسَنُ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ، فَإِذَا أَحْسَنَ النَّاسُ، فَأَحْسِنْ مَعَهُمْ، وَإِذَا أَسَاءُوا فَاجْتَنِبْ إِسَاءَتَهُمْ۔''

''مفتون اور بدعتی کی امامت کا بیان: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تم (بدعتی کے پیچھے) نماز پڑھ لیا کرو اور ایسے امام کی بدعت کا وبال اسی پر ہے۔ عبید اللہ بن عدی بن خیار سے مروی ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے جب وہ محاصرے میں تھے۔ پس عبید اللہ بن عدی نے کہا: آپ عوام کے امام

ہیں اور آپ پر یہ آزمائش آپڑی ہے جو آپ دیکھ ہی رہے ہیں اور ہمیں فتنے کا امام نماز پڑھا رہا ہے، ہمیں اس سے صدمہ ہوتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز لوگوں کے اعمال میں سے بہترین عمل ہے۔ جب لوگ اچھا عمل کریں تو ان کے ساتھ تم بھی اچھے عمل میں شامل ہو جاؤ اور جب وہ برا کام کریں تو ان کی برائی سے بچو۔" (صحیح البخاری، ح:۶۹۵)

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ اس روایت کی شرح میں لکھتے ہیں:

فَإِذَا أَحْسَنَ النَّاسُ فَأَحْسِنْ مَعَهُمْ: ظَاهِرُهُ أَنَّ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ رَخَّصَ لَهُ فِي الصَّلَاةِ مَعَهُمْ كَأَنَّهُ يَقُولُ لَا يَضُرُّكَ كَوْنُهُ مَفْتُونًا إِذَا أَحْسَنَ فَوَافِقْهُ عَلَى إِحْسَانِهِ وَاتْرُكْ مَا افْتُتِنَ بِهِ۔

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قول، جب لوگ اچھا کام کریں تو تم بھی ان کے ساتھ وہ اچھا کام کرو، اس کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں باغیوں کے پیچھے نماز کی اجازت دی تھی، گویا کہ وہ فرما رہے تھے کہ تمہیں ان لوگوں کا فتنے میں مبتلا ہونا نقصان نہ دے گا، جب وہ اچھا کام کریں تو اس اچھے کام میں شامل ہو جاؤ، اُس بات کو ترک کر دو، جس کے باعث وہ فتنے میں مبتلا ہوئے ہیں۔" (عمدۃ القاری: ۵ ص ۲۳۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"وَفِي هَذَا الْأَثَرِ الْحَضُّ عَلَى شُهُودِ الْجَمَاعَةِ وَلَا سِيَّمَا فِي زَمَنِ الْفِتْنَةِ لِئَلَّا يَزْدَادَ تَفَرُّقُ الْكَلِمَةِ وَفِيهِ أَنَّ الصَّلَاةَ خَلْفَ مَنْ تُكْرَهُ الصَّلَاةُ خَلْفَهُ أَوْلَى مِنْ تَعْطِيلِ الْجَمَاعَةِ۔"

"اس روایت میں نماز باجماعت میں شرکت کی ترغیب ہے، خصوصاً فتنے کے دور میں تاکہ اُمت کے انتشار میں اضافہ نہ ہو جائے۔ اس میں یہ تعلیم بھی ہے کہ نماز باجماعت ترک کرنے سے بہتر ہے کہ ایسوں کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے جن کی نماز مکروہ ہوتی ہے۔" (فتح الباری: ۲ ص ۱۸۹، ۱۹۰)

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تشریح میں اس امر کو بھی واضح فرمادیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایسے شریروں کے پیچھے نمازوں کی ترغیب دینا اور ایسے لوگوں کے پیچھے صحابہ کا نمازیں پڑھنا، ان کو ہرگز نیک سیرت ثابت نہیں کرتا۔ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَإن قلتَ: هَذَا يدل على أَن عُثْمَان لم يذكر الَّذِي أمهم من زُؤَسَاء الْخَوَارِج بمكروه... قلتُ: لَا يلْزم من كَون الصَّلَاة أحسن مَا يعْمل النَّاس أَو من أحسن مَا عمل النَّاس أَن لَا يسْتَحق فاعلها ذما عِنْد وجود مَا يَقْتَضِيه۔

''اگر تم کہو کہ یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امامت کرانے والے باغی سرداروں کی کوئی برائی ذکر نہیں کی تو میں کہوں گا کہ نماز کے انسانی اعمال میں سے بہترین عمل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسے اَدا کرنے والا اُس وقت بھی قابلِ مذمت نہ ہو، جب مذمت کو لازم کرنے والی بات موجود ہو۔'' (عمدۃ القاری: ۵ ص ۲۳۱)

الغرض خلفائے راشدین کے دور میں بھی اس امر کی ایک مثال مل گئی کہ کبھی متقی اور عالی مرتبت لوگوں کو بھی اضطراری طور پر فساق اور بدعتیوں کے پیچھے نمازیں پڑھنے کی نوبت آسکتی ہے۔ اس کے بعد جب آلِ مروان کی حکومت آئی تو بیسیوں صحابہ کرام کو اس دور کے متعدد ظالم اور فاسق اُمراء سے سابقہ پڑتا رہا۔ اکثر جامع مساجد میں یہ اُمراء خود نمازیں پڑھاتے تھے حالاں کہ ان میں بہت سے عدالتِ صحابہ کے بھی قائل نہ تھے۔

بہرحال عام مسلمانوں کی طرح صحابہ کرام اور تابعین کو بھی اضطراری حالت میں انہی کے پیچھے نمازیں ادا کرنا پڑتی تھیں۔ یہ حضرات بھی حدیث ''صَلُّوا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ'' (ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو) اور حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل کا لحاظ کرتے ہوئے مروان کے پیچھے بھی نماز پڑھتے رہے۔

حضرات حسنین کریمین ؓ کا مقتدی بننا مروان کی نیک سیرتی ثابت نہیں کرتا

مروان کے پیچھے حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے نماز پڑھنے کی روایت سے یہ استدلال بالکل بے محل ہے کہ مروان بڑا پاکباز اور صحیح العقیدہ تھا۔ فقہاء نے مروان کے پیچھے حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے نماز پڑھنے کی روایت اسی لیے ذکر کی ہے تاکہ فاسق، بدعتی اور ظالم امام کے پیچھے نماز کا جواز ثابت ہوجائے۔ چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ فاسق کے پیچھے نماز پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" وَقَدْ صَلَّى أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ خَلْفَ مَنْ لَا يَحْمَدُونَ فِعَالَهُ مِنَ السُّلْطَانِ وَغَيْرِهِ۔ قَالَ الشَّافِعِيُّ: أَخْبَرَنَا مُسْلِمٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ اعْتَزَلَ بِمِنًى فِي قِتَالِ ابْنِ الزُّبَيْرِ وَالْحَجَّاجِ بِمِنًى فَصَلَّى مَعَ الْحَجَّاجِ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ قَالَ: أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنَا حَاتِمٌ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا كَانَا يُصَلِّيَانِ خَلْفَ مَرْوَانَ قَالَ فَقَالَ: أَمَا كَانَا يُصَلِّيَانِ إِذَا رَجَعَا إِلَى مَنَازِلِهِمَا؟ فَقَالَ: لَا وَاللهِ مَا كَانَا يَزِيدَانِ عَلَى صَلَاةِ الْأَئِمَّةِ"

"بے شک اصحاب رسول ﷺ نے ایسے لوگوں یعنی ایسے حکمران وغیرہ کے پیچھے بھی نماز ادا کی جن کے کاموں کی وہ تعریف نہیں کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ اور حجاج کی جنگ کے دوران منیٰ میں الگ تھلگ رہے تاہم حجاج کے پیچھے نماز ادا کی۔ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما مروان کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ حضرت علی بن حسین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا وہ گھر جا کر نماز لوٹا لیتے تھے۔ انہوں نے کہا: نہیں بخدا! وہ امام کے پیچھے ادا کردہ نماز پر کوئی اضافہ نہیں کرتے تھے۔ (یعنی اُسے دہراتے نہیں تھے) (کتاب الام للشافعی: ۱ص ۱۸۵، ط دار المعرفۃ)

الغرض! حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے مروان کے پیچھے نماز پڑھنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مروان کوئی فرشتہ تھا۔ اس طرح نہ تو اس کے کردار کے داغ دھل سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی سیاہ کاریوں کی نفی ہوسکتی ہے۔

مروان کے سب وشتم کے جرم سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بری ہیں:

مذکورہ شواہد سے مروان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سادات کرام پر سب وشتم بلکہ لعن طعن بھی بالکل ثابت ہے مگر جہاں تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے ،اُن کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بعض حضرات یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود برسرِ منبر پر سب وشتم کیا کرتے تھے اور اپنے نائبین کو اس کا حکم بھی دیتے تھے مگر درحقیقت ایسی کوئی بات کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں۔ اس بارے میں شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی زیدہ مجدہم کی شاہکار تحقیق: ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق'' کا مطالعہ کرنا بہت مفید ہوگا۔ نیز راقم تاریخ اُمت مسلمہ، حصہ دوئم کے آخر میں ''ازالۂ شبہات'' کے تحت اس حوالے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں مفصل کلام کر چکا ہے۔ اسے بھی ملاحظہ کرلیا جائے۔

☆☆☆

فصل پنجم

مروان کا پانچواں جرم

صحابہ کرام کی توہین وتذلیل

صحیح اور حسن روایات سے مروان کا متعدد جلیل القدر صحابہ کرام کی توہین اور گستاخی کرنا ثابت ہے۔ (ضعیف روایات میں ایسی مثالیں بہت زیادہ ہیں جنہیں ہم نظرانداز کررہے ہیں۔) یہاں فقط چار مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

(۱) مروان کا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی توہین کرنا:

''جویریۃ بن اسماء، یحییٰ بن سعید، عن عمہ'' کی مشہور ومعروف سند سے، جس کے تمام رُواۃ بلاشبہ ثقہ ہیں، مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حویلی کے محاصرے کے دوران مروان نے (کسی سازشی یا شیطان کے بہکاوے میں آکر) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو طعنہ دیا کہ بلوائیوں کو وہی ورغلا کر لائی ہیں اور وہ انہیں واپس بھیج

سکتی ہیں مگر بیٹھ کر تماشا دیکھ رہی ہیں۔ اس مضمون کو اس نے یوں ادا کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں کہ اُمّ المؤمنین کو کہو کہ وہ مفسدین کو واپس بھیجیں تو میں (ان کی مرضی کے مطابق) فلاں فلاں کام کردوں گا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کوئی جواب نہ دیا تو مروان نے ان پر ایک طنزیہ شعر جڑ دیا جس کے جواب میں اُمّ المؤمنین نے بھی اسے اور اس کے شیطان کو بُرا بھلا کہا۔ پوری روایت درج ذیل ہے:

حدثنا زهير بن حرب قال: حدثنا وهب بن جرير قال: حدثنا جويرية قال: حدثنا يحيى بن سعيد قال: حدثني عمي أو عم لي قال: بَيْنَمَا أَنَا عِنْدَ عَائِشَةَ رضی اللہ عنها وَعُثْمَانُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَحْصُورٌ، وَالنَّاسُ مَجْهِزُونَ لِلْحَجِّ إِذْ جَاءَ مَرْوَانُ فَقَالَ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، إِنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ يَقْرَأُ عَلَيْكِ السَّلَامَ وَرَحْمَةَ اللهِ وَيَقُولُ: رُدِّي عَنِّي النَّاسَ فَإِنِّي فَاعِلٌ وَفَاعِلٌ، فَلَمْ تُجِبْهُ، فَانْصَرَفَ وَهُوَ يَتَمَثَّلُ بِبَيْتِ الرَّبِيعِ بْنِ زِيَادٍ الْعَبْسِيِّ: وَحَرَّقَ قَيْسٌ عَلَيَّ الْبِلَادَ ... حَتَّى إِذَا اشْتَعَلَتْ أَجْذَمَا۔ فَقَالَتْ: رُدُّوا عَلَيَّ هَذَا الْمُتَمَثِّلَ، فَرَدَدْنَاهُ، فَقَالَتْ، وَفِي يَدِهَا غِرَارَةٌ لَهَا تُعَالِجُهَا: وَاللهِ لَوَدِدْتُ أَنَّ صَاحِبَكَ الَّذِي جِئْتَ مِنْ عِنْدِهِ فِي غِرَارَتِي هَذِهِ فَأَوْكَيْتُ عَلَيْهَا فَأَلْقَيْتُهَا فِي الْبَحْرِ

(راوی نے کہا: مجھ سے میرے چچا نے بیان کیا، انہوں نے کہا: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھا اور اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں محصور تھے اور لوگ حج کی تیاری کر رہے تھے۔ اتنے میں مروان آیا اور کہنے لگا: اے ام المؤمنین! امیر المؤمنین آپ کو سلام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگوں کو مجھ سے دور کر دیں یعنی محاصرہ ختم کرا دیں، میں ایسے اور ایسے اصلاحی کام کروں گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے کوئی جواب نہ دیا، چنانچہ وہ یہ کہتے ہوئے واپس پلٹ گیا اور ربیع بن زیاد العبسی کا یہ شعر گنگنا رہا تھا:

(قیس نے میرے خلاف شہروں میں آگ لگا دی، پھر جب آگ بھڑک اُٹھی تو قیس گونگا بن گیا)

یہ سن کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا غضب ناک ہوئیں اور کہا: اس شعر پڑھنے والے کو میرے پاس واپس لاؤ۔ پس ہم مروان کو واپس لائے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں ایک بوری تھی جسے وہ سلائی کر رہی تھیں، پس فرمایا: ''واللہ! میں چاہتی ہوں کہ تو اور تیرا ساتھی (یعنی کوئی سازشی مہرہ یا ابلیس) جس کے ہاں سے تو (یہ باتیں سیکھ کر) آیا ہے، دونوں کو میں اس بوری میں بند کر کے سمندر میں پھینک دوں۔'' (تاریخ المدینۃ لابن شبۃ: ۴ ص ۱۱۷۲)

اس روایت کے رجال ملاحظہ ہوں:

☆ زہیر بن حرب: (م ۲۳۴ھ) صحیحین کے راوی، ثقہ ثبت۔

(تقریب التہذیب، تر: ۲۰۴۲)

☆ وہب بن جریر البصری: (م ۲۰۶ھ) صحیحین کے راوی، ثقہ۔

(تقریب التہذیب، تر: ۷۴۷۲)

☆ جویریۃ بن اسماء البصری (م ۱۷۳ھ) صحیحین کے راوی، صدوق۔

(تقریب التہذیب، تر: ۲۸۸)

قال الذہبی: المحدث الثقۃ۔ (سیر اعلام النبلاء: ۷ ص ۳۱۷)

☆ یحییٰ بن سعید بن حیان، ابو حیان التیمی: (م ۱۴۵ھ) صحیحین کے راوی، ثقہ۔ (تقریب التہذیب، تر: ۷۵۵۵؛ تاریخ الاسلام للذہبی: ۳ ص ۱۰۰۸، بشار)

☆ یزید بن حیان تیمی الکوفی (م بعد ۱۰۰ھ) صحیح مسلم کے راوی، ثقہ۔

(تاریخ الاسلام للذہبی: ۳ ص ۱۷۹، بشار)

الغرض! اس روایت کے تمام رجال صحیحین کے راوی ہیں، سوائے یزید بن حیان کے جو صحیح مسلم کے راوی ہیں اور ثقہ راوی ہیں۔

روافض پر رَدّ۔ روایت کا صحیح مطلب:

یاد رہے کہ روافض اس روایت کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ مروان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے واقعی کہا تھا کہ جا کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ پیغام دو اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے دراصل مروان اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دونوں پر غصہ کیا تھا۔

یہ روافض کا جھوٹا دعویٰ ہے۔ اس صحیح روایت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مروان کو بھیجنے کا ذکر قطعاً نہیں۔ صرف مروان کا اپنا دعویٰ منقول ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایسا کہہ رہے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا ممکن نہ تھا کیوں کہ نہ تو مفسدین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے پر آئے تھے اور نہ ہی اُن کے کہنے پر جا سکتے تھے۔ یہ حقیقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ پس یہ جھوٹی بات مروان نے کسی سازشی سے متاثر ہو کر قبول کی تھی یا شیطان نے اُسے وسوسے ڈالے تھے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بلوائیوں کو مدینہ بلایا ہے اور انہی کے کہنے پر وہ واپس جائیں گے۔ یہ بالکل ایسا ہی تھا جیسے اس نے کسی کے بہکانے پر یہ یقین کر لیا تھا کہ اس محاصرے میں حضرت طلحہ کا رضی اللہ عنہ بھی ہاتھ ہے اور اسی لیے بعد میں اُس نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔

بہر حال مروان نے اپنی طرف سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگانا اپنے لیے معتبر سمجھا چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام استعمال کیا اور یوں اپنی بات کہہ دی مگر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بصیرت سے یہ حقیقت سمجھ لی تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایسا فضول پیغام نہیں بھیج سکتے، اس لیے اوّل وہ خاموش رہیں مگر جب مروان نے ان پر چوٹ کرتے ہوئے ایک طنزیہ شعر بھی پڑھ دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ آپ ہی نے یہ فساد کی آگ لگائی ہے اور اب آپ چپ چاپ بیٹھ کر تماشا دیکھ رہی ہیں۔ نعوذ باللہ۔ تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہ گستاخی برداشت نہ کر سکیں اور صاف کہا کہ تو اور تجھے یہ باتیں سکھانے والا شیطان دونوں سمندر میں غرق کرنے کے قابل ہو۔

(۲) مروان کا حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی توہین کرنا:

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے مروان کو صحابہ کی عظمت پر مشتمل یہ ارشادِ نبوی سنایا کہ "باقی لوگ الگ طبقہ ہیں جبکہ میں اور میرے صحابہ الگ طبقہ ہیں۔" اور یہ کہ "فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں، البتہ جہاد اور اس کی نیت برقرار ہے۔" (یعنی فتح مکہ سے پہلے ہجرت کرنے والے ہی شرفِ ہجرت والے ہیں اور وہ یہ شرف نہ پانے والوں سے بہتر ہیں۔) چوں کہ مروان کے گھرانے سمیت بنو اُمیّہ کے اکثر لوگ یہ

شرف نہ پا سکے تھے۔ پس مروان نے اس ارشاد کو حدیثِ نبوی نہ مانتے ہوئے صاف کہا: ''تم جھوٹ بولتے ہو۔'' یہی نہیں بلکہ مروان نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو مارنے کے لیے کوڑا بھی اٹھالیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پوری روایت ملاحظہ ہو:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ، قَالَ: قَرَأَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى خَتَمَهَا، وَقَالَ: النَّاسُ حَيٌّ، وَأَنَا وَأَصْحَابِي حَيٌّ، وَقَالَ: لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ، وَلَكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ، فَقَالَ لَهُ مَرْوَانُ: كَذَبْتَ، وَعِنْدَهُ رَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ، وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَهُمَا قَاعِدَانِ مَعَهُ عَلَى السَّرِيرِ، فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ: لَوْ شَاءَ هَذَانِ لَحَدَّثَاكَ، فَرَفَعَ عَلَيْهِ مَرْوَانُ الدِّرَّةَ لِيَضْرِبَهُ، فَلَمَّا رَأَيَا ذَلِكَ قَالَا: صَدَقَ۔

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب یہ سورت نازل ہوئی: إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ..... راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ سورت آخر تک تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا: لوگ ایک گروہ ہیں، اور میں اور میرے صحابہ ایک دوسرا گروہ ہیں۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے، البتہ جہاد اور نیت باقی ہے۔ یہ حدیث سن کر مروان نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے کہا: تم نے جھوٹ بولا۔ اس وقت مروان کے پاس تخت پر رافع بن خدیج اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر یہ دونوں چاہیں تو آپ کو یہ حدیث سنا سکتے ہیں اس پر مروان نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کو مارنے کے لیے کوڑا اُٹھالیا، جب ان دونوں حضرات نے یہ منظر دیکھا تو بولے: ابوسعید نے سچ کہا ہے۔''

(مسند احمد، ح:۲۱۶۲۹) قال الہیثمی: رجالہ رجال الصحیح۔ (مجمع الزوائد، ح:۹۲۷۵)

(۳) حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ اور اہلِ بیت کی کھلی توہین:

ابن سعد نے صحیح سند سے نقل کیا ہے کہ مروان نے حضرت حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو کہا کہ تم اہلِ بیت ملعون لوگ ہو۔

أخبرنا عفان بن مسلم قال: حدثنا حماد بن سلمة قال: أخبرنا عطاء بن السائب عن أبي يحيى قال: كنت بين الحسن بن علي والحسين ومروان بن الحكم والحسين يسب مروان فجعل الحسن ينهى الحسين حتى قال مروان: إنكم أهل بيت ملعونون، قال فغضب الحسن وقال: ويلك قلت أهل بيت ملعونين۔ فوالله لقد لعن الله أباك على لسان نبيه وأنت في صلبه۔

(ابویحییٰ کہتے ہیں کہ میں حسن بن علی اور حسین رضی اللہ عنہم اور مروان بن حکم کے درمیان تھا۔ حسین رضی اللہ عنہ مروان کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ ایسے میں مروان نے کہا: تم اہل بیت تو ملعون لوگ ہو۔ یہ سن کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ غضب ناک ہو گئے اور فرمایا: "تیرا ستیاناس۔ تو کہہ رہا ہے کہ اہل بیت ملعون ہیں۔ اللہ کی قسم اللہ نے تیرے باپ پر اپنے نبی کی زبانی لعنت اس وقت کر دی تھی جب تو اپنے باپ کی پشت میں تھا)

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جزء متمم الصحابۃ الطبقۃ الخامسۃ: ۱ص ۴۰۲، ۴۰۳، ط مکتبۃ الصدیق۔ رجالہ ثقات واسنادہ متصل)

روایت کے راوی عفان بن مسلم صحیحین کے ثقہ اور ثبت راوی ہیں، حماد بن سلمہ صحیح مسلم کے ثقہ راوی ہیں۔ عطاء بن سائب صحیحین کے صدوق راویوں میں سے ہیں۔ ابویحییٰ زیاد المکی تابعین کے وسطی طبقے کے ثقہ راوی ہیں۔

(تقریب التہذیب، تر: ۴۶۲۵، تر: ۱۴۹۹، تر: ۲۱۱۱)

نوٹ: یہ روایت راقم نے گزشتہ فصل میں مسند ابویعلیٰ سے نقل کی تھی جس پر محقق حسین سلیم اسد نے صحیح کا حکم لگایا ہے۔ یہاں اسے ابن سعد سے نقل کیا گیا۔ دونوں جگہ متن میں معمولی فرق ہے۔ رجال کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

(۴) حضرت حسن بن علیؓ کی وفات کے بعد بھی ان سے بغض کا اظہار

روایت ابوحازم:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وصیت تھی کہ انہیں نانا کے پہلو میں دفن کیا جائے، ہاں کوئی جھگڑا کرے تو بقیع میں دفن کر دینا۔ تدفین کے وقت مروان مسلح

لوگ لے کر آ گیا اور ہنگامہ کر دیا تا کہ انہیں یہ شرف حاصل نہ ہو سکے۔ بنو ہاشم لڑ سکتے تھے مگر انہوں نے صبر کیا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بقیع میں دفن کر دیا۔

حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، أَنَا حُصَيْنٌ، حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ، قَالَ لَمَّا احْتُضِرَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَوْصَى أَنْ يُدْفَنَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي ذَلِكَ تَنَازُعٌ أَوْ قِتَالٌ، فَيُدْفَنُ فِي مَقَابِرِ الْمُسْلِمِينَ، فَلَمَّا مَاتَ جَاءَ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ فِي بَنِي أُمَيَّةَ وَلَبِسُوا السِّلَاحَ، وَقَالَ: لَا يُدْفَنُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، مَنَعْتُمْ عُثْمَانَ، فَنَحْنُ نَمْنَعُكُمْ، فَخَافُوا أَنْ يَكُونَ بَيْنَهُمْ قِتَالٌ۔ قال أبو حازم: قال أبو هريرة: أرأيت لو أن ابنا لموسى أوصى أن يدفن مع أبيه فمنع، ألم يكن ظلموا؟ قلت: بلى، قال: فهذا ابن رسول الله ﷺ يمنع أن يدفن مع أبيه، ثم انطلق أبو هريرة إلى الحسين رضي الله عنهما فكلمه وناشده الله وقال: قد وصى اخوك إن خِفتَ أن يكون قِتال فرُدوني إلى مقابرِ المسلمين، فلم يزل به حتى فعل وحمله إلى البقيع، فلم يشهده أحد من بني امية إلا خالد بن الوليد بن عقبة، فإنه ناشدهم الله وقرابته فخلوا عنه۔ فشهد دفنه مع الحسين رضي الله عنه۔

(ابو حازم کہتے ہیں: جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا، تو انہوں نے وصیت کی کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دفن کیا جائے، سوائے اس کے کہ اس معاملے میں کوئی جھگڑا یا لڑائی ہو، تو ایسی صورت میں انہیں مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کر دیا جائے۔ جب ان کی وفات ہو گئی تو مروان بن حکم بنو امیہ کے لوگوں کے ساتھ آیا اور ان سب نے ہتھیار پہن رکھے تھے۔ مروان نے کہا: انہیں نبی کریم ﷺ کے ساتھ دفن نہیں کیا جائے گا۔ تم لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو وہاں دفن ہونے سے روکا تھا، تو اب ہم تمہیں روکیں گے۔ پس لوگوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں آپس میں لڑائی نہ ہو جائے۔ ابو حازم کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھلا بتاؤ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بیٹا وصیت کرتا کہ اسے اس کے باپ کے ساتھ دفن کیا جائے اور اسے روک دیا جاتا، تو کیا یہ ان پر ظلم نہ ہوتا؟ میں نے کہا: کیوں

نہیں ضرور ہوتا۔ انہوں نے فرمایا: تو یہ رسول اللہ ﷺ کے بیٹے ہیں جنہیں اپنے باپ کے ساتھ دفن ہونے سے روکا جا رہا ہے۔ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، ان سے بات کی اور انہیں اللہ کا واسطہ دے کر کہا: آپ کے بھائی نے وصیت کی تھی کہ اگر لڑائی کا خوف ہو تو مجھے مسلمانوں کے قبرستان کی طرف لوٹا دینا۔ وہ مسلسل حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قائل کرتے رہے یہاں تک کہ وہ مان گئے اور انہیں بقیع لے گئے۔ بنو امیہ میں سے خالد بن ولید بن عقبہ کے علاوہ کوئی بھی جنازے میں شریک نہ ہوا۔ خالد نے اپنی قوم کو اللہ اور قرابت داری کا واسطہ دیا تو ان لوگوں نے انہیں چھوڑ دیا، چنانچہ خالد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تدفین میں شریک ہو گئے)

(المعجم لنعیم بن حماد، ح: ۴۲۱)

اس کے رجال یعنی ہشم بن بشیر، حصین بن عبدالرحمٰن سلمی (م ۱۳۶ھ) اور ابو حازم (م ۱۰۰ھ) تینوں صحیحین کے ثقات رجال میں سے ہیں۔

(تقریب التہذیب، ت: ۷۳۱۲، ت: ۱۳۶۹، ت: ۲۴۷۹)

روایت عروہ بن زبیر سے اس واقعے کی تائید:

نیز عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے اس روایت کا متابع بھی موجود ہے جس کی سند حسن ہے:

حدثنا حفص بن عمر الدورِی المقرِی عن عبادِ بنِ عباد، عن هِشامِ بنِ عروة، عن أبِيهِ قال: قال الحسن، حِين حضرته الوفاة: ادفِنونِی عِند قبرِ رسولِ اللهِ ﷺ إلا أن تخافوا أن يكون فِی ذلک شر، فإن خِفتم الشر فادفِنونِی عِند أمی۔ وتوفی الحسن، فلما أرادوا دفنه أبى ذلِک مروان، وقال: لا يدفن مع النبی، يدفن عثمان فی حش كوكب ويدفن الحسن هاهنا؟ فاجتمع بنو هاشم وَبَنُو أُمَيَّةَ، فَأَعَانَ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ وَهَؤُلَاءِ قَوْمٌ، فجاؤا بالسلاح فقال أبو هريرة لمروان: يَا مَرْوَانُ أَتَمْنَعُ الْحَسَنَ أَنْ يُدْفَنَ فِی هَذَا الْمَوْضِعِ؟ وقد سمِعتُ رسول اللهِ ﷺ يقول له ولأخِيهِ حسين: هما سيدا شبابِ أهلِ الجنةِ. فقال مروان: دعنا

عن، لقد ضاع حديث رسولِ اللهِ ﷺ، لو ان لا يحفظه غير وغير أبي سعيد الخدري ،وانما أسلمتَ أيام خيبر۔قال: صدقتَ أسلمتُ أيام خيبر، ولكني لزِمت رسول اللهِ ﷺ فلم اكن أفارقه وكنت أسئله وعنيتُ بذلِك حتى علِمتُ وعرفتُ من أحب ومن أبغض، ومن قرب ومن بعد، ومن أقر ومن نفى، ومن دعاله ومن لعنه؟فلما رأت عائِشة السِلاح والرِجال، وخافت أن يعظم الشر بينهم وتسفك الدِماء قالت: البيت بيتي ولا آذن أن يدفن فِيهِ أحد۔فقال محمد بن علِي لأخِيهِ: يا أخِي إنه لو أوصى أن يدفن لدفناه أو نموت قبل ذلِك، ولكنه قد استثنى، فقال: إلا أن تخافوا الشرَ۔ فأيَ شرَ أشد مِما ترى؟ فدفِن بِالبقِيعِ إلى جنبِ أمِهِ.

(ہم سے حفص بن عمر دوری مقری نے عباد بن عباد کے واسطے سے، انہوں نے ہشام بن عروہ سے اور انہوں نے اپنے والد عروہ بن زبیر سے روایت کی، انہوں نے کہا: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت وصیت کرتے ہوئے فرمایا: مجھے رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کے پاس دفن کرنا، سوائے اس کے کہ تمہیں اس میں کسی شر وفساد کا خوف ہو، اگر تمہیں شر کا ڈر ہو تو پھر مجھے میری والدہ کے پاس دفن کر دینا۔ پھر جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی اور لوگوں نے انہیں روضہ رسول ﷺ میں دفن کرنا چاہا تو مروان نے اس سے منع کر دیا اور کہا: کیا حسن کو وہاں دفن کیا جائے گا؟ کیا عثمان تو حش کوکب میں دفن ہوں اور حسن یہاں دفن ہوں؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ بنو ہاشم اور بنو امیہ آمنے سامنے جمع ہو گئے اور دونوں طرف سے لوگوں نے اپنے اپنے گروہ کی مدد کی۔ وہ ہتھیار لے آئے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مروان سے کہا: اے مروان! کیا تو حسن کو اس جگہ دفن ہونے سے روکتا ہے؟ جبکہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو ان کے اور ان کے بھائی حسین کے بارے میں یہ فرماتے سنا ہے کہ: یہ دونوں اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ مروان نے جواب دیا: تم اپنی یہ باتیں رہنے دو۔ (تمہارے زعم میں تو) اگر تمہارے اور ابو سعید خدری کے علاوہ

رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا کوئی اور محافظ نہ ہوتا تو حدیثِ رسول ﷺ ضائع ہو چکی ہوتی، جبکہ تم تو محض خیبر کے دنوں میں اسلام لائے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے سچ کہا کہ میں خیبر کے دنوں میں اسلام لایا، لیکن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وابستہ رہا اور آپ ﷺ سے کبھی جدا نہیں ہوتا تھا، میں آپ ﷺ سے سوالات کرتا تھا اور میں نے اس علم کی طلب میں خود کو تھکا دیا، یہاں تک کہ میں نے جان لیا اور پہچان لیا کہ آپ ﷺ کس سے محبت کرتے تھے اور کس سے بغض، کسے قریب کرتے تھے اور کسے دور، کسے برقرار رکھا اور کسے جلاوطن کیا، اور کس کے لیے دعا فرمائی اور کس پر لعنت کی؟ اُدھر جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ہتھیار اٹھائے دیکھا تو انہیں ڈر ہوا کہ کہیں ان کے درمیان شر و فساد بڑھ نہ جائے اور خون ریزی نہ ہو جائے، تو انہوں نے فرمایا: یہ گھر میرا ہے اور میں اب کسی کو یہاں دفن کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ تب محمد بن علی نے اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہا: اے میرے بھائی: اگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے وہاں دفن کیے جانے کی حتمی وصیت کی ہوتی تو ہم انہیں ضرور وہیں دفن کرتے چاہے اس کے لیے ہمیں مرنا ہی کیوں نہ پڑتا لیکن انہوں نے تو خود استثناء رکھا تھا کہ: اگر تمہیں شر کا خوف ہو، تو اس سے بڑھ کر اور کیا شر ہوگا جو تم دیکھ رہے ہو؟ چنانچہ انہیں بقیع میں ان کی والدہ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔" (انساب الاشراف: ۳ ص ۶۰) اسنادہ صحیح

ذکر الرجال:

اس روایت کے رجال ہشام بن عروہ اور عروہ بن زبیر تو کسی تعارف کے محتاج نہیں کہ وہ صحیحین کے مشہور ثقات رُواۃ میں سے ہیں۔ عباد بن عباد (م ۱۸۰ھ) بھی صحیحین کے ثقہ راوی ہیں۔ (تقریب التہذیب، ت: ۳۲۳۱)

حفص بن عمر الدوری المقری بھی ثقہ راوی ہیں۔

حفص بن عمر الدوری المقری، قال مسلمة بن قاسم فی کتاب الصلة :ثقة، قال ابو عمرو الدانی المقری:ثقة ثبت مشهور۔(تراجم الساقطة من

اکمال تهذیب الکمال لمغلطائی:ص ۲۴۲، ط دار المحدث للنشر والتوزیع، السعودیة العربیة) قال ابو حاتم: هو صدوق۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۵۴۲)

(۵) مروان کی عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کی توہین اور سیدہ عائشہؓ سے تلخ کلامی کرنا:

صحیح روایات سے ثابت ہے کہ مروان نے جب یزید کی بیعت پر آمادہ کرنے کے لیے مسجدِ نبوی میں تقریر کی تو حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے اختلافِ رائے کا اظہار کیا۔ خلفائے راشدین کے سامنے بھی لوگ اس سے زیادہ بے باکی کے ساتھ اظہارِ رائے اور اختلافِ رائے کیا کرتے تھے اور وہ بخوشی سب کی بھلی بُری باتیں سنتے تھے۔ یہاں تو ایک معمر صحابی اپنے سے کم عمر اور کم درجہ شخص کو سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے مگر مروان کا غرور و تکبر آڑے آیا۔ اُس نے غصے میں آکر سپاہیوں کو کہا: اسے گرفتار کرلو۔ عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں داخل ہو گئے۔ پس مروانی ان کو پکڑنے پر قادر نہ ہوئے۔ اس کے بعد مروان نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی تلخ کلامی کی اور قرآن مجید کی ایک آیت کو غلط استعمال کرتے ہوئے خانوادۂ صدیقی کی توہین کی کوشش کی جس کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تُرکی بہ تُرکی جواب دیا۔ صحیح بخاری کی یہ روایت مع ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔

عن یوسف بنِ ماهک، قال: کان مروان علی الحِجازِ استعمله معاوِیة ، فخطب، فجعل یذکر یزِید بن معاوِی لِکی یبایع له بعد أبِیهِ، فقال له عبد الرحمنِ بن أبِی بکر شیئا، فقال: خذوه، فدخل بیت عائِشة فلم یقدروا، فقال مروان: إنَّ هَذَا الَّذِی أَنْزَلَ اللهُ فِیهِ، وَ الَّذِی قَالَ لِوَالِدَیْهِ أُفٍّ لَکُمَا أَتَعِدَانِنِی۔ (الاحقاف: ۱۷) فقالت عائِشة مِن وراءِ الحِجابِ: مَا أَنْزَلَ اللهُ فِینَا شَیْئًا مِنَ القُرآنِ إِلَّا أَنَّ اللهَ أَنْزَلَ عُذْرِی۔

یوسف بن ماہک سے روایت ہے، انہوں نے کہا: مروان بن حکم حجاز کا امیر تھا، اسے معاویہ رضی اللہ عنہ نے مقرر کیا تھا۔ ایک بار مروان نے خطبہ دیا جس

میں اس نے یزید بن معاویہ کا ذکر کرنا شروع کیا تا کہ اس کے باپ کے بعد اس کی بیعت لی جا سکے۔ یہ سن کر حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے اسے کچھ تنقیدی بات کہی۔ مروان نے کہا: اسے پکڑ لو۔ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہو گئے تو وہ لوگ انہیں نہ پکڑ سکے۔ اب مروان نے (حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی کردار کشی کرتے ہوئے) کہا: یہ وہی شخص ہے جس کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے: اور وہ جس نے اپنے والدین سے کہا: تف ہے تم پر، کیا تم مجھے یہ دھمکی دیتے ہو۔ سورہ الاحقاف: آیت: ۱۷۔ تب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پردے کے پیچھے سے (مروان کی اس غلط بیان کی تردید کرتے ہوئے) فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمارے (گھرانے) کے بارے میں قرآن میں ایسا کچھ نہیں فرمایا۔ ہاں میری برأت ضرور نازل فرمائی ہے۔''

(صحیح البخاری، ح: ۴۸۲۷، کتاب التفسیر، باب الذی قال لوالدیہ اف لکما)

کیا حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو ایک آیت وعید کا مصداق ٹھہرانا، صحابی کی اہانت اور بے ادبی کے دمرے میں نہیں آتا؟ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ عمر رسیدگی کے لحاظ سے اس کے باپ جیسے تھے، اور صحابی ہونے کی حیثیت سے ان کا ادب ہر مسلمان پر فرض تھا مگر مروان نے انہیں گرفتار کرنے کی کوشش کی اور اتنا خوفزدہ کیا کہ وہ بہن کے گھر میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ پھر اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ روضۂ اطہر کا ادب نظر انداز کرتے ہوئے حجرہ شریفہ کے پاس آ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے تلخ کلامی کی، خانوادۂ صدیقی کی کردار کشی کی اور اس کے لیے جھوٹ موٹ قرآن کو آڑ بناتے ہوئے دعویٰ کیا کہ تمہارے بھائی کی مذمت قرآن میں آئی ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کیا کوئی شخص صحابہ پر اس طرح طعن کر سکتا ہے؟ اور ایسا کر کے اس کی اپنی ثقاہت اور دین داری قائم رہے گی؟ کیا علم، اخلاق اور شرافت میں اس کا کوئی جواز ہے؟

اگر بالفرض اگر حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے قبل

کے کسی فعل کی مذمت پر کوئی آیت نازل ہوئی بھی ہوتی تو اب اُس کا حوالہ دے کر انہیں زچ کرنے کی کوشش کرنا کونسی نیکی تھی؟ اگر کوئی گناہ گار تائب ہو جائے یا کوئی کافر اسلام لے آئے تو اس کی سابقہ حالت کا حوالہ دے کر اُسے مطعون کرنا کہاں کی انسانیت ہے؟ یہ تو انتہائی کم ظرفی اور عدالت صحابہ سے کھلا انحراف تھا۔ انہی حضرات کی قربانیوں کے سبب مروان اور اس جیسے بے شمار لوگوں کو دولتِ اسلام نصیب ہوئی تھی مگر اس حقیقت کو نظر انداز کر کے انہی ہستیوں پر زبانِ طعن دراز کرنا کھلی گمراہی، حد درجے احسان فراموشی اور در حقیقت سراسر بدنصیبی تھی۔ سچ یہ ہے کہ صحیح بخاری کی یہ روایت پڑھ کر بھی جسے مروان سے نفرت محسوس نہ ہو، اس کا دل یقیناً روافض کی طرح سیاہ ہو چکا ہے اور وہ خانوادۂ صدیقی کی حرمت بھی مروان کے قدموں پر قربان کر چکا ہے تبھی مروان کی ایسی حرکات پر بھی اس کے دل میں کوئی ٹیس نہیں اُٹھ رہی۔

☆☆☆

فصل ششم

مروان کا چھٹا جرم

حیاتِ انبیاء کا انکار

مروان اس اُمت کا وہ پہلا شخص ہے جس نے حیاتِ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں صحابہ کرام کے مذہب سے انحراف کیا۔ وہ پہلا شخص تھا جو حیاتِ انبیاء کا منکر تھا، اجسادِ انبیاء کو پتھر کی طرح مانتا اور ارواح مبارکہ سے لاتعلق سمجھتا تھا، قبورِ انبیاء کو تاریک گڑھا تصور کرتا تھا۔ اسے اس بارے میں اتنا تشدد تھا کہ صحابہ کرام کو روضۂ اقدس پر صلوٰۃ وسلام عرض کرتے دیکھتا تو بڑی سختی اور اہانت کے ساتھ انہیں روکنے کی کوشش کرتا۔ اس بارے میں صحیح وحسن سند کے ساتھ دو واقعات پیش خدمت ہیں:

مروان کا حضرت ابوایوب انصاریؓ کو روضۂ رسول پر سلام سے منع کرنا بسند صحیح:

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حدثنا سُفْيَانُ بْنُ حَمْزَةَ، عَنْ كَثِيرِ

يَعْنِي: ابْنَ زَيْدٍ، عَنِ الْمُطَّلِبِ، قال: جاء أبو أيوب الأَنْصَارِيُّ يُرِيدُ أَنْ يُسَلِّمَ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَجَاءَ مَرْوَان وَهُوَ كَذَلِكَ فَأَخَذَ بِرَقَبَتِهِ، فَقَالَ: هَلْ تَدْرِي مَا تَصْنَعُ؟ فَقَالَ: قَدْ دَرَيْتُ أَنِّي لَمْ آتِ الْحَدَرَ وَلا الْحَجَرَ، وَلَكِنِّي جِئْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ عَلَيْهِ السَّلامُ يَقُولُ: لا تَبْكُوا عَلَى الدِّينِ مَا وَلِيَهُ أَهْلُهُ، وَلَكِنِ ابْكُوا عَلَى الدين إِذَا وَلِيَهُ غَيْرُ أَهْلِهِ۔

(حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ آئے۔ وہ روضۂ اقدس پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنا چاہتے تھے۔ پس مروان آگیا اور وہ اسی طرح سلام عرض کررہے تھے۔ مروان نے انہیں گردن سے پکڑ لیا اور کہنے لگا: معلوم بھی ہے کہ یہ تم کیا کررہے ہو؟ انہوں نے فرمایا: ''میں جانتا ہوں۔ میں کسی اندھیری جگہ یا پتھر کے پاس نہیں آیا۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں اور رسول اللہ ﷺ ہی سے میں نے سنا ہے کہ جب قابل لوگ دین کے وارث ہوں تو مت رونا، مگر دین پر رونا جب نااہل لوگ اس کے ٹھیکے دار بن جائیں) (تاریخ ابن ابی خیثمہ: السفر الثالث: ۲ ص ۷۷) اسنادہ صحیح

ذکر الرجال:

☆ ابراہیم بن المنذر الاسدی الحزامی المدنی: (م ۲۳۶ھ) من رجال البخاری، صدوق۔ (تقریب التہذیب، تر: ۲۵۳)

☆ سلیمان بن حمزۃ: (م بعد ۲۰۰ھ) صدوق۔

(تقریب التہذیب، تر: ۲۴۳۸)؛

☆ کثیر بن زید الاسلمی: (م ۱۵۸ھ) صدوق۔ (تقریب التہذیب، تر: ۵۶۱۱)

☆ المطلب بن عبداللہ بن حنطب (ابن أخت مَرْوَانَ بنِ الحَكَم): (م بعد ۱۲۰ھ) صدوق، کثیر الارسال والتدلیس۔ (تقریب التہذیب، تر: ۶۷۱۰)

☆ یعقوب بن حمید: م ۲۴۰ھ، رجال بخاری میں سے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم نے ان میں خیر کے سوا کچھ نہیں دیکھا اور وہ اصل میں سچے راوی ہیں۔ (میزان الاعتدال: ۴ ص ۴۵۰، ۴۵۱)

☆ عبدالعزیز بن ابی حازم: (۱۸۴ھ) صحیحین کے راوی، صدوق۔
(تقریب التہذیب، تر:۴۰۸۸)

☆ العلاء بن عبدالرحمٰن المدنی: (م بعد ۱۳۰ھ) رجالِ مسلم میں سے ہیں، صدوق۔ (تقریب التہذیب، تر:۵۲۴۷)

☆ عبدالرحمن بن یعقوب الجہنی المدنی: تابعین کے درمیانے طبقے سے اور مسلم کے ثقہ رجال میں سے ہیں۔ (تقریب التہذیب، تر:۴۰۴۶)

چونکہ مروان اجسادِ انبیاء کو پتھر کی طرح مانتا اور ارواح مبارکہ سے لاتعلق سمجھتا تھا اور قبورِ انبیاء کو تاریک گڑھا تصور کرتا تھا، پس میزبانِ رسول ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اُس کی اسی غلط ذہنیت پر چوٹ کی اور اسی لیے یہ نہیں کہا کہ میں قبر پر آیا ہوں بلکہ فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں۔''

ساتھ ہی واضح کیا کہ میں کسی پتھر اور اندھیرے گڑھے کے پاس نہیں کھڑا بلکہ منوّر اور آباد بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ سلام بھلا کیوں نہ پڑھوں گا؟ نیز ایک بدعتی کا ایک جلیل القدر صحابی کو اس طرح ٹوکنے کا صاف مطلب یہی تھا کہ وہ خود کو صحابہ کرام سے زیادہ دین دار یعنی دین کا ٹھیکے دار تصور کرتا تھا، (نعوذ باللہ) اس لیے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں بھی فرمانِ نبوی سنا کر اتمام حجت کر دیا۔

مروان کا اسامہ بن زید کو روضۂ رسول پر سلام سے منع کرنا بسند حسن:

اسی طرح کا دوسرا واقعہ حسن سند کے ساتھ منقول ہے:

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَزْعَرَةَ، قَالَ: حدثنا وهب بن جرير، قَالَ: حدثنا أَبِي، قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْحَاقَ يُحَدِّثُ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: رَأَيْتُ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ مُضْطَجِعًا عَلَى بَابِ حُجْرَةِ عَائِشَةَ رَافِعًا عَقِيرَتَهُ يَتَغَنَّى، وَرَأَيْتُهُ يُصَلِّي عِنْدَ قَبْرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَخَرَجَ عَلَيْهِ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ، فَقَالَ لَهُ: تُصَلِّي عِنْدَ قَبْرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، ابْنَ ابْنِ حِبِّهِ؟ وَقَالَ لَهُ قَوْلًا قَبِيحًا، فَانْصَرَفَ أُسَامَةُ، فَقَالَ: يَا مَرْوَانُ

إِنَّكَ قَدْ آذَيْتَنِي، وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: يُبْغِضُ اللهُ الْفَاحِشَ الْمُتَفَحِّشَ، وَإِنَّكَ فَاحِشٌ مُتَفَحِّشٌ۔

(عبیداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو دیکھا جو حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازے کے پاس لیٹے ہوئے آواز کچھ اونچی کر کے نعت پڑھ رہے تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھ رہے ہیں۔ پس مروان بن حکم نکل آیا اور کہنے لگا: "اولاڈلے کی اولاد! کیا مرقدِ رسول کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے!" یہ کہہ کر بدکلامی کی۔ پس اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے لوٹ گئے: اے مروان تو نے مجھے اذیت دی، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ بے حیا اور فحش گو شخص سے نفرت کرتا ہے اور بے شک تو ایک بے حیا اور فحش گو شخص ہے)

(تاریخ ابن ابی خیثمہ: السفر الثالث: ۲ ص ۷۵) اسنادہ حسن۔

ذکر الرجال:

☆ ابراہیم بن محمد بن عرعرۃ: (م ۲۳۱ھ) صحیح مسلم کے راوی، ثقہ

(تقریب التھذیب، ت: ۲۳۸)

☆ وہب بن جریر: (م ۲۰۶ھ) صحیحین کے راوی، ثقہ

(تقریب التھذیب، ت: ۷۴۷۲)

☆ جریر بن حازم: (م ۱۷۰ھ) صحیحین کے راوی، ثقہ

(تقریب التھذیب، ت: ۹۱۱)

☆ محمد بن اسحاق بن یسار: (م بعد ۱۵۰ھ) صحیح مسلم کے راوی، ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صدوق ہیں، تدلیس کے عادی ہیں۔ (تقریب التھذیب: ۵۷۲۵)

ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صدوق ہیں، ابن معین کہتے ہیں: ثقہ ہیں مگر حجت نہیں۔ (من تکلم فیہ وھو موثق: ص ۱۵۹)

☆ صالح بن کیسان: (م بعد ۱۳۰ھ) صحیحین کے راوی، ثقہ۔

(تقریب التھذیب، ت: ۲۸۸۴)

☆ عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبۃ بن مسعود: مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ایک، حجۃ، حافظ، مجتہد، صحیحین کے راوی (سیر اعلام النبلاء: ۲ ص ۱۱۳۷)

اس روایت کو علامہ ضیاء الدین المقدسی رحمہ اللہ (م ۶۴۳ھ) نے ''الاحادیث المختارۃ'' میں نقل کیا ہے اور اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

(الاحادیث المختارۃ، ح: ۱۳۱۷)

یہی روایت صحیح ابن حبان میں مختصراً:

یہی روایت صحیح ابن حبان میں مختصراً آئی ہے:

عن عبیدِ اللّٰہِ بنِ عبدِ اللّٰہِ، قال: رَأَیتُ أسامۃ بن زید یُصَلِّی عِندَ قَبرِ رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ، فَخَرَجَ مَرْوَان بْنُ الْحَکَم، فَقَالَ لَہٗ: تُصَلِّی عِندَ قَبرِ رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ... الخ

شیخ البانی کی غلط فہمی:

اس روایت میں مذکور قصے کو شیخ البانی نے ''التعلیقات الحسان علی صحیح ابن حبان'' میں اس لیے ''منکر'' قرار دیا ہے کہ کسی صحابی کے لیے رسول اللہ ﷺ کی قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا تصور نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ قبر کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا جائز نہیں۔

حقیقت میں شیخ البانی ہی کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہاں ''یصلی عند قبر رسول اللہ ﷺ'' کا مطلب نماز پڑھنا نہیں بلکہ صلوٰۃ وسلام عرض کرنا ہے جس کی دلیل حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا صحیح سند سے مذکور وہ قصہ ہے جو گزشتہ صفحات پر ہم پیش کر چکے ہیں، جس میں بالکل صریح الفاظ میں مذکور ہے: ''یُرِیدُ أَنْ یُسَلِّمَ عَلَی رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ فَجَاءَ مَرْوَان وَھُوَ کَذٰلِکَ فَأَخَذَ بِرَقَبَتِہٖ'' یعنی وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرنے آئے تھے مگر مروان نے انہیں گردن سے پکڑ کر روک دیا۔ پس مروان نے اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بھی صلوٰۃ

وسلام ہی سے روکا تھا۔ اس لیے یہ قصہ نہ صرف اپنے معنیٰ میں بالکل ثابت ہے بلکہ ایک دوسری صحیح روایت سے مؤید بھی ہے۔

نتیجہ: مروان مماتی بھی تھا اور گستاخ صحابہ بھی:

الغرض ان صحیح وحسن روایتوں سے بیک وقت مروان کا مماتی یعنی منکرِ حیاتِ انبیاء ہونا اور ساتھ ہی گستاخ صحابہ ہونا بھی ثابت ہو رہا ہے۔

☆☆☆

فصل ہفتم

مروان کا ساتواں جرم

عقیدۂ عدالتِ صحابہ سے انحراف

اسلامی عقیدہ ہے کہ تمام صحابہ عادل اور امین ہیں اور اُن کی امانت ودیانت شک وشبہے سے بالاتر ہے لہٰذا:

(الف) اُن میں سے کسی پر جھوٹی حدیثیں بیان کرنے یا ان میں کمی بیشی کرنے کا الزام کھلی ضلالت ہے۔

(ب) اُن پر سب وشتم یا لعن طعن کرنا، ان کی کردار کشی کرنا اور ان باتوں کو معمولی سمجھنا بہت بڑی گمراہی ہے۔

کیونکہ اگر ان حضرات کے متعلق ایسے شکوک وشبہات کو ذہن میں جگہ دی جائے یا اُن کی کردار کشی کی جائے تو پھر اُمت اور پیغمبر آخر الزمان ﷺ کے درمیان واسطہ بننے والی ہستیوں پر اعتماد ختم ہو جائے گا اور اُن سے ملنے والا سُنت کا ذخیرہ جو کہ دین کی اہم بنیاد ہے، مشکوک ہو جائے گا اور یوں گمراہی اور بے دینی کے دروازے کھل جائیں گے۔ اس لیے تمام صحابہ کی عدالت پر علمائے اُمت کا اجماع رہا ہے اور اس کو مختصراً یوں بیان کیا جاتا ہے:

''اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عُدُوْل'' (صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں)

امام ابو سعید عثمان رحمہ اللہ (م ۲۸۰ھ) فرماتے ہیں:

كُلُّهُمْ بِحَمْدِ اللهِ عُدُولٌ۔ (الحمد للہ وہ سب کے سب عادل ہیں)

(نقض الامام ابی سعید عثمان علی المریسی الجہمی: ۲ ص ۶۳۶، ط مکتبۃ الرشد)

امام ابو الحسن الاشعری رحمہ اللہ (م ۳۲۴ھ) فرماتے ہیں:

" الإجماع السادس والأربعون: بيان أن خير القرون هو قرن الصحابة، وعلى أنهم جميعاً عدول۔

"چھیالیسویں چیز جس پر اجماع اُمت ہے یہ ہے کہ خیر القرون صحابہ کا دور ہے اور یہ کہ وہ تمام حضرات عادل تھے۔"

(رسالة إلى أهل الثغر بباب الأبواب لابی الحسن علی الأشعری ص ۵۹، ط: عمادة البحث العلمی بالجامعة الإسلامية، المدينة المنورة، المملكة العربية السعودية)

علامہ ابن صلاح رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں: الصَّحَابَةُ كلهم عدُول۔

(صیانۃ صحیح مسلم لابن صلاح: ص ۱۷۸، ط دار الغرب الاسلامی)

اس مفہوم پر تمام صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا اجماع رہا ہے۔ البتہ پہلی صدی ہجری میں تین گروہ اس عقیدے سے منحرف ہوئی:

(۱) خوارج (۲) متشدد شیعانِ علی (۳) مروانی (نواصب)

تینوں میں قدرِ مشترک یہ تھی کہ ان میں سے کسی کے نزدیک تمام صحابہ محترم نہ تھے بلکہ ہر گروہ کو کچھ صحابہ سے عناد تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

(۱) خوارج حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو مانتے تھے مگر بعد کے اکثر صحابہ سے بداعتماد تھے۔

(۲) متشدد شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے حلقے کے صحابہ کو مانتے تھے مگر خلفائے ثلاثہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے حامی صحابہ سے نالاں تھے۔

(یاد رہے کہ یہاں پہلی صدی ہجری کے جمہور شیعانِ علی کا ذکر نہیں ہو رہا۔ اس وقت جمہور شیعانِ علی تمام صحابہ کی توقیر کرتے تھے۔ ان کا اہلِ سنت سے

اختلاف صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان مراتب فضیلت میں تھا۔ یہاں متشدد شیعوں کے عقیدوں کا ذکر ہو رہا ہے جو سبائیوں کے جال میں پھنس کر خلفائے ثلاثہ سمیت اکثر صحابہ سے بیزار تھے۔ تاہم اس زمانے میں بھی وہ کھلم کھلا طعن نہیں کر سکتے تھے)

(۳) مروانی اُن تمام صحابہ سے بے زار تھے جن کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، یزید یا مروان سے سیاسی اختلاف رہا چنانچہ حضرت علی، حسنین کریمین، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اور ان کے حلقے کے متعدد صحابہ کرام سے انہیں کوئی عقیدت نہ تھی۔

عدالتِ صحابہ کے منکرین میں مروانی سب سے زیادہ خطرناک تھے:

ان تینوں طبقوں میں مروانی سب سے بااثر تھے۔ خوارج کو جنگوں میں کچل دیا گیا تھا۔ پہلی صدی ہجری میں متشدد شیعانِ علی بھی زیادہ نہ تھے اور اُنہیں صحابہ پر علانیہ سب وشتم کا حوصلہ بھی نہ تھا مگر مروانی پہلی صدی ہجری کے آخری عشروں میں حاکم بن گئے تھے۔ پس اُنہیں کسی کا خوف نہ تھا، لہٰذا وہ اپنی دریدہ دہنی کا سرِ عام اظہار کیا کرتے تھے۔ اس صورتحال کا آغاز مروان سے ہوا تھا اور مروانی اُسی کے نقشِ قدم پر چل رہے تھے۔ مروان اس اُمت کا پہلا عالم تھا جو عدالتِ صحابہ سے منحرف تھا۔ عدالتِ صحابہ کا عقیدہ کسی صحابی پر حدیث میں کذب بیانی کے الزام کو بالکل ممنوع قرار دیتا ہے مگر مروان کا حال یہ تھا کہ بعض اوقات وہ صحابہ کرام سے حدیث سن کر انہیں ان کے منہ پر جھوٹا قرار دے دیتا تھا۔ ذخیرۂ حدیث میں مروانیوں کی طرف سے صحابہ کی احادیث کو جھٹلانے کے نظائر بکثرت ہیں۔ محدثین نے اپنی کتب میں جابجا ایسا مواد محفوظ کر دیا ہے جس سے مروانیوں کی یہ بدعقیدگی ثابت بھی ہوتی ہے اور ساتھ ساتھ فرامینِ نبویہ اور آثارِ صحابہ کے ذریعے اس بدعقیدگی کی تردید بھی ہو جاتی ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو جھوٹا کہنا:

ایک بار حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مجلس میں مروان کو یہ حدیث سنا

رہے تھے کہ: ''فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ، البتہ جہاد اوراس کی نیت باقی ہیں۔'' حدیث سنتے ہی مروان نے صحابیٔ رسول کو بے دھڑک کہا: ''تم جھوٹے ہو۔''

عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ، قَالَ: قَرَأَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى خَتَمَهَا، وَقَالَ: النَّاسُ حَيِّزٌ، وَأَنَا وَأَصْحَابِي حَيِّزٌ ، وَقَالَ: لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ، وَلَكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ ، فَقَالَ لَهُ مَرْوَانُ: كَذَبْتَ،

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب یہ سورت نازل ہوئی: إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ..... راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ سورت آخر تک تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا: لوگ ایک گروہ ہیں، اور میں اور میرے صحابہ ایک دوسرا گروہ ہیں۔اور آپ ﷺ نے فرمایا: فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے، البتہ جہاد اور نیت باقی ہے۔ یہ حدیث سن کر مروان نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ نے جھوٹ بولا۔

(مسند احمد، ح:۲۱۶۲۹) قال الہیثمی: رجالہ رجال الصحیح۔ (مجمع الزوائد، ح:۹۲۷۵)

مسند ابوداؤد طیالسی میں یہ روایت اسی طرح ہے:

قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: فَحَدَّثْتُ بِهَذَا الْحَدِيثَ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ، وَكَانَ أَمِيرًا عَلَى الْمَدِينَةِ، قَالَ: وَعِنْدَهُ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَرَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ، وَهُمَا مَعَهُ قَاعِدَيْنِ عَلَى السَّرِيرِ، قَالَ: فَقَالَ مَرْوَانُ: كَذَبْتَ۔

(حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے یہ حدیث مروان کو سنائی جب کہ وہ مدینہ کا حاکم تھا، اور زید بن ثابت اور رافع بن خدیج اس کے پاس تخت پر بیٹھے تھے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث سن کر مروان نے کہا: تم نے جھوٹ بولا ہے)

(مسند ابی داؤد طیالسی، ح:۱۰۱۰، رجالہ ثقات، واخرجہ ابن ابی شیبۃ ابن ابی خیثمۃ بہذا الاسناد؛ مصنف ابن ابی شیبۃ، ح:۳۶۹۲۹؛ تاریخ ابن ابی خیثمۃ: السفر الثالث: ۲ص ۷۶)

مروان کا یہ طرزِ عمل عدالتِ صحابہ سے کھلا انحراف نہیں تو اور کیا تھا۔ غور کا مقام ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مکثرین صحابہ میں سے ہیں۔ وہ ان سات صحابہ میں سے ساتویں نمبر پر ہیں جن سے سب سے زیادہ احادیث مروی ہیں۔ ان کی روایات کی تعداد گیارہ سو ستر (۱۱۷۰) ہے۔ اگر مروان کے نزدیک ایسے جلیل القدر صحابی بھی حدیث سنانے میں جھوٹ بول سکتے تھے (نعوذ باللہ) تو باقی صحابہ کی اس کے دل میں بھلا کیا قدر ہوگی؟

مروان کا حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث پر عدمِ اعتماد، ایک صحیح روایت میں:

حدثنا حفص بن عمر الدورِی المقرِی عن عبادِ بنِ عباد، عن هِشامِ بنِ عروة، عن أبيهِ قال:... فقال أبو هريرة لمروان: يَامَرْوَانُ أَتَمْنَعُ الْحَسَنَ أَنْ يُدْفَنَ فِي هَذَا الْمَوْضِعِ؟ وقد سمِعتُ رسول اللهِ ﷺ يقول له ولأخِيهِ حسين: هما سيدا شبابِ أهلِ الجنةِ. فقال مروان: دعنا عن، لقد ضاع حدِيث رسولِ اللهِ ﷺ، لو ان لا يحفظه غير وغير أبي سعِيد الخدرِی، وانما أسلمتَ أيام خيبر۔

''ہشام بن عروہ نے اپنے والد عروہ بن زبیر سے روایت کی..... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مروان سے کہا: اے مروان! کیا تو حسن کو روضۂ اطہر میں دفن ہونے سے روکتا ہے؟ جبکہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو ان کے اور ان کے بھائی حسین کے بارے میں یہ فرماتے سنا ہے کہ: یہ دونوں اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ مروان نے جواب دیا: تم اپنی یہ باتیں رہنے دو۔ (تمہارے زعم میں تو) اگر تمہارے اور ابوسعید خدری کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا کوئی اور محافظ نہ ہوتا تو حدیثِ رسول ﷺ ضائع ہو چکی ہوتی، جبکہ تم تو محض خیبر کے دنوں میں اسلام لائے تھے۔'' (انساب الاشراف: ۳ ص ۶۰) اسنادہ صحیح

اس روایت کے تمام رجال بخاری و مسلم کے رجال ہیں، سوائے حفص بن عمر کے مگر وہ بھی معتبر راوی ہیں۔ اس روایت کے رجال کی بحث پیچھے فصلِ پنجم میں گزر چکی ہے۔

غور فرمایئے کہ اس واقعے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی شان میں ایک مشہور حدیث سنا کر مروان کو رضامند کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو روضۂ مبارکہ میں دفن ہونے دے، مگر مروان کو یہ گوارا نہ تھا، اس لیے حدیث نبوی کی رَمّی بھر پروانہ کی اور طنز کرتے ہوئے کہا کہ ابو ہریرہ! تمہارے زعم میں تو حدیث کے محافظ تم اور ابو سعید خدری ہی ہو، اور سمجھتے ہو کہ تم نہ ہوتے تو حدیث ضایع ہو چکی ہوتی۔

حدیث کے سب سے بڑے حافظ صحابی سے حدیث سن کر بھی ہٹ دھرمی کا یہ مظاہرہ اور پھر صحابی کی روایت پر عدم اعتماد اور ساتھ ہی طنز کے نشتر برسانا اچھی طرح ثابت کر دیتا ہے کہ مروان عدالتِ صحابہ کا منکر تھا۔

☆☆☆

فصل ہشتم

مروان کا آٹھواں جرم

فرقہ مروانیہ (نواصب) کی بنیاد رکھنا

تاریخ میں بکثرت ایسا ہوا ہے کہ کسی قوم کا کوئی بڑا بعض جرائم کا مرتکب ہوا مگر اس کے عقیدت مند اندھی محبت کی بناء پر اُسے معصوم تصور کرتے رہے۔ وہ کبھی اُس کے جرائم کے شواہد کو جھٹلا دیتے اور کبھی اُس کے بُرے کاموں کا جواز تلاش کرتے اور اس کی گمراہیوں کو عین حق قرار دے کر خوش ہوتے۔ جب علمائے حق انہیں بتاتے کہ ان کے یہ نظریات خلافِ اسلام ہیں تو وہ اپنے تصورات کو عین اسلام قرار دینے پر مزید بضد ہو جاتے۔ اس طرح ایک نیا فرقہ وجود میں آجاتا تھا۔

مروان کے بارے میں بھی ایسا ہی ہوا۔ اُس نے جو جرائم کیے، اگر اُس کے اہلِ طائفہ شریعت کی روشنی میں انہیں جرائم ہی مان لیتے تو بہت خوب ہوتا مگر تعصب آڑے آگیا۔ یوں اُن لوگوں کے نظریات شریعتِ اسلامیہ کی جگہ نفس کی خواہش پر استوار ہوئے اور مروان کے پھیلائے ہوئے تعصب اور ضلالت نے فرقۂ

نواصب کو جنم دیا۔ ان نواصب کو پہلی اور دوسری صدی ہجری میں مروانی یا آلِ مروان کہا جاتا تھا۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والمروانیۃ الّذین ینسبون علیا إلَی الظُّلم وَیَقُولُونَ إنَّہ لم یکن خَلیفَۃ۔

''مروانی وہ ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ظلم کی نسبت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ خلیفہ نہیں تھے۔'' (المنتقی من منہاج الاعتدال: ص ۳۰۱)

فرقہ مروانیہ کی اساس اور مروانیں کے کرتوت

فرقہ مروانیہ کی اساس تین چیزوں پر تھی۔

اوّل: حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما سے محبت میں ناجائز غلو اور تشدد

دوئم: حضرت علی رضی اللہ عنہ، اہلِ بیت اور بنو ہاشم سے بغض اور نفرت

سوئم: حرصِ اقتدار اور حکومتی گھمنڈ

حکمرانی کو باقی رکھنے کے لیے مروانی دین کی آڑ لیتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ اہلِ بیت کی عظمت لوگوں کے دلوں سے نکال دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ حکومت کو اپنی جاگیر سمجھتے تھے۔ ان کے بیشتر حکمران ذاتی زندگی میں بظاہر دین دار اور شرعی وضع وقطع کے حامل تھے مگر جب بات سیاسی مفادات کی آتی تو اس کے لیے دین کو بے دریغ قربان کر دیتے تھے اور ایسے مواقع پر مکر وفریب اور ظلم وستم میں کوئی عار نہیں سمجھتے تھے۔ ذیل میں ہم مروان بن حکم کے لگائے ہوئے اس شجرِ خاردار کے کچھ کانٹوں کا تعارف کرا رہے ہیں۔

مروانیوں کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض:

مروانیوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس قدر بغض تھا کہ وہ ان پر ''لعنت'' بھی کو ''خفیف قسم'' کی تنقید تصور کرتے تھے جیسا کہ اس کا ثبوت صحیح مسلم میں بھی ہے:

عَنْ سَہْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ اسْتُعْمِلَ عَلَی الْمَدِینَۃِ رَجُلٌ مِنْ آلِ مَرْوَانَ قَالَ فَدَعَا سَہْلَ بْنَ سَعْدٍ فَأَمَرَہُ أَنْ یَشْتِمَ عَلِیًّا قَالَ فَأَبَی سَہْلٌ۔ أَمَّا إِذَا أَبَیْتَ فَقُلْ: لَعَنَ اللّٰہُ أَبَا التُّرَابِ

''مروانیوں میں سے ایک شخص مدینہ کا حاکم بنایا گیا، اُس نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کریں، حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔ مروانی نے کہا: آپ سب وشتم سے انکاری ہیں تو (کم از کم) اتنا ہی کہہ دیں کہ اللہ ابوتراب پر لعنت کرے۔'' (صحیح مسلم، ح:۶۳۸۲)

قارئین جانتے ہیں کہ شریعت میں کسی بھی مسلمان پر لعنت جائز نہیں، چاہے وہ فاسق وفاجر ہو مگر مروانیوں کی شقاوتِ قلبی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ وہ چوتھے خلیفۂ راشد پر ''لعنت'' کو معمولی بات سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ پر طعن کی یہ سب خفیف صورت تھی کہ لعنت کر دی جائے۔ (نعوذ باللہ)

نوٹ: اس روایت میں آلِ مروان سے مروان کی نسبی اولاد مراد نہیں کیوں کہ مروان کے بیٹوں، پوتوں وغیرہ میں سے سوائے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے کوئی کبھی مدینہ کا حاکم نہیں بنا۔ ظاہر ہے یہاں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا تصور تک نہیں ہوسکتا کیوں کہ وہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کے سخت مخالف اور اس بدعت کی روک تھام کرنے والے تھے۔ پس یہاں ''آلِ مروان'' سے مراد مروانی کی نظریاتی ذُرّیت یعنی نواصب مراد ہیں۔

اہلِ شام کی مروانیت:

مروانیت کے اس فتنے میں زیادہ تر اہلِ شام ملوث تھے۔ صحابہ کرام ایسی حرکتوں پر انہیں روکتے ٹوکتے تھے مگر ضدی لوگ پھر بھی باز نہ آتے تھے۔

ایک صحیح روایت میں ہے:

عن عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ فَسَبَّ عَلِيًّا عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَحَصَبَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: يَا عَدُوَّ اللهِ آذَيْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ: إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا۔ لَوْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَيًّا لَآذَيْتَهُ۔

(عبیداللہ بن ابی ملیکہ کہتے ہیں، شام کا ایک شخص آیا اور حضرت عبداللہ بن

عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بُرا بھلا کہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسے کنکر مار کر کہا: اے اللہ کے دشمن! تو نے رسول اللہ ﷺ کو اذیت دی ہے۔ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں، ان پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے اور اللہ نے ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔ اگر آج رسول اللہ ﷺ زندہ ہوتے تو یقیناً تو ان کو اذیت دیتا)

(المستدرک علی الصحیحین:، ح:۴۶۱۸) قال الذہبی: صحیح

ثابت ہوا کہ چاہے اُس دور کے مروانی ہوں، یا آج کل کے تقیہ باز ناصبی ہوں، یہ سبھی کھلم کھلا یا بین السطور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہلِ بیتِ عظام کی کردار کشی کر کے درحقیقت رسول اللہ ﷺ کو اذیت دے رہے ہیں۔ ایسے لوگ کسی اور کو نہیں اپنی ہی دُنیا و آخرت کو تباہ کر رہے ہیں۔ ان کا انجام اس کے سوا کیا ہوگا جو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے ارشاد میں واضح فرما دیا ہے یعنی یہ لوگ دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت کے مستحق ہیں۔

آلِ مروان کے نزدیک حضرت علیؓ شرعی خلیفہ نہیں تھے۔ حضرت سفینہؓ کی گواہی:

عن سعيدِ بنِ جمهان، عن سفِينة، قال: قال رسول اللهِ ﷺ: خِلافة النبوةِ ثلاثون سنة، ثم يؤتي الله الملك أو ملكه من يشاء قال سعيد قال لي سفِينة: أمسكِ علىٰ أبا بكر سنتينِ، وعمر عشرا، وعثمان اثنتي عشرا، وعلىٰ كذا، قال سعيد، قلتُ: لِسفِينة إن هؤلاءِ يزعمون أن علِيا عليه السلام لم يكن بخلِيفة۔ قال: كذبت أستاهُ بنِي الزرقاءِ يعنِي بنِي مروان۔

''حضرت سعید بن جمہان رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت سفینہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خلافتِ نبوت تیس سال تک رہے گی، پھر اللہ جسے چاہے گا اپنی بادشاہت عطا فرما دے گا۔ سعید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے سفینہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا: خلافت کے سال گن لو؛ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے دو سال، عمر (رضی اللہ عنہ) کے دس سال، عثمان (رضی اللہ عنہ) کے بارہ سال، اور علی (رضی اللہ عنہ) کے اتنے ہی (یعنی باقی

مائدہ سال۔ تیس سال ہو گئے)۔ سعید کہتے ہیں کہ میں نے سفینہ (رضی اللہ عنہ) سے کہا: یہ لوگ (بنو مروان) تو دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) خلیفہ نہیں تھے؟ سفینہ نے جواب دیا: بنو زرقاء یعنی بنو مروان کی سُرینوں نے جھوٹ بولا۔"

(سنن ابی داؤد، ح: ۴۶۴۶) اسنادہ صحیح .....واخرجہ الترمذی وقال حدیث حسن

چوں کہ یہاں معاملہ دین کی حفاظت کا تھا کہ مروانی خلافتِ راشدہ کے عقیدے پر حملہ آور تھے اور حکومتی وسائل کے ساتھ ایک غلط عقیدہ پھیلا رہے تھے۔ پس حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے بنو مروان کے اس پروپیگنڈے کی تردید میں انتہائی سخت لفظ "کَذَبَتْ اَمْتَاهُهُم" استعمال کیا جو عربی محاورے میں کسی کے دعوے کو سراسر لغو قرار دینے کے لیے بولا جاتا تھا۔

مروانی حاکم حجاج علماء کو حضرت علیؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ پر لعنت کیلئے مجبور کرتا تھا:

حجاج بن یوسف کے دور میں لعنت اور سبّ وشتم کا یہ سلسلہ مزید بڑھ گیا۔ صحیح روایات میں مذکور ہے کہ حجاج علماء کو سامنے کھڑا کر کے انہیں حکم دیتا تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر لعنت بھیجیں۔ صحیح السند روایت درج ذیل ہے:

حدثني الحسين بن الاسود، قال حدثني يحيى بن آدم، حدثنا ابو معاوية الضرير، حَدَّثَنَا الأعمش قال: رأيت عبد الرحمان بن أبي ليلى أوقفه الحجاج فقال له: العن الكذابين عليا وعَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ، والمختار بْنَ أَبِي عُبَيْد، فقال: لعن الله الكذابين. ثم ابتدأ فقال على بن أبي طالِب وعبد الله بن الزبير، والمختار بن أبي عبيد. قال: فعلمت أنه حين ابتدأهم ورفعهم انه لم يلعنهم. وحَدَّثَنِي عَمْرو بن مُحَمَّدٍ النَّاقِد، عَنْ أبي معاوية، عَنِ الأعمش بمثله۔

"ہم سے ابو معاویہ نابینا نے اعمش کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے کہا: میں نے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کو دیکھا کہ حاکم حجاج بن یوسف نے انہیں کھڑا کر دیا۔ پھر انہیں کہا: جھوٹوں پر لعنت بھیجو یعنی علی، عبداللہ بن زبیر اور مختار بن ابی عبید ہیں۔ تو عبدالرحمن کہنے لگے: جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ پھر وہ خاموش ہو گئے، پھر بولے: علی

بن ابی طالب، عبداللہ بن زبیر اور مختار بن ابی عبید۔ پس میں سمجھ گیا کہ جب انہوں نے نئے سرے سے ان ناموں کا آغاز کیا تو انہوں نے ان ہستیوں کو (نحوی لحاظ سے) مبتدأ بنایا اور حالتِ رفعی میں رکھا یعنی ان کا مقصد ان پر لعنت کرنا نہیں تھا (بلکہ انہیں جھوٹوں سے الگ بیان کرنا تھا)'' (انساب الاشراف: ۲ ص ۱۸۱) اسنادہ صحیح

امام بلاذریؒ نے اسے دو اسناد سے روایت کیا ہے:

(الف) حسین بن اسود، یحییٰ بن آدم، ابو معاویہ الضریر، اعمش۔ یہ بخاری و مسلم کی شرط پر ہے۔

(ب) عمرو بن محمد بن ناقد، ابو معاویہ الضریر، اعمش۔ یہ سند حسن ہے

اسی روایت کو ابن سعد رحمہ اللہ نے بھی بسند صحیح نقل کیا ہے۔

أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ الضَّرِيرُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: رَأَيْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي لَيْلَى وَقَدْ أَوْقَفَهُ الْحَجَّاجُ وَقَالَ لَهُ: الْعَنِ الْكَذَّابَيْنِ: عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ، وَعَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ، وَالْمُخْتَارَ بْنَ أَبِي عُبَيْدٍ، قَالَ: فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: لَعَنَ اللهُ الْكَذَّابَيْنِ، ثُمَّ ابْتَدَأَ فَقَالَ: عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ، وَالْمُخْتَارُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ۔ قَالَ الْأَعْمَشُ: فَعَلِمْتُ أَنَّهُ حِينَ ابْتَدَأَ فَرَفَعَهُمْ لَمْ يَعْنِهِمْ۔

(ہم سے ابو معاویہ نے اعمش کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے کہا: میں نے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کو دیکھا کہ حاکم حجاج بن یوسف نے انہیں کھڑا کر دیا اور کہا: جھوٹوں پر لعنت بھیجو یعنی علی بن ابی طالب پر، عبداللہ بن زبیر پر اور مختار بن ابی عبید پر۔ تو عبدالرحمن کہنے لگے: جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ پھر جملے کی ابتداء کر کے بولے: علی بن ابی طالب، عبداللہ بن زبیر اور مختار بن ابی عبید۔ پس میں سمجھ گیا کہ جب انہوں نے نئے سرے سے ان ناموں کا آغاز کیا تو ان کو حالتِ رفعی میں رکھا ہے، پس انہوں نے انہیں مراد نہیں لیا) (طبقات ابن سعد: ۶ ص ۱۱۲، ط صادر)

یہی روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں بسند صحیح مذکور ہے جس میں یہ اضافہ ہے حجاج بن یوسف نے امام ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ پر تشدد کر کے یہ کہلوایا تھا۔

حدثنا أبو معاوية عن الأعمش قال: رأيت عبد الرحمن بن أبي ليلى ضربه الحجاج وأوقفه على باب المسجد ،قال: فجعلوا يقولون: العن الكذابين، فجعل عبد الرحمن يقول: لعن الله الكذابين ثم يسكت ثم يقول: على بن أبي طالب وعبد الله بن الزبير والمختار بن أبي عبيد ،فعرفت حين سكت ثم ابتدأهم فرفعهم أنه ليس يريدهم۔

(ہم سے ابو معاویہ نے اعمش کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے کہا: میں نے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کو دیکھا کہ حاکم حجاج بن یوسف نے انہیں مارا پیٹا اور مسجد کے دروازے پر کھڑا کر دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر لوگ یعنی حجاج کے کارندے کہنے لگے: جھوٹوں پر لعنت بھیجو۔ تو عبدالرحمن کہنے لگے: جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ پھر وہ خاموش ہو جاتے، پھر کہتے: علی بن ابی طالب، عبداللہ بن زبیر اور مختار بن ابی عبید۔ پس میں سمجھ گیا کہ جب وہ خاموش ہوئے اور پھر نئے سرے سے ان ناموں کا آغاز کیا تو انہوں نے ان ہستیوں کے اسماء کو حالتِ رفع میں رکھا ہے کہ ان کا مقصد ان پر لعنت کرنا نہیں تھا) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ح:۳۰۶۱۷) اسنادہ علیٰ شرط الصحیحین

حضرت علیؓ کو حضور ﷺ سے عطا ہونے والے القاب کا تمسخر:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف مروانیوں کی مہم کا ایک افسوس ناک پہلو یہ تھا کہ انہوں نے بعض ایسے کلمات کو جو رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اظہارِ محبت کے لیے ادا ہوئے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کی شان میں تمسخر کا حربہ بنا لیا تھا۔ مثلاً: رسول اللہ ﷺ کبھی کبھار پیار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو "ابو تراب" کہہ کر پکارتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ لقب جو کہ ان کی خاکساری، سادگی، جفاکشی اور بے تکلفی سے بہت مناسبت رکھتا تھا، نہایت پسند تھا۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا قول مذکور ہے:

وَاللّٰهِ مَا سَمَّاهُ إِلَّا النَّبِيُّ ﷺ وَمَا كَانَ لَهُ اسْمٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْهُ۔

(اللہ کی قسم! حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابو تراب کا نام رسول اللہ ﷺ ہی نے دیا تھا اور انہیں اس سے زیادہ اپنا کوئی اور نام عزیز نہ تھا)

(صحیح البخاری، ح: ۳۷۰۳، باب مناقب علی رضی اللہ عنہ)

نیز حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا:

مَا كَانَ لِعَلِيٍّ اسْمٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَبِي تُرَابٍ، وَإِنْ كَانَ لَيَفْرَحُ بِهِ إِذَا دُعِيَ بِهَا۔

(حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابو تراب سے زیادہ کوئی نام پیارا نہ تھا اور جب انہیں اس نام سے پکارا جاتا تھا تو وہ بہت خوش ہوتے تھے)

(صحیح البخاری، ح: ۶۲۸۰، باب القائلۃ فی المسجد)

مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والے ''تُراب'' کے لفظی مطلب یعنی مٹی کو نمایاں کر کے اُن پر طنز کرتے ہوئے انہیں ''ابو تُراب'' کہا کرتے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے: أَنَّ رَجُلًا، جَاءَ إِلَى سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، فَقَالَ: هَذَا فُلَانٌ، لِأَمِيرِ المَدِينَةِ، يَدْعُو عَلِيًّا عِنْدَ المِنْبَرِ، قَالَ: فَيَقُولُ: مَاذَا؟ قَالَ: يَقُولُ لَهُ: أَبُو تُرَابٍ۔

(ایک شخص نے آ کر حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کو کہا کہ یہ مدینہ کا فلاں امیر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منبر پر برا بھلا کہہ رہا ہے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس شخص نے کہا: وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابو تراب کہہ رہا ہے) (صحیح البخاری، ح: ۳۷۰۳، باب مناقب علی رضی اللہ عنہ)

حضرت علیؓ کے لیے نبوی بشارتوں کو لے کر ان کی کردار کشی کی جاتی تھی:

رسول اللہ ﷺ نے اہلِ بدر کے متعلق بشارت دی تھی:

''لَعَلَّ اللهَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ، اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ''

''اللہ نے اہلِ بدر کی طرف توجہ فرما کر کہا: جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا۔'' (صحیح البخاری، ح: ۳۰۰۷، باب الجاسوس)

اس فضیلت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بلاشبہ شامل تھے کہ وہ بھی بدری

صحابی تھے مگر مروانی خیالات سے متاثر بعض حضرات یہی حدیث سنا کر فرماتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی حدیث کے باعث خود کو بخشا بخشایا سمجھ کر مسلمانوں کا خون بہانے پر جری تھے۔ چنانچہ ایک خاصے مشہور عالم بھی کچھ وقت کے لیے اس خیال سے متاثر ہو گئے تھے، چنانچہ ایک دن انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی ایک عالم ابن عطیہ رحمہ اللہ کو کہا:

إِنِّي لَأَعْلَمُ مَا الَّذِي جَرَّأَ صَاحِبَكَ عَلَى الدِّمَاءِ۔

(مجھے خوب معلوم ہے کہ تمہارے آقا یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کس بات نے خونریزی پر اُکسایا)

پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

مَا يُدْرِيكَ، لَعَلَّ اللهَ اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ، فَهَذَا الَّذِي جَرَّأَهُ۔

(تمہیں نہیں معلوم کہ اللہ نے اہلِ بدر کی طرف توجہ فرما کر کہا: جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا۔'' تو یہی بشارت تھی جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خونریزی پر آمادہ کیے رکھا) (صحیح البخاری، ح:۳۰۸۱)

حضرت علیؓ کے بعض فضائل کو بعض اُموی صحابہ کے لیے مانا جاتا تھا؛

اسی سلسلے میں ایک عجیب حرکت یہ تھی کہ مروانی اُمراء حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض فضائل کی روایات میں تحریف کر کے انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر رہے تھے۔ چنانچہ صلحِ حدیبیہ میں عہد نامے کی کتابت بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کی تھی مگر یہ لوگ کہتے تھے کہ یہ خدمت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انجام دی تھی۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، ثنا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أنا مَعْمَرٌ قَالَ: سَأَلْتُ الزُّهْرِيَّ: مَنْ كَانَ كَاتِبَ الْكِتَابِ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ؟ فَضَحِكَ وَقَالَ: هُوَ عَلِيٌّ، وَلَوْ سَأَلْتَ هَؤُلَاءِ قَالُوا: عُثْمَانُ، يَعْنِي بَنِي أُمَيَّةَ۔

''معمر کہتے ہیں کہ میں نے امام زہریؒ سے پوچھا: ''صلح حدیبیہ کا معاہدہ کس

نے لکھا تھا۔ امام زہریؒ ہنس دیے اور فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا لیکن اگر تم ان اُمویوں (مروانیوں) سے پوچھو گے تو یہ لوگ جواب دیں گے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا۔" (فضائل الصحابۃ للامام احمد بن حنبل، ح: ۱۰۰۲، باسناد صحیح)

بحمد اللہ! محدثین احادیث کے الفاظ بیان کرنے کے ساتھ ایسی تحریفات پر نقد بھی کر گئے، اس لیے تحریف کا یہ سلسلہ ناکام رہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب اپنی جگہ بے شمار ہیں مگر متشدد اُموی حکام کا مقصد کسی بھی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام مجروح کرنا تھا، اس لیے وہ ایسا کیا کرتے تھے۔

حجاج کے دور میں سندِ حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لینا ممنوع تھا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض کا یہ عالم تھا کہ حجاج بن یوسف کے زمانے میں ان سے حدیث نقل کرنا ممنوع تھا۔ جس محدث کے بارے میں پتہ چلتا کہ اُس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول کوئی حدیث سُنائی ہے، اس کی شامت آجاتی۔ اسی لیے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ حجاج بن یوسف کے دورِ حکومت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول فرامینِ نبویہ کو ان کا حوالہ دیے بغیر بیان کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے بعض خواص کو بتایا تھا کہ جو روایت میں براہِ راست رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کروں، سمجھ لینا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنی ہے۔ امام عقیلی رحمہ اللہ اپنی سند سے نقل کرتے ہیں:

وَقَالَ مُحَمَّد بن موسى الحرشي: حَدَّثَنَا ثمامة بن عُبَيدة قال: حَدَّثَنَا عطية بن محارب، عن يونس بن عُبَيد، قال: سَأَلْتُ الْحَسَنَ قُلْتُ: يَا أَبَا سَعِيدٍ إِنَّكَ تَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَإِنَّكَ لَمْ تُدْرِكْهُ؟ فَقَالَ يَا ابْنَ أَخِي: لَقَدْ سَأَلْتَنِي عَنْ شَيْءٍ مَا سَأَلَنِي عَنْهُ أَحَدٌ قَبْلَكَ، وَلَوْلَا مَنْزِلَتُكَ مِنِّي مَا أَخْبَرْتُكَ، إِنِّي فِي زَمَانٍ كَمَا تَرَى؟ وَكَانَ فِي عَمَلِ الْحَجَّاجِ، كُلُّ شَيْءٍ سَمِعْتَنِي أَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَهُوَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ غَيْرَ أَنِّي فِي زَمَانٍ لَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَذْكُرَ عَلِيًّا۔

(یونس بن عبید کہتے ہیں: میں نے حسن بصری سے پوچھا: ابوسعید! آپ (حدیث نقل کرتے ہوئے بعض اوقات صحابی کا حوالہ دیے بغیر) کہہ دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حالانکہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نہیں

پایا۔ حسن بصری نے کہا: بھتیجے! تم نے ایسی بات پوچھ لی جو مجھ سے پہلے کسی نے نہیں پوچھی تھی۔ اگر تمہاری میرے نزدیک خاص قدر ومنزلت نہ ہوتی تو میں تمہیں کبھی نہ بتاتا۔ میں جس زمانے میں ہوں تم دیکھ ہی رہے ہو، یہ حجاج بن یوسف کا دور حکومت تھا۔ ہر وہ روایت جس میں تم مجھے یوں کہتے سنو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو یاد رکھو کہ وہ میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے نقل کرتا ہوں مگر بات یہ ہے کہ میں ایسے زمانے میں ہوں کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کرسکتا)

(تہذیب الکمال: ۶ ص ۱۲۴؛ تدریب الراوی: ۱ ص ۲۳۱)

مروان کے بیٹے عبدالعزیز کا واقعہ، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی زبانی:

یہ تو اُن لوگوں کے کرتوت تھے جو متشدد تھے۔ مگر طبعاً شریف اور نرم مزاج مروانی شہزادوں کا حال بھی مختلف نہ تھا۔ یہ وہ صاحبان تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے خانوادے کے فضائل کے دل سے معترف تھے مگر اپنی سیاسی مصلحتوں کی بناء پر اس گھرانے کی تعریف وتوصیف سے احتراز کرتے تھے اور بادلِ نخواستہ ان پر تنقید بھی کرتے تھے۔ مروان کے فرزند عبدالعزیز (والدِ عمر بن عبدالعزیز) کا یہی حال تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خود اپنے گھر کا حال یوں بیان کرتے ہیں:

المدائنی عن حباب بن موسی قال: قال عمر بن عبد العزیز: نشأت علی بغض علیؓ لا أعرف غیرہ، و کان أبی یخطب فإذا ذکر علیا نال منہ فلجلج، فقلت: یا أبہ إنک تمضی فی خطبتک فإذا أتیت علی ذکر علی عرفت منک تقصیرا، قال: أفطنت لذلک؟ قلت: نعم! قال: یا بنی إن الذین من حولنا لو نعلمہم من حال علیؓ ما نعلم تفرقوا عنا۔

(میری پرورش حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغض پر ہوئی تھی، مجھے اس کے سوا کچھ معلوم نہ تھا۔ میرے والد خطبہ دیا کرتے تھے۔ پس جب وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے تو ان پر تنقید کرتے پس ان کی زبان لڑکھڑا جاتی۔ ایک بار میں نے پوچھا: ابا جان آپ اپنا خطبہ دے رہے ہوتے ہیں تو آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر

کرنے لگتے ہیں تو مجھے محسوس ہوتا کہ آپ گھبرا جاتے ہیں۔ والد نے کہا: بیٹا واقعی تم نے یہ محسوس کرلیا۔ میں نے کہا: جی ہاں، کہنے لگے: اے بیٹے! جو لوگ ہمارے اردگرد جمع ہیں، اگر ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وہ فضائل معلوم ہوجائیں جو ہمیں معلوم ہیں تو یہ لوگ ہمیں چھوڑ کر منتشر ہوجائیں گے) (انساب الاشراف: ۸ ص ۱۸۵)

عبدالملک بن مروان کی ناصبیت اور عدالتِ صحابہ سے انحراف:

''عدالتِ صحابہ سے انحراف'' کا جرثومہ مروان سے براہِ راست اس کے جانشین عبدالملک کو منتقل ہوا تھا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے:

عبدالملک بن مروان نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ تعمیر کعبہ سن کر کہا: قَاتَلَ اللّٰهُ ابْنَ الزُّبَيْرِ حَيْثُ يَكْذِبُ عَلَى أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ

''ابن زبیر کو اللہ ہلاک کرے کہ وہ اُمّ المؤمنین (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) کی طرف جھوٹی حدیث منسوب کرتا ہے۔'' (العیاذ باللہ)

مکمل روایت یہ ہے:

عَنْ أَبِي قَزَعَةَ أَنَّ عَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ مَرْوَانَ بَيْنَمَا هُوَ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ إِذْ قَالَ: قَاتَلَ اللّٰهُ ابْنَ الزُّبَيْرِ حَيْثُ يَكْذِبُ عَلَى أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ يَقُولُ سَمِعْتُهَا تَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَا عَائِشَةُ لَوْلاَ حِدْثَانُ قَوْمِكِ بِالْكُفْرِ لَنَقَضْتُ الْبَيْتَ حَتَّى أَزِيدَ فِيهِ مِنَ الْحِجْرِ فَإِنَّ قَوْمَكِ قَصَّرُوا فِي الْبِنَاءِ۔

(ابوقزعہ سے مروی ہے کہ عبدالملک بن مروان جب بیت اللہ کا طواف کررہا تھا کہ اچانک اس نے کہا: ابن زبیر کو اللہ ہلاک کرے کہ وہ اُم المؤمنین (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) کی طرف جھوٹی حدیث منسوب کرتا ہے۔ وہ تو کہتا ہے کہ اس نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ اگر تیری قوم کا کفر سے نکلنا قریبی زمانے کی بات نہ ہوتی تو میں بیت اللہ کو دوبارہ تعمیر کراتا اور حطیم کا اس میں اضافہ کردیتا، پس بے شک تیری قوم نے کعبہ کی تعمیر میں کچھ حصہ چھوڑ دیا تھا)

(صحیح مسلم، ح: ۳۳۱۲، باب بناء الکعبۃ ونقضہا)

اس سے بڑھ کر کسی صحابی پر طعن کیا ہوگا کہ اسے نبی اکرم ﷺ پر جھوٹ باندھنے والا سمجھا جائے اور اس کی ہلاکت کی بددُعا کی جائے اور وہ بھی کعبہ کا طواف کرتے ہوئے؟ (استغفر اللہ العظیم)

مزید تعجب یہ ہے کہ عبدالملک نے بعد میں یہی حدیث ایک تابعی حارث بن عبداللہ سے سنی تو اسے قبول کرلیا۔ (صحیح مسلم، ح: ۳۳۱۰)

یعنی عبدالملک کے نزدیک تابعی تو صادق تھا مگر صحابی جھوٹا۔ اس جہالت اور گمراہی کی کوئی حد ہے! افسوس کہ آج بھی ناصبی اسی ڈگر پر مصر ہیں۔

ولید بن عبدالملک کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی توہین کرنا:

عبدالملک کے جانشین ولید بن عبدالملک کا بھی یہی حال تھا جسے یہ تک معلوم نہ تھا کہ عبداللہ بن اُبی کتنا بڑا منافق تھا، وہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بھی الزام تراشی کرتا تھا۔

حدثنی سَلَمَةُ ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ الْوَلِيدِ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ فَكَأَنَّهُ تَنَاوَلَ مِنْ عَائِشَةَ۔

(زہریؒ کہتے ہیں: میں ولید بن عبدالملک کے ساتھ تھا، پس گویا وہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر طعن کرتا تھا)

(المعرفۃ والتاریخ: ۲ ص ۳۸۴، رجالہ ثقات، سلمۃ ہو سلمۃ بن شبیب النیسابوری، ثقہ مشہور۔ وبقیۃ رجالہ معروفون)

ولید بن عبدالملک کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سانحۂ افک کا مجرم ٹھہرانا:

اس کے ساتھ ساتھ یہی خلیفہ ولید بن عبدالملک اس قدر جاہل اور متعصب ناصبی تھا کہ واقعہ افک میں عبداللہ بن اُبی کی سیاہ کارستانی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذمے لگاتا تھا۔ ایک بار اُس نے علماء کی مجلس میں کہہ دیا کہ سورۃ النور کی آیت افک میں ''الَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ'' (وہ جس نے اس بہتان تراشی میں زیادہ حصہ لیا) سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان طرازی میں

سب سے زیادہ حصہ انہی کا تھا۔ آخر امام زہری رحمہ اللہ نے اسے صحیح سند کے ساتھ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول سنایا:

''اس آیت میں بہتان کی سازش کرنے والے سب سے بڑے شخص سے مراد عبداللہ بن اُبی ہے۔''

ولید بن عبدالملک پھر بھی نہ مانا۔ آخر امام زُہری رحمہ اللہ نے اسے کہا:

''مجھے آپ کی قوم کے لوگوں نے بھی یہ روایت سنائی ہے۔''

یہ کہہ کر دوسری سند سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت عنائی میں جس میں انہوں نے واضح کیا تھا کہ عبداللہ بن اُبی نے بہتان تراشی کی آگ لگائی تھی۔ تب ولید نے اس پر یقین کیا۔ پوری روایت متن مع ترجمہ درج ذیل ہے:

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ بْنُ هَمَّامٍ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ الْوَلِيدِ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ فَقَالَ: الَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ، عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، فَقُلْتُ: كَلَّا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، وَعُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، وَعَلْقَمَةُ بْنُ وَقَّاصٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: الَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ۔ قَالَ: فَمَا كَانَ جُرْمُهُ؟ قُلْتُ: أَخْبَرَنِي رِجَالٌ مِنْ قَوْمِكَ: أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ مَسِيئًا فِي أَمْرِي۔

(زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں ولید بن عبدالملک کے پاس تھا کہ اس نے کہا: جس نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ پر تہمت میں سب سے زیادہ حصہ لیا، وہ علی بن ابی طالب تھا۔ میں نے کہا: امیر المؤمنین! ایسا ہرگز نہیں ہے۔ مجھے سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، عبیداللہ بن عبداللہ اور علقمہ بن وقاص نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرکے بتایا ہے کہ واقعۂ افک میں سب سے زیادہ حصہ لینے والا عبداللہ بن اُبی تھا۔ ولید بن عبدالملک کہنے لگا: عبداللہ بن اُبی کا کیا جرم تھا؟ میں نے کہا: ''مجھے آپ ہی قوم کے افراد نے یعنی ابوسلمہ عبدالرحمن نے اور ابوبکر بن عبدالرحمن نے سیدہ عائشہ

رضی اللہ عنہ سے نقل کر کے بتایا ہے کہ وہ فرماتی تھیں: عبداللہ بن اُبی میرے بارے میں بُری باتیں پھیلاتا تھا) (تاریخ المدینۃ لابن شبۃ: ۱ص ۳۳۷)

اندازہ لگائیے کہ فرقۂ مروانیہ کا تعصب کس حد تک پہنچ چکا تھا کہ انہیں اپنے گروہ کے سوا کسی سے حدیث بھی قبول نہ تھی، چاہے وہ صحابہ کرام یا کبار تابعین ہوں۔

ہشام بن عبدالملک کا اہلِ بیت کی مدح پر فرزدق کو سزا دینا:

ہشام بن عبدالملک بڑا سمجھ دار، رعایا پرور اور دیانت دار شہزادہ تھا۔ آلِ مروان میں اسے ایک بہتر خلیفہ اور کامیاب حکمران کہا جاتا ہے۔ مؤرخین نے اس کی شرافت، نرم دلی اور دیگر خوبیوں کو کھلے الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے مگر اہلِ بیت کے حوالے سے اس کا حال بھی یہ تھا کہ اُن کی تعریف وتوصیف کو اپنی خاندانی شان وشوکت کے لیے نقصان دہ اور اپنی حکومت کے لیے مضر سمجھتا تھا۔

وہ اپنی خلافت سے قبل ایک بار حج کے لیے گیا۔ بیت اللہ کے طواف کے دوران اس نے حجرِ اسود کا استلام کرنا چاہا مگر ہجوم کے باعث نہ کر سکا۔ اتنے میں حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) رحمہ اللہ استلام کے لیے آگے بڑھے تو مجمع اِدھر اُدھر ہو گیا اور وہ اطمینان سے استلام کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر ہشام کے ایک شامی مصاحب نے پوچھا: یہ کون ہیں کہ لوگ ان کا اس قدر احترام کرتے ہیں؟ ہشام انہیں بخوبی جانتا تھا مگر اس کو خدشہ ہوا کہ کہیں اہلِ شام سادات کی طرف مائل نہ ہو جائیں، اس لیے بولا: ''معلوم نہیں۔'' فرزدق شاعر بھی وہیں تھا، بول اٹھا: ''میں جانتا ہوں۔''

شامی نے پوچھا: ''یہ کون ہیں؟'' جواباً فرزدق نے فی البدیہہ ایک قصیدہ پڑھا جو عربی ادب کی جان اور اخلاص وعقیدت کے ایسے جذبات سے معمور ہے کہ ہر ہر مصرعے پر محبانِ اہلِ بیت جھوم اٹھتے ہیں۔

هٰذَا الَّذِیْ تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْئَتَهٗ ..... وَالْبَیْتُ یَعْرِفُهٗ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ

(یہ وہ ہیں جن کے اندازِ خرام کو خاکِ مکہ جانتی ہے، انہیں کعبہ، غیر حرم اور حرم سبھی جانتے ہیں)

هٰذَا ابْنُ خَيْرِ عِبَادِ اللّٰهِ كُلِّهِم ..... هٰذَا التَّقِيُّ النَّقِيُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمُ

(یہ بندگانِ خدا میں سب سے بہتر کی اولاد ہیں، یہ متقی، پاکباز، پاکیزہ اور عظیم ہستی ہیں)

اِذَا رَأَتْهُ قُرَيْشٌ قَالَ قَائِلُهَا..... لِمَكَارِمِ هٰذَا يَنْتَهِي الْكَرَمُ

(قریش نے انہیں دیکھا تو ان کا اک ترجمان بولا: انہی کے اخلاق پر اخلاق کی انتہاء ہوتی ہے)

يَكَادُ يُمْسِكُهُ عِرْفَانَ رَاحَتِهِ..... رُكْنُ الْحَطِيْمِ اِذَا مَا جَاءَ يَسْتَلِمُ

(جب یہ استلام کرنے آتے ہیں خود حجرِ اسود بھی ان کی ہتھیلی کو پہچان کر اسے تھام لینا چاہتا ہے)

يُغْضِيْ حَيَاءً وَيُغْضٰى مِن مَهَابَتِهِ ..... فَلَا يُكَلَّمُ اِلَّا حِيْنَ يَبْتَسِمُ

(یہ حیاء سے نگاہ جھکاتے ہیں اور ان کے دبدبے کے باعث نگاہیں جھکائی جاتی ہیں، ان سے کلام تبھی کیا جاتا ہے جب یہ مسکرا رہے ہوں)

هٰذَا ابْنُ فَاطِمَةَ اِنْ كُنْتَ جَاهِلَهٗ..... بِجَدِّهٖ اَنْبِيَاءُ اللّٰهِ قَدْ خُتِمُوْا

(اگر تم انجان ہو تو جان لو کہ یہ ابن فاطمۃ الزہراء ہیں جن کے دادا پر اللہ کے نبیوں کا سلسلہ ختم ہوا)

اَللّٰهُ شَرَّفَهٗ قِدْمًا وَفَضَّلَهٗ ..... جَرٰى بِذَاكَ لَهٗ فِيْ لَوْحِهِ الْقَلَمُ

(اللہ نے انہیں آگے رکھ کر شرف و فضل بخشا ہے، یہ بات لوحِ محفوظ میں قلم پہلے ہی لکھ چکا ہے)

وَلَيْسَ قَوْلُكَ: مَنْ هٰذَا؟ بِضَائِرِهٖ..... اَلْعَرَبُ تَعْرِفُ مَنْ اَنْكَرْتَ وَالْعَجَمُ

(تمہارا یہ پوچھنا کہ یہ کون ہے؟ انہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ کیوں کہ جنہیں تم نہیں پہچان پائے، انہیں عرب و عجم سب جانتے ہیں)

مِنْ مَعْشَرٍ حُبُّهُمْ دِيْنٌ وَبُغْضُهُمْ ..... كُفْرٌ وَقُرْبُهُمْ مَنْجًى وَ مُعْتَصَمُ

(یہ اُس گھرانے کی شخصیت ہیں کہ اُن کی محبت کا نام دین ہے اور ان سے بغض کفر ہے۔ ان کا قرب نجات اور حفاظت کا ذریعہ ہے)

اِنْ عُدَّ اَهْلُ التُّقٰى كَانُوْا اَئِمَّتَهُمْ ...وَ قِيْلَ مَنْ خَيْرُ اَهْلِ الْاَرْضِ قِيْلَ: هُمْ

(اگر اہلِ تقویٰ کا شمار ہو تو یہ ان کے اکابر ہیں اور اگر پوچھا جائے کہ زمین پر بہترین گھرانہ کون ہیں تو کہا جائے گا کہ یہی ہیں)

يَأْبٰى لَهُمْ اَنْ يَحِلَّ الذَّمُّ سَاحَتَهُمْ .....خِيْمٌ كَرِيْمٌ وَاَيْدٍ بِالنَّدٰى هَضَمُ

(مذمت ان کے ہاں اترنے سے انکاری ہے، یہ عمدہ خصائل والے ہیں جن کے ہاتھ سخاوت کے عادی ہیں)

اَىُّ الْخَلَائِقِ لَيْسَتْ فِيْ رِقَابِهِمْ .....لِاَوَّلِيَّةِ هٰذَا اَوْ لَهٗ نِعَمُ

(کون سے لوگ ہیں کی ان کی گردنوں پر اس کے گھرانے کی فضیلت یا احسانات کا بوجھ نہ ہو)

مَا قَالَ لَا قَطُّ اِلَّا فِيْ تَشَهُّدِهٖ .....لَوْلَا التَّشَهُّدُ كَانَتْ لَاءُهٗ نَعَمُ

(یہ وہ ہیں کہ سوائے کلمہ شہادت کے لفظِ لا نہیں کہتے، اگر بالفرض کلمہ شہادت نہ ہوتا تو ان کا لا بھی نعم ہوتا)

مَنْ يَعْرِفِ اللّٰهَ يَعْرِفْ اَوَّلِيَّةَ ذَا .....اَلدِّيْنُ مِنْ بَيْتِ هٰذَا نَالَهُ الْاُمَمُ

(جو اللہ کو جانتا ہے، وہ ان کی فضیلت بھی جانتا ہے کہ انہی کے گھر سے لوگوں کو دین اسلام نصیب ہوا ہے)

ہشام جیسا نرم مزاج مروانی بھی سرِ عام اہلِ بیت کی اس تعریف کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے فرزدق کو اسی بناء پر قید کرا دیا جبکہ اس قصیدے میں بنو اُمیہ پر طعن و تشنیع نہ تھی، فقط سادات کی مدح تھی جو ہشام کو گوارا نہ ہو سکی۔

(المنتظم لابن الجوزی:۶ ص ۳۳۲، ۳۳۱ ؛ تاریخ الاسلام للذهبی:۶ ص ۴۳۸،ت تدمری ؛ البدایة والنهایة :۱۱ ص ۵۹۲، ۵۹۱ ؛ مرآة الزمان لسبط ابن الجوزی:۱۰ ص ۵۳، ۵۲ ؛ورواہ ابو نعیم مختصراً۔(حلیة الاولیاء:۳ ص ۱۳۹)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا قول، آلِ مروان کھلم کھلا ناصبی تھے:

انہی شواہد کے پیشِ نظر حافظ ذہبی رحمہ اللہ برملا فرما گئے:

"فِی آلِ مَرْوَانَ نَصْبٌ ظَاهِرٌ سِوَی عُمَرَ بنِ عَبْدِ العَزِیْزِ رَحِمَهُ اللّٰهُ"

"آلِ مروان میں کھلم کھلا ناصبیت تھی۔ سوائے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے۔" (سیر اعلام النبلاء: ۵ ص ۱۱۳، ط الرسالۃ)

عبیداللہ بن زیاد کی ناصبیت اور عدالتِ صحابہ سے انحراف

اس قسم کے باطل نظریات (جن کا بیج انکارِ عدالتِ صحابہ تھا) مروان کے دیگر اعزہ واقارب اور مروانی حکومت کے افسرانِ اعلیٰ میں بھی پھیلتے رہے چنانچہ واقعۂ کربلا کا مجرم اور یزید کے بعد مروان اور عبدالملک کا دستِ راست بن کر اُمت میں فساد پھیلانے والا عبیداللہ بن زیاد، صحابہ کرام سے احادیث سن کر بھی انہیں جھٹلا دیتا تھا کیوں کہ دیگر مروانیوں کی طرح اسے بھی بس اہلِ شام کی احادیث پر اعتبار تھا۔

عبیداللہ بن زیاد کا حوضِ کوثر کی احادیث کا انکار:

عبیداللہ بن زیاد حوضِ کوثر کی احادیث کو برملا جھٹلاتا تھا، حالاں کہ حوضِ کوثر کا عقیدہ اُمت میں مشہور ومعروف رہا ہے۔ وہ حوضِ کوثر کی احادیث کا اس لیے منکر تھا کہ اُس نے یہ حدیث کسی شامی سند سے نہیں سُنی تھی۔ عراقی صحابہ کو وہ قابلِ اعتبار نہیں سمجھتا تھا اور ان کی عدالت کا قائل نہ تھا۔ اس کے مروانی ہم نشینوں کے خیالات بھی اسی قسم کے تھے۔ حضرت اَنس رضی اللہ عنہ نے ایک بار ان لوگوں کو اس بات پر بہت شرم دلائی۔ روایت درج ذیل ہے:

حَدَّثَنَا الْحُسَیْنُ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِی عَدِیٍّ، أَخْبَرَنَا حُمَیْدٌ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَی ابْنِ زِیَادٍ، وَهُمْ یَتَذَاکَرُونَ الْحَوْضَ، فَلَمَّا رَأَوْنِی اطَّلَعْتُ عَلَیْهِمْ، قَالُوا: قَدْ جَائَکُمْ أَنَسٌ، فَقَالُوا: یَا أَنَسُ مَا تَقُولُ فِی الْحَوْضِ؟ فَقُلْتُ: وَاللّٰهِ مَا شَعَرْتُ أَنِّی أَعِیشُ حَتَّی أَرَی أَمْثَالَکُمْ تَشُکُّونَ فِی الْحَوْضِ، لَقَدْ تَرَکْتُ عَجَائِزَ بِالْمَدِینَةِ مَا تُصَلِّی وَاحِدَةٌ مِنْهُنَّ إِلَّا سَأَلَتْ رَبَّهَا أَنْ یُورِدَهَا حَوْضَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عبیداللہ بن زیاد کے پاس آیا

تو وہ لوگ حوض کوثر کے بارے میں بحث کر رہے تھے۔ جب مجھے دیکھا کہ میں نے ان کی یہ حالت دیکھ لی ہے تو کہنے لگے: ارے تمہاری مجلس میں انس بھی آ گئے ہیں۔ پھر کہنے لگے: اے انس! تم حوض کوثر کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے معلوم نہ تھا کہ میں ایسے دور تک زندہ رہوں گا کہ تم جیسے لوگوں کو دیکھوں گا جو حوض کے متعلق شک کرتے ہیں۔ میں نے مدینہ کی بوڑھیوں کو اس حال میں چھوڑا تھا کہ ان میں سے ہر ایک نماز کے بعد اللہ سے دعا کرتی تھی کہ اُسے حوضِ کوثر پر رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضری نصیب ہو جائے۔")

(الزہد والرقائق لعبداللہ بن المبارک، ح:۱۹۰۹) اسنادہ صحیح۔ ط دار الکتب العلمیۃ۔

ذکر الرجال:

☆ الحسین بن الحسن المروزی: (م ۲۴۶ھ) صدوق

(تقریب التہذیب، ت:۱۳۱۵)

☆ محمد بن ابی عدی: (م ۱۹۴ھ) ابو حاتم و دیگر نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

(تاریخ الاسلام للذہبی: ۴ ص ۱۱۵۷، ت بشار)

☆ حمید بن ابی حمید الطویل: (۱۴۲ھ) ثقہ، صحیحین کے راوی۔

(تقریب التہذیب، ت:۱۵۴۴)

عبیداللہ بن زیاد کا حضرت زید بن ارقم ؓ کو خبطی اور حدیث سنانے پر انہیں جھوٹا کہنا:

ایک بار حضرت زید بن اَرقم رضی اللہ عنہ نے ابن زیاد کو حوض کوثر کی حدیث سنائی تو اس نے بڑی ڈھٹائی سے انہیں جھوٹا اور سنکی بڈھا کہا۔ حضرت زید بن اَرقم رضی اللہ عنہ نے اس کی یاوہ گوئی سن کر بھی تحمل سے کام لیا اور خیر خواہی کے ساتھ اسے یقین دلانے کی کوشش کیکہ انہوں نے یہ حدیث نبی اکرم ﷺ سے اپنے کانوں سے سنی بھی تھی اور آنکھوں سے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے دیکھا بھی تھا۔ اس قدر وضاحت اس لیے فرمائی کہ اگر اس کم بخت کو سند میں کوئی شک ہے تو دور ہو جائے مگر جسے عدالتِ صحابہ کا یقین ہی نہ ہو، اس پر بھلا کوئی دلیل کیا اثر کرتی؟ پوری حدیث مع ترجمہ پیشِ خدمت ہے:

وَعَنْ أَبِي حَيَّانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ عَمِّهِ قَالَ: انْطَلَقْتُ أَنَا وَحُصَيْنُ بْنُ مَنْبُرَةَ وَعُمَرُ بْنُ مُسْلِمٍ إِلَى زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، فَلَمَّا جَلَسْنَا إِلَيْهِ قَالَ لَهُ حُصَيْنٌ: لَقَدْ لَقِيتَ يَا زَيْدُ خَيْرًا كَثِيرًا، قَالَ يَزِيدُ بْنُ حَيَّانَ: حَدِّثْنَا زَيْدُ فِي مَجْلِسِهِ ذَلِكَ قَالَ: بَعَثَ إِلَيَّ عَبْدُ اللهِ بْنُ زِيَادٍ، فَأَتَيْتُهُ فَقَالَ: مَا أَحَادِيثُ تُحَدِّثُ بِهَا وَتَرْوِيهَا عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ لَا نَجِدُهَا فِي كِتَابِ اللهِ؟ تُحَدِّثُ أَنَّ لَهُ حَوْضًا فِي الْجَنَّةِ قَالَ: قَدْ حَدَّثْنَاهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَوَعَدَنَاهُ، فَقَالَ: كَذَبْتَ، وَلَكِنَّكَ شَيْخٌ قَدْ خَرِفْتَ۔ قَالَ: إِنِّي قَدْ سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ، وَوَعَاهُ قَلْبِي مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ، وَمَا كَذَبْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ۔

(ابو حیان تیمی اپنے چچا یزید بن حیان سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: میں، حصین بن سبرہ اور عمر بن مسلم، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب ہم ان کے پاس بیٹھ گئے تو حصین نے ان سے کہا: اے زید آپ نے تو بہت خیر اور بھلائی پائی ہے۔ یزید بن حیان بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اسی مجلس میں ہمیں حدیث سناتے ہوئے کہا: ایک بار عبید اللہ بن زیاد نے مجھے بلا بھیجا، میں اس کے پاس گیا تو اس نے کہا: یہ کیسی حدیثیں ہیں جو تم بیان کرتے ہو اور رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں حالانکہ ہم انہیں اللہ کی کتاب میں نہیں پاتے؟ جبکہ تم لوگ بیان کرتے ہو کہ آپ ﷺ کے لیے جنت میں ایک حوض ہے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں ہمیں رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث سنائی ہے اور اس کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس پر ابن زیاد نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو، اصل میں تم بوڑھے ہو چکے ہو اور تمہاری عقل ٹھکانے نہیں رہی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میرے ان دونوں کانوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے اور میرے دل نے اسے محفوظ کیا ہے، آپ ﷺ فرما رہے تھے: جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے، اور میں نے رسول اللہ ﷺ پر کبھی جھوٹ نہیں بولا)

(مجمع الزوائد، ح:۶۲۷) قال الهيثمي: رِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ۔ و قال.

الارنؤوط فی الحواشی (مسند احمد،ح:۱۹۲۶۶) بعد ذکر ھذہ الروایۃ:" ھو موصول باسناد سابقہ۔" ای اسنادہ صحیح علی شرط مسلم۔ورواہ ابوبکر ابن ابی شیبۃ (فی مصنفہ،ح:۳۱۶۸۰) و ابن ابی عاصم (فی السنۃ ،ح:۶۹۹) والبزار(فی مسندہ ،ح:۴۳۳۵)و الطحاوی (فی شرح المشکل الآثار،ح:۴۰۹) و الطبرانی (فی المعجم الکبیر:۵ص ۱۸۱) والحاکم (المستدرک علی الصحیحین،ح:۲۵۸)

الغرض! عبیداللہ بن زیاد بدبخت نے نہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو حدیث سنانے میں سچا سمجھا اور نہ ہی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی عدالت کا قائل ہوا۔

عبیداللہ بن زیاد ایک حدیث پانچ صحابہ سے سن کر بھی منکر رہا:

انس بن مالک اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہما کے بعد ابن زیاد نے یہی حدیث ابو برزہ اسلمی، براء بن عازب اور عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے بھی سنی مگر اسے جھٹلاتا رہا۔ یوں اس نے کم از کم پانچ صحابہ کی تکذیب کی اور ایک حدیث مشہور کا منکر رہا۔ہاں جب بعد میں جب اسے اہل شام کی سند سے حوض کوثر کی روایت ملی تو اسے فوراً قبول کرلیا۔ روایت پیش خدمت ہے:

عَنْ أَبِی سَبْرَۃَ، قَالَ: کَانَ عُبَیْدُ اللّٰہِ بْنُ زِیَادٍ یَسْأَلُ عَنِ الْحَوْضِ، حَوْضِ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَکَانَ یُکَذِّبُ بِہٖ، بَعْدَمَا سَأَلَ أَبَا بَرْزَۃَ وَالْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ وَعَائِذَ بْنَ عَمْرٍو وَرَجُلًا آخَرَ، وَکَانَ یُکَذِّبُ بِہٖ۔۔۔ فَقَالَ أَبُو سَبْرَۃَ: أَنَا أُحَدِّثُکَ بِحَدِیثٍ فِیہِ شِفَاءُ ھَذَا، إِنَّ أَبَاکَ بَعَثَ مَعِی بِمَالٍ إِلَی مُعَاوِیَۃَ، فَلَقِیتُ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَمْرٍو فَحَدَّثَنِی مِمَّا سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ، وَأَمْلَی عَلَیَّ، فکتبتُ بیدی ، فلم أزد حرفاً ولم انقص حرفاً، حدثنی ان رسول اللہ ﷺ قال:إنَّ اللہ لا یحِب الفُحش أو یبغض الفاحِش والمتفحِش۔ وقال:ولا تقوم الساعۃ حتیٰ یظھر الفُحش والتفاحش، وقطِیعۃ الرحِمِ، وسوء المجاورۃِ، وحتیٰ یؤتمن الخائِن ویُخوّن الأمِین۔وقال:ألا إن موعِدکم حوضِی، عرضہ وطولہ واحِد، وھو ما بین أیلۃ ومکۃ، وھو مسِیرۃ شھر، فِیہِ مِثل النجومِ أبارِیق، شرابہ أشد بیاضا مِن الفِضۃ،

من شرب منه مشربا، لم يظمأ بعده أبدا۔ فَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ: مَا سَمِعْتُ فِي الْحَوْضِ حَدِيثًا أَثْبَتَ مِنْ هَذَا فَصَدَّقَ بِهِ، وَأَخَذَ الصَّحِيفَةَ فَحَبَسَهَا عِنْدَهُ۔

(ابو سبرہ بیان کرتے ہیں کہ عبید اللہ بن زیاد حوضِ محمد ﷺ کے بارے میں سوال کیا کرتا تھا اور وہ اس کو جھٹلاتا تھا۔ اس نے اس بارے میں حضرت ابو برزہ، حضرت براء بن عازب، حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہم اور ایک چوتھے شخص سے بھی سوال کیا تھا مگر پھر بھی وہ اسے جھٹلاتا ہی رہا۔ تب ابو سبرہ نے اس سے کہا: میں تمہیں ایک ایسی حدیث سناتا ہوں جس میں اس شک کی شفا ہے۔ تمہارے باپ زیاد نے میرے ہاتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف کچھ مال بھیجا تھا، وہاں میری ملاقات حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ہوئی، تو انہوں نے مجھے وہ احادیث سنائیں جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھیں۔ انہوں نے مجھے املا کرائیں اور میں نے اپنے ہاتھ سے انہیں لکھا، میں نے ان میں نہ ایک حرف زیادہ کیا اور نہ ایک حرف کم کیا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ فحش گوئی کو پسند نہیں کرتا، یا یوں فرمایا: فحش گوئی کرنے والے اور بدزبانی کرنے والے سے بغض رکھتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک بے حیائی، بدزبانی، قطع رحمی اور پڑوسیوں سے برا سلوک عام نہ ہو جائے، اور یہاں تک کہ خائن کو امانت دار سمجھا جانے لگے اور امانت دار کو خائن قرار دیا جانے لگے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: آگاہ رہو! تمہارے ملنے کی جگہ میرا حوض ہے، اس کی چوڑائی اور لمبائی برابر ہے، اور یہ فاصلہ ایسا ہے جیسے ایلہ اور مکہ کے درمیان ہے، یہ ایک ماہ کی مسافت کا راستہ ہے۔ اس میں ستاروں کی تعداد کے برابر پینے کے برتن ہیں، اس کا پانی چاندی سے زیادہ سفید ہے، جس نے اس سے ایک بار پی لیا وہ اس کے بعد کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔ یہ سن کر عبید اللہ بن زیاد نے کہا: میں نے حوض کے بارے میں اس سے زیادہ مستند حدیث نہیں سنی۔ چنانچہ اس نے اس کی تصدیق کر دی اور وہ تحریر اپنے پاس محفوظ کر لی)

(مسند احمد، ح: ۶۵۱۴، قال المحقق الارنؤوط: صحیح لغیرہ)

غور فرمایئے کہ اس ناصبی حاکم نے پانچ صحابہ کرام سے ایک حدیث سنی مگر اسے جھٹلاتا رہا۔ ہاں جب اہل شام کی سند سے وہی حدیث سنی تو اسے مان لیا۔ یہ شواہد ثابت کرتے ہیں کہ مروانی بھی روافض اور خوارج کی طرح بعض صحابہ کو قابل اعتماد سمجھتے تھے اور باقی کو نا قابل اعتماد اور جھوٹا تصور کرتے تھے۔

ابن زیاد کی طرف سے صحابہ کرام کی توہین کے واقعات:

یہی عبیداللہ بن زیاد تھا جس نے ایک بار ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو ان کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا:

إِنَّ مُحَمَّدِيَكُمْ هَذَا الدَّحْدَاحُ۔ (یہ ہے تمہارا ٹھگنا موٹا محمدی)

(سنن ابی داؤد، ح:۴۷۴۹) اسنادہ صحیح

اسی طرح اس بدبخت نے ایک بار حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی گستاخی کرتے ہوئے کہا: اِجْلِسْ فَإِنَّمَا أَنْتَ مِنْ نُخَالَةِ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ

(بیٹھ جا! تُو تو بس محمد ﷺ کے صحابہ کا کچرا ہے)

(صحیح مسلم، ح:۴۸۳۶، کتاب الامارۃ)

اسی بدزبان نے ایک بار حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی توہین کرتے ہوئے کہا: وَمَا أَنْتَ إِلَّا مِنْ حُثَالَةِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ۔

(تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے گرے پڑے لوگوں میں سے ہے) (الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم، ح:۱۰۹۲) اسنادہ حسن

مروانیوں میں خارجیت کے اثرات تھے:

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان لوگوں کو عدالت صحابہ کے عقیدے سے منحرف دیکھ کر پہلی صدی ہجری کے بعض نامور تابعین نے فرما دیا تھا کہ ان میں حروریت (خارجیت) کے اثرات ہیں۔ درج ذیل روایت اس کی شاہد ہے:

عن معمر، عن معطر الوراق، عن عبداللہ بن ریدۃ الاسلمی، قال: شک عبیداللّٰہِ بْنَ زِيَادٍ فِي الْحَوْضِ، وَكَانَتْ فِيهِ حَرُورِيَّةٌ، فَقَالَ: أَرَأَيْتُمُ الْحَوْضَ

الَّذِی یُذْکَرُ، مَا أُرَاهُ شَیْئًا... الخ۔ (عبداللہ بن بریدہ اسلمی فرماتے ہیں کہ عبیداللہ بن زیاد کو حوض کوثر کے بارے میں شک تھا۔ اور اس میں خارجیت کے اثرات تھے۔ اس نے ایک بار کہا: تم بتاؤ تو سہی! وہ حوض جس کا ذکر کیا جارہا ہے، میں تو اسے کچھ بھی نہیں سمجھتا) (جامع معمر بن راشد ملحق بمصنف عبدالرزاق، ح:۲۰۸۵۲)

امام اہلِ سنت حضرت قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ کی بصیرت:

اللہ تعالیٰ امام اہلِ سنت حضرت قاضی مظہر حسین صاحب قدس اللہ سرہٗ کی قبر پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے کہ انہوں نے ناصبیت کا فتنہ روکنے کے لیے انتھک کوشش فرمائی اور ناصبیت پر ''خارجیت'' کا اطلاق بکثرت کیا اور ردِّ ناصبیت میں لکھی گئی اپنی بعض کتب کے عناوین میں بھی ''خارجیت'' کا لفظ استعمال کیا۔ آج کل بعض لوگ ناصبی فتنے کو خفیف سمجھنے کے باعث حضرت قاضی صاحب قدس سرہٗ کے اس طرزِ عمل کو تشدد پر محمول کرتے ہیں۔ مگر آپ ذرا پہلی صدی ہجری کے محدث عبداللہ بن بریدہ اسلمی رحمہ اللہ کے مذکورہ الفاظ دیکھ کر اندازہ لگائیے کہ حضرت قاضی صاحب قدس اللہ سرہٗ کا یہ اطلاق معنوی طور پر کس قدر بجا اور درست تھا۔ کیوں کہ خوارج کی گمراہی کا بنیادی سبب بھی عدالتِ صحابہ سے انحراف تھا اور یہی مرض فرقۂ مروانیہ ناصبیہ کا ہے۔

☆☆☆

مروانیوں کی طرف سے عبداللہ بن زبیرؓ کی توہین

مروانیوں کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہلِ بیت کرام کے بعد جس شخصیت کو سب سے زیادہ ہدفِ تنقید بنایا جاتا رہا، وہ نواسۂ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، خلیفۂ برحق حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے۔ جب مروان نے ان کے خلاف اپنی نام نہاد خلافت کی تحریک چلائی جو درحقیقت کھلی اور ناجائز بغاوت تھی، تو اس بغاوت کو جامۂ جواز پہنانے کے لیے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی زبردست کردار کشی کی گئی۔

عبداللہ بن زبیرؓ منافق۔ یزید کے ماموں حسان بن مالک کا الزام:

یزید کا ماموں زاد حسان بن مالک جب مروان بن حکم کی نام نہاد خلافت کے لیے تحریک چلا رہا تھا، تو اس نے لوگوں میں تعصب کی آگ لگانے کے بعد ان سے پوچھا: ''تم عبداللہ بن زبیر اور مقتولین حرّہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

لوگوں نے آوازیں لگائیں: ''عبداللہ بن زبیر منافق ہے۔ مقولین حرّہ دوزخی ہیں۔''

پھر حسان نے پوچھا: ''حرّہ میں قتل ہونے والے شامیوں اور یزید کے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

لوگ بولے: ''یزید جنتی ہے۔ ہمارے مقتولین بھی جنتی ہیں۔'' حسان بن مالک نے کہا: ''اگر یزید حق پر تھا تو آج بھی اسی کے پیروکار حق پر ہیں۔ اگر عبداللہ بن زبیر کل باطل پر تھا تو آج بھی وہ اہلِ باطل میں سے ہے۔''

اس طرح عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو منافق قرار دے کر ان کے خلاف بغاوت برپا کی گئی۔ (انساب الاشراف: ۶/ ۲۶۴، ط دار الفکر)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کمزور آدمی۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ منافق:

ذوالقعدہ ۶۴ھ میں مروانیوں کی ''جابیہ کانفرنس'' منعقد ہوئی جس میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف خوب زہر اُگلا گیا۔ اس جلسے میں بعض لوگوں کی رائے تھی کہ اُمت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متحد ہو سکتی ہے مگر اُموی زعماء نہ مانے۔ رَوح بن زِنباع نے فوراً کھڑے ہو کر کہا:

''عبداللہ بن عمر کے فضائل اپنی جگہ مگر وہ کمزور آدمی ہے اور اُمت مسلمہ کا قائد کمزور شخص نہیں ہو سکتا اور عبداللہ بن زبیر چاہے اسماء بنت ابوبکر کا بیٹا ہے مگر وہ منافق ہے۔ اس نے دو خلفاء: یزید اور اس کے بیٹے معاویہ سے بغاوت کی، خون ریزی کی، مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کیا۔ حضور ﷺ کی اُمت کی قیادت ایسے منافق کو نہیں دی جا سکتی۔'' (انساب الاشراف: ۶/ ۲۶۷، ط دار الفکر)

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بے دین۔ یزید کے ماموں کا اعلان:

اسی جلسے میں یزید بن معاویہ کے ماموں حسان بن مالک نے کہا: ''مروان صاحب ابن زبیر سے کہیں بہتر ہیں، جو بے دین ہے، جس نے خلافت سے سرکشی کی، جس نے کھلم کھلا اللہ کی نافرمانی کی۔'' (انساب الاشراف: ۶/ ۲۶۰، ط دار الفکر)

حجاج بن یوسف: انکارِ عدالتِ صحابہ اور توہینِ صحابہ کا عادی

یہ جرثومہ صرف مروان کی آل اولاد میں ہی نہیں پھیلا تھا بلکہ جس نے بھی شریعت کو ملحوظ نہ رکھا اور آنکھیں بند کر کے آلِ مروان کی اطاعت کی، وہ کم وبیش اس مرض میں ضرور گرفتار ہوا۔ دولتِ بنو مروان کا نامور اُمیر حجاج بن یوسف ثقفی خاندان کے لحاظ سے بنو اُمیہ یا بنو مروان سے کچھ تعلق نہ رکھتا تھا مگر ان کی اندھی وفاداری کے باعث مزاج ونظریات میں بھی انہی جیسا ہو گیا بلکہ بعض چیزوں میں ان سے بڑھ گیا۔ وہ بھی عدالتِ صحابہ کا قائل بالکل نہ تھا اور اس کے خیال میں صحابہ دینی معاملات میں جھوٹ بول سکتے تھے۔

اُم اَیمن رضی اللہ عنہا جھوٹی تھیں۔ حجاج بن یوسف کا الزام:

ایک بار کسی نے اُسے سیدہ اُم ایمن رضی اللہ عنہا کی معروف روایت سنائی جس میں سیدہ اُمّ ایمن رسول اللہ ﷺ کے دُنیا سے رخصت ہونے پر اظہارِ رنج وغم کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

''وَلٰکِنْ اَبْکِی اَنَّ الْوَحْیَ قَدِ انْقَطَعَ مِنَ السَّمَاءِ''

(میں اس لیے روتی ہوں کہ آسمان سے وحی کا نزول ختم ہو گیا ہے)

جب حجاج بن یوسف نے اُم ایمن رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد سنا تو جھٹ سے کہہ دیا: ''کَذِبَتْ اُمّ اَیمن، مَا اَعْمَلُ اِلَّا بِوَحْیٍ۔'' (اُم ایمن نے جھوٹ کہا۔ میں تو وحی پر ہی عمل پیرا ہوں) (تاریخ دمشق: ۱۲ ص ۱۶۰)

مذکورہ حدیث مسلم شریف میں ''باب فضائل ام ایمن'' کے تحت منقول ہے۔

اگرچہ حجاج کا ارشادِ اُمّ ایمن کی تکذیب کرنا جس روایت میں منقول ہے ،وہ سنداً ضعیف ہے مگر مضبوط قرائن و آثار شاہد ہیں کہ حجاج بن یوسف کو صحابہ کرام اور صحابیات کی اس سے بھی بڑھ کر توہین وتکذیب میں کوئی شرم وحیا محسوس نہیں ہوتی تھی۔ایسا ظالم اور بدعقیدہ انسان اگر سیدہ اُم ایمن رضی اللہ عنہا پر کذب کی تہمت لگاتا ہے،تو اس میں کیا استبعاد ہے؟ فقط سند کے ضعف کی بناء پر اس واقعے کو کیسے مسترد کیا جاسکتا ہے جبکہ صحیح روایات اور ذخیرۂ حدیث کے مطابق حجاج کے دامن پر اس سے کہیں زیادہ سنگین جرائم کے داغ ہیں۔چند نمونے ملاحظہ کیجئے۔

حجاج کا عبداللہ بن زبیرؓ اور اسماء بنت ابی بکرؓ کی توہین،بسند صحیح:

مروان کی موت کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک بن مروان حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے نبرد آزما رہا۔کئی جنگیں ہوئیں۔آخر میں عبدالملک کے سپہ سالار حجاج بن یوسف نے مکہ پر قبضہ کر کے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شکست دے دی۔صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دلیر نواسہ باغی فوج سے لڑتا ہوا شہید ہوگیا۔حجاج بن یوسف نے اُمت کے شرعی خلیفہ کی لاش کو سولی پر لٹکا کر اس کی نمائش کرائی،پھر نمازِ جنازہ پڑھنے کی اجازت بھی نہ دی اور لاش کو یہود کے قبرستان میں پھینکوا دیا۔پھر ان کی والدہ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی بھی شدید گستاخی کی۔صحیح مسلم میں ہے۔

فأرسل إليه، فأنزل عن جذعه، فألقي في قبور اليهود، ثم أرسل إلى أمه أسما بنتِ أبي بكر، فأبت أن تأتيه، فعاد عليها الرسول: لتأتيني أو لأبعثن اليكِ من يسحبِ بقرونكِ، قال: فأبت وقالت: واللهِ لا آتي حتى تبعث إلي من يسحبني بقروني۔

(چنانچہ حجاج بن یوسف نے حکم بھیجا،تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی لاش کو سولی سے اتار کر یہودیوں کے قبرستان میں پھینک دیا گیا۔پھر اس نے ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ اس کے پاس آئیں، مگر انہوں نے آنے سے انکار کر دیا۔اس نے دوبارہ قاصد بھیجا کہ: تم ضرور میرے

پاس آؤ گی ورنہ میں ایسا شخص بھیجوں گا جو تمہیں تمہاری چوٹی کی بالوں سے گھسیٹ کر لائے گا۔ انہوں نے پھر بھی انکار کر دیا اور فرمایا: اللہ کی قسم! میں تمہارے پاس نہیں آؤں گی یہاں تک کہ تم اسے بھیج دو جو مجھے بالوں سے گھسیٹ کر لے جائے)

(صحیح مسلم، ح: ۶۶۶۰، باب ذکر کذاب ثقیف ومبیر ہا)

اس وقت حجاج بن یوسف کی عمر کم وبیش تیس برس تھی جبکہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر مشہور قول کے مطابق سو سال کے قریب ہو چکی تھی۔ ذرہ بھر شرم وحیا رکھنے والا کوئی کافر بھی کسی بوڑھی خاتون سے اس طرح مخاطب نہیں ہوتا جس طرح یہ بدبخت اس دور کی سب سے برگزیدہ صحابیہ کو مخاطب کر رہا تھا۔

حجاج بن یوسف کا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو اللہ کا دشمن کہنا، بسند صحیح:

مسلم شریف کی اسی روایت کے مطابق حجاج نے سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے گفتگو میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو اللہ کا دشمن کہا۔ نعوذ باللہ!

فَقَالَ: كَيْفَ رَأَيْتِنِي صَنَعْتُ بِعَدُوِّ اللهِ؟

(پس حجاج نے کہا: تو نے دیکھا کہ میں نے اللہ کے دشمن کا کیا حشر کیا)

(صحیح مسلم، ح: ۶۶۶۰)

دفاعِ حجاج کے لیے روایتِ صحیح مسلم پر نواصب کا اعتراض:

چوں کہ دورِ حاضر کے تقیہ باز ناصبی گروہ کے ہاں مروان، یزید اور حجاج جیسے فساق کا دفاع دین کا سب سے ضروری کام ہے، پس اس کے لیے وہ بلا تکلف صحیح احادیث کے انکار تک چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ حجاج کے دامن پر لگے ہوئے اَن مٹ داغ دھونے کے لیے یہ لوگ صحیح مسلم کی اس روایت کو بھی جھٹلاتے ہیں اور شوشہ اٹھاتے ہیں کہ کتبِ تاریخ و بلدان کے مطابق حجاز میں یہود کی آبادیاں مدینہ، خیبر اور وادی القریٰ میں تھیں۔ مکہ میں یہودیوں کی سکونت تاریخ میں مذکور نہیں، تو مکہ میں ان کا قبرستان کہاں سے آیا؟ پس روایتِ مسلم نا قابلِ اعتبار ہے۔

اس بارے میں عرض ہے کہ:

☆ تاریخ وجغرافیہ کی کتب میں اگر مکہ میں یہودیوں کی آبادی کا ذکر نہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیوں کہ یہ اصول ہے کہ عدمِ ذکر سے، کسی شے کا عدمِ وجود ثابت نہیں ہوتا۔ صحیح مسلم میں مکہ کے قبرستانِ یہود کا ذکر اس کے وجود کا یقینی ثبوت ہے۔ اگر آپ اسے خلافِ حقیقت ثابت کرنا چاہتے ہیں تو پھر روایتِ مسلم سے زیادہ قوی السند سے کوئی روایت دکھایئے جس میں صریح الفاظ میں کہا گیا ہو کہ مکہ میں اُس دور میں یہود کی قبروں کا کوئی وجود نہ تھا۔

☆ یہ کوئی ضروری نہیں کہ تاریخی طور پر کسی چیز کا وجود فقط کتبِ تاریخ وبلدان ہی سے ثابت ہو۔ ذخیرۂ حدیث سے بھی تاریخی وجغرافیائی جزئیات لی جاتی ہیں بلکہ ان کا ثبوت زیادہ پختہ ہوتا ہے اور تعارض کے وقت انہی کو ثابت اور اس کے خلاف کو ساقط مانا جاتا ہے۔ تاریخ، جغرافیہ اور بلدان پر کام کرنے والے مسلم ماہرین تاریخی جزئیات کے لیے ذخیرۂ حدیث پر بہت زیادہ اعتماد کرتے آئے ہیں۔ پس جب مسلم کی یہ صحیح السند روایت ایک چیز کو ثابت دکھا رہی ہے تو یہی بذاتِ خود سب سے قوی دلیل ہے کہ پہلی صدی ہجری تک یہود کی کچھ قبریں وہاں تھیں، چاہے بعد میں یہود کے چلے جانے اور پھر شہر کی وسعت کے باعث وہ قبریں مٹ گئی ہوں۔

☆ تاریخی ریکارڈ بھی ثابت کرتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مکہ میں یہودیوں کی کچھ نہ کچھ آبادی تھی یا کم از کم وہاں ان کا ایک منظم ٹھکانہ ضرور تھا۔ چنانچہ کتبِ سیرت سے ثبوت ملتا ہے کہ قبل از بعثت مکہ میں بعض یہودی تاجر رہتے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ يَهُودِيٌّ قَدْ سَكَنَ مَكَّةَ يَتَّجِرُ بِهَا۔

(سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرمایا: ایک یہودی مکہ میں رہتا اور وہاں تجارت کرتا تھا) (دلائل النبوۃ للبیہقی: ۱/ص ۱۰۸)

ظاہر ہے کہ جب ایک یہودی مکہ میں رہتا تھا تو اپنے کنبے سمیت رہتا ہوگا۔ اسی سے مکہ میں سکونتِ یہود نہ ہونے کا دعویٰ غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ اگر انہی

یہودیوں کچھ قبروں کے آثار عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دور تک باقی رہ گئے تھے تو اس میں تعجب کیسا؟

☆ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے بھی ''قبورِ یہود'' کی تشریح میں واضح کیا ہے کہ یہاں قبورِ یہود کا ذکر محلِ تعجب نہیں کیوں کہ قدیم زمانے سے یہود حجاز کے مختلف حصوں میں آباد تھے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

وَأُلْقِيَ فِي قُبُورِ الْيَهُودِ، كَانَ الْيَهُودُ قَدِيمًا قَدْ سَكَنُوا الْحِجَازَ۔

(لاش کو گورستانِ یہود میں پھینک دیا گیا۔ یہودی قدیم زمانے سے حجاز میں آباد تھے) (کشف المشکل من حدیث الصحیحین: ۴ ص ۴۵۷، ۴۵۸)

☆ ملا علی قاریؒ ''فَأُلْقِيَ فِي قُبُورِ الْيَهُودِ'' کی تشریح میں فرماتے ہیں:

أَيْ: فِي مَوْضِعِ قُبُورِهِمْ مِنْ سُكَّانِ مَكَّةَ، أَوْ مِنْ وَادِيهَا مِنْ غَيْرِ أَهْلِهَا۔

(یعنی مکہ کے رہنے والے یہودیوں کی قبروں کی جگہ میں پھینکا گیا۔ یا مکہ کی وادیوں میں سے ایسی جگہ پھینکا گیا جو اہل مکہ کی نہیں تھی) (مرقاۃ المفاتیح: ۹ ص ۳۸۷۲)

یعنی زمانہ جاہلیت میں مکہ میں یہودیوں کی جو آبادی تھی، ان کے قدیم قبرستان میں پھینک دیا گیا، یا مکہ سے باہر ایسی کسی وادی میں پھینک دیا گیا جہاں غیر مقامی دیگر مذاہب کے لوگ یہود وغیرہ دفن ہوتے تھے۔

الغرض! یہ اعتراض بالکل بے جا ہے کہ مکہ میں قبورِ یہود کہاں سے آگئیں۔

حجاج کا دعویٰ کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تحریفِ قرآن کے مجرم تھے:

یہ ثابت ہے کہ حجاج کے نزدیک بعض صحابہ قرآن مجید میں تحریف کرتے تھے۔ صحیح السند روایت پیش خدمت ہے:

أَخْبَرَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَسْوَدُ بْنُ شَيْبَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ سُمَيْرٍ قَالَ: خَطَبَ الْحَجَّاجُ الْفَاسِقُ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَقَالَ: إِنَّ ابْنَ الزُّبَيْرِ حَرَّفَ كِتَابَ اللّٰهِ۔ (خالد بن سمیر کہتے ہیں کہ حجاج فاسق نے منبر پر خطبہ دیا اور کہا: بے شک عبداللہ بن زبیر نے قرآن مجید میں تحریف کر دی تھی)

(طبقات ابن سعد: ۴ ص ۱۸۴، ط صادر) اسنادہ صحیح۔

غور فرمایئے! قرآن میں تحریف کا نظریہ اپنانے پر روافض یقیناً بجا طور پر قابلِ ملامت ہیں مگر مروانیوں کے امام حجاج بن یوسف کو ہم کیسے بھول جائیں جو پہلی صدی ہجری میں خود صحابہ کرام پر تحریفِ قرآن کا الزام لگاتا تھا۔ اس سے بڑھ کر گمراہی اور شقاوت اور کیا ہوگی!

حجاج بن یوسف کا عبداللہ بن مسعودؓ پر تحریفِ قرآن کا الزام، بسند صحیح:

حجاج بن یوسف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی تحریفِ قرآن کا مجرم قرار دیتا تھا اور ان کی قرأت قرآنی کو دیہاتیوں کی خرافات کہتا تھا۔ ایک عظیم صحابی اور ان کی قرأت کی یہ شدید توہین وہ محض اس لیے کرتا تھا کہ ان کا مصحف، مصحفِ عثمانی سے ذرا مختلف تھا۔ نیز بنو ہُذیل کے اس جلیل القدر صحابی اور فقیہِ اُمت کو وہ طنزیہ طور پر ''ہُذیلی غلام'' کہہ کر پکارتا تھا۔ چنانچہ سنن ابی داؤد کی صحیح روایت میں حجاج کے ایک خطبے کے الفاظ یوں منقول ہیں:

یا عذیری مِن عبدِ هذیل، یزعم أن قرائته مِن عِندِ اللهِ، واللهِ ما هی الا رجز مِن رجز الأعرابِ، ما أنزل لها اللهُ علی نبیه علیه السلام

(کون ہے اُس ہذیلی غلام کے بارے میں مجھے معذور سمجھنے والا۔ وہ دعویٰ کرتا تھا کہ اس کی قرأت اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ کی قسم! وہ تو محض دیہاتیوں کی رزمیہ شاعری تھی۔ اللہ نے اپنے نبی علیہ السلام پر وہ نازل نہیں کی تھی)

(سنن ابی داؤد، ح: ۴۶۴۳، باب فی الخلفاء)

حجاج بن یوسف کا عبداللہ بن مسعودؓ کو قتل کرنے کی خواہش ظاہر کرنا، بسند صحیح:

اسی پر بس نہیں تھا بلکہ وہ کہتا تھا کہ اگر میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوتا تو ان کا سر قلم کر دیتا۔ اس بارے میں امام ابن ابی الدنیاؒ نے صحیح سند سے حجاج بن یوسف کے خطبے کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

یا عجبا ه مِن عبدِ هذیل زعم أنه یقرأ قرآنا مِن عِندِ اللهِ، فواللهِ ما هو الا

رجز من رجز الأعرابِ، واللهِ لو أدرکت عبدِ هذیل لضربت عنقه۔

(اُس ہذیلی غلام پر تعجب ہے، جو اللہ کا قرآن پڑھنے کا دعویٰ کرتا تھا۔ اللہ کی قسم! وہ تو محض دیہاتیوں کی رزمیہ شاعری تھی۔ اللہ کی قسم اگر میں اُس ہذیلی غلام کو پالیتا تو اس کی گردن مار دیتا) (الاشراف فی منازل الاشراف، ص ۱۳۵، اسنادہ صحیح)

ذکر الرجال:

امام ابو داؤد نے اسے محمد بن العلاء (م ۲۴۷ھ) سے سنا جو صحیحین کے ثقہ حافظ ہیں۔ (تقریب التھذیب، تر: ۲۶۰۴)

ابن ابی الدنیا نے اسے واصل بن عبد الاعلیٰ (م ۲۴۴ھ) سے سنا جو مسلم کے ثقہ راوی ہیں۔ (تقریب التھذیب، تر: ۷۳۸۴)

اس سے اوپر دونوں کی سند یکساں ہے یعنی ابوبکر بن عیاش (م ۱۹۴ھ) صحیحین کے ثقہ راوی ہیں۔

قال ابن حجر: ثقة عابد، الا انه لما کبر ساء حفظه و کتابه صحیح۔

(تقریب التھذیب، تر: ۷۹۸۵)

ان کے شیخ عاصم بن ابی النجود المقری رحمہ اللہ (م ۱۲۸ھ) بخاری و مسلم کے صدوق راوی ہیں۔

قال ابن حجر: صدوق له اوهام (تقریب التھذیب، تر ۳۰۵۴)

حجاج کے اس خطبے کے چشم دید گواہ تنہا امام عاصم رحمہ اللہ نہیں بلکہ امام اعمش رحمہ اللہ بھی اس کے گواہ اور راوی ہیں۔ وہ یہ خطبہ نقل کر کے کہتے ہیں:

هذا بعد قتلِهِ عبد اللهِ بن عمر و عبد اللهِ بن الزبیرِ یتأسف علیٰ ما فاته من قتلِ عبدِ اللهِ بنِ مسعود رضی الله عنه، مِن العبادِلةِ، ولعنِ من بغضهم و خذلهم۔

(حجاج نے یہ کلمات اس وقت کہے جب وہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کرا چکا تھا، اور اب وہ اس بات پر افسوس کر رہا تھا کہ اسے مشہور عبادلہ یعنی عبداللہ نام والے صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن

مسعود رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا موقع کیوں نہ مل سکا۔ اس شخص پر لعنت ہو جو ان صحابہ سے بغض رکھے اور انہیں تنہا چھوڑ دے) (المستدرک علی الصحیحین، ح:۶۳۵۲)

مروانی حاکم حجاج، ایک لاکھ بیس ہزار مسلمانوں کا قاتل:

افسوس کہ ایسے بدعقیدہ شخص کو مروان اور اس کے بعد اس کے بیٹے عبدالملک اور پھر پوتے ولید بن عبدالملک نے تاحیات مسلمانوں پر مسلط کیے رکھا اور اُس کے ہاتھوں جو مسلمانوں کا خون بہا، اُس کی ایک جھلک دکھانے کے لیے سنن ترمذی کی وہ صحیح السند روایت کافی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اس بدبخت نے اپنے دورِ اقتدار میں ایک لاکھ بیس ہزار افراد کو قید کر کے قتل کیا تھا۔ (میدانِ جنگ میں قتل کیے گئے افراد اس کے علاوہ تھے)

اخبرنا النضر بن شمیل عن هشام بن حسان قال :احصوا ما قتل الحجاج صبراً فبلغ مائة الف و عشرین الف قتیل۔

(ہمیں نضر بن شمیل نے ہشام بن حسان سے نقل کر کے بتایا کہ انہوں نے فرمایا: لوگوں نے ان افراد کو شمار کیا جنہیں حجاج نے باندھ کر قتل کرایا تھا تو ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی) (سنن الترمذی، ح:۲۲۲۰۔ باب ماجاء فی ثقیف کذاب ومبیر)

اس روایت کے رجال صحیحین کے رجال ہیں۔

وہشام بن حسان ہو محدث بصری، کان شابا فی ایام الحجاج، کان اعلم الناس بحدیث الحسن البصری وابن سیرین۔ توفی سنۃ ۱۴۸ من الہجرۃ۔ قال الذہبی: ہشام بن حسان من الثقات، احتج بہ اہل الصحاح۔ (تاریخ الاسلام للذہبی:۹/۳۲۰)

مروانی وکلائے صفائی بڑی ڈھٹائی سے حجاج بن یوسف کے ظلم وستم کی گواہی دینے والی ترمذی شریف کی اس روایت کو جھٹلا دیتے ہیں، حالاں کہ اس کے راوی صحیحین کے رجال ہیں مگر مروانیوں کے ہاں تو حجاج بن یوسف بذاتِ خود معیارِ حق ہو گیا ہے۔ اس لیے اس کے خلاف رجالِ صحیحین کی روایت بھی خرافات۔ اور اس کے حق میں بے سند روایات بھی گویا آسمانی صحیفات۔ لاحول ولاقوۃ إلا باللہ!

مروانی حکمرانوں کے ترقیاتی کاموں اور فتوحات سے ان کے جرائم محو نہیں ہو جاتے:

مروان کی نسلی اولاد یا نظریاتی ذُرّیت کی عسکری کامیابیوں، تعمیرات، رفاہی کاموں اور ترقیاتی کارناموں سے فی الحال بحث نہیں۔ نہ ہی ہمیں ان کے بہت سے مثبت کاموں سے انکار ہے۔ ہم نے خود ان حالات کی خاصی تفصیل تاریخ اُمت مسلمہ حصہ دوئم وسوئم میں پیش کی ہے۔ مگر ان ترقیاتی کاموں اور فتوحات سے ان کے اعتقادی ونظریاتی جرائم اور مظالم محو نہیں ہو سکتے۔ ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ مروانی اپنے تمام کارناموں سمیت ''عدالتِ صحابہ'' کے اسلامی عقیدے سے کھلم کھلا انکاری تھے اور یہ ایک چیز ہی اتنی خطرناک ہے کہ اس کے سامنے تمام مفاخر عبث ہو جاتے ہیں اور یہ گمراہی کی ایسی جڑ ہے کہ متعدد باطل فرقوں کی شاخیں اسی سے پھوٹی ہیں۔

عبادات میں مروانیوں کی بدعات

مروانیت کے ایک باقاعدہ فرقے کی شکل اختیار کرنے میں بہت بڑا دخل اس اَمر کا تھا کہ مروان اور اس کی نسلی اور نظریاتی آل میں سے کئی اعلیٰ عہدوں داروں نے خود کو دین کا ٹھیکے دار بھی تصور کر لیا تھا۔ اسی لیے اس دور میں سیاسی مقاصد کے لیے مختلف بدعات شروع کر دی گئی تھیں جن سے صحابہ کرام اور تابعینِ عظام سخت نالاں تھے اور وقتاً فوقتاً ان پر نکیر بھی کرتے رہتے تھے مگر بنو مروان پر کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ ان میں سے چند بدعات کا ذکر درج ذیل ہے:

خطباتِ عید نماز سے پہلے دینے کی بدعت:

حضور اکرم ﷺ کی سنت اور خلفائے راشدین کے تعامل کے مطابق عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازوں کا خطبہ، نماز کے بعد ہوتا ہے مگر بنو مروان کے خلفاء اور امراء عیدین کا خطبہ نماز سے پہلے دے دیا کرتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ بہت سے مروانی حُکام خطبے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تنقیص کرتے تھے؛ اسی لیے عیدین کے اجتماع

میں بہت سے لوگ نمازِ عید ادا کرتے ہی اٹھ کر چلے جاتے تھے اور خطبہ نہیں سنتے تھے۔ اس پر ان حکام نے خطبے کو نمازِ عید سے قبل شروع کر دیا تاکہ لوگوں کو خواہی نخواہی یہ سمع خراشی جھیلنا پڑے۔ اس بدعت کا بانی مروان بن الحکم تھا۔ اس کا کہنا تھا:

"إِنَّ النَّاسَ لَمْ يَكُونُوا يَجْلِسُونَ لَنَا بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَجَعَلْتُهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ۔"

"لوگ نماز کے بعد ہمارے سامنے نہیں بیٹھتے، اس لیے میں نے خطبۂ عید کو نماز سے پہلے کر دیا ہے۔" (صحیح البخاری، ح:۹۵۶)

مطلب یہ تھا کہ چوں کہ ہم حکمران ہیں، اس لیے اپنی مصلحتوں کی خاطر ہم دین میں جس طرح چاہے، تبدیلی کر سکتے ہیں۔ اسی لیے مروان بن الحکم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جیسے فقہاء کے سمجھانے کے باوجود یہ بدعت ترک نہیں کی تھی بلکہ انہیں یہ طنزیہ جواب دیا تھا: لَا يَا أَبَا سَعِيدٍ قَدْ تُرِكَ مَا تَعْلَمُ۔

"نہیں اے ابوسعید۔ تمہارا علم متروک ہو چکا ہے۔"

(صحیح مسلم، ح: ۲۰۹۰، صلاۃ العیدین)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس پر تین بار قسم کھا کر کہا:

كَلَّا وَرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ! لَا تَأْتُونَ بِخَيْرٍ مِمَّا نَعْلَمُ۔

"مشرقوں اور مغربوں کے رب کی قسم! ہمارے علم کے مقابلے میں تم چیز لا رہے ہو وہ خیر کی بات نہیں۔ (بلکہ بدعت ہے)

(مصنف عبدالرزاق، ح: ۵۶۴۸، اسنادہ صحیح؛ صحیح مسلم، ح: ۲۰۹۰، صلاۃ العیدین)

امام سرخسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"حتی أحدث بنو أمية الخطبة قبل الصلاة لأنهم كانوا في خطبتهم يتكلمون بما لا يحلّ، فكان الناس لا يجلسون بعد الصلاة لسماعها فأحدثوها قبل الصلاة ليسمعها الناس۔"

(یہاں تک کہ بنو اُمیہ یعنی مروانیوں نے خطبے کو نمازِ عیدین سے پہلے دینے کی بدعت شروع کی، کیوں کہ وہ خطبوں میں ایسی باتیں کہتے تھے جن کا کہنا جائز نہیں

ہوتا تھا، پس لوگ نماز عیدین کے بعد ایسی باتیں سننے کے لیے نہیں بیٹھتے تھے، پس مروانیوں نے خطبات عیدین کو نماز عیدین سے پہلے شروع کر دیا تا کہ لوگوں کو بہر صورت اپنی باتیں سنا کر رہیں) (المبسوط: ۲/ ۳۷)

مروان کے بیٹے کی خطبے میں بدعت اور ایک صحابی کا اعلانِ حق:

مروان کے بیٹے عبدالملک نے عراق میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت مصعب بن زبیر رحمہ اللہ کو شکست دے کر قتل کیا تو ان کی جگہ اپنے بھائی بشر بن مروان کو عراق کا تخت سونپ دیا۔ وہ جاہل اور بدعتی تھا، سامعین کو متوجہ رکھنے کے لیے جمعہ وعیدین کے خطبے میں ہاتھوں کو خوب حرکت دیتا تھا۔ آخر ایک دن ایک صحابی حضرت عمارہ بن رُوَیبہ رضی اللہ عنہ کو کہنا پڑا:

قَبَّحَ اللّٰهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ، لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مَا يَزِيدُ عَلَى أَنْ يَقُولَ بِيَدِهِ هٰكَذَا، وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ الْمُسَبِّحَةِ۔

''اللہ ان ہاتھوں کا برا کرے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فقط انگشتِ شہادت سے اشارہ کرتے دیکھا تھا۔''

(صحیح مسلم، ح: ۲۰۵۳، کتاب الجمعۃ، باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبۃ)

بیٹھ کر خطبہ دینے کی بدعت:

مروانی دور کے ایک امیر عبدالرحمن بن اُمّ الحکم نے بلا عذر بیٹھ کر خطبہ دینے کی بدعت شروع کر دی تھی۔ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو سخت احتجاج کیا اور کہا: انْظُرُوا إِلَى هٰذَا الْخَبِيثِ يَخْطُبُ قَاعِدًا

''لوگو! اس خبیث کو دیکھو کہ بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے۔''

ساتھ ہی سورۂ جمعہ کی آخری آیت سناتے ہوئے (جس سے کھڑے ہو کر خطبہ دینے کا مسنون ہونا ثابت ہوتا ہے) کہا: اللہ نے تو یوں فرمایا ہے:

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا۔

(جب کچھ لوگوں نے دیکھا کوئی کاروبار یا کھیل تو وہ اُس کی طرف ٹوٹ پڑے اور تمہیں کھڑا ہوا چھوڑ دیا)

(صحیح مسلم، ح:۲۰۳۸، کتاب الجمعۃ، باب فی قولہ تعالیٰ: وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً)

فائدہ:

یاد رہے کہ کھڑے ہو کر خطبہ دینا شوافع کے نزدیک واجب ہے اور احناف کے نزدیک سنت۔ عذر کی بناء پر بیٹھ کر خطبہ دیا جا سکتا ہے مگر اسے معمول بنانا جائز نہیں۔

اعتراض:

بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ سب سے پہلے بیٹھ کر خطبہ دینے والے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

عن ابی هريرة عن النبی ﷺ وابی بكر وعمر وعثمان انهم كانوا يخطبون الجمعة خطبتين على المنبر قياما يفصلون بينهما بجلوس حتى جلس معاوية فی الخطبة الاولى فخطب جالسا وخطب فی الثانية قائما۔

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اور ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم منبر پر کھڑے ہو کر دو خطبے دیا کرتے تھے جن کے درمیان ایک مختصر جلسے کا فاصلہ ہوتا تھا یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلا خطبہ بیٹھ کر اور دوسرا کھڑے ہو کر دینا شروع کیا) (مسند الشافعی، ص ۶۶)

جواب:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسا معذوری اور بیماری کے باعث کیا تھا، جیسا کہ بعض روایات میں واضح ہے کہ انہیں عذر تھا۔ وہ کہنہ سالی اور بدن بھاری ہو جانے کے باعث کھڑے ہونے میں تکلیف محسوس کرنے لگے تھے۔

عن الشعبی قال: اول من خطب جالسا معاوية حين كثر شحمه وعظم بطنه۔ (امام شعبی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے بیٹھ کر خطبہ دینے والے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے جب ان کے بدن پر چربی زیادہ ہو گئی اور ان کا پیٹ بڑھ گیا)

(تاریخ دمشق: ۲۰۲/۵۹)

پس یہ حالتِ عذر تھی۔ معذور کے لیے تو نماز بھی بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے۔ اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔ مروان اور آلِ مروان کی یہ حرکت اس لیے قابلِ اعتراض تھی کہ وہ لوگ بلاعذر ایسا کر رہے تھے۔ پس علمائے اُمت نے اسے بدعت قرار دیا۔

نمازوں میں تاخیر کی بدعت:

اُس دور میں شہروں کے سرکاری امیر (گورنر) مساجد میں نمازیں پڑھاتے تھے۔ بعض مروانی اُمراء بلاعذر نمازوں میں تاخیر کرنے لگے۔ چنانچہ صحیح روایت میں ہے کہ عبیداللہ بن زیاد اور اُس کے ساتھی نمازیں وقت پر ادا نہیں کرتے تھے۔

ثنا أَحْمَدُ بْنُ يُوسُفَ، ثنا النَّضْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثنا عِكْرِمَةُ، ثنا طَارِقُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنِ الْعَلَاءِ مَوْلَى الْحَرَقَةِ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَهُمْ قُعُودٌ فِي إِمْرَةِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ زِيَادٍ، وَكَانُوا يُؤَخِّرُونَ الصَّلَاةَ، فَبَيْنَا هُمْ قُعُودٌ إِذْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، فَقَالَ: أَصَلَّيْتُمْ؟ فَقَالُوا: لَا. قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: صَلَاةُ الْمُنَافِقِ حِينَ تَصْفَرُّ وَتَحْمَرُّ۔

(راوی کہتے ہیں کہ عبیداللہ بن زیاد کی اِمارت کے دور میں ایک بار میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور وہ نمازوں کو مؤخر کرتے رہتے تھے۔ پس وہ بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان کے پاس آکر بولے: ''تم لوگوں نے (عصر کی) نماز ادا کرلی۔'' وہ بولے: ''نہیں۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ منافق کی نماز اُس وقت ہوتی ہے جب سورج زرد پڑ جائے اور سرخی چھانے لگے'')

(حدیث السراج، ح: ۱۶۳۲) اسنادہ صحیح علیٰ شرط مسلم

ذکر الرجال:

☆ احمد بن یوسف بن خالد بن سالم: (۲۶۴ھ) ثقہ، مسلم کے راوی

(تقریب التہذیب، ت: ۱۳۰)

☆ النضر بن محمد بن موسیٰ الجرشی الیمامی ابو محمد: (م بعد ۲۰۱ھ) ثقہ، صحیحین کے راوی۔ (تقریب التہذیب، تر: ۷۱۴۸)

☆ عکرمۃ بن عمار: (م ۱۶۰ھ) مسلم کے راوی۔ ثقہ (الکاشف، تر: ۳۸۶۶)

☆ طارق بن عبدالرحمٰن بن القاسم: (م ۱۲۹ھ) ثقہ

(تقریب التہذیب، تر: ۳۰۰۲)؛

☆ العلاء مولی الحرقۃ، علاء بن عبدالرحمٰن بن یعقوب المدنی: مسلم کے راوی، صدوق۔ (سیر اعلام النبلاء: ۶ ص ۱۸۶؛ تقریب التہذیب، تر: ۵۲۴۷)

حجاج بن یوسف کی نمازوں میں تاخیر اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا اظہار افسوس:

حجاج بن یوسف نمازوں کو تاخیر سے پڑھاتا تھا۔ ایک بار اس بری عادت کو بڑھتا دیکھ کر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اب تو رسول اللہ ﷺ کے دور کی کوئی شے ویسی نہیں رہی۔'' پوری روایت ملاحظہ ہو:

حَدَّثَنَا رَوْحٌ، حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ سَعْدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: مَا أَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا عَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ الْيَوْمَ. فَقَالَ أَبُو رَافِعٍ: يَا أَبَا حَمْزَةَ وَلَا الصَّلَاةَ؟ فَقَالَ: أَوَلَيْسَ قَدْ عَلِمْتُمْ مَا صَنَعَ الْحَجَّاجُ فِي الصَّلَاةِ۔

(عثمان بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا: ''رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو چیزیں میں نے دیکھی تھیں، اب ان میں کوئی بھی اُس حال پر نہیں رہی۔ ابو رافع نے کہا: ''حضرت! کیا نماز بھی نہیں؟ فرمایا: تم دیکھتے نہیں ہو کہ حجاج نماز کے ساتھ کیا کر رہا ہے؟''

(مسند احمد، ح: ۱۳۱۶۸) رجالہ ثقات الا عثمان بن سعد، لینہ غیر واحد؛ ویؤیدہ روایۃ صحیح البخاری الآتی۔ (ح: ۵۳۰، کتاب مواقیت الصلوٰۃ)

دمشق میں نمازوں کے ضیاع پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کا گریہ:

فرقۂ مروانیہ کے خلفاء اور امراء جمعے کے اجتماعات میں لمبی تقاریر کرتے

تھے۔اس دوران خلفاء اپنے کارناموں اور فتوحات کا ذکر کرتے ، نئے فرامین سناتے۔ اُمرائے سلطنت خلفاء کی تعریف وتوصیف میں زمین وآسمان کے قلابے ملاتے جاتے ،اپنے مخالفین پر نکیر اور تنقید کرتے اور زُبان آوری کے ذریعے حکومت کی عظمت کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بٹھانے کی کوشش کرتے تھے۔لوگوں کو چاروناچار یہ سب کچھ سننا پڑتا۔ اس طرح حکمران لوگ نمازوں کو اس قدر مؤخر کر دیتے تھے کہ کبھی نمازیں قضا ہوجاتیں اور کبھی قضا ہونے کا خطرہ پیدا ہوجاتا تھا۔عراق میں حجاج بن یوسف اور اس کے نائبین ہی کا یہ حال نہ تھا ، بلکہ بنومروان کے پایۂ تخت دمشق میں بھی صورتحال مختلف نہ تھی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ دمشق گئے تو ان حالات کو دیکھ کر نہایت دُکھی ہوئے۔فرماتے تھی: اب تو نماز بھی ضایع کردی گئی۔ روایت مع ترجمہ دیکھئے:عنِ الزُّهرِی، يَقُولُ: دَخَلْتُ عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ بِدِمَشْقَ وَهُوَ يَبْكِي، فَقُلْتُ: مَا يُبْكِيكَ؟ فَقَالَ: لاَ أَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا أَدْرَكْتُ إِلَّا هَذِهِ الصَّلاَةَ وَهَذِهِ الصَّلاَةُ قَدْ ضُيِّعَتْ۔

(امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق میں حاضر ہوا تو وہ رورہے تھے، میں نے پوچھا،آپ کیوں رورہے ہیں۔فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو چیزیں پائی تھیں،ان میں نماز کے سوا کوئی شے اپنی حالت پر باقی نہیں پاتا تھا مگر اب تو یہ نماز بھی ضائع کردی گئی ہے)

(صحیح البخاری، ح: ۵۳۰، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب تضییع الصلوٰۃ عن وقتھا)

ابن جوزی رحمہ اللہ کی وضاحت:

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے الفاظ ''الصَّلَاة قد ضُيِّعَت'' کی تشریح میں فرماتے ہیں:

الظَّاهِر من أنس أنه يُشِير إِلَى مَا يصنع الْحجَّاج، فَإِنَّهُ كَانَ يُؤَخر الصَّلَاة جدا يَوْم الْجُمُعَة، متشاغلا بمدح عبد الْملك وَمَا يتَعَلَّق بِهِ۔

(بظاہر حضرت انس رضی اللہ عنہ حجاج کی حرکتوں کی طرف اشارہ کر رہے تھے ،پس بے شک وہ جمعہ کے دن نماز کو بہت زیادہ مؤخر کر دیتا تھا کہ وہ عبدالملک بن مروان کی مدح وستائش میں اور اس سے متعلقہ اُمور کو بیان کرنے میں مشغول رہتا تھا)

(کشف المشکل من حدیث الصحیحین: ۳/ ۲۷۵، ط دارالوطن) وانظر کلام الحافظ ابن حجر العسقلانی فی شرح ہذا الحدیث۔ (فتح الباری: ۲/ ۱۸۰)

راقم عرض کرتا ہے کہ بخاری کی مذکورہ حدیث میں صراحت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ دمشق میں نمازوں کا حال دیکھ کر فرمائے تھے۔ اس سے یہی ثابت ہوا کہ عراق میں حجاج اور دمشق میں مروانی خلفاء، سب کا حال یہی تھا کہ وہ نمازوں خصوصاً جمعہ کی نماز کو بہت مؤخر کرتے تھے۔ اگلی روایت سے یہ بات مزید واضح ہو جائے گی۔

جمعہ کے نماز کو عصر کے وقت تک مؤخر کرنے کی بدعت:

ایک صحیح روایت میں ہے:

عبدالرزاق عَنِ ابنِ جُرَيجٍ، عَنْ عَطَاءٍ قَالَ: أَخَّرَ الْوَلِيدُ مَرَّةً الْجُمُعَةَ حَتَّى أَمْسَى قَالَ: فَصَلَّيتُ الظُّهرَ قَبلَ أَنْ أَجلِسَ، ثُمَّ صَلَّيتُ الْعَصرَ وَأَنَا جَالِسٌ وَهُوَ يَخطُبُ قَالَ: أَضَعُ يَدَيَّ عَلَى رُكبَتِي وَأُومِئُ بِرَأسِي۔

(عبدالرزاق نے ابن جریج سے، انہوں نے عطاء سے نقل کیا ہے کہ ولید بن عبدالملک نے ایک بار (خطبہ لمبا کر کے) جمعہ کی نماز کو اتنا مؤخر کیا کہ شام ہونے لگی، پس میں نے بیٹھنے سے قبل نماز ظہر پڑھ لی، پھر نماز عصر ایسی حالت میں پڑھی کہ میں بیٹھا ہوا تھا اور ولید خطبہ دے رہا تھا۔ میں نے اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لیے اور سر سے اشارہ کر کے نماز ادا کی) (مصنف عبدالرزاق، ح: ۳۷۹۵) اسنادہ صحیح

نماز جمعہ کا وقت یاد دلانے کی رعایتی سزا..... چار سو کوڑے اور عمر قید:

حکمرانوں کی سختی کا یہ حال تھا کہ اگر نماز کو ضایع ہوتے دیکھ کر کوئی بے چارا حاکم

کو یاد دلانے کی کوشش کرتا کہ نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے تو اس کی جان بچنا مشکل ہو جاتی۔ بصرہ کے مشہور تابعی یزید بن نعامہ الضبی رحمہ اللہ تنگ آ کر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو کہتے تھے: ''ہم تو ہر چیز میں بے بس ہو گئے ہیں۔ یہاں تک کہ نمازوں میں بھی۔'' حسن بصری رحمہ اللہ جانتے تھے کہ یزید بن نعامہ احتجاج کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ فرماتے تھے: ''تم کچھ بھی نہ کر پاؤ گے۔ فقط اپنی جان کو حکام کے سامنے رکھ دو گے۔'' تاہم یزید بن نعامہ رحمہ اللہ سے برداشت نہ ہوا اور ایک دن انہوں نے نماز جمعہ کے اجتماع میں حجاج کے نائب حکم بن ایوب کو وقت تنگ ہونے کی طرف توجہ دلائی۔ اس جسارت پر انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ حکم بن ایوب نے ان کا مقدمہ حجاج کو بھیج دیا جس نے جواب میں لکھا:

''ان کانت قامتِ الشھوذ العدولُ أنه مجنون فخلِّ سبیله، وإلا فاقطع یدیه ورِجلیه، وَاسمُرْ عَینَیهِ، وَاصْلُبه''

(اگر عادل گواہ گواہی دیں کہ یہ مجنون ہے تو اسے چھوڑ دو۔ ورنہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دو۔ آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دو، اور اسے سولی پر لٹکا دو)

کچھ لوگوں نے ان کی جان بچانے کے لیے حاکم کے سامنے گواہی دے دی کہ یہ مجنون ہیں۔ چنانچہ انہیں چھوڑ دیا گیا مگر کچھ دنوں بعد حاکم کو پتہ چل گیا کہ یہ ٹھیک ٹھاک ہیں۔ چنانچہ انہیں بہت رعایت کر کے جو سزا دی گئی، اُس کے بارے میں یزید بن نعامہ رحمہ اللہ کا اپنا بیان ہے:

فأُخِذتُ فَضَرَبنِي أربعمِائةِ سوطٍ، فما دریت حِین ترکنِي مِن شِدةِ ما ضربنِي، قال: وبعثنِي إلیٰ واسِطٍ، فکنت فِي دِیماسِ الحجاجِ حتیٰ مات الحجاج

(پس مجھے گرفتار کر لیا گیا، پھر مجھے چار سو کوڑے لگائے گئے۔ مجھے اتنی شدید ضربیں لگائی گئیں کہ جب مجھے چھوڑا گیا تو مجھے کچھ ہوش نہ تھا۔ پھر حکم بن ایوب نے مجھے واسط بھیج دیا پس میں حجاج کی ''دیماس'' نامی جیل میں قید رہا یہاں تک کہ حجاج مر گیا) (مسند ابی یعلیٰ: ۲/ ۵۳۶، ط دار المأمون..... قال المحقق: رجالہ رجال الصحیح)

نماز میں تاخیر سے روکنے پر زیاد بن جاریہ رحمہ اللہ کا سر قلم:

زیاد بن جاریہ رحمہ اللہ شام کے ممتاز بزرگ تھے۔ بعض علماء نے انہیں صحابی اور اکثر نے تابعی کہا ہے۔ مروانی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے حسب معمول نماز جمعہ کو عصر تک مؤخر کیا تو زیاد بن جاریہؒ نے اس پر تنقید کی، چنانچہ انہیں گرفتار کر کے شاہی محل پہنچا دیا گیا اور وہاں ان کا سر قلم کر دیا گیا۔ ابن عساکرؒ لکھتے ہیں:

قرأت في كتاب أبي محمد الرازي أخبرني أحمد بن عمير بن جوصا، نا الهيثم بن مروان بن الهيثم بن عمران العبسي، قال وجدت في كتاب جدي الهيثم بن عمران، أن زياد بن جارية التميمي دخل مسجد دمشق وقد تأخرت صلاتهم الجمعة بالعصر فقال والله ما بعث الله نبيا بعد محمد ﷺ أمركم بهذه الصلاة، قال فأخذ فأدخل الخضراء، فقطع رأسه وذلك في زمن الوليد بن عبد الملك۔

''میں نے ابو محمد الرازی کی کتاب میں پڑھا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے احمد بن عمیر بن جوصا نے خبر دی، انہیں ہیثم بن مروان بن ہیثم بن عمران العبسی نے بتایا، انہوں نے کہا: میں نے اپنے دادا ہیثم بن عمران کی کتاب میں یہ لکھا پایا کہ: زیاد بن جاریہ تمیمی دمشق کی مسجد میں داخل ہوئے، جبکہ وہاں کے لوگوں نے جمعہ کی نماز میں اتنی تاخیر کر دی تھی کہ عصر کا وقت ہو چلا تھا۔ یہ دیکھ کر زیاد بن جاریہ نے کہا: خدا کی قسم! اللہ نے محمد ﷺ کے بعد ایسا کوئی نبی نہیں بھیجا جس نے تمہیں اس طرح تاخیر سے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ: پھر انہیں پکڑ لیا گیا اور خضراء (بنو مروان کے شاہی محل) لے جایا گیا، جہاں ان کا سر قلم کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ولید بن عبدالملک کے دور حکومت کا ہے۔''

(تاریخ دمشق: ۱۹ ص ۱۳۶) ابن عساکر سے اس روایت کو کسی نقد کے بغیر درج ذیل ماخذ میں لیا گیا ہے: تاریخ الاسلام للذہبی: ۶ ص ۶۹، ت تدمری؛ البدایۃ والنہایۃ: ۱۲ ص ۶۱۲، ط دار ہجر؛ تہذیب الکمال: ۹ ص ۴۴۰؛ تہذیب التہذیب: ۳ ص ۳۵۷؛ الاصابۃ: ۲ ص ۵۳۹)

ذكر الرجال:

اس روایت کو حافظ ابن عساکر نے ابو محمد رازی کی کتاب سے نقل کیا ہے۔
اس میں ایک راوی احمد بن عمیر بن جوصا، حافظ ابوالحسن دمشقی (م ۳۲۰ھ) ہیں جن پر حافظ ذہبیؒ نے ''صدوق، لہ غرائب'' کا حکم لگایا ہے۔ امام دارقطنیؒ انہیں قوی نہیں سمجھتے مگر امام طبرانی نے انہیں ''ثقات'' میں شمار کیا ہے۔ (میزان الاعتدال: ۱ص ۱۲۵)
انہوں نے یہ روایت ''ہیثم بن مروان بن ہیثم ابوالحکم دمشقی'' (م نحو ۲۶۰ھ) سے لی ہے جس پر حافظ ذہبیؒ نے ''الکاشف'' میں ''صدوق مشہور'' اور ''تاریخ الاسلام'' میں ''ثقہ'' کا حکم لگایا ہے۔ (تاریخ الاسلام للذہبی: ۶ص ۲۲۶، ت بشار)
ہیثم بن مروان نے یہ روایت اپنے دادا ہیثم بن عمران (م ۱۹۹ھ) کی کتاب سے نقل کی ہے۔
مجموعی طور پر روایت ثقات کی ہے مگر منقطع ہے یعنی روایت ضعیف ہے، تاہم بہت سی صحیح روایات میں تاخیرِ نماز کے حوالے سے بنو مروان کی جو کارستانیاں بتائی گئی ہیں، یہ ان کے عین مطابق ہے، پس اسے یکسر مسترد نہیں کیا جا سکتا۔

نماز جمعہ یا دولا نے پر حسن بصری رحمہ اللہ کو روپوش ہونا پڑا:

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے ابن جوزی رحمہ اللہ کے حوالے سے حسن بصری رحمہ اللہ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ جب انہوں نے نمازِ جمعہ وقت پر ادا کرانے کی آواز لگائی تو اس کی پاداش میں حجاج بن یوسف ان کے پیچھے پڑ گیا اور انہیں جان بچانے کے لیے روپوش ہونا پڑا:

وقد روى ابو الفرج ابن الجوزي في كتاب مناقب الحسن باسناد له، أن الحسن شهد الجمعة مع الحجاج، فرقى الحجاج المنبر، فأطال الخطبة حتى دخل في وقت العصر، فقال الحسن: ما من رجل يقول: الصلاة جامعة؟ فقال رجل: يا أبا سعيد، تأمرنا أن نتكلم والامام يخطب؟ فقال: انما أمرنا أن ننصت لهم فيما أخذوا من أمر ديننا، فاذا أخذوا في أمر دنياهم أخذنا في أمر

دیننا، قوموا، فقام الحسن وقام الناس لقیام الحسن، فقطع الحجاج خطبته، ونزل فصلی بهم، فطلب الحجاج الحسن فلم یقدر علیه.

(ابو الفرج ابن الجوزی رحمہ اللہ نے کتاب مناقب الحسن میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ: حسن بصری رحمہ اللہ حجاج کے ساتھ جمعہ میں حاضر ہوئے، حجاج منبر پر چڑھا اور خطبہ اتنا طویل کر دیا کہ عصر کا وقت داخل ہو گیا۔ تو حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا: کیا کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو پکارے: الصلاۃ جامعۃ، یعنی نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ ایک شخص نے کہا: اے ابو سعید! کیا آپ ہمیں حکم دے رہے ہیں کہ ہم اس وقت کلام کریں جب امام خطبہ دے رہا ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہمیں ان کی بات خاموشی سے سننے کا حکم صرف ان امور میں دیا گیا ہے جو ہمارے دین کے متعلق ہوں، لیکن جب وہ خطبہ میں اپنے دنیاوی امور سنانے لگ جائیں تو ہم اپنے دین کے معاملے یعنی نماز کو تھام لیں گے۔ اٹھو۔ پس حسن بصری رحمہ اللہ کھڑے ہو گئے اور ان کے کھڑے ہونے کی وجہ سے لوگ بھی کھڑے ہو گئے۔ حجاج نے اپنا خطبہ روک دیا اور نیچے اتر کر انہیں نماز پڑھائی۔ پھر حجاج نے حسن بصری رحمہ اللہ کو تلاش کروایا مگر وہ اسے نہ مل سکے۔) (فتح الباری لابن رجب: ۸ ص ۱۸۸، ۱۸۹)

نمازوں کی تاخیر فقط مستحب اوقات نکلنے تک نہ تھی۔ ابنِ حجر عسقلانیؒ کی تشریح:

یاد رہے کہ مروانی حکام کا نمازوں کو مؤخر کرنا فقط مستحب اوقات نکلنے تک نہ تھا بلکہ بسا اوقات نمازیں قضا بھی کر دی جاتی تھیں۔ اگرچہ بعض شارحینِ حدیث کی رائے یہ ہے کہ مروانی امراء کی تاخیر مستحب وقت کو ٹالنے تک تھی۔ مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس رائے کی تردید کی ہے اور محدثین کی قوی اسناد سے متعدد مروانی حکام کی مثالیں پیش کی ہیں جو خطبوں کو طویل کر کے نمازوں کو قضا کر دیتے تھے، جس کے باعث مجمع میں موجود بعض صحابہ اور تابعین اشاروں سے نمازیں ادا کرتے تھے؛ کیوں کہ اگر وہ قیام اور رکوع وسجود کے ساتھ نماز پڑھتے تو اموی حکام اسے کھلی مخالفت تصور کر کے قتل کی سزا دیتے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ وَهٰذِهِ الصَّلَاةُ قَدْ ضُيِّعَتْ قَالَ الْمُهَلَّبُ وَالْمُرَادُ بِتَضْيِيعِهَا تَأْخِيرُهَا عَنْ وَقْتِهَا الْمُسْتَحَبِّ لَا أَنَّهُمْ أَخْرَجُوهَا عَنِ الْوَقْتِ كَذَا قَالَ وَتَبِعَهُ جَمَاعَةٌ وَهُوَ مَعَ عَدَمِ مُطَابَقَتِهِ لِلتَّرْجَمَةِ مُخَالِفٌ لِلْوَاقِعِ فَقَدْ صَحَّ أَنَّ الْحَجَّاجَ وَأَمِيرَهُ الْوَلِيدَ وَغَيْرَهُمَا كَانُوا يُؤَخِّرُونَ الصَّلَاةَ عَنْ وَقْتِهَا وَالْآثَارُ فِي ذٰلِكَ مَشْهُورَةٌ مِنْهَا مَا رَوَاهُ عبد الرَّزَّاق عَن بن جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ أَخَّرَ الْوَلِيدُ الْجُمُعَةَ حَتَّى أَمْسَى فَجِئْتُ فَصَلَّيْتُ الظُّهْرَ قَبْلَ أَنْ أَجْلِسَ ثُمَّ صَلَّيْتُ الْعَصْرَ وَأَنَا جَالِسٌ إِيمَاءً وَهُوَ يَخْطُبُ وَإِنَّمَا فَعَلَ ذٰلِكَ عَطَاءٌ خَوْفًا عَلَى نَفْسِهِ مِنَ الْقَتْلِ وَمِنْهَا مَا رَوَاهُ أَبُو نُعَيْمٍ شَيْخُ الْبُخَارِيِّ فِي كِتَابِ الصَّلَاةِ مِنْ طَرِيقِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ صَلَّيْتُ إِلَى جَنْبِ أَبِي جُحَيْفَةَ فَمَسَّى الْحَجَّاجُ بِالصَّلَاةِ فَقَامَ أَبُو جُحَيْفَةَ فَصَلَّى وَمِنْ طَرِيقِ بن عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي مَعَ الْحَجَّاجِ فَلَمَّا أَخَّرَ الصَّلَاةَ تَرَكَ أَنْ يَشْهَدَهَا مَعَهُ وَمِنْ طَرِيقِ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي إِسْمَاعِيلَ قَالَ كُنْتُ بِمِنًى وَصَخْفٌ تُقْرَأُ لِلْوَلِيدِ فَأَخَّرُوا الصَّلَاةَ فَنَظَرْتُ إِلَى سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَعَطَاءٍ يُومِئَانِ إِيمَاءً وَهُمَا قَاعِدَانِ۔

(حدیث کے الفاظ "یہ نماز ضائع کر دی گئی ہے۔" کے بارے میں مہلب نے کہا ہے کہ نماز ضائع کرنے سے اسے مستحب وقت سے مؤخر کرنا مراد ہے، نہ کہ اسے قضا کر کے وقت سے ہی نکال دینا۔ انہوں نے ایسا ہی کہا ہے اور ایک جماعت نے ان کی پیروی کی ہے، حالانکہ یہ بات امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ باب کے عنوان "تضییع الصلوٰۃ عن وقتھا" سے مطابقت نہ رکھنے کے ساتھ ساتھ حقیقت کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ یہ بات صحیح طور پر ثابت ہے کہ حجاج اور اس کے امیر اور ولید وغیرہ نماز کو اس کے وقت مقررہ سے مؤخر کر دیا کرتے تھے، اور اس بارے میں آثار مشہور ہیں۔ انہی میں سے ایک وہ روایت ہے جسے عبد الرزاق رحمہ اللہ نے ابن جریج سے اور انہوں نے عطاء سے نقل کیا، وہ کہتے ہیں: ولید نے جمعہ کی نماز میں اتنی تاخیر کی کہ شام ہو گئی، پس میں آیا اور بیٹھنے سے پہلے ظہر کی نماز پڑھی، پھر عصر کی نماز بیٹھ کر اشارے سے پڑھی جبکہ وہ خطبہ دے رہا تھا۔ عطاء نے ایسا صرف قتل کیے جانے کے خوف سے کیا تھا۔

انہی آثار میں سے وہ ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ ابو نعیم رحمہ اللہ نے ''کتاب الصلاۃ'' میں ابوبکر بن عتبہ کے واسطے سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں: میں نے ابو جحیفہ کے پہلو میں نماز پڑھی، حجاج نے نماز میں تاخیر کر کے شام کر دی تو ابو جحیفہ کھڑے ہوئے اور خود ہی نماز پڑھ لی۔ نیز ابن عمر رضی اللہ عنہما کے واسطے سے مروی ہے کہ وہ حجاج کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے، لیکن جب اس نے نماز میں تاخیر شروع کر دی تو انہوں نے اس کے ساتھ نماز میں حاضر ہونا چھوڑ دیا۔ اسی طرح محمد بن ابی اسماعیل کے واسطے سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں منیٰ میں تھا اور ولید کے فرامین کے صحیفے پڑھے جا رہے تھے، پس انہوں نے نماز میں تاخیر کر دی، تو میں نے سعید بن جبیر اور عطا کو دیکھا کہ وہ بیٹھے ہوئے اشارے سے نماز پڑھ رہے تھے۔ (فتح الباری: ۲/ ۱۴)

مروانی حکمرانوں کی نمازوں کو مؤخر کرنے کی مزید روایات مع ترجمہ

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقد كان الصحابة والتابعون مع أولئك الظلمة في جهد جهيد، لا سيما في تأخير الصلاة عن ميقاتها، وكانوا يصلون الجمعة في أخر وقت العصر، فكان أكثر من يجيء إلى الجمعة يصلي الظهر والعصر في بيته، ثم يجيء إلى المسجد تقية لهم۔ ومنهم من كان اذا ضاق وقت الصلاة وهو في المسجد أومى بالصلاة خشية القتل. وكانوا يحلفون من دخل المسجد أنه ما صلى في بيته قبل أن يجيء.''

''صحابہ کرام اور تابعین ان ظالم حکمرانوں کے ساتھ سخت آزمائش اور مشقت میں تھے، خاص طور پر نماز کو اس کے مقررہ وقت سے مؤخر کرنے کے معاملے میں۔ وہ حکمران جمعہ کی نماز عصر کے آخری وقت میں پڑھاتے تھے، تو اکثر لوگ جو جمعہ کے لیے آتے، وہ اپنے گھروں میں پہلے ہی ظہر اور عصر پڑھ کر آتے اور پھر ان کے شر سے بچنے کے لیے تقیہ کے طور پر مسجد آتے تھے۔ ان میں سے کچھ وہ تھے کہ جب مسجد میں ہوتے ہوئے نماز کا وقت تنگ ہو جاتا تو وہ قتل کے خوف سے اشارے سے نماز پڑھ لیتے

تھے۔ یہ حکمران لوگ مسجد میں داخل ہونے والے سے حلف لیتے تھے کہ کیا اس نے آنے سے پہلے گھر میں نماز تو نہیں پڑھی؟'' (فتح الباری لابن رجب: ۸ ص ۱۸۵)

فضل بن دکین رحمہ اللہ کی ''کتاب الصلاۃ'' میں نقل کردہ روایات:

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ اور ثقہ و متقن محدث ابونعیم فضل بن دکین رحمہ اللہ (م ۲۱۸ھ) کی ''کتاب الصلوٰۃ'' سے کئی ایسی روایات نقل کی ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ مروانی حکمران نمازوں کو کس طرح ضایع کرتے اور کرواتے تھے۔ ان میں سے بعض روایات یہ ہیں:

(۱) قال ابراهيم بن مهاجر: كنت أنا وسعيد بن جبير وبراهيم نصلي الظهر، ثم نجلس فنتحدث والحجاج يخطب يوم الجمعة۔

(ابراہیم بن مہاجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں، سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ ظہر کی نماز پڑھ لیتے، پھر ہم بیٹھ کر باتیں کرتے جبکہ حجاج جمعہ کا خطبہ دے رہا ہوتا تھا)

(۲) وباسناده: عن الاعمش، عن ابراهيم وخيثمة، أنهما كانا يصليان الظهر والعصر، ثم يأتيان الحجاج يوم الجمعة، فيصليان معه

(اعمش رحمہ اللہ نے ابراہیم اور خیثمہ سے روایت کیا کہ وہ دونوں ظہر اور عصر پڑھ لیتے تھے، پھر حجاج کے پاس جمعہ کے دن آتے اور اس کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھ لیتے)

(۳) وعن أبي وائل، أنه كان يأمرهم أن يصلوا في بيوتهم، ثم يأتوا الحجاج فيصلون معه الجمعة۔

(ابووائل رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ لوگوں کو حکم دیتے تھے کہ اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیں، پھر حجاج کے پاس آئیں اور اس کے ساتھ جمعہ پڑھیں)

(۴) وعن محمد بن ابي سماعيل، قال: كنت في مسجد منىٰ، وصحف تقرأ للوليد، فأخروا الصلاة: قال: فنظرت الى سعيد بن جبير وعطاء يومئان، وهما قاعدان۔

(محمد بن ابی اسماعیل سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں مسجدِ منیٰ میں تھا اور

ولید بن عبدالملک کے فرامین پڑھے جا رہے تھے، پس انہوں نے نماز میں تاخیر کر دی، تو میں نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور عطاء رحمہ اللہ کو دیکھا کہ وہ بیٹھے ہوئے اشارے سے نماز پڑھ رہے تھے) (فتح الباری لابن رجب: ۸ ص ۱۸۵، ۱۸۶)

عمر بن شبہ رحمہ اللہ کی نقل کردہ روایات:

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کے معاصر نامور محدث عمر بن شبہ رحمہ اللہ (۲۶۲ھ) کی "کتاب ادب السلطان" سے گیارہ ایسی روایات نقل کی ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ مروانی حکمران نمازوں کو کس طرح ضایع کرتے اور کرواتے تھے۔

(۱) وروی فیه باسناده: أن أبا عبیدة بن عبد الله بن مسعود کان یروح الی المسجد وقد صلّی الظهر والعصر، فیجلس فینتظر، فیقول: ماله قاتله الله؟ یصیح علی منبره صیاحا، وقد فاتته العصر، ولم یصلّ الظهر بعد.

(ابو زید عمر بن شبہ رحمہ اللہ نے اس کتاب میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ: ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعود رحمہ اللہ مسجد جایا کرتے تھے جبکہ وہ ظہر اور عصر کی نماز پڑھ چکے ہوتے تھے، پھر وہ بیٹھ کر انتظار کرتے اور حجاج کے بارے میں کہتے: اسے کیا ہو گیا ہے؟ اللہ اسے غارت کرے، یہ اپنے منبر پر چیخ و پکار کر رہا ہے، حالانکہ اس کی عصر فوت ہو چکی ہے اور اس نے ابھی تک ظہر بھی نہیں پڑھی)

(۲) وباسناده: عن عمرو بن هرم، قال: کان أنس بن مالک یصلّی الظهر والعصر فی بیته، ثم یأتی الحجاج فیصلی معه الجمعة.

(اپنی سند کے ساتھ عمرو بن ہرم سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں: انس بن مالک رضی اللہ عنہ ظہر اور عصر اپنے گھر میں پڑھ لیتے تھے، پھر حجاج کے پاس آتے اور اس کے ساتھ دوبارہ جمعہ پڑھتے تھے)

(۳) وباسناده: عن عبد الله بن أبی زکریا، أنه کان یجمع مع الولید بن عبد الملک ما صلّی الولید فی وقت الظهر الجمعة، ویعتد بها جمعة، فان أخرها عن وقت الظهر صلّی الظهر فی آخر وقت الظهر أربعا ایماء، ثم صلّی

الجمعة معه، وجعلها تطوعا، فان أخر العصر حتى يخرج وقتها صلاها في آخر وقتها ايماء.

(عبداللہ بن ابی زکریاؒ سے روایت ہے کہ: وہ ولید بن عبدالملک کے ساتھ اس صورت میں جمعہ پڑھتے تھے جب ولید ظہر کے وقت میں جمعہ پڑھا دیتا، اور وہ اسے جمعہ ہی شمار کرتے تھے۔ لیکن اگر ولید ظہر کے وقت سے جمعہ کو مؤخر کر دیتا، تو وہ ظہر کے آخری وقت میں چار رکعتیں اشارے سے پڑھ لیتے تھے۔ عبداللہ بن ابی زکریا اس کے ساتھ جمعہ پڑھتے اور اسے نفلی نماز قرار دیتے۔ اگر حکمران عصر کی نماز میں اتنی تاخیر کر دیتا کہ اس کا وقت نکلنے لگتا، تو وہ اسے عصر کے آخری وقت میں اشارے سے پڑھ لیتے)

(۴) وباسناده: عن حصين، قال: كان أبو وائل اذا أخر الحجاج الجمعة استقبل القبلة، يومء ايماء، يتناعس.

(اپنی سند کے ساتھ حصین سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں: ابو وائل رحمہ اللہ جب دیکھتے کہ حجاج نے جمعہ میں تاخیر کر دی ہے، تو وہ قبلہ رخ ہو کر اشارے سے نماز پڑھ لیتے اور یوں ظاہر کرتے جیسے انہیں اونگھ آ رہی ہے)

(۵) وباسناده: عن جرير، قال: شهدت الجمعة مع ابن هبيرة، فأخرة الصلاة الى قريب من العصر، فرأيت الناس يخرجون، فرأيت أبا حنيفة خرج، فكأن شيخ يصيح في المسجد: لو كان الحجاج ما خرجوا، وجعل فضيل بن غزوان ويقول: انهم، انهم.

"اپنی سند کے ساتھ جریر سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں: میں ابن ہبیرہ (عراق کے اُموی امیر) کے پیچھے جمعہ میں حاضر ہوا، اس نے نماز میں عصر کے قریب تک تاخیر کر دی۔ میں نے لوگوں کو مسجد سے نکلتے دیکھا، اور میں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو بھی دیکھا کہ وہ نکل گئے، تو ایک بوڑھا (مروانی) آدمی مسجد میں چیخ کر کہہ رہا تھا: اگر حجاج کا دور ہوتا تو یہ لوگ نہ نکلتے۔ اور فضیل بن غزوانؒ ان (مروانیوں کے) کے بارے میں کہنے لگے: یہ ایسے ہیں، یہ ایسے ہیں۔"

(٦)وباسناده: عن ابن سيرين، أنه حضر الجمعة، فأخر الامير الصلاة، فأدمى ظفره، ثم قام فخرج، وأخذته السياط حتى خرج من المسجد.

''اپنی سند کے ساتھ ابن سیرین رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ: وہ جمعہ میں حاضر ہوئے اور امیر نے نماز میں تاخیر کر دی، تو انہوں نے (وضو ٹوٹنے کا بہانہ کرنے کے لیے) اپنا ناخن لہولہان کر لیا، پھر وہ کھڑے ہوئے اور نکل گئے، مسجد سے نکلنے تک انہیں کوڑے مارے جاتے رہے۔''

(٧)وعن عطاء بن السائب: قال: رأيت سعيد بن جبير وأبا البختري وأصحابه يومئون يوم الجمعة، والحجاج يخطب، وهم جلوس.

(عطاء بن سائب سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ، ابو البختری رحمہ اللہ اور ان کے ساتھیوں کو دیکھا کہ وہ جمعہ کے دن اشارے سے نماز پڑھ رہے تھے جبکہ حجاج خطبہ دے رہا تھا اور وہ بیٹھے ہوئے تھے)

(٨)وعن محمد بن اسماعيل، قال: رأيت سعيد بن جبير وعطاء، وأخر الوليد الجمعة والعصر، فصلاهما جميعا، قال: فأومنا ايماء، ثم صليا معه بمنى.

(محمد بن اسماعیل سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور عطاء رحمہ اللہ کو دیکھا، ولید نے جمعہ اور عصر میں تاخیر کر دی تھی اور ان دونوں کو اکٹھا پڑھا رہا تھا، راوی کہتے ہیں: پس ان دونوں علماء نے اشارے سے نماز پڑھی، پھر منیٰ میں اس کے ساتھ بھی نماز ادا کی)

(٩)وباسناده: عن حميد، كان الوليد بن عبد الملك خرج بمنى بعد العصر، فخطب حتى صارت الشمس على رأس الجبال، فنزل فصلى الظهر، ثم صلى العصر، ثم صلى المغرب.

(اپنی سند کے ساتھ حمید سے روایت ہے کہ: ولید بن عبد الملک منیٰ میں عصر کے بعد نکلا اور خطبہ دیتا رہا یہاں تک کہ سورج پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچ گیا یعنی غروب کے قریب ہو گیا۔ پھر ولید نیچے اترا اور پہلے ظہر پڑھی، پھر عصر پڑھی اور پھر مغرب ادا کی)

(۱۰)وروی باسناد له: عن سالم، أنه ذكر أن الوليد قدم عليهم المدينة، فمازال يخطب ويقرأ الليث حتى مضى وقت الجمعة، ثم مضى وقت العصر، فقال القاسم بن محمد لسالم: أما قمت فصليت؟ قال: لا. قال: فأما اومأت؟ قال: لا. وقال: خشيت أن يقال: رجل من آل عمر.

''ابو زید عمر بن شبہ رحمہ اللہ نے اپنی ایک سند کے ساتھ سالم رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ انہوں نے ذکر کیا: ولید ان کے پاس مدینہ آیا، تو وہ مسلسل خطبہ دیتا اور فرامین پڑھتا رہا یہاں تک کہ جمعہ کا وقت گزر گیا، پھر عصر کا وقت بھی تقریباً نکل گیا۔ اس پر قاسم بن محمد رحمہ اللہ نے سالم رحمہ اللہ سے کہا: کیا تم کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھتے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ قاسم رحمہ اللہ نے پوچھا: کیا تم نے اشارے سے بھی نماز نہیں پڑھی؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ اور مزید کہا: مجھے ڈر تھا کہ کہیں یہ نہ کہا جائے کہ یہ تو آلِ عمر رضی اللہ عنہ کا ایک آدمی ہے (جس نے بغاوت کی یا ظلمِ جماعت توڑا، پس بغاوت کی سزا میں قتل کا حکم ہو جائے)''

(۱۱)وروی باسناده: عن عمار بن زاذان: حدثني محول، قال: خطب الحجاج بمكة، وأنا الى جنب ابن عمر، يحبس الناس بالصلاة، فرفع ابن عمر رأسه، ونهض، وقال: يامعشر المسلمين، انهضوا الى صلاتكم، ونهض الناس، ونزلا لحجاج، فلما صلى قال: ويحكم، من هذا؟ قالوا: ابن عمر. قال: ما والله لولا أن به لمما لعاقبته.

(اور اپنی سند کے ساتھ عمارہ بن زاذان سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں: مجھ سے مکحول رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ حجاج نے مکہ میں خطبہ دیا، میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں تھا، حجاج لوگوں کو نماز سے روکے ہوئے تھا یعنی تاخیر کر رہا تھا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا سر اٹھایا، کھڑے ہوئے اور پکارا: اے مسلمانو! اپنی نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔ لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے، تو حجاج منبر سے نیچے اتر آیا۔ جب اس نے نماز پڑھ لی تو پوچھا: تم پر افسوس، یہ کون تھا؟ لوگوں نے بتایا: ابن عمر رضی اللہ عنہ۔

حجاج نے کہا: اللہ کی قسم اگر اسے دماغی خلل کی شکایت نہ ہوتی تو میں اسے ضرور سزا دیتا) (فتح الباری لابن رجب: ۸ ص ۱۸۶ تا ۱۸۸)

تاخیر نماز کی بدعت کے خاتمے میں عمر بن عبدالعزیز کا کردار:

نمازوں میں تاخیر کی یہ بدعت ولید بن عبدالملک کی وفات تک جاری رہی۔ ۹۶ھ میں جب سلیمان بن عبدالملک نے مسندِ خلافت سنبھالی اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اس کے مشیر بنے تو سلیمان بن عبدالملک نے ان کے مشورے پر اس بدعت کو بند کرادیا اور ایک طویل عرصے کے بعد نمازیں دوبارہ مستحب اوقات میں ادا کی جانے لگیں۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۱۲ ص ۶۴۱)

فرقہ مروانیہ کے نزدیک سرکار کی اطاعت فرض عین:

مروانیوں کی شخصی حکومت نے حکام کی ذہنیت یہ بنادی تھی کہ لوگوں پر سرکار کی اطاعت فرضِ عین ہے اور جو ایسا نہ کرے اسے کڑی سے کڑی سزا دی جاسکتی ہے؛ اسی لیے حجاج بن یوسف کہا کرتا تھا: ''اللہ کی قسم! اگر میں لوگوں کو مسجد کے ایک دروازے سے نکلنے کا کہوں اور وہ دوسرے دروازے سے نکلیں تو میرے لیے ان کا خون بھی حلال ہے اور مال بھی۔'' اس بارے میں سنن ابی داؤد کی صحیح روایت ملاحظہ ہو:

عَنْ عَاصِمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ حَجَّاجٍ، وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ: اتَّقُوا اللهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ لَيْسَ فِيهَا مَثْنَوِيَّةٌ، وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا لَيْسَ فِيهَا مَثْنَوِيَّةٌ، لِأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَبْدِ الْمَلِكِ، وَاللهِ لَوْ أَمَرْتُ النَّاسَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنْ بَابٍ مِنْ أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ فَخَرَجُوا مِنْ بَابٍ آخَرَ لَحَلَّتْ لِي دِمَاؤُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ، وَاللهِ لَوْ أَخَذْتُ رَبِيعَةَ بِمُضَرَ لَكَانَ ذَلِكَ لِي مِنَ اللهِ حَلَالًا۔

(عاصم بن ابی النجود رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے حجاج کو منبر پر کہتے سنا: اللہ سے جتنا ڈر سکتے ہو ڈرو، جس میں کوئی کمی نہ ہو۔ امیر المؤمنین عبدالملک کا فرمان سنو اور مانو جس میں کوئی کمی نہ ہو۔ اللہ کی قسم اگر میں لوگوں کو مسجد کے ایک دروازے

سے نکلنے کا کہوں اور وہ دوسرے دروازے سے نکلیں تو میرے لیے ان کا خون بھی حلال ہے اور مال بھی۔ اور اگر میں مضر قبیلے کے جرائم پر ربیعہ قبیلے کو سزا دوں تو اللہ کی طرف سے یہ میرے لیے حلال ہے) (سنن ابی داؤد، ح: ۴۶۴۵، بسند صحیح)

حکام کے جرائم کی بخشش اور ان کے گناہوں میں اعانت کے بے ضرر ہونے کا غلط نظریہ:

فرقۂ مروانیہ کے اعلیٰ افسران اور بہت سے سرکاری ملازمین نے یہ تصور کرلیا تھا کہ ہمارے حکمرانوں کی نیکیاں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کے نہ صرف کبیرہ گناہ بلکہ سیاسی مظالم اور جرائم بھی یقیناً معاف ہوجائیں گے اور ان برائیوں میں ان کا ساتھ دینے پر ماتحتوں کی بھی کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔ اس سوچ کے نتیجے میں وہ حکام کو معصوم نہ سہی مگر مغفور ضرور یقین کرتے تھے اور اسی بناء پر وہ بھلے برے ہر کام میں حکمرانوں کی اطاعت کرتے تھے۔ ان کی اطاعت اس حد تک تھی کہ ''طاعۃ اہل الشام'' یعنی اہلِ شام کا اپنے حکمرانوں کا ہر حال میں فرمانبردار ہونا ایک ضرب المثل بن گیا تھا۔ چنانچہ امام ثعالبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فِيمَا يُضَاف إِلَى الْبلدَانِ وينسب من الْأَغْرَاض: طَاعَة أهل الشَّام ،طواعين الشَّام۔ (ان چیزوں کے بارے میں جو شہروں کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اور ان کی علامات و خصوصیات سمجھی جاتی ہیں، کہا جاتا ہے: اہلِ شام کی فرمانبرداری اور شام کی وبائیں) (ثمار القلوب: ۱ص۵۴۶)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مروانیوں کے ''نظریۂ اطاعتِ حکام بہرحال'' کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''من جهة : أَنَّهُمْ كَانُوا يُطِيعُونَ الْوُلَاةَ طَاعَةً مُطْلَقَةً، وَيَقُولُونَ إِنَّ اللهَ أَمَرَنَا بِطَاعَتِهِمْ، الثَّانِيَةِ : قَوْلُ مَنْ قَالَ مِنْهُمْ: إِنَّ اللهَ إِذَا اسْتَخْلَفَ خَلِيفَةً تَقَبَّلَ مِنْهُ الْحَسَنَاتِ وَتَجَاوَزَ لَهُ عَنِ السَّيِّئَاتِ۔

(ایک جہت سے یہ لوگ اپنے حکمرانوں کی مطلق اطاعت کرتے تھے اور کہتے تھے: یقیناً اللہ نے ہمیں ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ نیز انہی میں سے کسی کا

یہ قول تھا: جب اللہ کسی کو خلیفہ بنا دیتا ہے تو اس کی نیکیاں قبول فرماتا ہے اور اس کے گناہوں سے درگزر کرتا ہے) (منہاج السنۃ: ۲ ص ۴۷۹)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ بنو مروان اور آلِ مروان کی کج فکری اور بدعقیدگی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَلِهٰذَا كَانَتْ فِيهِمْ طَاعَةٌ مُطْلَقَةٌ لِمُتَوَلِّي أَمْرِهِمْ، فَإِنَّهُمْ كَانُوا يَرَوْنَ أَنَّ اللهَ أَوْجَبَ عَلَيْهِمْ طَاعَةَ وَلِيِّ أَمْرِهِمْ مُطْلَقًا، وَأَنَّ اللهَ لَا يُؤَاخِذُهُ عَلَى سَيِّئَاتِهِ، وَلَمْ يَبْلُغْنَا أَنَّ أَحَدًا مِنْهُمْ كَانَ يَعْتَقِدُ فِيهِمْ أَنَّهُمْ مَعْصُومُونَ، بَلْ يَقُولُونَ: إِنَّهُمْ لَا يُؤَاخَذُونَ عَلَى ذَنْبٍ۔"

(اسی لیے مروانیوں میں اپنے حاکم کی ہر حال میں اطاعت راسخ تھی۔ پس بے شک یہ لوگ یہ نظریہ رکھتے تھے کہ اللہ نے ان پر ان کے حاکم کی اطاعت ہر حال میں فرض کی ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ حاکم کے گناہوں پر مؤاخذہ نہیں کرتا، ہمیں یہ بات تو نہیں پہنچی کہ مروانیوں میں سے کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ ان کے حکمران معصوم ہیں۔ مگر وہ یوں کہتے تھے کہ حکمرانوں کا کسی گناہ پر مؤاخذہ نہ ہوگا) (منہاج السنۃ: ۶ ص ۲۰۰)

مدینہ منورہ کی ناقدری:

مروانی حکم بن ابی العاص کی آل تھے۔ ان کو ہجرتِ مدینہ کا شرف حاصل نہ تھا۔ انہیں مکہ ہی سے زیادہ تعلق خاطر رہا کہ وہ ان کا آبائی وطن تھا۔ دوسری طرف اُن میں سے بہت سے لوگ اہلِ مدینہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں ملوث سمجھتے تھے؛ اس لیے اہلِ مدینہ سے انہیں کوئی خاص لگاؤ نہ تھا۔ اس تعصب کا سرِ عام مظاہرہ اس طرح ہوتا تھا کہ مروان بن الحکم امارتِ مدینہ کے دور میں جمعہ وعیدین کے خطبوں میں مکہ کے فضائل تو نقل کرتا مگر مدینہ اور اہلِ مدینہ کے فضائل کو قصداً بیان نہ کرتا، حالانکہ وہ عالم فاضل آدمی تھا۔ صحیح مسلم میں ہے:

عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ خَطَبَ النَّاسَ فَذَكَرَ مَكَّةَ وَأَهْلَهَا وَحُرْمَتَهَا وَلَمْ يَذْكُرِ الْمَدِينَةَ وَأَهْلَهَا وَحُرْمَتَهَا فَنَادَاهُ رَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ فَقَالَ مَالِي

أَسْمَعُكَ ذَكَرْتَ مَكَّةَ وَأَهْلَهَا وَحُرْمَتَهَا وَلَمْ تَذْكُرِ الْمَدِينَةَ وَأَهْلَهَا وَحُرْمَتَهَا وَقَدْ حَرَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا وَذَلِكَ عِنْدَنَا فِي أَدِيمٍ خَوْلَانِيٍّ إِنْ شِئْتَ أَقْرَأْتُكَهُ. قَالَ فَسَكَتَ مَرْوَانُ ثُمَّ قَالَ قَدْ سَمِعْتُ بَعْضَ ذَلِكَ۔

''نافع بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ مروان بن حکم نے لوگوں کو خطبہ دیا، جس میں اس نے مکہ، وہاں کے رہنے والوں اور اس کی حرمت کا ذکر کیا، لیکن مدینہ، وہاں کے رہنے والوں اور اس کی حرمت کا ذکر نہیں کیا۔ تو یہ سن کر رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے اسے پکار کر کہا: کیا بات ہے، میں سنتا ہوں کہ تم نے مکہ، اس کے باسیوں اور اس کی حرمت کا ذکر کرتے ہو مگر مدینہ، اس کے باسیوں اور اس کی حرمت کا ذکر نہیں کرتے؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے دونوں سنگلاخ کناروں کے درمیانی علاقے کو حرم محترم قرار دیا ہے، اور یہ بات ہمارے پاس خولانی چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھی ہوئی موجود ہے، اگر تم چاہو تو میں تمہیں وہ پڑھ کر سنا دوں۔ راوی کہتے ہیں: یہ سن کر مروان خاموش ہو گیا، پھر کہنے لگا: ہاں (مدینہ کی فضیلت کے متعلق) کچھ سنا تو ہے۔'' (صحیح مسلم، ح: ۳۳۸۲، کتاب الحج، باب فضل المدینۃ)

بیت المال میں اسراف۔ نصیحت پر اشتعال:

اس دور میں سخت گیری، تشدد اور مالی بدعنوانی رواج پا چکی تھی۔ حکام کے لیے بیت المال سے وصول کیا جانے والا خرچ ضرورت سے بڑھ کر عیش و نعم کی حد میں داخل ہو چکا تھا۔ نصیحت کرنے والوں کو بعض اوقات جھڑکیاں سننا پڑتی تھیں۔ نامور محدث ابووائل رحمہ اللہ کچھ مدت تک عراق کے امیر عبیداللہ بن زیاد کے خزانچی رہے تھے۔ اُسے کھانے پینے پر فضول خرچی سے ٹوکا تو عبیداللہ بن زیاد نے بگڑ کر انہیں اسی وقت فارغ کر دیا۔ وہ فرماتے ہیں:

اسْتَعْمَلَنِي ابْنُ زِيَادٍ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ، فَأَتَانِي رَجُلٌ بِصَكٍّ: إِنَّ أَعْطِ صَاحِبَ الْمَطْبَخِ ثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ۔ فَأَتَيْتُ ابْنَ زِيَادٍ، فَكَلَّمْتُهُ فِي الْإِسْرَافِ، فَقَالَ: ضَعِ الْمَفَاتِيحَ، وَاذْهَبْ۔ (ابن زیاد نے مجھے بیت المال میں کام پر رکھا۔ پس

میرے پاس ایک کارندہ رقعہ لے کر آیا کہ باورچی خانے کے نگران کو آٹھ سو درہم دے دیے جائیں۔ میں عبیداللہ بن زیاد کے پاس گیا اور اسے اسراف سے روکنے کے بارے میں بات کی۔ تو اس نے کہا: چابیاں رکھ دو اور چلے جاؤ)

(سیر اعلام النبلاء: ۴/۱۶۶۔ ط الرسالۃ)

مروانی بدترین بادشاہ تھے۔ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی شہادت:

عن سعيد بن جمهان، قال: حدثني سفينة، قال: قال رسول الله ﷺ: الخلافة في أمتي ثلاثون سنة، ثم ملك بعد ذلك، ثم قال لي سفينة: أمسك خلافة أبي بكر، وخلافة عمر، وخلافة عثمان، ثم قال لي: أمسك خلافة علي قال: فوجدناها ثلاثين سنة، قال سعيد: فقلت له: ان بني أمية يزعمون أن الخلافة فيهم؟ قال: كذبوا ابنو الزرقاء، بل هم ملوك من شر الملوك۔

''سعید بن جمہان رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ مجھے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اُمت میں خلافت تیس برس ہوگی، پھر اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔ پھر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا: مدت شمار کرلو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی۔ پھر مجھے کہا: اور مدت شمار کرلو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی۔ سعید بن جمہان رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم نے شمار کیا تو اس مجموعی مدت کو تیس سال پایا۔ پھر سعید نے انہیں کہا: ''یہ بنو اُمیہ (مروانی) تو کہتے ہیں کہ خلافت انہی کی ہے؟ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: زرقاء کی اولاد جھوٹ کہتی ہے۔ بلکہ یہ لوگ تو بادشاہ ہیں اور وہ بھی بدترین بادشاہ۔'' (سنن الترمذی ۲۲۲۶) قال الترمذی: وہذا حدیث حسن

مروانی حکام کے ظلم سے زمین بھر چکی تھی۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کی گواہی:

مروانی حکام نے لوگوں پر کس قدر سختی کر رکھی تھی، اس کا اندازہ اسی خاندان کے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے اس قول سے لگائیے، وہ کہا کرتے تھے:

الوليد بالشام، والحجاج بالعراق، ومحمد بن يوسف باليمن

,وعثمان بن حيان بالحجاز , وقرة بن شريک بمصر , ويزيد بن أبي مسلم بالمغرب, امتلئت الأرض والله جورا۔

(شام میں ولید، عراق میں حجاج بن یوسف، یمن میں اس کا بھائی محمد بن یوسف، مصر میں قرۃ بن شریک اور حجاز میں عثمان بن حیان مری۔ اللہ کی قسم! زمین ظلم سے بھر چکی ہے) (سیرۃ عمر لابن عبدالحکم، ص ۱۴۶)

جاگیروں کی دوڑ، اقربا پروری اور عیش وتنعم:

مروانی شہزادوں اور امراء میں بڑی بڑی جاگیریں حاصل کرنے اور اس کے لیے جائز وناجائز کی پرواہ نہ کرنے کا رجحان بھی عام تھا۔ دباؤ اور اثر ورسوخ کی بناء پر کچھ حاصل کر لینا اور اپنوں کو بے جا نوازنا ایک عام سی بات تھی۔ رشوت ستانی کا مرض بھی سرکاری عمال میں پیدا ہو چکا تھا۔ حکمران خاندان کی املاک، جائیدادوں، دولت اور عیش وتنعم کے ساز وسامان میں بہت بڑا حصہ ایسا تھا جو ناجائز ذرائع پر مشتمل تھا اور جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہ تھی۔ اگر اس کی تفصیل دیکھنا چاہیں تو امام مالک بن انس رحمہ اللہ کے تلمیذ خاص امام ابن عبدالحکم رحمہ اللہ کی ''سیرۃ عمر بن عبدالعزیز'' پر ایک نگاہ ڈال لیں جس کا ہر ورق مروانیوں کے ان کرتوتوں کا آئینہ دار ہے۔ یہی وہ مظالم تھے جن کی روک تھام کے باعث حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو عمر ثانی اور خلفائے راشدین کا عکس کہا گیا۔ امام سرخسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

وَبِهَذَا الطَّرِيقِ أَمَرَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ حِينَ اسْتُخْلِفَ بِرَدِّ الْأَمْوَالِ الَّتِي اجْتَمَعَتْ فِي بَيْتِ الْمَالِ، لِأَنَّهُ عَلِمَ أَنَّ مَنْ قَبْلَهُ مِنَ الْمَرَوَانِيَةِ كَانُوا أَخَذُوا ذَلِكَ بِطَرِيقِ الْإِكْرَاهِ۔

(اسی انداز میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خلیفہ بن کر ان اموال کو واپس لوٹانے کا حکم دیا جو بیت المال میں جمع تھے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ ان سے پہلے کے مروانی حکمرانوں نے یہ اموال جبر واکراہ کے ساتھ لیے تھے)

(شرح سیر الکبیر للسرخسی: ۱ص ۱۲۴۰۔ ط الشرکۃ الشرقیۃ)

☆☆☆

فصل نہم

مروان کے جرائم پر علمائے اُمت کی آراء

مروان بن حکم کی بُرائیوں کا ثبوت اتنا پختہ ہے کہ ماہرینِ رجال نے جابجا اُن کا حوالہ دے کر مروان پر جرح کی ہے۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مروان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل اور ان کے خلاف فتنے کے اسباب میں سے ایک اہم سبب تسلیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أن قتل عثمان و الفتنة لم يكن سببها مروان وحده، بل اجتمعت أمور متعددة، من جملتها أمور تنكر من مروان .

(بے شک حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے قتل اور فتنے کا سبب مروان تنہا نہ تھا بلکہ اس میں کئی اسباب جمع ہو گئے تھے۔ ان اسباب میں بعض کام وہ تھے جن کے باعث مروان پر نکیر کی گئی) (منہاج السنۃ: ۶ ص ۲۴۸)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے مروان کو ضعیف قرار دیتے ہوئے اس کا ذکر "الضعفاء" میں کیا ہے اور ساتھ ہی اس پر جرح بھی کی ہے:

"لَهُ تِلْكَ الأفاعيل۔"

"یہ اس کی کچھ بری کارستانیاں تھیں۔" (المغنی فی الضعفاء: ۲ ص ۶۵۱)

☆ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال میں فرمایا ہے:

ولمأعمال موبقة نسأل الله السلامة، رمى طلحة بسهم وفعل وفعل۔

"اس کے کچھ ہلاکت خیز اعمال بھی تھے، ہم اللہ سے سلامتی کی دُعا مانگتے ہیں۔ اس نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ پر تیر چلایا اور جو کیا سو کیا۔" (میزان الاعتدال: ۴ ص ۸۹)

☆ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے مروان کے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی قوی روایت نقل کرنے کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے:

قُلْتُ: قَاتِلُ طَلْحَةَ فِي الوِزْرِ، بِمَنْزِلَةِ قَاتِلِ عَلِيٍّ۔

"میں کہتا ہوں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل گناہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاتل کی طرح ہے۔" (سیر اعلام النبلاء: ۱ ص ۳۶، ط الرسالۃ)

☆ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے مروان کی حرکات کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنے کا اہم سبب قرار دیا۔

وَقَدْ ذَكَرْنَا أَنَّ مَرْوَانَ كَانَ مِنْ أَكْبَرِ الْأَسْبَابِ الَّتِي دَخَلَ بِهَا الدَّاخِلُ عَلَى عُثْمَانَ۔

''ہم ذکر کر چکے ہیں کہ مروان اُس فتنے کا سب سے بڑا سبب تھا جس کے ذریعے چڑھائی کرنے والے گروہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر چڑھائی کی۔''

(تاریخ الاسلام للذہبی: ۲ ص ۷۰۶، ت بشار)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ مروان کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَمَرْوَانُ كَانَ أَكْبَرَ الْأَسْبَابِ فِي حِصَارِ عُثْمَانَ۔

(مروان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف محاصرے کے سانحے کا سب سے بڑا ذمہ دار تھا) (البدایۃ والنہایۃ: ۶ ص ۲۳۸، ط دار ہجر)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ مروان کو توہین صحابہ کا مرتکب قرار دیتے تھے۔

وَلَمَّا كَانَ مُتَوَلِّيًا عَلَى الْمَدِينَةِ لِمُعَاوِيَةَ كَانَ يَسُبُّ عَلِيًّا كُلَّ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ

''جب مروان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ کا والی بنا تو وہ ہر جمعہ کو منبر پر حضرت علیؓ پر سب وشتم کیا کرتا تھا۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۱۱ ص ۷۱۲)

اس میں کیا شک ہے کہ توہین صحابہ کا عادی بدعتی ہوتا ہے اور اس کی ثقاہت مخدوش ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مروان پر جرح کی دو اہم ترین وجوہ یہ بتائی ہیں:

(۱) حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا (۲) اقتدار کے لیے مسلمانوں سے قتال کرنا

وإنما نقموا عليه أنه رمى طلحة يوم الجمل بسهم فقتله ثم شهر السيف في طلب الخلافة حتى جرى ما جرى۔

(بے شک علماء نے مروان پر تنقید کی کیوں کہ اس نے جنگ جمل میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو تیر چلا کر قتل کیا، پھر خلافت کی حرص میں تلوار سونتی یہاں تک کہ پھر وہ ہوا جو ہوا) (فتح الباری: ۱ ص ۴۴۳، مقدمۃ)

☆ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی مروان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ایک سبب قرار دیا ہے۔

ثم كان من أسباب قتل عثمان۔ (پھر مروان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے اسباب میں سے ایک تھا) (الاصابۃ:۶ ص ۲۰۴)

☆ حافظ ابن حجرؒ نے زیاد کے حالات بیان کرتے ہوئے مروان، زیاد بن ابی سفیان اور مختار ثقفی تینوں کو ہم عمر، قریب النسب اور ظلم وستم کی طرف نسبت کے لحاظ سے یکساں قرار دیا ہے۔

لم ينقل أنه رأى النبي ﷺ فهو من نمط مروان بن الحكم والمختار بن أبي عبيد، والعجب أن هؤلاء الثلاثة أنسابهم متقاربة وكذا نسبتهم إلى الجور في الحكم وكل منهم ولي إل امرة۔

''یہ منقول نہیں کہ زیاد نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو۔ پس وہ مروان بن حکم، مختار بن ابی عبید کی طرح کا تھا۔ اور تعجب کی بات ہے کہ ان تینوں کے نسب بھی قریب قریب تھے اور اسی طرح حکومت میں ظلم وستم کی نسبت بھی تینوں کی طرف یکساں ہے اور یہ تینوں حاکم بنے تھے۔'' (لسان المیزان: ۲ ص ۴۹۳)

مطلب بالکل واضح ہے کہ زیاد اور مختار ثقفی کی طرح مروان بھی صحابی ہرگز نہ تھا۔ ہاں تابعین کے طبقے سے تھا مگر وہ اسی قسم کا تابعی تھا جیسا کہ زیاد اور مختار ثقفی تھے اور تینوں ہی ظلم وستم میں ملوث رہے تھے۔

ایک شبہ: کیا مروان کی غلطیاں اجتہادی کہی جاسکتی ہیں؟

{شبہ} کیا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مروان کا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کرنا اجتہاد پر مبنی تھا؛ کیوں کہ وہ فقیہ اور عادل راوی تھا؟

{جواب} مروان کے بارے میں ایک شاذ رائے یہ رہی ہے کہ اس نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو تاویلاً قتل کیا تھا جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ اسماعیلی

کا قول نقل کیا ہے۔ مگر جمہور سے ایسا ہرگز منقول نہیں ؛ کیوں کہ ہر تاویل اجتہادی نہیں ہوتی۔ بعض اوقات تاویل فقط غلط فہمی پر مبنی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں جرم سرزد ہوجانے سے مجرم کو شک کا فائدہ تو مل جاتا ہے اور وہ جرم کی عدالتی سزا سے بچ جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی غیر عورت کو اپنی بیوی سمجھ کر مباشرت کرلے تو اس پر حدِ زنا لاگو نہیں ہوگی۔ مگر اس قسم کی غلط فہمی پر مبنی تاویل کو اجتہاد قرار دینا اور اس کے مرتکب کو مجتہد (یعنی ایک اجر کا مستحق) تصور کرنا درست نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور علماء نے مروان کے ان افعال پر نکیر کی ہے اور اسی وجہ سے ان کے کلام میں مروان کے نام کے ساتھ ''رحمہ اللہ'' جیسے تعظیمی الفاظ کا استعمال شاذ و نادر ہی کہیں دکھائی دے گا۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والے ہر شخص کا بھی ہر فعل اجتہادی ہونا ضروری نہیں بلکہ اس سے بھی غلط فہمی اور شک وشبے کی بنیاد پر کوئی فعل سرزد ہوسکتا ہے۔ ایسی شخصیت اگر محترم اور جلیل القدر ہو تو بجائے اس کے کہ اس کے عمل کو کھینچ تان کر شرعی دلائل کے تحت لایا جائے، یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ یہ کام نیک نیتی کے ساتھ غلط فہمی میں مبتلا ہوکر کیا گیا۔ پس اگر اس سے نصوص کے خلاف کوئی کام سرزد ہو تو اسے اجتہاد نہیں گناہ اور معصیت ہی کہا جائے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ محض ارتکابِ گناہ سے کسی معروف نیک شخص کو یقینی طور پر فاسق یا غیر عادل نہیں کہا جاسکتا جب تک گناہ پر اصرار یا اہلِ علم کی زبانی اس کی تفسیق ثابت نہ ہو۔

مروان کے ہاتھوں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اس نے سبائی سازش کی پیدا کردہ غلط فہمی کی وجہ سے ایسا کیا ہوگا مگر غلط فہمی یا نیک نیتی سے کیا گیا کوئی غلط کام جائز نہیں ہوجاتا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف مروان کی جنگ بھی شرعی دلائل کو دیکھتے ہوئے یقیناً بغاوت تھی۔ اگرچہ ہر جنگ آزما کی طرح مروان کے پاس بھی اپنی مہم جوئی کی وجوہ اور تاویلات ہوں گی مگر اسے اجتہاد کے دائرے میں لانا مشکل ہے۔ اس میں عصبیت اور ملک گیری کا عنصر زیادہ نمایاں دکھائی دیتا ہے۔

☆☆☆

ساتواں باب

مروان اور روایت حدیث

فصل اوّل

مروان سے روایت لینے کے سات مواقع

بعض حضرات مروان کو ہر معاملے میں بے قصور ثابت کرنے کے لیے یہ دلیل دیتے ہیں کہ اگر وہ ان بُرائیوں کا مرتکب تھا تو اُس سے کتبِ حدیث میں متعدد روایات کیوں لی گئیں؟ دوسری طرف منکرینِ حدیث اس کے برعکس اعتراض کرتے ہیں کہ جب مروان کئی سنگین جرائم کا مرتکب تھا تو اُس سے صحیح بخاری، ترمذی اور ابوداؤد جیسی کتب میں روایات کیوں لی گئیں؟ پس اس طرح ان کتب کی حیثیت مشکوک ہو جاتی ہے۔

ذیل میں اس معاملے پر روشنی ڈالی جارہی ہے۔

بلاشبہ محدثین نے مروان سے روایات بھی لی ہیں جن میں چند مرفوع احادیث ہیں اور چند آثارِ صحابہ۔ مگر مروان کی روایات کچھ حدود و قیود کے ساتھ لی گئی ہیں، ایسا نہیں کہ مروان کی ہر روایت کو ہر لحاظ سے قابلِ اطمینان مان لیا گیا ہو۔

جن مواقع پر مروان کی روایات لی گئی ہیں، وہ سات قسم کے خاص مواقع ہیں جو درج ذیل ہیں:

☆ محلِ اوّل: جہاں مروان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں کچھ نقل کر دیا۔

☆ محلِ دوئم: جہاں مروان سے روایت کسی ایسے صحابی کے حق میں تھی جن سے مروانی نالاں تھی۔

☆ محلِ سوئم: جہاں مروان کی روایت کو متابع کے طور پر لیا گیا۔

☆ محلِ چہارم: جہاں صحابی کی مروان پر تنقید کو اتمامِ حجت کے لیے مروان کی سند سے سنایا گیا۔

☆محلِ پنجم: جہاں فضائل وآداب کی احادیث ہیں کہ ان میں ضعیف روایت مقبول ہی۔

☆محلِ ششم: جہاں سند کی ندرت کے باعث روایت لی گئی۔

☆محلِ ہفتم: جہاں ایسی روایات ہیں جو مروان کے صالح ہونے کے دور میں لی گئی تھیں۔

ان ساتوں مواقع کی نشاندہی اور مثالیں پیش کی جارہی ہیں:

محلِ اوّل:

جہاں مروان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں کچھ نقل کردیا

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مروان کا سب وشتم بھی ثابت ہے اور وہ خود اس کا برملا اقرار بھی کرتا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ بعض مواقع پر خود مروان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض باتیں نقل کی ہیں۔ چنانچہ محدثین نے ایسی روایتوں کو اس طور پر اہتمام سے نقل کیا کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں ان کی مخالف پارٹی کے سربراہ کی گواہی تھی۔ ظاہر ہے ایسی گواہی بڑی قیمتی ہوتی ہے چاہے گواہی دینے والا خود کیسا ہی قبیح سیرت ہو۔

اس نمونے کی تین روایات ملتی ہیں۔ تینوں حضرت علی بن الحسین یعنی امام زین العابدین رحمہ اللہ نے مروان سے نقل کی ہیں۔ تینوں میں خود فرقۂ مروانیہ کے بانی کی زبان سے (جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کی بدعت جاری کی) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی نہ کوئی فضیلت یا خوبی منقول ہے۔ ☆پہلی روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بُغاۃ سے جنگ میں کشادہ ظرفی ☆دوسری روایت میں خلیفہ سوئم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی برأت ☆اور تیسری روایت سے سنتِ نبویہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی استقامت ثابت ہورہی ہے۔

اب آپ روایات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ بے حد مہربان حاکم تھے۔ مروان کا اقرار:

عن علی بن حسین، ان مروان بن الحکم، قال له وهو امیر بالمدینة: ما رأیت احدا أحسن غلب من ابیک علی بن ابی طالب، ألا أحدث، عن غلبته ایانا یوم الجمل؟ قلت: الامیر اعلم، قال: لما التقینا یوم الجمل توافقنا، ثم حمل بعضنا علی بعض، فلم ینشب اهل البصرة ان انهزموا، فصرخ صارخ لعلی: لا یقتل مدبر، ولا یذفف علی جریح، ومن اغلق علیه باب داره فهو آمن، ومن طرح السلاح آمن، قال مروان: وقد کنت دخلت دار فلان، ثم ارسلت الی حسن وحسین ابنی علی، وعبد الله بن عباس، وعبدالله بن جعفر فکلموه، قال: هو آمن فلیتوجه حیث شاء، فقلت: لا والله ما تطیب نفسی حتی ابایعه فبایعته، ثم قال: اذهب حیث شئت۔

(حضرت علی بن حسین یعنی امام زین العابدین رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ مروان بن حکم نے ان سے کہا جبکہ وہ مدینہ کا حاکم تھا: میں نے تمہارے والد علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) سے بڑھ کر دشمن پر فتح پانے والا کوئی کریم اور بھلا شخص نہیں دیکھا۔ کیا میں تمہیں جنگِ جمل کے دن ہم پر ان کے غلبہ پانے کا حال نہ سناؤں؟ میں نے کہا: امیر اس بارے میں زیادہ جانتے ہیں۔

مروان نے کہا: جب جنگِ جمل کے دن ہمارا آمنا سامنا ہوا، تو ہم ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے، پھر ایک دوسرے پر حملہ کیا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اہل بصرہ کو شکست ہوگئی، وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ تب حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے ایک پکارنے والے نے بلند آواز سے پکارا: کسی پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے کو قتل نہ کیا جائے، کسی زخمی پر دوبارہ وار اُسے ختم کرنے کے لیے نہ کیا جائے، جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کرلیا اسے امان ہے، اور جس نے ہتھیار پھینک دیے اسے بھی امان ہے۔ مروان نے مزید کہا: میں فلاں شخص کے گھر میں پناہ گزین ہوگیا تھا، پھر میں نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے بیٹوں حسن اور حسین، اور عبداللہ بن عباس وعبداللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہم) کو پیغام بھیجا، تو انہوں نے میری سفارش میں ان سے

بات کی۔ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: اسے امان ہے، وہ جہاں چاہے چلا جائے۔ میں نے یہ سن کر کہا: اللہ کی قسم! میرا دل اس وقت تک مطمئن نہیں ہوگا جب تک میں ان کی بیعت نہ کرلوں، چنانچہ میں نے ان کی بیعت کر لی۔ پھر انہوں نے فرمایا: اب جہاں چاہو چلے جاؤ۔'' (سنن سعید بن المنصور، ح: ۲۹۴۷)

یہاں علی بن حسین زین العابدین رحمہ اللہ مروان سے جنگِ جمل کا واقعہ نقل کررہے ہیں جس کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مفرورین، زخمیوں اور گھروں میں چھپنے والوں، سبھی کے لیے عام معافی کا اعلان کردیا تھا۔

اس پر کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ ''اگر مروان واقعی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل ہوتا تو اُسے معافی نہ ملتی۔'' کیوں کہ بُغاۃ کے جو احکام فقہائے اُمت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہی سیکھے ہیں، ان میں ایک حکم یہ بھی ہے بُغاۃ حالتِ جنگ میں جو جانی یا مالی نقصان کردیں، اس کا مؤاخذہ نہیں کیا جاتا۔ تفصیل کتبِ فقہ میں دیکھیے۔

بہرحال عام معافی کے اعلان کے باوجود مروان نے حضرات حسنین کریمین، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم سے سفارش کرائی اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کی بیعت کی۔ اس بیان کے شروع میں مروان کہتا ہے کہ میں نے کسی فاتح کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ مہربان نہیں پایا۔

ظاہر ہے کہ حضرت زین العابدین رحمہ اللہ نے مروان سے سنا ہوا یہ واقعہ اس لیے نقل کردیا کہ خود ایک سخت مخالف کی زبان سے ایک جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مہربانی ثابت ہورہی ہے۔

(۲) مروان نے مانا کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کا دفاع کرنے والے تھے:

حضرت علی بن حسین رحمہ اللہ نے مروان سے ایک اور واقعہ بھی نقل کیا ہے جس میں مروان انہیں بتاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دفاع کسی نے نہیں کیا مگر ہم منبروں پر سیاسی مقاصد کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرتے ہیں۔

عن علی بن الحسین قال لی مروان بن الحکم، ما کان فی القوم احذ ادفع عن صاحبنا یعنی عثمان بن عفان من صاحبکم یعنی علی بن ابی طالب، قلت: فما بالکم تسبوہ علی المنابر، قال: لا یستقیم الامر الا بذاک۔

''حضرت زین العابدین رحمہ اللہ کو مروان بن حکم نے کہا: ''ہمارے آقا یعنی حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کا جس قدر دفاع آپ کے آقا یعنی حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے کیا، اتنا کسی نے نہیں کیا۔'' حضرت زین العابدین رحمہ اللہ نے پوچھا: ''پھر تم انہیں منبروں پر برا بھلا کیوں کہتے ہو؟'' مروان نے کہا: ''حکومت اسی (پروپیگنڈے) کے سہارے تو قائم ہے۔'' (التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمۃ السفر الثانی: ۲/ ۹۱۷) اسنادہ علی شرط مسلم

یہاں بھی مروان سے روایت لینے میں یہی حکمت ہے کہ اُس کی اپنی زبانی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پاکبازی ثابت اور دوسری طرف مروانی گروہ کی عیاری ومکاری اور ناشکری ثابت ہو رہی ہے۔

(۳) حضرت علیؓ سنتِ نبویہ کے انتہائی پابند تھے۔ مروان کا اعتراف:

عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الحَكَمِ، قَالَ: شَهِدْتُ عُثْمَانَ وَعَلِيًّا رضی اللہ عنہما، وَعُثْمَانُ يَنْهَى عَنِ المُتْعَةِ، وَأَنْ يُجْمَعَ بَيْنَهُمَا، فَلَمَّا رَأَى عَلِيٌّ أَهَلَّ بِهِمَا، لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ، قَالَ: مَا كُنْتُ لِأَدَعَ سُنَّةَ النَّبِيِّ ﷺ لِقَوْلِ أَحَدٍ

''حضرت علی بن حسین یعنی امام زین العابدین رحمہ اللہ اپنے والد سے اور وہ مروان بن حکم سے روایت کرتے ہیں، مروان نے کہا: میں حضرت عثمان اور حضرت علی (رضی اللہ عنہما) کے پاس موجود تھا، حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ بطور خلیفہ مصلح) حج تمتع اور حج وعمرہ کو ایک ساتھ جمع کرنے یعنی حج قران سے منع فرما رہے تھے۔ جب حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے یہ دیکھا تو انہوں نے دونوں کا یعنی حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھ لیا اور پکارا: لبیک بعمرۃ وحج، یعنی میں عمرہ اور حج دونوں کے لیے حاضر ہوں۔ انہوں نے فرمایا: میں کسی بھی شخص کے کہنے پر رسول اللہ ﷺ کی سنت کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔'' (صحیح البخاری، ح: ۱۵۶۳)

اس روایت میں مروان حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل نقل کرتا ہے کہ وہ حج وعمرہ کے احرام ایک ساتھ باندھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں نبی اکرم ﷺ کی سنت کو کسی کی خاطر نہیں چھوڑ سکتا۔ چوں کہ اس واقعے میں ایک کٹر مخالف کی زبانی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جذبۂ اتباعِ سنت ثابت ہو رہا تھا، اس لیے علی بن الحسین رحمہ اللہ نے اسے نقل کر دیا۔ چنانچہ امام سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَفِيه تصويب مَرْوَان اجْتِهَاد علىَ رضى الله عنه على اجْتِهَاد عُثْمَان رضى الله عنه مَعَ كَون مَرْوَان عثمانيا۔

''اس روایت میں مروان کی جانب سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کے مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کی تصویب کی گئی ہے جبکہ مروان عثمانِ عثمان (حضرت علی کے خلاف قصاصِ عثمان کی آواز لگانے والوں) میں سے تھا۔''

(الطبقات الشافعیۃ: ۳ ص ۶۸)

کیا حضرت زین العابدین رحمہ اللہ علمِ حدیث میں مروان کے شاگرد تھے؟

مروان کا دفاع کرنے والے بعض حضرات مذکورہ روایات دکھا کر کہا کرتے ہیں کہ دیکھئے! حضرت زین العابدین رحمہ اللہ جیسے بزرگ بھی مروان کے شاگرد تھے۔ (لاحول ولاقوۃ)

یاد رکھئے! حضرت زین العابدین رحمہ اللہ اور اسی طرح اس زمانے کے دیگر جلیل القدر تابعین کو علمِ حدیث کے لیے مروان جیسے راویوں کی قطعاً کوئی احتیاج نہیں تھی۔ اس زمانے میں بہت سے صحابہ کرام اور علم حدیث کے ماہر صدہا تابعینِ کرام موجود تھے اور تمام دُنیا انہی سے استفادہ کیا کرتی تھی۔ ہاں مروان جیسے لوگوں سے کبھی کبھار ملاقات ہوتی تھی تو اس میں کبھی صحابہ کے دور کی کوئی بات برسبیلِ تذکرہ آجاتی تھی اور پرانے دور کا کوئی واقعہ سن لیا جاتا تھا۔ کبھی اسی واقعے کو مفید سمجھ کر آگے نقل کر دیا جاتا تھا۔ اسے زانوئے تلمذ تہہ کرنے سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

یہ بھی بخوبی یاد رکھئے کہ حضرت زین العابدین رحمہ اللہ نے مروان سے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی ارشادِ مبارک نقل نہیں کیا۔ حضرت زین العابدین رحمہ اللہ نے مروان سے فقط تین روایات لی ہیں جو اوپر بیان کردی گئی ہیں۔ ان میں مرفوع حدیث کوئی بھی نہیں۔

درحقیقت یہ تینوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت کرنے والے تین واقعات ہیں۔ انہیں نقل کرنے میں حضرت زین العابدین رحمہ اللہ اور پھر محدثین کرام (مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ) کے سامنے مصلحت یہی تھی کہ مروانیوں کے پروپیگنڈے کا توڑ انہی کے بانی کی زبانی ہو رہا تھا۔

یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی سُنی بزرگ کسی شیعہ عالم کی ایسی روایت نقل کردیں جس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہو رہی ہو تا کہ شیعہ روایت سے بھی اہلِ سنت کے حق میں استدلال ثابت ہو جائے۔ پس جس طرح ایسی بات نقل کرنے سے وہ سُنی بزرگ شیعہ عالم کے فیض یافتہ نہیں کہے جاسکتے اور وہ شیعہ راوی ثقہ نہیں بن جاتا، اسی طرح یہ روایت نقل کرنے سے حضرت زین العابدین رحمہ اللہ مروان کے شاگرد ثابت نہیں ہوتے اور اس سے مروان کی ثقاہت بھی ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی۔

افسوس ہے کہ بعض لوگ حقیقت چھپا کر اس معاملے کو یوں بیان کرتے ہیں جیسے حضرت زین العابدین رحمہ اللہ مروان سے حدیث پڑھتے رہے اور اس سے علوم کا کوئی سمندر لے کر اٹھے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ یہ فقط تین روایات ہیں اور تینوں کا تعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت سے ہے۔

رہی یہ بات اگر مروان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ فضیلت بیان کی ہے تو اس سے مروان کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت ثابت ہو جاتی ہے اور اس پر اہلِ بیت سے دشمنی کے تمام الزامات غلط ثابت ہو جاتے ہیں، تو یہ استدلال درست نہیں۔

جس طرح کہیں کہیں شیعہ کتب میں بعض شیعہ راویوں سے حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت کی روایات مل جاتی ہیں مگر اس سے وہ شیعہ راوی صادق، عادل، صحیح العقیدہ اور محسنِ اُمت ثابت نہیں ہو جاتے، بلکہ یہ امکان رہتا ہے کہ شاید وہ شیعہ کسی

دُنیوی غرض سے یا بطورِ تقیہ اس چیز کو بیان کر گیا ہو، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے حق میں کوئی چیز روایت کرنے سے کسی ناصبی مروانی یا خود مروان کو سندِ توثیق وتعدیل نہیں مل سکتی اور یہ امکان ذہن میں رکھنا پڑتا ہے کہ شاید وہ کسی خاص غرض سے کسی وقت اس چیز کو ذکر کرنے پر آمادہ ہو گیا ہو۔

محلِ دوئم:

جہاں مروان سے کسی ایسے صحابی کے حق میں روایت تھی جن سے مروانی نالاں تھے

بعض جلیل القدر تابعین نے مروان سے اُن صحابہ کی فضیلت پر مشتمل کوئی چیز نقل کر دی ہے جن سے مروان کے مداح نالاں تھے اور ان پر تنقید کیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کی آل۔ چوں کہ ان کے فرزند حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ شرعی خلیفہ تھے جب کہ مروان ان کے مدِ مقابل کھڑا تھا، اس لیے مروانیوں کو اس پورے خاندان سے عناد تھا۔ مگر اس کے باوجود ایک موقع پر مروان سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں ایک بات منقول مل جاتی ہے۔ یہ ایک روایت ہے جس میں ہشام بن عروہ رحمہ اللہ مروان سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا ایک واقعہ نقل کر رہے ہیں۔

اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ ایک بار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایسے شدید بیمار ہوئے کہ زندگی کی اُمید نہ رہی۔ ایسے میں لوگوں نے اگلے خلیفہ کے بارے میں وصیت کا مشورہ دیا۔ اس گفتگو میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا ذکر آیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''وہ رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔''

پوری روایت ملاحظہ ہو:

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: أَخْبَرَنِي مَرْوَانُ بْنُ الحَكَمِ، قَالَ: أَصَابَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رُعَافٌ شَدِيدٌ سَنَةَ الرُّعَافِ حَتَّى حَبَسَهُ عَنِ الحَجِّ، وَأَوْصَى، فَدَخَلَ عَلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ قَالَ: اسْتَخْلِفْ، قَالَ: وَقَالُوهُ؟ قَالَ: نَعَمْ،

قَالَ: وَمَنْ؟ فَسَكَتَ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ رَجُلٌ آخَرُ، أَحْسِبُهُ الحَارِثَ، فَقَالَ: اسْتَخْلِفْ، فَقَالَ عُثْمَانُ: وَقَالُوا؟ فَقَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَمَنْ هُوَ؟ فَسَكَتَ، قَالَ: فَلَعَلَّهُمْ قَالُوا الزُّبَيْرَ، قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: أَمَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهُ لَخَيْرُهُمْ مَا عَلِمْتُ، وَإِنْ كَانَ لَأَحَبَّهُمْ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ

''ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے مروان بن حکم نے بتایا: تکسیر والے سال (یعنی جس سال تکسیر کی بیماری عام ہوئی تھی) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اتنی شدید تکسیر پھوٹی کہ وہ حج پر نہ جا سکے اور زندگی سے مایوس ہو کر وصیت بھی کر دی۔ تب قریش کا ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہا: آپ کسی کو اپنا جانشین مقرر کر دیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا لوگوں نے ایسی بات کہی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے پوچھا: کس کے بارے میں؟ تو وہ شخص خاموش رہا۔ پھر ایک اور شخص آیا، میرا خیال ہے وہ حارث تھا، اس نے بھی کہا: آپ کسی کو جانشین نامزد کر دیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا لوگوں نے یہ مطالبہ کیا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے پوچھا: وہ نامزدگی کے لیے کس کا کہتے ہیں؟ تو وہ بھی خاموش رہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا: شاید وہ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتے ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ تب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سنو اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، جہاں تک میں جانتا ہوں وہ ان سب میں بہتر ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو ان سب سے زیادہ محبوب تھے۔''

(صحیح البخاری، ح: ۳۷۱۷، باب مناقب الزبیر)

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ نے مروان سے یہ واقعہ کیوں نقل کیا؟ اس کا پسِ منظر جاننا ضروری ہے۔ مروانیوں کو یہ خلش تھی کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت قائم کر کے ہماری ہوسِ اقتدار کیوں پوری نہ ہونے دی۔ اس لیے وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے مخالف ہو گئے اور انہیں طرح طرح کی تکالیف پہنچاتے رہے۔ چنانچہ مروانیوں کو

لاجواب کرنے کے لیے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہشام بن عروہ رحمہ اللہ نے مروان سے سنی ہوئی ایک ایسی بات نقل کردی جس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر ہوتی تھی۔ مقصد صرف یہ تھا کہ یہ مروانی کم ازکم مروان کی زبانی نقل شدہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو مان لیں اوران پر طعن وتشنیع نہ کریں۔

چنانچہ انہوں نے مروان کا سنایا ہوا مذکورہ واقعہ نقل کردیا جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ گواہی موجود ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پسندیدہ ترین اصحاب میں سے تھے۔

یہ روایت اوراس جیسی بعض اورروایات فریق مخالف کے گھر کی گواہی ہونے کے باعث قابل وثوق ہیں اورانہیں بعض تابعین نے مروان سے نقل کیا تو اس میں دیگر فوائد کے علاوہ خود تنقید کرنے والوں پر اتمام حجت بھی مقصود تھا۔اس میں مروان کی ثقاہت وفضیلت کا کوئی پہلو نہیں۔

محل سوئم:

جہاں مروان کی روایت کو متابع کے طور پر لیا گیا

مروان سے منقولہ بعض احادیث کی حیثیت یہ ہے کہ انہیں متابع کے طور پر لیا گیا ہے، یعنی بعض روایات میں مروان کے علاوہ کسی صحابی یا ثقہ راوی سے بھی منقول تھیں، لہٰذا اس روایت کو مروان کی سند سے بھی قبول کرلیا گیا ہے۔ بہرکیف تنہا مروان پر اعتماد نہیں کیا گیا، اس کی مثالیں متعدد ہیں:

(۱) روایت صلح حدیبیہ وغزوۂ حنین:

مروان سے صلح حدیبیہ اورغزوۂ حنین کے قیدیوں کا قصہ منقول ہے۔

(صحیح البخاری، ح: ۱۶۹۴، باب من اشعر وقلد بذی الحلیفۃ: ۲۳۰۷، باب اذا وہب شیئا لوکیل: ۲۵۳۹)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے اس لیے صحیح کے درجے پر رکھا کہ اسے مروان

نے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر نقل کیا ہے۔ پس اعتماد اصل میں صحابی پر ہے نہ کہ مروان پر۔ پس اس سے مروان کی ثقاہت ثابت نہیں ہوتی۔

(۲) حدیثِ بُسرہ رضی اللہ عنہا:

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کا مروان سے شرمگاہ کو چھونے کے باعث وضو ٹوٹنے کی حدیث کو نقل کرنا مشہور و معروف ہے جسے مروان نے بُسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا:

عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ، يَقُولُ: دَخَلْتُ عَلَى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ فَذَكَرْنَا مَا يَكُونُ مِنْهُ الْوُضُوءُ، فَقَالَ مَرْوَانُ: وَمِنْ مَسِّ الذَّكَرِ؟ فَقَالَ عُرْوَةُ: مَا عَلِمْتُ ذٰلِكَ، فَقَالَ مَرْوَانُ: أَخْبَرَتْنِي بُسْرَةُ بِنْتُ صَفْوَانَ، أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ مَسَّ ذَكَرَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ۔

(عبداللہ بن ابی بکر سے روایت ہے کہ انہوں نے عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کو کہتے سنا: میں مروان کے پاس گیا تو ہم نے ان چیزوں کا ذکر کیا جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ مروان نے کہا: اور شرمگاہ کو چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ عروہ نے کہا: مجھے اس کا علم نہیں تھا۔ تب مروان نے کہا: مجھے بُسرہ بنتِ صفوان رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: جس شخص نے اپنی شرمگاہ کو چھوا، اسے چاہیے کہ وہ دوبارہ وضو کرے) (سنن ابی داؤد، ح: ۱۸۱، باب الوضوء من مس الذکر)

مگر عروہ رحمہ اللہ نے فقط مروان پر اعتماد کر کے اسے قبول نہیں کیا تھا بلکہ اسے قابلِ التفات ہی نہیں سمجھا۔

فَقَالَ مَرْوَانُ: حَدَّثَتْنِي بُسْرَةُ بِنْتُ صَفْوَانَ، أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُ بِالْوُضُوءِ مِنْ مَسِّ الْفَرْجِ فَكَانَ عُرْوَةُ لَمْ يَزْفَعْ بِحَدِيثِهَا رَأْسًا، فَأَرْسَلَ مَرْوَانُ إِلَيْهَا شُرْطِيًّا۔ فرجع فأخبرهم أنها سمعت رسول اللّٰهِ ﷺ يأمر بالوضوء من مس الفرج۔

(مروان نے کہا: مجھے بُسرہ بنتِ صفوان رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ انہوں نے

رسول اللہ ﷺ کو شرمگاہ چھونے پر وضو کرنے کا حکم دیتے ہوئے سنا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ گویا عروہ مروان کی روایت سے مطمئن نہیں ہوئے، تو مروان نے بُسرہ رضی اللہ عنہا کی طرف ایک سپاہی بھیجا۔ اس نے واپس آ کر انہیں خبر دی کہ بُسرہ رضی اللہ عنہا نے واقعی رسول اللہ ﷺ کو شرمگاہ چھونے پر وضو کا حکم دیتے ہوئے سنا ہے)

(مصنف عبدالرزاق، ح:۴۱۱؛ شرح معانی الآثار، ح:۴۲۸)

یہی نہیں بلکہ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے اس کے بعد دیگر ذرائع سے بُسرۃ بنت صفوان رضی اللہ عنہا سے اس کی دوبارہ سہ بارہ تصدیق کی تھی۔

فَأَرْسَلَ عُرْوَةُ، قَالَتْ: ذَكَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا يَتَوَضَّأُ مِنْهُ؟ فَقَالَ: مِنْ مَسِّ الذَّكَرِ۔

(پس عروہ نے پیغام بھیجا تو بُسرہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہاں رسول اللہ ﷺ نے ان چیزوں کا ذکر کیا تھا جن کے باعث وضو کیا جاتا ہے تو فرمایا تھا: شرمگاہ کو چھونے سے بھی۔) (السنن الکبریٰ للنسائی، ح:۴۴۶)

ابْنُ شِهَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُرْوَةُ، عَنْ بُسْرَةَ بِنْتِ صَفْوَانَ، أَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: يَتَوَضَّأُ الرَّجُلُ مِنْ مَسِّ الذَّكَرِ۔

(عروہ نے بُسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: آدمی شرمگاہ کو چھونے کے باعث وضو کرے)

(شرح معانی الآثار، ح:۴۳۲)

اسی لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عروة قد سمع خبر بُسرة منها، لا كما توهم بعض الناس أن الخبر رواه لطعنه في مروان۔

''عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے یہ حدیث خود بُسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا سے بھی سن لی تھی۔ بعض لوگوں کو جو وہم ہوا ہے کہ یہ حدیث مروان پر جرح کے باعث ضعیف ہے تو یہ بات درست نہیں۔'' (اتحاف المہرۃ لابن حجر:۱۶ ص ۸۸۲)

یعنی مروان پر تو جرح درست ہے مگر اس کے باعث یہ حدیث اس لیے ضعیف قرار نہیں پاتی کہ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے اسے خود صحابیہ سے بھی سنا ہے۔ ابن حبان رحمہ اللہ اس مسئلے کو پوری طرح واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَأَمَّا خَبَرُ بُسْرَةَ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ، فَإِنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ سَمِعَهُ مِنْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ، عَنْ بُسْرَةَ، فَلَمْ يُقْنِعْهُ ذَلِكَ حَتَّى بَعَثَ مَرْوَانُ شُرْطِيًّا لَهُ إِلَى بُسْرَةَ فَسَأَلَهَا، ثُمَّ آتَاهُمْ، فَأَخْبَرَهُمْ بِمِثْلِ مَا قَالَتْ بُسْرَةُ، فَسَمِعَهُ عُرْوَةُ ثَانِيًا عَنِ الشُّرْطِيِّ، عَنْ بُسْرَةَ، ثُمَّ لَمْ يُقْنِعْهُ ذَلِكَ حَتَّى ذَهَبَ إِلَى بُسْرَةَ فَسَمِعَ مِنْهَا، فَالْخَبَرُ عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ بُسْرَةَ، مُتَّصِلٌ لَيْسَ بِمُنْقَطِعٍ، وَصَارَ مَرْوَانُ وَالشُّرْطِيُّ كَأَنَّهُمَا عاريتان يسقطان من الإسناد۔

''جہاں تک حدیث بُسرہ رضی اللہ عنہا کا تعلق ہے جسے ہم نے ذکر کیا تو اسے عروہ بن زبیر نے مروان بن حکم سے اور اُس نے بُسرہ رضی اللہ عنہا سے سنا تھا مگر عروہ بن زبیر نے اس پر اکتفا نہیں کیا جب تک کہ مروان نے بُسرہ رضی اللہ عنہا کے پاس سپاہی بھیجا کہ ان سے پوچھ کر آئے۔ پس اُس نے آکر ویسا ہی بتایا جیسا کہ بُسرہ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا۔ پس عروہ نے اسے سپاہی سے دوبارہ سنا۔ پھر اس پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ خود بُسرہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور یہ حدیث ان سے خود سنی۔ پس حدیث عروہ نے بُسرہ رضی اللہ عنہا سے لی ہے۔ یہ متصل ہے، منقطع نہیں۔ مروان اور سپاہی گویا اس سند میں کالعدم ہیں۔'' (صحیح ابن حبان: ۳ ص ۳۹۷، ط الرسالۃ)

فائدہ فقہیہ:

اس حدیث کی بناء پر شوافع کا مذہب یہ ہے شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ احناف کے نزدیک نہیں ٹوٹتا جیسا کہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ یہاں تطبیق کی آسان صورت یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہاں شرمگاہ کو چھونے سے وضو کے حکم سے مراد پورا وضو نہیں، بلکہ مراد ہاتھوں کو دھونا

ہے، کیوں کہ صحابہ کرام (پانی کی قلت کے باعث عموماً) پانی کے بغیر ڈھیلوں سے استنجا کرتے تھے۔ پس جب اس دوران وہ شرمگاہ کو چھوتے تھے تو ان کے ہاتھ آلودہ ہوجاتے تھے خصوصاً گرمیوں میں۔ اس لیے ہاتھوں کو دھونے کا حکم دیا۔

وَلَوْ ثَبَتَ فَهُوَ مَحْمُولٌ عَلَى غَسْلِ الْيَدَيْنِ، لِأَنَّ الصَّحَابَةَ كَانُوا يَسْتَنْجُونَ بِالْأَحْجَارِ دُونَ الْمَاءِ فَإِذَا مَسُّوهُ بِأَيْدِيهِمْ كَانَتْ تَتَلَوَّثُ خُصُوصًا فِي أَيَّامِ الصَّيْفِ فَأَمَرَ بِالْغَسْلِ لِهَذَا۔

(اور اگر یہ حدیث ثابت مان لی جائے، تو اس سے مراد دونوں ہاتھوں کا دھونا ہے؛ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پانی کے بجائے پتھروں سے استنجا کیا کرتے تھے، تو جب وہ اپنے ہاتھوں سے شرمگاہ کو چھوتے تو ہاتھ آلودہ ہوجاتے تھے، خاص طور پر گرمی کے دنوں میں، اسی لیے آپ ﷺ نے ہاتھ دھونے کا حکم دیا تھا)

(بدائع الصنائع: ۱/ص ۳۰)

(۳) روایتِ صلوٰۃِ خوف:

عروہ بن زبیرؒ نے مروان سے صلوٰۃ الخوف کے طریقے کی حدیث نقل کی ہے۔

أَبُو الْأَسْوَدِ، أَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ، يُحَدِّثُ عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ، أَنَّهُ سَأَلَ أَبَا هُرَيْرَةَ، هَلْ صَلَّيْتَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ صَلَاةَ الْخَوْفِ؟ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: نَعَمْ، قَالَ مَرْوَانُ: مَتَى؟ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: عَامَ غَزْوَةِ نَجْدٍ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ، فَقَامَتْ مَعَهُ طَائِفَةٌ، وَطَائِفَةٌ أُخْرَى مُقَابِلَ الْعَدُوِّ، وَظُهُورُهُمْ إِلَى الْقِبْلَةِ...

(ہمیں ابوالاسود نے خبر دی کہ انہوں نے عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کو مروان بن حکم سے روایت کرتے ہوئے سنا کہ مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خوف کی نماز پڑھی ہے؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں۔ مروان نے پوچھا: کب؟ تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: غزوہ نجد کے سال، جب رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ تو ایک جماعت ان کے ساتھ کھڑی ہوگئی اور دوسری جماعت دشمن کے

بالمقابل رہی اور ان کی پشتیں قبلہ کی طرف رہیں..... (سنن ابی داؤد، ح:۱۲۴۰)

عروہ بن زبیرؒ نے اس بارے میں فقط مروان پر اعتماد نہیں کیا بلکہ اسے حضرت ابوہریرہؓ سے بھی سنا تھا۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں اس اگلی حدیث یوں ہے:

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ رضی اللہ عنہ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَى نَجْدٍ...

(عروہ بن زبیر حضرت ابوہریرہ سے نقل کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف نکلے.....) (سنن ابی داؤد، ح:۱۲۴۱)

اسی طرح اپنی خالہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی سن کر نقل کیا ہے۔

مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُ، أَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهُ بِهَذِهِ الْقِصَّةِ، قَالَتْ: كَبَّرَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، وَكَبَّرَتِ الطَّائِفَةُ الَّذِينَ صَفُّوا مَعَهُ...

(عروہ بن زبیرؒ نے بتایا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں یہ قصہ سنایا۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی اور ان کے ساتھ اس جماعت نے بھی تکبیر کہی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صف باندھی تھی.....) (سنن ابی داؤد، ح:۱۲۴۴)

(۴) روایتِ ایلاء:

اسی نوع کی ایک مثال وہ روایت ہے جو ایلاء کے حکم سے متعلق ہے جسے مروان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لیا: عنِ الثوری، عن لیث، عن مجاهد، عن مروان، عن علی قال: إذا مضتِ الاربعة فإنه يحبس حتى يفيء او يطلّق، قال مروان: ولو وُلّيتُ هذا القضيتُ فيه بقضاءِ علي۔

(مجاہد نے مروان نے، اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ جب چار ماہ گزر جائیں تو اس شخص کو اس وقت تک قید رکھا جائے گا جب تک کہ وہ یا تو رجوع کرلے یا طلاق دے دے۔ مروان نے کہا: اگر مجھے اس مسئلے کا ذمہ دار بنایا جائے تو میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے مطابق فیصلہ دوں گا)

(مصنف عبدالرزاق، ح:۱۱۶۵۶؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ح:۱۵۲۱۳)

مگر یہاں بھی مران کی روایت بطور متابع ہے کیوں کہ اسے متعدد ثقہ تابعین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ مثلاً:

☆ حضرت عمرو بن سلمہ الکندی رحمہ اللہ

(سنن سعید بن منصور، ح:۱۹۰۶، ۱۹۰۸؛ مسند ابن الجعد، ح:۲۴۷۰؛ سنن الدارقطنی، ح:۴۰۳۷)

☆ حضرت قتادۃ بن دِعامہ رحمہ اللہ

(تفسیر عبدالرزاق: ۱ص ۳۴۶، تفسیر سورۃ البقرۃ، آیت ۲۲۶، ہذہ الروایۃ من مراسلہ)

☆ حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ

(تفسیر ابن ابی حاتم: ۲ص ۴۱۲؛ سنن الدارقطنی، ح:۴۰۳۸؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ح:۱۵۲۱۶)

☆ حضرت علی بن الحسین (زین العابدین) رحمہ اللہ

(مؤطا مالک، ح:۱۷؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ح:۱۵۲۱۴، ہذہ الروایۃ من مراسلہ)

محل چہارم:

جہاں صحابی کی مروان پر تنقید کو مروان کی سند سے سنایا گیا

بعض مواقع پر کسی صحابی نے بتایا کہ مروان کا فلاں کام درست نہ تھا اور میں نے اُسے درست کرایا۔ راوی نے اس واقعے کو مروان سے سن کر اس کی سند سے بھی بیان کر دیا گیا تاکہ مروان کا بیان مروانیوں پر حجت ہو جائے۔ جیسا کہ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے نمازِ مغرب میں مسنون قرأت کے بارے میں ایک حدیث حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سُنی جس میں مروان کی قرأت کی اصلاح بھی مذکور تھی۔

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ، أَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ يُحَدِّثُ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، أَنَّهُ قَالَ لِمَرْوَانَ: يَا أَبَا عَبْدِ الْمَلِكِ أَتَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ، وَإِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَمَخْلُوفَةٌ، لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ فِيهَا بِأَطْوَلِ الطُّولَيَيْنِ، الْمَصِّ۔

''ابوالاسود سے روایت ہے کہ انہوں نے عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہوئے سنا کہ انہوں نے مروان سے پوچھا: اے ابوعبدالملک! کیا تم ہمیشہ مغرب کی نماز میں صرف قُل ھو اللہ أحد اور إنّا أعطیناک الکوثر جیسی چھوٹی سورتیں پڑھتے ہو؟ مروان نے کہا: ہاں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ (بعض اوقات) نماز مغرب میں دو طویل ترین سورتوں میں سے لمبی سورت (یعنی سورہ اعراف) بھی پڑھا کرتے تھے۔'' (سنن النسائی الکبریٰ، ح:۹۸۹)

یہاں سورۂ اعراف مکمل نہیں بلکہ اس کا کچھ حصہ مراد ہے۔ مطلب یہ تھا کہ کبھی کبھی چھوٹی سورتوں کے علاوہ بڑی سورتوں کا کچھ حصہ بھی پڑھ دیا کرو تاکہ سنت کے ساتھ پوری مطابقت ہو جائے۔ یہ حدیث زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں وہ مروان کی قرأت کی اصلاح کر رہے ہیں۔ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے اس واقعے کو دوبارہ مروان بن حکم سے بھی عن کر نقل کیا تاکہ سیاسی مخالفین اسے مروان پر تہمت قرار نہ دیں۔

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الحَكَمِ، قَالَ: قَالَ لِي زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: مَا لَكَ تَقْرَأُ فِي المَغْرِبِ بِقِصَارٍ، وَقَدْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ بِطُولَى الطُّولَيَيْنِ

''عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ مروان بن حکم نے کہا: مجھ سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم مغرب کی نماز میں قصار مفصل یعنی صرف چھوٹی سورتیں یعنی پڑھتے ہو؟ جبکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو سنا ہے کہ آپ ﷺ مغرب میں (کبھی کبھار) طولی الطولین یعنی دو طویل ترین سورتوں میں سے لمبی سورت یعنی سورہ اعراف (کا کچھ حصہ بھی) پڑھا کرتے تھے۔''

(صحیح البخاری، ح: ۷۶۴، باب القرأۃ بالمغرب)

☆☆☆

محل پنجم:

فضائل وآداب کی احادیث جن میں ضعیف روایت مقبول ہی

مروان سے ایک دو ایسی احادیث منقول ہیں جن کا تعلق فضائل یا آداب سے ہے، عقائد یا اُحکام سے نہیں، مثلاً اچھے شعر کی فضیلت۔ اس باب میں ضعیف روایت بھی قبول کرلی جاتی ہے۔ تاہم مروان سے اس قسم کی جو حدیث منقول ہے، وہ بھی متعدد طرق سے ثابت ہے۔ لہٰذا روایتِ مروان کی حیثیت متابع کی رہ جاتی ہے۔

مثلاً بخاری شریف میں مروان کی نقل کردہ درج ذیل حدیث موجود ہے:

عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الحَكَمِ، أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الأَسْوَدِ بْنِ عَبْدِ يَغُوثَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ، أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً۔

(زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے ابوبکر بن عبدالرحمن نے خبر دی کہ مروان بن حکم نے انہیں خبر دی کہ عبدالرحمن بن اسود بن عبد یغوث نے اسے بتایا کہ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے انہیں خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک بعض شعر حکمت پر مبنی ہوتے ہیں) (صحیح البخاری، ح: ۶۱۴۵)

مگر اس متن کو اس لیے قبول کیا گیا ہے کہ یہ حدیث مروان کے بغیر دیگر اسناد سے بھی منقول ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو: وعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَجَعَلَ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ مِنَ البَيَانِ سِحْرًا، وَإِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكَمًا۔ (سنن ابی داؤد، ح: ۵۰۱۱، باب ماجاء فی الشعر)

''ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا، ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور (فصیح وبلیغ) گفتگو کرنے لگا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک بعض تقریریں جادو اثر ہوتی ہیں اور بعض شعر حکمتوں بھرے ہوتے ہیں۔''

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسی حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ حدیث دیگر کئی صحابہ سے بھی مروی ہے۔

وعن عبداللہ بن مسعود : قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللہ ﷺ : إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً۔ قال الترمذی: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الوَجْهِ، إِنَّمَا رَفَعَهُ أَبُو سَعِيدٍ الأَشَجُّ، عَنِ ابْنِ أَبِي غَنِيَّةَ، وَرَوَى غَيْرُهُ عَنِ ابْنِ أَبِي غَنِيَّةَ هَذَا الحَدِيثَ مَوْقُوفًا، وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ هَذَا الوَجْهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔ وَفِي البَابِ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَعَائِشَةَ، وَبُرَيْدَةَ، وَكَثِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ۔

''عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک بعض اشعار سراسر حکمت ہوتے ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ اسے ابوسعید الاشج نے ابن ابی غنیہ سے نبی ﷺ کے قول کے طور پر روایت کیا ہے، جب کہ ان کے علاوہ دیگر راویوں نے ابن ابی غنیہ سے اسے صحابی کے قول کے طور پر روایت کیا ہے۔ البتہ یہ حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے واسطے سے دیگر سندوں سے بھی نبی ﷺ سے مروی ہے اور اس باب میں ابی بن کعب، ابن عباس، عائشہ، بریدہ رضی اللہ عنہم اور کثیر بن عبداللہ کی اپنے والد اور دادا کے واسطے سے بھی روایات موجود ہیں۔'' (سنن الترمذی، ح: ۲۸۴۴، باب ما جاء ان من الشعر حکمۃ)

محل ششم:

جہاں سند کی نُدرت کے باعث روایت لی گئی

مروان سے مروی روایات میں سے ایک روایت میں سند کی عجیب نُدرت ہے۔ یعنی عن سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، عن مروان بن الحکم، عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ یہ ایک ایسی نادر سند ہے جس میں دو صحابی جمع ہو گئے ہیں اور درمیان میں غیر صحابی ہے۔

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ السَّاعِدِيُّ، أَنَّهُ رَأَى مَرْوَانَ بْنَ الحَكَمِ فِي المَسْجِدِ، فَأَقْبَلْتُ حَتَّى جَلَسْتُ إِلَى جَنْبِهِ، فَأَخْبَرَنَا أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَمْلَى عَلَيْهِ: لاَ يَسْتَوِي القَاعِدُونَ مِنَ المُؤْمِنِينَ

وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ۔ فَجَائَهُ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ وَهُوَ يُمِلُّهَا عَلَيَّ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَاللّٰهِ لَوْ أَسْتَطِيعُ الْجِهَادَ لَجَاهَدْتُ، وَكَانَ أَعْمَى، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَى رَسُولِهِ ﷺ، وَفَخِذُهُ عَلَى فَخِذِي، فَثَقُلَتْ عَلَيَّ حَتَّى خِفْتُ أَنْ تَرُضَّ فَخِذِي، ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: غَيْرَ أُولِي الضَّرَرِ۔

(ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ مجھے سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ انہوں نے مروان بن حکم کو مسجد میں دیکھا، تو میں آگے بڑھا یہاں تک کہ ان کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ پھر انہوں نے ہمیں بتایا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسے خبر دی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ آیت لکھوائی: لا يستوِي القاعِدون مِن المؤمِنِين والمجاهِدون فِي سبيلِ اللّٰهِ (مومنوں میں سے بیٹھ رہنے والے برابر نہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے۔) اسی دوران جب آپ ﷺ مجھے یہ آیت لکھوا رہے تھے، ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ خدا کی قسم، اگر میں جہاد کی استطاعت رکھتا تو ضرور جہاد کرتا۔ اور وہ نابینا تھے۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: تب اللہ تعالی نے اپنے رسول ﷺ پر وحی نازل فرمائی، اس وقت آپ ﷺ کی ران میری ران پر تھی۔ وحی کے بوجھ سے آپ ﷺ کی ران مجھ پر اتنی بھاری ہوگئی کہ مجھے ڈر لگنے لگا کہ کہیں میری ران کی ہڈی نہ ٹوٹ جائے۔ پھر جب وحی کی کیفیت ختم ہوئی، تو اللہ تعالی نے یہ الفاظ نازل فرمائے: ''غیر أولی الضرر'' (سوائے ان کے جو معذور ہیں)

(صحیح البخاری، ح: ۹۵۹۲، باب: لا یستوی القاعدون؛ ح: ۲۸۳۲)

یہاں متن سے بحث نہیں کیوں کہ اس میں بیان کردہ حدیث متعدد اسناد سے ثابت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے سمیت جس محدث نے بھی اسے بیان کیا ہے، سند کو نُدرت کے باعث بیان کیا ہے۔ چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرکے سند کی نُدرت کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں:

وفی هذا الحدیث روایة رجل من اصحاب النبی ﷺ عن رجل من التابعین رواه سهل بن سعد الانصاری، عن مروان بن الحکم۔

(اس حدیث میں اصحاب نبی ﷺ کے ایک شخص نے تابعین کے ایک شخص سے روایت لی ہے۔ سہل بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے اسے مروان بن حکم سے لیا ہے) (سنن الترمذی، ح: ۳۰۳۳، ابواب تفسیر القرآن، باب سورۃ النساء)

اس روایت میں اصل اعتماد صحابی پر ہے نہ کہ مروان پر:

یاد رہے کہ مروان کا دفاع کرنے والے حضرات اس حدیث کو مروان کی ثقاہت کی بڑی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ دیکھئے ایک صحابی نے مروان سے روایت لی ہے۔ مگر غور کیا جائے تو اس کا مروان کی ثقاہت یا ضعف سے کوئی واسطہ نہیں کیوں کہ یہاں اصلاً اعتماد صحابی پر ہے۔ چنانچہ صحابہ کی مراسیل مقبول ہیں۔ ظاہر ہے اگر صحابی نے حدیث کو حضور ﷺ سے نہ سنا ہو تب بھی کسی بھی حالت میں اُن پر جھوٹی احادیث نقل کرنے کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ یمانی رحمہ اللہ کا بیان:

شیخ معلمی یمانی رحمہ اللہ صحیح بخاری میں مروان کی روایات مندرج ہونے پر اعتراض کو دور کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وعلی کل حال فلا وجه للتشنیع، إذ لیست المفسدة فی الروایة عمن تذم حاله فی الصحیح ما دام المروی ثابتًا من طریق غیره۔ ألا تری أنه لو وقع فی سند إلی بعض ثقات التابعین أنه سمع یهودیًا یقول لعلی ابن أبی طالب: سمعت نبیکم یقول کیت کیت فقال علی: وأنا سمعته یقول ذلک: لصح إثبات هذا الخبر فی الصحیح وإن کان فیه صورة الروایة عن یهودی؟

"بہر صورت (صحیح بخاری میں مروان کی روایت لانے کے باعث امام بخاریؒ پر) طعن و تشنیع کا کوئی جواز نہیں بن سکتا۔ کیونکہ مذموم حالت والے شخص سے

منقول روایت کے صحیح احادیث کے مجموعے میں آجانے سے کوئی مفسدہ پیدا نہیں ہوتا جب کہ وہ روایت کسی دوسری سند سے بھی ثابت ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ بعض اوقات ثقہ تابعین کی سند میں یہ مل جاتا ہے کہ اس نے کسی یہودی سے سنا جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: ''میں نے تمہارے نبی ﷺ کو ایسے ایسے فرماتے سنا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے بھی انہیں یہی کہتے ہوئے سنا۔'' تو ایسی روایات کو صحیح روایات کے مجموعے میں درج کرنا درست ہوتا ہے اگرچہ وہ صورتاً ایک یہودی سے مروی روایت ہے۔'' (الانوار الکاشفۃ للشیخ عبدالرحمان المعلمی الیمانی: ۲۸۱، ط عالم الکتب)

پس قطع نظر اس کے کہ مروان ثقہ تھا یا نہیں، ''غَيْرَ أُولِي الضَّرَرِ'' کے شانِ نزول کی اس حدیث کو سہل بن سعد رضی اللہ عنہ پر اعتماد کرتے ہوئے لیا گیا ہے۔ اور اس سند سے لینے کی وجہ محض سند کی '' ندرت '' کو محفوظ رکھنا ہے۔

مروان کی اس روایت کی حیثیت بھی توابع کی سی ہے:

نیز مروان کی اس روایت کی حیثیت توابع کی سی ہے، کیوں کہ اس حدیث کے دیگر طرق بھی ہیں۔ مروان تنہا اس کا راوی نہیں۔ ان دیگر طرق پر ایک نظر ڈال لیجیے:

(۱) عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ

(صحیح البخاری، ح: ۲۸۳۱؛ ۴۵۹۳؛ ۴۵۹۴؛ ۴۹۹۰)

(۲) عن خارجۃ بن زید رضی اللہ عنہ عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔

(سنن ابی داود، ح: ۲۵۰۷؛ ۳۹۷۵)

(۳) عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (سنن الترمذی، ح: ۳۰۳۲)

حدیث ''غیر اولی الضرر'' مروان کی سند سے صحیح کے درجے پر نہیں:

یاد رہے کہ اس روایت کے اُن طرق کو جن میں مروان آگیا ہے، محدثین سنداً صحیح قرار نہیں دیتے۔ البتہ روایت کے متن کو قبول کرتے ہیں کیوں کہ اس کے دیگر صحیح طرق موجود ہیں۔ یعنی مروان والی روایت کو دیگر طرق پر اعتماد کرتے ہوئے

''متنا'' صحیح مانا گیا ہے۔ متنا صحیح کا مطلب یہ ہے کہ اس کی زیرِ بحث سند میں تو بعض رُواۃ غیر معتبر یا ضعیف یا متکلم فیہ ہیں یا سند میں کوئی اور علت موجود ہے مگر چوں کہ اس کے متن کو دیگر معتبر طرق سے تائید حاصل ہے جن میں یہ گڑبڑ نہیں، اس لیے روایت کے متن کو درست مانا جاتا ہے اور اسے متنا صحیح سمجھا جاتا ہے۔

چنانچہ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أخرج البخاری حدیث مروان عن زید، لا یستوی القاعدون، من حدیث صالح بن کیسان، عن الزهری، عن سهل بن سعد عن مروان، عن زید، وهو صحیح إلا عن مروان۔

''امام بخاری رحمہ اللہ نے مروان سے اُس نے زید بن ثابت سے آیت ''لا یستوی القاعدون'' والی حدیث نقل کی ہے، جو صالح بن کیسان، عن زہری، عن سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، عن مروان، عن زید رضی اللہ عنہ مروی ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے سوائے اس سند کے جس میں مروان ہے۔'' (موسوعہ اقوال الدارقطنی: ۲ ص ۶۴۳)

اس کا صاف مطلب یہی کہ ہے جمہور محدثین مروان کو ثقہ راوی نہیں مانتے اور طے شدہ خاص شرائط کے تحت ہی اس کی روایت قبول کرتے ہیں۔

محل ہفتم:

وہ روایات جو مروان کے صالح ہونے کے دور میں لی گئی تھیں

بعض علماء کے مطابق مروان سے کچھ روایات اُس زمانے میں لی گئی تھیں جب وہ غلط کاریوں میں مبتلا نہیں ہوا تھا۔ اس وقت روایات لینے والوں کو بھلا کیا معلوم تھا کہ وہ آگے چل کر کیا کچھ کرے گا۔ چنانچہ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری کے مقدمے میں اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ جیسے محدث نے مروان جیسے شخص سے صحیح بخاری میں بعض روایات آخر کیوں نقل کیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جواباً یہی فرماتے ہیں: ''قبل أن یبدو منه فی الخلاف علی ابن الزبیر ما بدا''

(مروان سے روایات لینا اس سے پہلے کی بات ہے جب اس سے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں وہ افعال ظاہر ہوئے جو ہوئے)

(فتح الباری: ۱ص ۴۴۳، مقدمہ)

تنبیہ: یاد رکھئے کہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا دیا ہوا یہ جواب یا عذر ہر جگہ نہیں چلے گا۔ کیوں کہ مروان کا جرم فقط یہی نہیں تھا کہ اُس نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی بلکہ اس سے قبل اُس کے دامن پر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا داغ لگ چکا تھا، نیز جب وہ مدینہ کا اُمیر بنا تو اُس دور میں اُس کا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کرنا بھی ایک بڑا جرم تھا۔ اسی طرح فدک کو غصب کرنا بھی اس کا ایک قبیح فعل تھا۔ الغرض حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت سے پہلے بھی مروان کے جرائم کچھ کم نہ تھے۔ پس یوں جواب دینا شاید زیادہ درست ہوگا کہ مروان سے کچھ روایات اُس وقت لی گئی تھیں جب وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کاتب تھا۔

مگر اس جواب کا اِطلاق دو شکلوں ہی میں ہوسکتا ہے:

☆ یا تو اس روایت میں کوئی ایسا قرینہ ہو، جس سے یہ معلوم ہوجائے کہ یہ واقعی مروان سے جرائم صادر ہونے سے قبل کی بات ہے۔

☆ یا روایت میں کوئی زمانی قرینہ موجود نہ ہو تو کم از کم اِمکان نکلتا ہو کہ یہ جرائم صادر ہونے سے قبل کی بات ہو۔

بصورتِ دیگر اُس روایت کو "مروان سے روایت لینے کے ان سات مواقع میں سے بقیہ چھ مواقع میں کسی پر محمول کرنا ممکن ہو، تو اُسی پر محمول کریں۔

فصل دوئم:

مروان بدعتی تھا تو حدیث کا راوی کیسے ہوگیا؟

مروان پر سب سے سخت طعن یہ ہے کہ وہ بدعتی تھا چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اُسے نواصب کا سرغنہ قرار دیا ہے۔

(تحفہ اثنا عشریہ، اردو، ص ۱۳۹، ۱۴۰، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مروان بدعتی تھا تو اس سے روایت حدیث کیوں لی گئی؟

مروان سے روایت لینے کی مشہور توجیہات:

آگے ہم اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کریں گے، تاہم اجمالاً یہیں پر یہ سمجھ لیں کہ مروان سے روایت لینے کی مشہور توجیہات یہ ہیں:

☆ بدعتی کی روایت علی الاطلاق مردود نہیں ہوتی۔

☆ مروان کی مرویات حلال وحرام کے مسائل میں نہیں لی گئیں۔

☆ موطا مالک اور صحیح بخاری میں مروان سے منقول روایات "تعامل اہل مدینہ" کو بیان کرنے کی حیثیت سے ہیں نہ کہ اصلاً مروان کی روایت سے استدلال کے لیے۔

☆ مروان کی مرویات کو مؤیدات کے طور پر ان مسائل میں پیش کیا ہے جن کی اصل دلیل دیگر پختہ روایات ہیں۔ مروان کی روایات کی حیثیت فقط توابع کی ہے، توابع میں ضعیف روایت سے بھی مدد لے لی جاتی ہے۔

بدعتی کی روایت علی الاطلاق مردود نہیں:

اب ہم تفصیلی گفتگو شروع کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ بدعتی کی روایت علی الاطلاق مردود نہیں ہوتی بلکہ بعض شواہد وقرائن اور شرائط وضوابط کے تحت انہیں قبول کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بدعتی اور گمراہ فرقوں کے راویوں کی روایت قبول یا مسترد کرنے کی شرائط یوں بیان فرماتے ہیں:

والمعتمد ان الذی ترد روایته من انکر الرا متواترا من الشرع معلوما من الدین بالضرورة وکذا من اعتقد عکسه۔

"معتمد بات یہ ہے کہ ایسے شخص کی روایت کو مسترد کیا جائے گا جو شریعت کی کسی ایسی متواتر نقل ہونے والی بات کا منکر ہو جس کا دین ہونا قطعی طور پر معلوم ہو، یا جو اس کے برعکس ہو۔ (یعنی ایسی چیز کو ثابت سمجھتا ہو جو شرعاً بالکل ثابت نہیں) (نخبۃ الفکر، ص ۳)

علمائے اصولِ حدیث کا اختلاف اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول:

اس مسئلے میں علمائے اصول کا اختلاف ہے کہ جو بدعتی اپنی گمراہی کا داعی ہو، اس کی روایت قبول کی جائے گی یا نہیں۔ ایک طبقے کے نزدیک اُسی بدعتی کی روایت مقبول ہوگی جو اپنی بدعت کا داعی نہ ہو۔ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یُقبَل من لم یکن داعیۃ الی بدعتہ فی الاصح، الا ان رَوٰی مایقوی بدعتہ فیُرَدّ علی المختار۔

''صحیح ترین قول کے مطابق اس بدعتی کی روایت قبول کی جائے گی جو اپنی بدعت کا داعی نہ ہو۔ سوائے اس صورت کے کہ وہ ایسی چیز نقل کرے جو اس کی بدعت کو تقویت دے تو مختار قول کے مطابق پھر اس کی روایت رَد کر دی جائے گی۔''

(نخبۃ الفکر لابن حجر العسقلانی، ص ۳)

نیز ''لسان المیزان'' میں فرماتے ہیں:

وینبغی أن یقید قولنا بقبول روایۃ المبتدع إذا کان صدوقا ولم یکن داعیۃ بشرط أن لا یکون الحدیث الذی یحدث بہ مما یعضد بدعتہ ویشدھا فإنا لا نأمن حینئذ علیہ غلبۃ الھوی۔

''مناسب ہے کہ بدعتی کی روایت قبول کرنے کے ہمارے قول میں یہ قید لگائی جائے کہ وہ صادق ہو اور اپنی بدعت کا داعی نہ ہو، بایں طور کہ جو حدیث وہ نقل کر رہا ہے، وہ اس کی بدعت کی تائید اور تقویت میں نہ ہو۔ بے شک ایسے موقع پر ہم اس کے ہوائے نفسانی سے مغلوب ہونے سے بے فکر نہیں ہو سکتے۔''

(لسان المیزان لابن حجر العسقلانی: ۱ ص ۱۵، خطبۃ الاصل، ط دار البشائر)

مطلب یہ ہے کہ فقط ایسے بدعتی کی روایت لی جا سکتی ہے جو اپنی بدعت کی تشہیر اور گمراہی پھیلانے میں ملوث نہ ہو۔ نیز ایسے بدعتی کی روایات کو بھی آنکھیں بند کر کے قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ اگر اُس کی بھی کسی روایت میں اُس کی ضلالت کی تائید مل رہی ہو تو وہ روایت رَد کر دی جائے گی۔

علمائے اصول کے دوسرے طبقے کی رائی:

علمائے اصول کے دوسرے طبقے کے نزدیک ہر ایسے بدعتی راوی کی روایت لی جاسکتی ہے جو ضروریاتِ دین کا منکر نہ ہو۔ چاہے اپنی بدعت کی اشاعت میں ملوث ہو یا نہ ہو، اس سے فرق نہیں پڑتا۔ ہاں اُس کی وہ روایت بہرحال مردود ہوگی جو اس کی بدعت کی تائید کرے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ظَاهِر هَذَا قبول رِوَايَة المبتدع إِذا كَانَ ورعا فِيمَا عدا الْبِدْعَة، ضابطا صَادِقا سَوَاء كَانَ دَاعِيَة أَو غير دَاعِيَة، إِلَّا فِيمَا يتَعَلَّق ببدعته۔

''ظاہرِ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بدعتی کی روایت جو اس کی بدعت سے متعلق نہ ہو، قبول کی جائے گی جب کہ وہ اپنی بدعت کے سوا دیگر معاملات میں پرہیزگار، روایت کو یاد رکھنے والا اور سچا ہو۔ چاہے اپنی بدعت کا داعی ہو یا نہ ہو، بس وہ چیز قبول نہیں کی جائے گی جو اس کی بدعت سے متعلق ہو۔''

(شرح شرح نخبۃ الفکر لقاری: ص ۵۳۲، ط دار الارقم)

یہی بات علامہ مناوی رحمہ اللہ نے شیخ قاسم رحمہ اللہ سے نخبۃ الفکر کی شرح میں نقل کی ہے:

وَظَاهِر كَلَام الْمُؤلف هَذَا قبول رِوَايَة المبتدع إِذا كَانَ ورعا فِيمَا عدا الْبِدْعَة، صَادِقا ضابطا سَوَاء كَانَ دَاعِيَة أَو غير دَاعِيَة إِلَّا فِيمَا يتَعَلَّق ببدعته۔

''مؤلف کے کلام سے ظاہر یہ ہے کہ بدعتی اگر اپنی بدعت کے علاوہ باقی اُمور میں پرہیزگار ہو، صادق اور اچھے حافظے والا ہو، تو اس کی روایت قبول کرلی جائے گی چاہے وہ بدعت کا داعی ہو یا نہ ہو۔ ہاں وہ روایت قبول نہ کی جائے گی جو اس کی بدعت سے متعلق ہو۔'' (الیواقیت والدرر فی شرح نخبۃ الفکر للمناوی: ۲ ص ۱۵۸۔ ط مکتبۃ الرشد)

حاصلِ کلام:

حاصلِ کلام یہ ہوا کہ علمائے اصول کے ایک طبقے کے نزدیک اپنی بدعت کی

اشاعت کرنے والے راوی کی روایت بھی بعض شروط کے تحت قبول کی جاسکتی ہے۔ مروان بلاشبہ اپنی بدعتوں (بعض صحابہ پر سب وشتم، انکار حیات انبیاء فی القبور اور انکار عدالتِ جمیع صحابہ وغیرہ) کا داعی بھی تھا۔ جن محدثین کے نزدیک ایسے راوی کی روایت نہیں لی جاسکتی، انہوں نے مروان سے یکسر روایت ترک کردی جیسے امام مسلم رحمہ اللہ۔

اور جن محدثین کے نزدیک بدعتوں کی اشاعت کرنے والے بدعتی کی روایت خاص شرائط کے تحت لی جاسکتی ہے، انہوں نے مروان کی بعض روایات کو اس دائرے میں دیکھ کر نقل کردیا جیسا کہ امام بخاری اور امام مالک رحمہما اللہ۔

مروان سے کوئی ایسی روایت نہیں لی گئی جو اس کی بدعت کی مؤید ہو:

ان شرائط میں سے اہم ترین شرط یہ ہے کہ وہ روایت اُس کی بدعت کی مؤید نہ ہو۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ محدثین نے مروان سے کوئی روایت ایسی نہیں لی جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ ودیگر اہلِ بیت کی شان پر زد پڑتی ہو، یا جو عدالتِ صحابہ کے نظریے کے خلاف ہو یا جس سے حیاتِ انبیاء کے انکار کی راہ کھلتی ہو۔

الغرض بدعتی کی روایت قبول کرنا محدثین کے ہاں معروف رہا ہے اور مروان بھی انہی میں سے ایک ہے۔ اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔

نقلِ روایت اور استدلال کرنے میں فرق:

یہاں یہ بھی یاد رکھا جائے کہ نقلِ روایت الگ شے ہے اور کسی روایت سے استدلال کرنا یا حجت پکڑنا الگ بات ہے۔ دونوں کی شرائط اور حدود قیود الگ الگ ہیں۔ پس مروان کی روایات کا ذخیرۂ حدیث میں آجانا ایک الگ حیثیت رکھتا ہے جبکہ اُن روایات سے استدلال کرنا الگ بات ہے۔ اسی نکتے کو واضح کرتے ہوئے مروان کے بارے میں ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"عائذ باللہ أن نحتج بخبر رواہ مروان بن الحکم وذووہ فی شیء من کتبنا۔

(ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ اپنی کتابوں میں کسی بھی مسئلے میں ایسی خبر سے حجت پکڑیں جسے مروان بن حکم یا اس جیسے لوگوں نے روایت کیا ہو)

(صحیح ابن حبان: ۳ص ۳۹۷، ط مؤسسۃ الرسالۃ)

یعنی ابن حبان رحمہ اللہ نے مروان کی روایت کو "ناقابلِ احتجاج" قرار دے کر واضح کر دیا ہے کہ مروان کی مرویات چاہے نقل کی جاتی رہی ہوں مگر وہ حلال وحرام جیسے مسائل میں حجت اور قابلِ احتجاج نہیں۔

بدعتی کی قبولِ روایت سے مراد کیا ہے؟

ایک بار پھر ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اس بحث میں قبولِ روایت سے مراد یہ نہیں کہ اس پر شرعی احکام کا دارومدار رکھا جائے گا بلکہ مراد یہ ہے کہ:

(۱) شرعی احکام کے باب میں اس کی روایت کو متابع کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے۔

(۲) کسی خاص مصلحت سے اس کی روایت لی جاسکتی ہے جیسا کہ بدعتی کا ایسی روایت بیان کرنا جو اس کے گروہ کے خلاف ہو۔

(۳) فضائل میں اس کی روایت بیان کی جاسکتی ہے کہ کیونکہ وہاں ضعیف روایات بھی قابلِ قبول ہوتی ہیں۔

محدثین کرام نے مروان سے جہاں کہیں بھی روایت لی ہے، وہ بدعتی راویوں کے لیے طے کردہ ان شروط کے دائرے سے باہر نہیں۔ پس امام بخاری رحمہ اللہ یا دیگر نقاد محدثین کا ایسے لوگوں سے روایت لینا ظاہر کرتا ہے کہ بدعتی اگر صدوق ہو اور اس کی روایت اگر اس کی بدعت سے متعلق نہ ہو تو قابلِ قبول ہوگی چاہے راوی بدعت کا داعی ہو یا نہ ہو جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ اور امام مناوی رحمہ اللہ نے شرح نخبۃ الفکر کی شروحات میں فرمایا ہے۔ چنانچہ محدثین نے بعض شیعہ، نواصب اور خوارج سے بھی احادیث لی ہیں۔

عمران بن حطان خارجی کی روایت بخاری میں:

صحیح بخاری میں بطور متابع عمران بن حطان سے بھی روایت لی گئی ہے جو

خوارج کے رؤساء میں سے ایک تھا جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاتل عبدالرحمن بن ملجم کی تعریف میں قصیدہ کہا تھا۔ مگر اپنی بدعت کے باوجود اسے سچا راوی سمجھا گیا۔

عِمْرَانُ بْنُ حِطَّانَ بْنِ ظَبْيَانَ السَّدُوْسِيُّ الْبَصْرِيُّ، مِنْ أَعْيَانِ الْعُلَمَاءِ، لَكِنَّهُ مِنْ رُؤُوْسِ الْخَوَارِجِ، حَدَّثَ عَنْ: عَائِشَةَ، وَأَبِي مُوْسَى الأَشْعَرِيِّ، وَابْنِ عَبَّاسٍ۔ رَوَى عَنْهُ: ابْنُ سِيْرِيْنَ، وَقَتَادَةُ، وَيَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيْرٍ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ: لَيْسَ فِي أَهْلِ الأَهْوَاءِ أَصَحُّ حَدِيْثاً مِنَ الْخَوَارِجِ۔ ثُمَّ ذَكَرَ عِمْرَانَ بْنَ حِطَّانَ، وَأَبَا حَسَّانٍ الأَعْرَجَ۔

(عمران بن حطان بن ظبیان السدوسی، صحیح بخاری، سنن ابوداؤد اور سنن ترمذی کا راوی۔ بصرہ کا رہنے والا تھا۔ ممتاز علماء میں سے تھا، لیکن خوارج کے سرغنوں میں سے تھا۔ اس نے سیدہ عائشہ، حضرت ابوموسی اشعری اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے حدیث بیان کی ہے۔ اس سے ابن سیرین، قتادہ اور یحییٰ بن ابی کثیر نے روایت لی ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں: بدعتی فرقوں میں خوارج سے زیادہ حدیث بیان کرنے میں سچے لوگ کوئی اور نہیں۔ پھر انہوں نے عمران بن حطان اور ابوحسان الاعرج کا ذکر کیا) (سیر اعلام النبلاء: ۴ ص ۲۱۴)

یاد رہے کہ عمران بن حطان سے منقول دو مرفوع احادیث صحیح بخاری میں ہیں۔ (صحیح البخاری، ح: ۵۸۳۵، باب لبس الحریر: ۵۹۵۲، باب نقش الصور)

امام بخاریؒ کا عمران خارجی اور مروان ناصبی سے روایت لینا خاص شرائط کے تحت تھا

امام بخاری رحمہ اللہ پر جس طرح عمران خارجی کی روایات لینے پر اعتراض نہیں ہوسکتا، اسی طرح مروان ناصبی کی روایات لینا باعثِ اعتراض نہیں ہوسکتا، کیوں کہ یہ روایات بطور متابع کے لی گئی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ عمران خارجی کی روایت کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ کا دفاع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ حدیث جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے متابعات کے ذیل میں ہے۔ اس حدیث کے اور طرق بھی ہیں۔

"وهذا الحديث إنما أخرجه البخاري في المتابعات فللحديث عنده طرق غير هذه من رواية عمر وغيره وقد رواه مسلم من طرق أخرى عن بن عمر و وغيره وقد رواه مسلم من طريق أخرى عن بن عمر نحوه۔

(اور یہ حدیث عمران بن حطان کو امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف متابعات یعنی تائیدی روایات میں ذکر کیا ہے، کیونکہ ان کے پاس اس حدیث کے دیگر طرق بھی موجود ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سے مروی ہیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اسے دوسرے طریق سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے روایت کیا ہے)

(ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری: ص ۳۳۴، ط المکتبۃ السلفیۃ)

بعض اہل علم نے یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کا دفاع اس طرح کیا ہے کہ عمران بن حطان کے خارجی ہونے سے پہلے یہ روایات اس سے لی گئی تھیں مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی تردید کرتے ہوئے ثابت کرتے ہیں کہ ان کا سماع اسی زمانے میں ہوا تھا جب وہ خارجی تھا۔

ورأيت بعض الأئمة يزعم أن البخاري إنما أخرج له ما حمل عنه قبل أن يرى رأي الخوارج، وليس ذلك الإعتذار بقوي لأن يحيى بن أبي كثير إنما سمع منه باليمامة في حال هروبه من الحجاج، وكان الحجاج يطلبه ليقتله لرأيه رأي الخوارج، وقصته في ذلك مشهورة مبسوطة في الكامل للمبرد وفي غيره

(میں نے بعض ائمہ کو دیکھا ہے جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ امام بخاری نے عمران بن حطان سے صرف وہی روایات لی ہیں جو اس نے خوارج کا نظریہ اپنانے سے پہلے بیان کی تھیں۔ لیکن یہ عذر زیادہ مضبوط نہیں ہے، کیونکہ یحییٰ بن ابی کثیر نے اس سے مقام یمامہ میں اس وقت حدیث سنی تھی جب وہ حجاج بن یوسف سے بھاگا ہوا تھا، اور حجاج اسے اس کے خارجی نظریات کی وجہ سے قتل کرنے کے لیے تلاش کر رہا تھا۔ ان کا یہ قصہ مبرد کی کتاب الکامل اور دیگر کتب میں تفصیل سے موجود ہے)

(ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری: ص ۳۳۴، ط المکتبۃ السلفیۃ)

اگرچہ ایک قول یہ ہے کہ عمران بن حطان آخر میں تائب ہوگیا تھا مگر اس قول کی سند کہیں مذکور نہیں مل سکی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس قول کو نقل کر کے کہا ہے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے تو کافی عذر ہے۔ نہ ثابت ہو تب بھی کوئی نقصان نہیں کیوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے عمران بن حطان کی راویات کو متابع کے طور پر نقل کیا ہے۔

علی أن أبا زکریا الموصلی حکی فی تاریخ الموصل عن غیرہ أن عمران ھذا رجع فی آخر عمرہ عن رأی الخوارج فإن صح ذلک کان عذرا جیدا وإلا فلا یضر التخریج عمن ھذا سبیلہ فی المتابعات واللہ أعلم۔"

(البتہ، ابو زکریا الموصلی نے تاریخ موصل میں دوسروں کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ عمران بن حطان نے اپنی زندگی کے آخری حصے میں خارجی نظریات سے رجوع کر لیا تھا۔ اگر یہ بات ثابت ہو جائے تو یہ ایک بہترین عذر ہے، ورنہ متابعات میں اس طرح کے شخص سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے)

(ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری: ص ۳۳۴، ط المکتبۃ السلفیۃ)

کتب حدیث میں أشتر نخعی کی روایات اور اس کا مروان سے موازنہ:

کتب حدیث میں أشتر نخعی کی روایات بھی ہیں جس کا کردار مروان سے بہت مشابہ ہے۔ اسماء الرجال کی تقریباً تمام کتب میں أشتر نخعی کا ذکر آتا ہے، اس کے کارنامے، خوبیاں، جرائم، عیوب، فتنے میں شرکت وغیرہ سبھی کچھ ذکر کیا گیا ہے (ان واقعات کی تفصیل یہاں نقل کرنے کا موقع نہیں۔ تاریخ أمت مسلمہ جلد دوئم میں تمام حالات دیکھے جاسکتے ہیں۔) الغرض مروان کی طرح فتنہ انگیز پس منظر رکھنے کے باوجود عموماً ائمہ جرح وتعدیل نے أشتر نخعی کو ثقہ یا کم از کم قابل قبول راوی سمجھا ہے۔ چنانچہ امام مزی رحمہ اللہ نے رجال حدیث میں أشتر نخعی کا ذکر یوں کیا ہے:

قال المِزی: مالک بن حارث بن عبد یغوث... النخعی الکوفی المعروف بالاشتر، ادرک الجاھلیۃ و کان من شیعۃ علی رضی اللہ عنہ، رَوَی عَن: خالد بن الولید، وعلی بن أبی طالب، وعُمَر بن الخطاب، وأبی ذر الغفاری،

وأم ذر زوج أبی ذر۔رَوَی عَنه: ابنه إبراهيم بن الأشتر، وعَبد الرحمن بن يزيد، وعلقمة بن قيس، وعَمرو بن غالب الهمدانی، وكنانة مولى صفية زوج النَّبِيّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ومخرمة بن ربيعة النخعی أخو عابس بن ربيعة، وأبو حسان الأعرج...ذكره مُحَمَّد بن سعد فی الطبقة الأولى من تابعی أهل الكوفة...قَال العجلی: كوفی، تابعی، ثقة، وذكره ابن حِبَّان فِی كتاب الثقات۔

(مالک بن حارث بن عبد یغوث النخعی الکوفی.....عرف اشتر نخعی۔ جاہلیت کا زمانہ پایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں میں سے تھا۔اس نے روایت کی: خالد بن ولید، علی بن ابی طالب، عمر بن خطاب، ابو ذر غفاری اور ان کی زوجہ ام ذر رضی اللہ عنہم سے۔اس سے روایت لی: اس کے بیٹے ابراہیم بن اشتر، عبدالرحمن بن یزید، علقمہ بن قیس، عمرو بن غالب ہمدانی، اُم المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے غلام کنانہ، مخرمہ بن ربیعہ اور ابو حسان الاعرج نے۔.....محمد بن سعد نے اسے کوفہ کے تابعین کے پہلے طبقے میں ذکر کیا ہے۔.....امام عجلی رحمہ اللہ نے کہا: کوفی، تابعی اور ثقہ۔ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (تہذیب الکمال:۲۷ص۱۲۷)

ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے جو جرح میں متشدد شمار ہوتے تھے، رجال حدیث پر اپنی معروف کتاب ''الجرح والتعدیل'' میں اَشتر نخعی کا ذکر بھی کیا ہے اور کسی قسم کی جرح یا تعدیل نہیں کی۔ (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم، تر:۹۱۰)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اَشتر کی برائیاں اور جرائم بیان کیے ہیں مگر ساتھ ہی اس کے بارے میں لکھا ہے:

أحد الاشراف۔(معزز لوگوں میں سے ایک) (الکاشف، تر:۵۲۴۳)

امام احمد رحمہ اللہ کے ایک قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اشتر سے روایات لینے سے منع کرتے تھے۔

مُهَنَّى، قَالَ: سَأَلْتُ أَحْمَدَ عَنْ مَالِكِ الْأَشْتَرِ، يُرْوَى عَنْهُ الْحَدِيثُ؟ قَالَ: لَا۔

(مہنی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے مالک اَشتر کے بارے میں پوچھا کہ کیا اس سے حدیث روایت لی جاتی ہے۔ فرمایا: نہیں) (السنۃ للخلال ۳/۵۱۷)

تاہم حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ کے اس قول کو جرح کے نہیں بلکہ عدم روایت کے معنیٰ میں لیا ہے۔ یعنی امام احمد رحمہ اللہ کے مطابق اَشتر سے کوئی مرفوع حدیث منقول نہیں تھی۔ چنانچہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

"ولم یرد أحمد بذاک تضعیفه وإنما نفی أن تکون له روایة۔"

(امام احمد رحمہ اللہ کے اس قول میں اَشتر کو ضعیف قرار دینا مراد نہیں، بلکہ انہوں نے اس بات کی نفی کی ہے کہ اَشتر سے کوئی روایت مروی ہے)

(تہذیب التہذیب: ۱۰ ص ۱۲)

الغرض فتنے میں ملوث ہونے، جرائم کرنے اور بدعتوں میں مبتلا لوگوں کی بعض روایات کتب حدیث حتیٰ کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بھی لی گئی ہیں۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم کے مزید چند شیعی یا مروانی رُواۃ:

چند ایسے لوگوں کی مثالیں ملاحظہ ہوں جن سے بخاری و مسلم میں روایات لی گئی ہیں جبکہ اُن پر ناصبیت یا تشیع کی جرح تھی:

★عبداللہ بن شقیق العقیلی (م ۱۰۸ھ)

من رجال مسلم و البخاری فی الادب المفرد، ثقة، فیه نصب۔

(مسلم کے راوی ہیں۔ امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں ان سے روایت لی ہے۔ ثقہ مگر ان میں ناصبیت بھی تھی) (تقریب التہذیب، ترجمہ: ۳۳۷۳)

★حریز بن عثمان (م ۱۶۷ھ)

من رجال البخاری، کان متقنا ثبتا لکنه مبتدع، کان ینال من علی رضی اللہ عنہ

(بخاری کے رجال میں سے۔ انتہائی قابل اعتماد اور پختہ مگر بدعتی تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تنقید کرتے تھے) (میزان الاعتدال: ۱/۴۷۵)

★عبیداللہ بن موسیٰ الکوفی: (م ۲۱۳ھ)

من رجال الصحیحین، ثقة کان یتشیع۔

(صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے راوی، ثقہ تھے۔ شیعیت اختیار کیے ہوئے تھے) (تقریب التہذیب، تر:۴۳۴۵)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا: ثقة في نفسه، لكنه شيعي متحرق۔ (بذات خود ثقہ تھے مگر جلے بھنے شیعہ تھے) (میزان الاعتدال: ۳ص۱۶)

یاد رہے کہ عبید اللہ بن موسیٰ سے جنہیں حافظ ذہبیر رحمہ اللہ شیعی محترق کہہ رہے ہیں، صحیح بخاری میں چالیس سے زائد احادیث منقول ہیں۔ اب جو وجہ جواز عبید اللہ بن موسیٰ، اشتر اور عمران بن حطان کے لیے ہے، وہی مروان جیسے ناصبی کے لیے ہوسکتی ہے۔ اگر شرائط کے تحت ایسے لوگوں سے روایات لینے کی گنجائش ہوسکتی ہے تو مروان سے بھی روایت لی جاسکتی ہے۔

پہلی صدی ہجری میں صدق عام تھا:

یہاں ایک اہم بات یہ بھی پیش نظر رکھنے کے قابل ہے کہ پہلی صدی ہجری میں صدق عام تھا۔ ضعیف راوی کم تھے اور صدوق اور ثقہ بہت زیادہ۔

وسبب قلة الضعفاء في ذلك الزمان قلة متبعيهم من الضعفاء، اذا اكثر المتبوعين صحابة عدول، واكثرهم من غير الصحابة بل عامتهم ثقات صادقون يعون مايروون وهم كبار التابعين۔

(اس زمانے میں ضعیف راویوں کی کمی کا سبب یہ تھا کہ محدثین کی شاگردی کرنے والے ضعیف لوگ کم تھے؛ کیونکہ اس وقت جن کی شاگردی کی جاتی تھی ان کی اکثریت عادل و سچے صحابہ کرام پر مشتمل تھی، اور صحابہ کے علاوہ بھی ان میں سے اکثر بلکہ عام طور پر تمام لوگ ثقہ اور سچے تھے، جو کچھ روایت کرتے اسے خوب اچھی طرح سمجھتے تھے۔ یہ کبار تابعین کا طبقہ تھا)

(ذكر من يعتمد قوله في الجرح والتعديل للذہبی: ص ۱۷۴، ط دار البشائر)

خصوصاً عرب راوی اکثر سچے تھے۔ چاہے اُن میں سے بعض کے اعمال اچھے نہ ہوں مگر وہ جھوٹ کو بڑی عار کی بات سمجھتے تھے اور یہ بات زمانہ جاہلیت میں بھی اُن

میں راسخ تھی۔ چنانچہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسلام کی سخت مخالفت کے زمانے میں بھی ہرقل کے دربار میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں غلط بیانی سے کام نہ لیا۔

فَقَالَ أَبُو سُفْيَانَ: فَقُلْتُ أَنَا أَقْرَبُهُمْ نَسَبًا، فَقَالَ: أَدْنُوهُ مِنِّي، وَقَرِّبُوا أَصْحَابَهُ فَاجْعَلُوهُمْ عِنْدَ ظَهْرِهِ، ثُمَّ قَالَ لِتَرْجُمَانِهِ: قُلْ لَهُمْ إِنِّي سَائِلٌ هَذَا عَنْ هَذَا الرَّجُلِ، فَإِنْ كَذَبَنِي فَكَذِّبُوهُ، فَوَاللهِ لَوْلَا الحَيَاءُ مِنْ أَنْ يَأْثِرُوا عَلَيَّ كَذِبًا لَكَذَبْتُ عَنْهُ، . . . قَالَ: فَهَلْ يَغْدِرُ؟ قُلْتُ: لَا، وَنَحْنُ مِنْهُ فِي مُدَّةٍ لَا نَدْرِي مَا هُوَ فَاعِلٌ فِيهَا، قَالَ: وَلَمْ تُمْكِنِّي كَلِمَةٌ أُدْخِلُ فِيهَا شَيْئًا غَيْرَ هَذِهِ الكَلِمَةِ۔

''ابوسفیان بولے: میں ان سب میں محمد (ﷺ) کا سب سے قریبی رشتہ دار ہوں۔ ہرقل نے کہا: اسے میرے قریب لاؤ، اور اس کے ساتھیوں کو بھی قریب بلا کر اس کی پشت کے پیچھے کھڑا کر دو۔ پھر اس نے اپنے ترجمان سے کہا: ان سے کہہ دو کہ میں اس شخص سے اس آدمی (نبی ﷺ) کے بارے میں کچھ پوچھنے والا ہوں، اگر یہ مجھ سے جھوٹ بولے تو تم لوگ اس کی تردید کر دینا اسے جھٹلا دینا۔ ابوسفیان کہتے ہیں: خدا کی قسم! اگر مجھے یہ شرم نہ ہوتی کہ یہ ساتھی میرا جھوٹ نقل کریں گے، تو میں آپ ﷺ کے بارے میں ضرور جھوٹ بول دیتا۔ .....اس نے پوچھا: کیا وہ وعدہ خلافی کرتے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں، اور اب ہم ان کے ساتھ ایک معاہدے کی مدت میں ہیں، ہمیں نہیں معلوم کہ وہ اس میں کیا کرنے والے ہیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں: اس ایک جملے کے علاوہ مجھے اور کوئی موقع نہ مل سکا کہ اپنی طرف سے کوئی بات شامل کر سکوں۔''

(صحیح البخاری، ح ۵، باب کیف بدأ الوحی)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ عرب لوگ زمانۂ جاہلیت میں بھی جھوٹ کو بہت شرم کی بات سمجھتے تھے۔ مروان تو پھر مسلمان تھا۔ اس کے دیگر جرائم اپنی جگہ، نیز کئی مواقع پر اُس کا سیاسی مفادات کے لیے جھوٹ، مکر و فریب اور سازشوں کا سہارا لینا بھی ثابت کیا ہے مگر یہ بعید تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کوئی بات وضع کرتا۔ چنانچہ حدیثِ بُسرہ جیسی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم

وہ مرفوع حدیث کو تو صحیح طور پر نقل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس کے باوجود مروان کی کسی حدیث پر اندھا اعتماد نہیں کرلیا گیا بلکہ صرف اُس سے وہی گنی چنی روایات لی گئیں جو اہلِ بدعت سے متعلقہ شرائط پر پوری اترتی تھیں۔

شیخ معلمی یمانی رحمہ اللہ کا روایتِ مروان پر تبصرہ:

مروان سے روایت لینے کے بارے میں شیخ معلمی یمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فما بالک بمروان، مع أن روایته لا تخلو من تقویة لروایة غیره لأنه علی کل حال مسلم قد عُرف تحرِّیه الصدق فی الحدیث ومن تتبع أحادیث مروان الثابتة عنه علم أن البخاری لم یبنِ شیئا من الدین علی روایة تفرد بها لفظا و معنی۔

''تو مروان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جبکہ اس کی روایت کسی دوسری روایت کی تقویت سے خالی نہیں اور مزید یہ کہ وہ بہرحال مسلمان تھا جس کا حدیث کے بارے میں صدق کی کوشش کرنا معروف ہے۔ اور مروان سے ثابت شدہ احادیث کو کھنگالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ نے اس سے تنہا لفظاً یا معنیً کوئی ایسی روایت نہیں لی جس پر دین کا دارومدار ہو۔ (بلکہ ایسے مواقع پر مروان کی روایت کے ساتھ دوسری روایت کو ملایا ہے)'' (الانوار الکاشفة للشیخ عبدالرحمٰن المعلمی الیمانی: ۲۸۱، ط عالم الکتب)

باقی مروان نے حدیث سے ہٹ کر جو کچھ غلط باتیں پھیلائیں (جیسا کہ حضرت علی، اہلِ بیت اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے خلاف اتہامات) اس پر کسی محدث نے اعتبار نہیں کیا اور اس کی ایسی باتوں کو کسی نے قطعاً قابلِ اعتناء نہیں سمجھا۔ ہاں کچھ باتیں مروان کے کرتوت ظاہر کرنے کے لیے نقل کردی گئیں جن سے ظاہر ہوگیا کہ مروان صحابہ کرام کے بارے میں کیسا بے ادب تھا۔

الغرض نہ تو مروان کی روایات سے بدک کر کتبِ حدیث سے بداعتماد ہوجانا درست ہے اور نہ ہی اُس کی روایات کو کتبِ حدیث میں منقول دیکھ کر اُسے ثقہ اور نیک سیرت سمجھ لینا اور اُس کی برائیوں کی صحیح روایات کو (جن کی بناء پر ائمہ جرح وتعدیل نے اس پر جرح کی ہے) جھٹلا دینا انصاف کی بات ہے۔ یہاں

منکرینِ حدیث اور مروان کے مداح دونوں افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ جمہور اہلِ سنت والجماعت بحمد اللہ راہِ اعتدال پر ہیں۔

فصلِ سوئم

روایتِ مروان پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا تبصرہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''مقدمہ فتح الباری'' میں امام بخاری رحمہ اللہ کے مروان سے مرویات لینے کی کچھ وجوہ بیان کی ہیں۔ فرماتے ہیں:

''مَرْوَان بن الحكم بن أبي الْعَاصِ بن أُمَيَّة بن عَم عُثْمَان بن عَفَّان، يُقَال لَهُ رُؤْيَة، فَإِن ثبتَتْ فَلَا يعرج على من تكلم فِيهِ وَقَالَ عُرْوَة بن الزبير كَانَ مَرْوَان لَا يتهم فِي الْحَدِيث وَقد روى عَنهُ سهل بن سعد السَّاعِدِيّ الصَّحَابِيّ اعْتِمَادًا على صدقه وَإِنَّمَا نقموا عَلَيْهِ أَنه رمى طَلْحَة يَوْم الْجمل بِسَهْم فَقتله ثمَّ شهر السَّيْف فِي طلب الْخلَافَة حَتَّى جرى مَا جرى فَأَما قتل طَلْحَة فَكَانَ متأولا فِيهِ كَمَا قَرَّرَهُ الْإِسْمَاعِيلِيّ وَغَيره، وَأما مَا بعد ذَلِك فَإِنَّمَا حمل عَنهُ سهل بن سعد وَعُرْوَة وَعلي بن الْحُسَيْن وَأَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ وَهَؤُلَاءِ أخرج الْبُخَارِيّ أَحَادِيثهم عَنهُ فِي صَحِيحه لما كَانَ أَمِيرا عِنْدهم بِالْمَدِينَةِ قبل أَن يَبْدُو مِنْهُ فِي الْخلاف على ابن الزبير مَا بدا، وَالله أعلم، وقد اعتمد مَالك على حَدِيثه ورأيه وَالْبَاقُونَ سوى مُسلم''

(مروان بن حکم بن ابی العاص بن امیہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا چچا زاد بھائی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اسے نبی ﷺ کی رؤیت حاصل ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے تو پھر اس پر کلام کرنے والے کی بات پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ عروہ بن زبیر نے کہا ہے کہ مروان حدیث بیان کرنے میں مشکوک نہیں۔ صحابی حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ نے اس کی سچائی پر اعتماد کرتے ہوئے اس سے روایت لی ہے۔

لوگوں نے مروان پر جس وجہ سے ناراضگی کا اظہار کیا وہ یہ تھی کہ اس نے جنگِ

جمل کے دن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو تیر مار کر شہید کر دیا تھا، اور پھر خلافت کی طلب میں تلوار سونت لی تھی یہاں تک کہ جو کچھ ہوا وہ ہوا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قتل کے معاملے میں وہ تاویل کرنے والا تھا جیسا کہ امام اسماعیلی اور دیگر نے اسے ثابت کیا ہے۔

رہا اس کے بعد کا معاملہ، تو اس سے سہل بن سعد، عروہ، علی بن حسین یعنی امام زین العابدین اور ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث نے روایات لی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ان حضرات سے مروان کی اس وقت کی روایات تخریج کی ہیں جب وہ مدینہ میں ان کا امیر تھا اور یہ اس سے پہلے کی بات ہے جب اس سے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں وہ افعال ظاہر ہوئے جو ہوئے۔ واللہ اعلم۔ امام مالک رحمہ اللہ نے بھی مروان کی حدیث اور رائے پر اعتماد کیا ہے، اور امام مسلم رحمہ اللہ کے علاوہ باقی اصحاب سنن نے بھی اس سے روایات لی ہیں) (فتح الباری:۱/ ۴۴۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام پر تبصرہ:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ یہاں اس اشکال کا جواب دے رہے ہیں کہ جب مروان کا ماضی قابلِ اعتراض تھا تو صحیح بخاری اور دیگر کتبِ حدیث میں اس سے روایت کیسے لے لی گئی؟

☆ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا ایک جواب یہ دیا ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک اسے رؤیت نصیب ہوئی تھی، پس ایسے لوگ اسے صحابی تصور کر کے اس کی روایت لیتے ہوں گے۔ اگر شرفِ صحابیت ثابت ہو جائے تو پھر کسی کی عدالت میں کلام کی گنجائش نہیں رہتی، قطعِ نظر اس کے کہ اس کا حال کیسا تھا۔

مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس رائے کو صیغۂ تمریض ''یقال'' کے صیغے سے نقل کیا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ ''قیل یقال'' جیسے صیغے جن میں قائل کا کچھ اتا پتا نہیں چل سکتا، اس قول کے ضعیف اور بے سند ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ پس حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے مطابق بھی یہ ایک بے سند بات ہی ہے۔

اسی لیے انہوں نے اس کے بعد ''اِن ثبتت'' (اگر ثابت ہوجائے) کہا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ نویں صدی ہجری تک تو مروان کی صحبت ثابت نہیں تھی۔ صرف ''قیل یقال'' چل رہا تھا یعنی ناصبیوں وغیرہ کا دعویٰ تھا۔

پس جب ایک بات نویں صدی ہجری تک ثابت نہیں ہوئی تو اس کے بعد بھلا اس کے ثابت ہونے کا کیا امکان ہے؟ سوائے اس کے کوئی کھینچ تان کے زبردستی مروان کو صحابیت کے رُتبے پر فائز کرنے کے درپے ہو۔

☆ دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ مروان کا ماضی جیسا بھی ہو، مگر عروہ بن زبیر رحمہ اللہ جیسے امام المحدثین اسے روایت کے معاملے میں قابلِ اعتماد سمجھتے تھے اسی لیے محدثین نے ان کی توثیق پر اعتبار کر کے مروان سے روایت لے لی۔

(اس بارے میں پیچھے عرض کیا جاچکا ہے کہ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کی توثیق مطلق نہیں تھی بلکہ ایک خاص واقعے سے متعلق تھی۔ اس لیے یہاں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو وہم ہوگیا ہے)

☆ تیسرے جواب کی طرف یوں اشارہ کیا ہے کہ مروان ایک دور میں مدینہ کا امیر تھا اور امراء کو قاضی کی حیثیت بھی حاصل ہوتی تھی، لہٰذا اس دور میں اس کے جن فیصلوں پر علمائے مدینہ نے اعتراض نہیں کیا، انہیں علماء کی تائیدِ قولی یا تائید تقریری (خاموش تائید) کے باعث اہلِ مدینہ کے تعامل کی حیثیت حاصل ہوگئی، اس لیے محدثین نے ان کو فتاویٰ کی حیثیت سے نقل کر دیا۔

☆ ساتھ ہی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ مروان سے یہ روایات جس زمانے میں لی گئیں تب تک اس نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف غاصبانہ لڑائی شروع نہیں کی تھی۔ بعد میں اس نے جو غلط کام کیے ان کی وجہ سے اس سے لی گئی سابقہ روایات پر اثر نہیں پڑے گا۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کسی ثقہ محدث کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہوجائے تو اس کے بعد اس کی روایات مشکوک ہوجاتی ہیں مگر اس سے پہلے اس سے جو روایات منقول ہوئیں ان کو بہرحال معتبر مانا جاتا ہے۔

راقم پیچھے عرض کر چکا ہے کہ یہ تاویل مضبوط نہیں کیوں کہ مروان اس سے بہت پہلے ۳۶ھ میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر چکا تھا اور یہ اس کا سنگین ترین جرم تھا۔ اس کی جگہ یہ کہنا قوی ہوتا کہ مروان سے بعض مرویات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں لی گئی تھیں جب اس کا بُرا کردار سامنے نہیں آیا تھا۔

☆ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ مروان کو بعض جرائم میں بعض علماء نے تاویل کا فائدہ دیا ہے، اس لیے اس سے روایت لے لی۔

یہ تاویل بھی قوی نہیں کیوں کہ اگر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قتل کے مجرم کو تاویل کا فائدہ دیا جائے تو پھر ممکن ہے کہ کوئی سر پھرا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو بھی تاویل کا فائدہ دینے پر نہ تُل جائے۔ چنانچہ علامہ اَمیر صنعانی رحمہ اللہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

و اَما اِعتذارہ بانہ قتل طلحۃ متاوّلاً فعذر لا یبقی معہ معصیۃ لعاص و یدعی لہ التاویل

''اور رہا اُن کا یہ عذر پیش کرنا کہ مروان نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو تاویل کی بناء پر قتل کیا تھا، تو یہ ایسا عذر ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی گناہ گار کے ذمے کوئی گناہ نہ رہ سکے گا بلکہ اُس کے گناہ کی کوئی تاویل کر لی جائے گی۔''

(ثمرات النظر: ا ص ۱۱۳، ط دار العاصمۃ)

☆ آخر میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ مروان کی توثیق متفق علیہ نہیں بلکہ امام مسلم رحمہ اللہ جیسے حضرات اسے ثقہ نہیں مانتے اور اس سے روایت نہیں لیتے۔ امام مسلم رحمہ اللہ کی احتیاط کی وجہ مروان کے ''افاعیل'' ہی ہو سکتے ہیں۔

یہی وجہ امام ابن حبان رحمہ اللہ کی اس رائے کی ہے کہ مروان کی روایت قابلِ استدلال نہیں۔

(اوجز المسالک، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا المہاجر المدنی: ۱/ ۴۸۳، ط دار القلم دمشق)

آٹھواں باب
مروان کی فقاہت

فصل اوّل:

مروان کی فقاہت اور تعاملِ اہلِ مدینہ

مروان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کی صحبت کے باعث فقہِ اسلامی سے خاصی واقفیت تھی۔ وہ مدینہ میں کئی برس تک اُمیر رہا تھا۔ اس دور میں اُمیر علاقے کا قاضی بھی ہوا کرتا تھا لہٰذا مروان نے اس زمانے میں بہت سے فیصلے صحابہ کے ساتھ مشاورت کر کے دیے۔ ابن سعد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

كَانَ مَرْوَانُ فِي وِلَايَتِهِ عَلَى الْمَدِينَةِ يَجْمَعُ أَصْحَابَ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَسْتَشِيرُهُمْ وَيَعْمَلُ بِمَا يَجْمِعُونَ لَهُ عَلَيْهِ۔

(مروان مدینہ میں اپنی حکومت کے دوران اصحابِ رسول ﷺ کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتا تھا اور اس پر عمل کرتا تھا جس پر وہ متفق ہوتے تھے)

(طبقات ابن سعد: ۵ ص ۴۳)

مطلب ظاہر ہے کہ اس بارے میں اصل فقہاء صحابہ کرام تھے۔ مروان کا کام ان کے اجماعی فیصلے کو بطور حاکم نافذ کرنا تھا۔

نیز حاکم ہونے کے باعث سرکاری ریکارڈ میں موجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عدالتی فیصلے اُس کی تحویل میں تھے اور اکثر وہ ان پر عمل کرتا تھا۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

يُقَالُ: إِنَّهُ كَانَ عِنْدَ مَرْوَانَ قَضَاءُ، وَكَانَ يَتَّبِعُ قَضَاءَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔

(کہا جاتا ہے کہ مروان کے پاس قضاء کا ریکارڈ تھا اور وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عدالتی فیصلوں کی پیروی کرتا تھا) (البدایۃ والنہایۃ: ۱۱ ص ۷۰۸، ط ہجر)

اسی بناء پر اُس کے کئی فقہی فیصلوں کو بعض فقہاء اور محدثین خصوصاً امام مالک رحمہ اللہ نے نقل کیا۔ دراصل امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک شرعی اَحکام کے دلائل

میں ''تعاملِ اہلِ مدینہ'' کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ چنانچہ اسی لیے انہوں نے اس قسم کے فیصلوں کو جن میں مروان کے دور کے فیصلے بھی تھے اہلِ مدینہ کے تعامل اور فقہی نظائر کے طور پر نقل کیا ہے۔ چونکہ مروان کے متعدد فیصلوں کو مدنی صحابہ کی تائیدِ قولی یا تائیدِ سکوتی حاصل تھی لہٰذا اُنہیں صحابہ کی تائید کے باعث ایک دلیل کی حیثیت دی گئی۔ مثلاً یہ روایت دیکھئے:

عن الزهرِی أتی مروان بقوم یختفون القبور فضربهم ونفاهم والصحابة متوافرون، وفِی رِوایة ان ذلکِ کان فِی زمن معاوِیة وکان مروان علی المدِینة فسئل من بِحضرتِهِ من الصحابة والفقهاء فاجمع رأیهم علی أن یضرَب ویُطاف بِهِ۔

(زہری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ مروان کے پاس کچھ کفن چور لوگ لائے گئے، مروان نے ان کی پٹائی کرا کے انہیں شہر بدر کر دیا۔ اس وقت صحابہ بکثرت تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے کی بات ہے اور مروان مدینہ کا حاکم تھا، پس یہ مسئلہ ان صحابہ اور فقہاء سے پوچھا گیا جو مروان کے پاس موجود تھے۔ پس سب کی متفقہ رائے یہ ہوئی کہ ان کفن چوروں کو مارا جائے اور انہیں گشت کرایا جائے)

(نصب الرأیۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ: ۳ص ۳۶۷؛ الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ: ۲ص ۱۱۰)

چنانچہ ایسے متعدد فیصلوں کو فقہائے مدینہ کا مذہب تصور کیا گیا اور امام مالک رحمہ اللہ سمیت کئی فقہاء نے مدینہ میں مروان کے دورِ امارت میں ہونے والے کئی فقہی فیصلوں کو ''مذہبِ علمائے مدینہ'' کے طور پر اپنی کتب میں پیش کیا۔ پس یہاں اصلاً مروان کی نہیں، مدنی صحابہ کرام کی اقتداء کی گئی ہے۔

اس لیے مؤطا مالک وغیرہ میں منقول مروان کے فیصلوں کو اس کی فقاہت کی دلیل تو بنایا جا سکتا ہے، مگر اس سے یہ بھلا کیسے ثابت ہو سکتا ہے مروان جرائم سے بھی پاک تھا۔ علمِ فقہ میں مہارت ہونا الگ چیز ہے اور صلاح وتقویٰ الگ چیز۔ آج بھی دنیا میں ایسے بہت سے اسلامی اسکالرز ہیں جو تفسیر، فقہ، اور حدیث وغیرہ پر شاندار مقالات

اور کتب تحریر کر کے دُنیا بھر سے داد پا رہے ہیں مگر اسلام پر عمل کے لحاظ سے ان کی کو دیکھا جائے تو بہت فرق دکھائی دے گا۔انہیں فقہ اور حدیث کا ماہر تو کہا جائے گا مگر نیک وصالح نہیں۔علم کے کمال سے عملی عیوب کالعدم نہیں ہو جائیں گے۔

☆☆☆

فصل دوئم:

مؤطا مالک میں روایاتِ مروان پر ایک نظر

بعض حضرات مؤطا میں مروان کی روایات کو دیکھ کر مرعوب ہو جاتے ہیں اور تصور کرنے لگتے ہیں کہ وہ اُمت کا کوئی بہت بڑا فقیہ تھا۔رہی سہی کسر مروان کے جدید وکلائے صفائی نے پوری کر دی ہے جو بخاری یا مؤطا میں مروان کی روایات دکھا دکھا کر لوگوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ مروان ایک فرشتہ صفت انسان تھا اور اگر اُسے بُرا سمجھ لیا گیا تو ذخیرۂ حدیث بے اعتبار ہو جائے گا۔اگرچہ ہم اس فریب کا اصولی جواب اس سے پہلے خاصی تفصیل سے دے چکے ہیں، تاہم مناسب ہوگا کہ ہم مؤطا مالک کی اُن روایات پر ایک نگاہ ڈال لیں جو مروان سے لی گئی ہیں یا جن میں مروان کا ذکر آیا ہے۔ساتھ ہی یہ بھی دیکھ لیں کہ آیا واقعی ان روایات سے مروان کی فقاہت، ثقاہت، عدالت یا معصومیت میں سے کوئی چیز ثابت ہو سکتی ہے؟

ملحوظات:(۱) یہ بحث فقط حدیث وفقہ پڑھنے پڑھانے والے علماء وطلبہ کے لیے لکھی گئی ہے، اس لیے تبصرے میں اختصار اور اجمال سے کام لیا گیا ہے۔(۲) ہمارے سامنے مؤطا مالک کا وہ نسخہ ہے جو مولانا محمد مصطفی اعظمی کا تحقیق شدہ اور موسسۃ شیخ زاید بن سلطان ابوظہبی کا مطبوعہ ہے۔حوالہ جات کی مراجعت میں اس کا خیال رکھیں۔

مؤطا میں مروان سے مروی واحد حدیث مرفوع، حدیث بُسرہؓ

مؤطا امام مالک کو پوری طرح چھاننے سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ اگرچہ مؤطا میں مروان کا ذکر تو کئی جگہ ہے مگر پوری مؤطا میں مروان سے فقط ایک مرفوع حدیث (حدیثِ بُسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا) منقول ہے۔

حدیثِ بُسرَہ رضی اللہ عنہا کا متن درج ذیل ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بن محمد بن عمرو بن حزم، أَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ بن الزبير، يَقُولُ: دَخَلْتُ عَلَى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ فَتَذَاكَرْنَا مَا يَكُونُ مِنْهُ الْوُضُوءُ، فَقَالَ مَرْوَانُ: وَمِنْ مَسِّ الذَّكَرِ الْوُضوء؟ قَالَ عُرْوَةُ: مَا عَلِمْتُ بِهٰذا، فَقَالَ مَرْوَانُ بن الحكم: أَخْبَرَتْنِي بُسْرَةُ بِنْتُ صَفْوَانَ، أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: إِذَا مَسَّ أَحَدُكُمْ ذَكَرَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ۔

(عبداللہ بن ابی بکر نے عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کو کہتے سنا: میں مروان کے پاس گیا تو ہم نے ان چیزوں کا ذکر کیا جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ مروان نے کہا: اور شرمگاہ کو چھونے سے بھی وضو واجب ہو جاتا ہے؟ عروہ نے کہا: مجھے اس کا علم نہیں تھا۔ تب مروان نے کہا: مجھے بُسرَہ بنتِ صفوان رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: جب کوئی شخص اپنی شرمگاہ کو چھولے، تو اسے چاہیے کہ وہ دوبارہ وضو کرے) (امام مالک بروایۃ یحییٰ، ح: ۱۲۷، حدیث بُسرۃ بنت صفوان۔ مسِ ذکر)

یہاں سند میں بظاہر مروان ہے مگر دیگر روایات ثابت کرتی ہیں کہ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے مروان پر یقین نہیں کیا بلکہ بُسرَہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا سے جا کر تصدیق کی تب اس روایت کو قبول کیا۔ (اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے)

مؤطا مالک میں مروان کی سند سے فقط ایک اثرِ صحابی ہے:

پوری مؤطا مالک میں مروان سے فقط ایک اثرِ صحابی (قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ) منقول ہے جو مؤطا بروایت مصعب الزہری اور بروایت امام محمد میں ہے، بروایت یحییٰ میں نہیں۔

مؤطا کے وہ سترہ مقامات جہاں مروان کا ذکر مختلف مناسبتوں سے ہے مگر وہ سند میں نہیں:

ایک مرفوع حدیث (حدیث بُسرہ رضی اللہ عنہا) اور ایک اثرِ صحابی (قول

عمر رضی اللہ عنہ) کو چھوڑ کر پوری موطا میں سترہ روایات ایسی ہیں جہاں متن میں مروان کا ذکر مختلف مناسبتوں سے ہے مگر وہ سند میں کہیں موجود نہیں۔

☆ان سترہ میں سے پانچ مقامات پر مروان کے ایسے فیصلے منقول ہیں جن کے عقل کے مطابق ہونے کے باعث امام مالک رحمہ اللہ نے ان کی تائید کی ہے۔

☆دو مقامات ایسے ہیں جہاں مروان کے فیصلے کو صحابہ کرام کے فتاویٰ کے مطابق ہونے کے باعث قبول کیا گیا اور اسی بناء پر امام مالک رحمہ اللہ نے ان کی تائید کی ہے

☆ بقیہ دس مقامات میں مروان سے نہ حدیث یا اثر منقول ہے، نہ وہ راوی ہے، نہ اس کے فیصلے کی تائید ہے۔

پانچ مقامات: جہاں مروان کا فیصلہ مطابق عقل ہونے پر قبول کیا گیا

پہلے ہم ان پانچ مقامات یعنی ان پانچ روایات کو پیش کرتے ہیں جہاں مروان بن حکم نے کسی مقدمے یا مسئلے میں اپنا فیصلہ دیا اور اس میں کسی حدیث سے استدلال نہیں کیا بلکہ عقلی طور پر فیصلہ کیا اور علمائے مدینہ نے اس فیصلے کے مطابق بعقل ہونے کے باعث اسے قبول کیا اور اسی تعاملِ اہلِ مدینہ کے سبب امام مالک رحمہ اللہ نے اسے نقل کیا۔

(۱) روایتِ طلاق البتہ:

مالکٌ، عنِ ابنِ شِهاب ان مروان بن الحكمِ، كان يقضِي فِي الذِى يطلِق امرأته البتة، أنها ثلاث تطلِيقات قال مالكٌ: وهذا احب ما سمِعتُ اِلىَ فِي ذلكَ.

(امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب زہری سے روایت کی ہے کہ: مروان بن حکم اس شخص کے بارے میں جو اپنی بیوی کو البتہ یعنی قطعی یا آخری فیصلہ کن طلاق دے دے، یہ فیصلہ کیا کرتا تھا کہ یہ تین طلاقیں شمار ہوں گی۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس مسئلے میں جو کچھ میں نے سنا، ان میں یہ فیصلہ مجھے سب سے زیادہ پسند ہے)

(موطا امام مالک بروایۃ یحییٰ، ح: ۲۰۴۰، ماجاء فی البتۃ۔)

وضاحت: یہاں امام مالک رحمہ اللہ نے مروان کے بطور قاضی مدینہ ایک فیصلے کو پسند کیا ہے کہ "طلاق البتہ" طلاق ثلاثہ کی طرح ہے۔ مروان نے لغوی، عرفی اور عقلی استدلال کیا اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بھی لغت، عرف اور عقل کے لحاظ سے یہی درست تھا۔ لغوی اور عرفی استدلال کسی بھی عقل مند آدمی یا ماہر عربیت کا مضبوط ہوسکتا ہے اور اسے تائیدی بیانیے میں نقل کیا جاسکتا ہے۔ اس سے کسی کی ثقاہت یا عصمت و پرہیزگاری ثابت نہیں ہوجاتی۔

(۲) روایت اختیار طلاق:

مالکٌ، عن عبدِ الرحمٰنِ بنِ القاسِمِ، عن ابیہِ ان رجلا مِن ثقیف، ملک امرأته أمرها.فقالت: انت الطلاق، فسکت.ثم قالت: انت الطلاق.فقال: بِفِیکِ الحجر.ثم قالت: انت الطلاق.فقال: بِفِیکِ الحجر. فاختصما الی مروان بنِ الحکمِ، فاستحلفه ما ملکها اِلا واحِد، وردها اِلیه.قال مالکٌ: قال عبد الرحمٰنِ: فکان القاسِم، یعجِبه هذا القضاء، ویرَاه احسن ما سمِع فِی ذلکِ.قال مالکٌ: وهذا احسن ما سمِعت فِی ذلکِ، واحبه اِلیّ.

(امام مالک رحمہ اللہ نے عبدالرحمن بن قاسم رحمہ اللہ سے، انہوں نے اپنے والد قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ: قبیلہ ثقیف کے ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار دے دیا۔ اس عورت نے کہا: تمہیں طلاق ہے۔ وہ شخص خاموش رہا۔ پھر عورت نے دوسری بار کہا: تمہیں طلاق ہے۔ اس شخص نے کہا: تیرے منہ میں پتھر۔ یعنی خاموش ہوجا۔ پھر عورت نے تیسری بار کہا: تمہیں طلاق ہے۔ اس شخص نے پھر کہا: تیرے منہ میں پتھر۔ پھر یہ دونوں اپنا جھگڑا مروان بن حکم کے پاس لے گئے۔ مروان نے اس شخص سے قسم لی کہ اس نے عورت کو صرف ایک ہی طلاق کا اختیار دیا تھا، اور قسم لینے کے بعد عورت کو واپس اس کے شوہر کے پاس بھیج دیا یعنی اسے طلاق واحد قرار دیا۔ امام مالک کہتے ہیں کہ عبدالرحمن نے بتایا: میرے والد قاسم بن محمد کو یہ فیصلہ بہت پسند تھا اور وہ اسے اس مسئلے میں سنی گئی تمام باتوں میں

سب سے بہتر خیال کرتے تھے۔امام مالک فرماتے ہیں: اس بارے میں جو کچھ میں نے سنا، یہ فیصلہ ان میں سب سے بہتر اور مجھے سب سے زیادہ پسند ہے)

(موطاامام مالک بروایۃ یحییٰ، ح:۲۰۳۷۔ماجب فی تطلیقۃ واحدۃ من التملیک)

وضاحت: یہاں طلاق کی تملیک اوراس بارے میں زوجین کے جھگڑے کاایک واقعہ اورمروان کافیصلہ مذکور ہے جسے امام مالک رحمہ اللہ نے پسند کیا ہے۔ یہاں مروان سے کسی حدیث کاحوالہ مروی نہیں۔ مروان نے لغوی اور عقلی استدلال کیا اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بھی لغۃً اور عقلاً یہی درست تھا۔لغوی ،عرفی اور عقلی استدلال کسی ماہرِ لسان اور ذہین آدمی کا درست ہوسکتا ہے اور کسی فقیہ کو اس کا استدلال وزنی لگ سکتا ہے۔ اس بات کا کسی کی عدالت، ثقاہت، عظمت یابزرگی سے نفیاً یااثباتاً کوئی تعلق نہیں۔

(۳)ایلاء میں رجوع کی مدت کی روایت:

مالکٌ انه بلغه ان مروان بن الحکمِ کان یقضِی فِی الرجلِ اِذا آلیٰ مِن امرأتِهِ: انها اِذا مضتِ الاربعة الاشهرِ، فهِی تطلِیقة، وله علیها الرجعة. ما دامت فِی عِدتِها. قال مالکٌ: وعلیٰ ذلکِ کان رأی ابنِ شِهاب.

(امام مالکؒ کو یہ بات پہنچی کہ مروان بن حکم اس شخص کے بارے میں یہ فیصلہ کیا کرتا تھا جو اپنی بیوی سے ایلاء کی قسم کھا کر تعلق ترک کرلے: کہ جب ایلاء کی مدت یعنی چار ماہ گزر جائیں تو وہ ایک طلاق رجعی شمار ہوگی، اور جب تک وہ عورت اپنی عدت میں ہے، شوہر کو اس سے رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ابن شہاب زہریؒ کی بھی یہی رائے تھی) (موطاامام مالک بروایۃ یحییٰ، ح:۲۰۴۸۔الایلاء)

وضاحت: یہاں بھی مروان نے ایلاء کے مسئلے میں ایک عقلی فیصلہ کیا ہے ، جسے امام مالکؒ نے پسند کیا ہے اور اس کے مطابق ابنِ شہاب زہریؒ کا فتویٰ پیش کیا ہے۔ یہاں مدار ابن شہاب زہریؒ کے فتوی پر ہے۔ یا یوں کہیے کہ مروان کا فیصلہ عقلی بنیاد کے علاوہ ابن شہاب زہریؒ کی متابعت کے باعث بھی قبول کرلیا گیا۔

(۴) مکاتب سے معاملہ درست کرانے والی روایت:

مالکٍ انه سمِع ربِيع بن ابِی عبدِ الرحمنِ وغيره، يذكرون ان مكاتبا كان لِلفرافِصةِ بنِ عمير الحنفِي، وانه عرض عليهِ ان يدفع اليهِ جمِيع ما عليهِ مِن كتابتِهِ ،فابىٰ الفرافِصة، فاتى المكاتب مروان بن الحكمِ.وهو امِير المدِينةِ، فذكر ذلكٍ له، فدعا مروان الفرافِصة،فقال له ذلك، فابىٰ.،فامر مروان بِذلكٍ المالِ اَن يقبض مِن المكاتبِ، فوضِع فِی بيتِ المالِ. وقال لِلمكاتبِ: اذهب فقد عتقت. فلما رأىٰ ذلكٍ الفرافِصة، قبض المال.

(امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمن اور دیگر حضرات کو یہ ذکر کرتے ہوئے سنا کہ: فرافصہ بن عمیر حنفی کا ایک غلام تھا جس کے ساتھ رقم کے بدلے آزادی کا معاہدہ کیا گیا تھا، اس غلام نے فرافصہ کو یہ پیشکش کی کہ وہ اپنی کتابت کی تمام رقم اکٹھی اسے ادا کردے گا، لیکن فرافصہ نے رقم لینے سے انکار کر دیا۔ تب وہ غلام مروان بن حکم کے پاس آیا، جو اس وقت مدینہ کا امیر تھا۔ غلام نے مروان سے یہ سارا قصہ بیان کیا، جس پر مروان نے فرافصہ کو بلایا اور اسے رقم لینے کا کہا، مگر اس نے پھر انکار کر دیا۔ تب مروان نے حکم دیا کہ وہ مال مکاتب غلام سے وصول کر لیا جائے، چنانچہ وہ رقم لے کر بیت المال میں جمع کر دی گئی۔ مروان نے غلام سے کہا: جاؤ، تم اب آزاد ہو۔ جب فرافصہ نے یہ صورتحال دیکھی کہ تو وہ رقم بیت المال سے وصول کر لی) (موطا امام مالک بروایۃ یحییٰ، ح:۲۹۶۲۔ عتق المکاتب)

وضاحت: یہاں بھی امام مالک رحمہ اللہ نے مروان کے بطور قاضی وحاکم مدینہ مکاتب کی آزادی کے ایک فیصلے کو پسند کیا ہے۔ یہاں عرفی اور عقلی استدلال ہے جو کسی فاسق وفاجر جج یا کسی فلسفی کا بھی مضبوط ہو سکتا ہے اور کسی فقیہ کو وہ پسند آسکتا ہے۔

(۵) روایتِ قصاصِ جراح:

مالکٍ انه بلغه ان مروان بن الحكمِ كان يقضِی فِی العبدِ يصاب بِالجِراحِ ان علىٰ مَن جرحه قدر ما نقص مِن ثمنِ العبدِ.

(امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہیں یہ بات پہنچی کہ مروان بن حکم اس غلام کے بارے میں یہ فیصلہ کیا کرتا تھا جسے زخم لگ جائے: کہ جس شخص نے اسے زخمی کیا ہے، اس پر اتنی رقم کا جرمانہ لازم ہوگی جتنی اس غلام کی قیمت میں کمی واقع ہوئی ہے) (مؤطا امام مالک بروایۃ یحییٰ، ح:۳۲۰۸۔ دیۃ جراح العبد)

وضاحت: یہاں امام مالک رحمہ اللہ نے مروان کے بطور قاضی وحاکمِ مدینہ ایک غلام کو زخمی کرنے کے جرم پر دیے گئے فیصلے کو پسند کیا ہے۔ یہاں بھی عقلی استدلال ہے جو دُنیوی حاکم سے منقول ہوسکتا ہے اور کوئی فقیہ عقلی طور پر اسے اپنا سکتا ہے۔

تنبیہ: مکرر عرض ہے کہ:

(الف) ان پانچوں میں مقامات میں سے کہیں بھی کوئی مرفوع حدیث مذکور نہیں

(ب) ان پانچوں مقامات پر مروان سلسلۂ سند میں نہیں، اس لیے یہ روایات مروان کی بطور راوی ثقاہت کی دلیل نہیں بن سکتیں۔

(ج) ان پانچوں مقامات میں کہیں تو فیصلے کو مطابق بہ عقل ہونے کی بنیاد پر قبول کیا گیا ہے اور کہیں صحابہ کے عدمِ اعتراض یا ابن شہاب زہری رحمہ اللہ جیسے تابعین کی تائید کے باعث قبول کیا گیا ہے۔

☆☆☆

وہ دو مقامات جہاں صحابہ کے فیصلے سے اتفاق کے باعث مروان کا فیصلہ قبول کیا گیا

(۱) مرض کے باعث سفرِ حج سے رُکنے کا حکم:

مالکٌ، عن یحییٰ بنِ سعِید، عن سلیمان بنِ یسار؛ عن معبد بن خزابۃ المخزومی، صرِع ببعضِ طرِیقِ مکۃ، وھو محرِم. فسئل علی المایِ الذی کان علیہِ، فوجد عبد اللہِ بن عمر وعبد اللہِ بن الزبیرِ ومروان بن الحکمِ. فذکر لھم الذی عرض لہ. فکلھم امرہ ان یتداوی بِما لا بُدلہ مِنہ ویفتدِی. فإذا صح اعتمر، فحل مِن إحرامہ، ثم علیہِ حج قابِل، ویھدِی ما استیسر مِن الھدیِ، قال مالکٌ: وعلیٰ ذلکِ الامر عِندنا فِی من أحصِر بِغیرِ عدو.

(امام مالک رحمہ اللہ نے یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے، انہوں نے سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ: معبد بن حزابہ مخزومی مکہ کے کسی راستے میں سواری سے گر پڑے جبکہ وہ احرام کی حالت میں تھے۔ وہ جس تالاب کے پاس پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے، وہیں اس بارے میں پوچھا۔ انہیں وہاں عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور مروان بن حکم ملے۔ معبد نے ان سے اپنی صورتحال کا ذکر کیا، تو ان سب نے انہیں یہی حکم دیا کہ: وہ جس علاج کے محتاج ہیں وہ کرلیں اور اس کے بدلے فدیہ دیں۔ پھر جب تندرست ہو جائیں تو پہلے عمرہ کریں اور اپنے احرام سے حلال ہو جائیں۔ اس کے بعد ان پر اگلے سال کا حج لازم ہوگا اور وہ ایک قربانی دیں جو میسر ہو۔ امام مالک فرماتے ہیں: ہمارے ہاں اس شخص کے بارے میں یہی حکم ہے جو دشمن کے علاوہ کسی اور وجہ سے رک جائے)

(مؤطا امام مالک بروایۃ یحییٰ، ح: حدیثِ معبد۔ باب من أحصر بغیر عدو۔ ح: ۱۳۲۸)

وضاحت: راوی بتاتا ہے کہ وہ حالتِ احرام میں بیماری کے سبب مزید سفر کے قابل نہ رہا تو اُس دوران اُسے عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور مروان مل گئے۔ اُس کے سوال پر تینوں نے متفقہ فتویٰ دیا کہ وہ اپنا علاج کرائے اور اگلے سال حج کرے اور ہدی قربان کرے۔ اس قول سے امام مالک رحمہ اللہ نے حجت پکڑی۔ یہاں اعتماد مروان پر نہیں بلکہ عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر ہے۔ چونکہ مروان کا فتویٰ ان کے مطابق تھا اور سوال و جواب کے وقت وہ بھی ان حضرات کے ساتھ تھا، اس لیے روایت میں راوی نے اس کا ذکر بھی کر دیا۔ یاد رہے کہ یہاں بھی سلسلۂ سند میں مروان موجود نہیں۔

(۲) ساحل پر آنے والے مردہ سمندری جانور کا حکم:

مالکٌ، عن ابی الزِنادِ، عن ابی سلمۃ بنِ عبدِ الرحمنِ؛ ان ناسا من اھلِ الجارِ، قدموا، فسئلوا مروان بن الحکمِ عما لفظ البحر، فقال: لیس بہ بأس. وقال: اذھبوا الی زید بنِ ثابت وابی ھریرۃ، فسئلوھما، ثم ائتونی،

فاخبرونی ماذا یقولانِ . فاتوهما، فسئلوهما، فقالا: لا بأس به. فأتوا مروان فاخبروه. فقال مروان: قد قلت لکم.

(امام مالک رحمہ اللہ نے ابو الزناد سے، انہوں نے ابو سلمہ بن عبد الرحمن سے روایت کی ہے کہ: الجار (بحرِ احمر کی ایک بندرگاہ) کے کچھ لوگ آئے اور انہوں نے مروان بن حکم سے اس مچھلی یا جانور کے بارے میں سوال کیا جسے سمندر ساحل پر پھینک دے۔ مروان نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں یعنی وہ حلال ہے۔ پھر مروان نے کہا: تم زید بن ثابت اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ اور ان سے بھی پوچھو، پھر میرے پاس آ کر مجھے بتانا کہ وہ دونوں کیا کہتے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ ان دونوں کے پاس گئے اور ان سے پوچھا، تو ان دونوں نے بھی یہی کہا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ پھر وہ لوگ مروان کے پاس آئے اور انہیں خبر دی، تو مروان نے کہا: میں نے بھی تم سے یہی کہا تھا)

(مؤطا امام مالک بروایۃ یحییٰ، ح: باب ما جاء فی صید البحر: ح: ۱۸۱۸)

وضاحت: یہاں راوی بتاتا ہے کہ کچھ لوگوں نے مروان سے ایک مسئلہ پوچھا۔ اس نے بتا کر حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے پوچھنے کا کہا۔ انہوں نے بھی یہی فتویٰ دیا۔ یہاں بھی اصل اعتماد صحابہ پر ہے نہ کہ مروان پر۔ مروان یہاں بھی سلسلۂ سند میں موجود نہیں۔

دس مقامات: جہاں مروان سائل ہے یا اس کا فیصلہ مسترد ہوا

اب رہے بقیہ دس مقامات تو ان سب میں بھی مروان سے کوئی مرفوع حدیث یا اثرِ صحابہ منقول ہے اور نہ ہی وہ سلسلۂ سند میں ہے۔ ہاں واقعے میں اس کا ذکر ضرور ہے۔ ان کی صورتحال ملاحظہ ہو:

(۱) ان میں سے چھ مقامات پر مروان کا صحابہ سے استفتاء اور اُن کا جواب مذکور ہے۔ مروان راوی ہے نہ مفتی۔

(۲): چار مقامات وہ ہیں جہاں مروان کے فیصلے کو صحابہ نے مسترد کیا اور امام مالک رحمہ اللہ نے صحابہ کے فیصلے کو لیا۔

مؤطا کے چھ مقامات جہاں مروان سائل ہے۔فتویٰ صحابہ کا ہے

(۱) احتلام سے روزہ ٹوٹنے کا حکم:

مالکٍ، عن سمی، مولی ابی بکرِ بنِ الحارثِ بنِ ھشام انہ سمع ابا بکرِ بن الحارثِ بنِ ھشام یقول: کنت انا وابی عِند مروان بنِ الحکمِ. وھو امِیر المدِینۃِ. فذکِر لہ ان ابا ھریرۃ یقول: من اصبح جنبا، فافطر ذلکِ الیوم. فقال مروان: اقسمت علیک یا عبد الرحمٰنِ. لتذھبن الی اُمَیِ المؤمِنِین عائِشۃ واُمِ سلمۃ، فلتسئلنہ ما عن ذلکِ. فذھب عبد الرحمٰنِ، وذھبت معہ. حتیٰ دخلنا علی عائِشۃ. فسلم علیھا، ثم قال: یا اُم المؤمِنِین، انا کنا عِند مروان بنِ الحکمِ. فذکِر لہ ان ابا ھریرۃ یقول: من اصبح جنبا فافطر ذلکِ الیوم. قالت عائِشۃ: لیس ما قال ابو ھریرۃ. یا عبد الرحمٰنِ. أترغب عما کان رسول اللہ ﷺ وسلم یصنع؟ قال عبد الرحمٰنِ: لا، واللہِ. قالت عائِشۃ: فاَشھد علیٰ رسولِ اللہِ ﷺ انہ کان یصبِح جنبا مِن جِماعٍ، غیرِ احتِلام، ثم یصوم ذلکِ الیوم. قال: ثم خرجنا، حتیٰ دخلنا علیٰ اُمِ سلمۃ. فسألھا عن ذلکِ. فقالت مِثل ما قالت عائِشۃ. قال: فخرجنا حتیٰ جِئنا مروان بن الحکمِ. فذکر لہ عبد الرحمٰنِ ما قالتا، فقال مروان: اقسمت علیک یا ابا محمد لترکبن دابتِی، فإنھا بِالبابِ. فلتذھبن اِلیٰ ابی ھریرۃ. فإنہ یارضِہِ بِالعقِیقِ، فلتخبِرنہ ذلکِ. فرِکب عبد الرحمٰنِ، ورکِبت معہ، حتیٰ اتینا ابا ھریرۃ. فتحدث معہ عبد الرحمٰنِ ساعۃ. ثم ذکر لہ ذلکِ. فقال لہ ابو ھریرۃ: لا عِلم لِی بِذلکِ، انما اخبرنِیہِ مخبِر۔

(امام مالک رحمہ اللہ نے ابوبکر بن حارث بن ہشام کے غلام کی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ابوبکر بن حارث بن ہشام کو یہ کہتے ہوئے سنا: میں اور میرے والد عبدالرحمن مروان بن حکم کے پاس تھے اور وہ اس وقت مدینہ کا امیر تھا۔ اسے بتایا گیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص روزے کی حالت میں صبح کے

وقت جنابت کی حالت میں ہو، اس کا اس دن کا روزہ نہیں ہوگا۔ مروان نے کہا: اے عبدالرحمن! میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تم امہات المؤمنین حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ اور ان سے اس بارے میں دریافت کرو۔ چنانچہ عبدالرحمن گئے اور میں بھی ان کے ساتھ گیا۔ یہاں تک کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عبدالرحمن نے انہیں سلام کیا اور عرض کی: اے ام المؤمنین! ہم مروان بن حکم کے پاس تھے، وہاں تذکرہ ہوا کہ ابو ہریرہ کہتے ہیں: جس نے جنابت کی حالت میں صبح کی، اس کا روزہ نہ ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے عبد الرحمن! ایسا نہیں ہے جیسا ابو ہریرہ کہتے ہیں۔ کیا تم اس عمل سے اعراض کرو گے جو رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے؟ عبدالرحمن نے عرض کی: خدا کی قسم، نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: پس میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ ﷺ احتلام کے بغیر صرف صحبت کی وجہ سے صبح کے وقت جنابت کی حالت میں ہوتے تھے، پھر بھی اس دن کا روزہ مکمل رکھتے تھے۔ راوی کہتے ہیں: پھر ہم نکلے یہاں تک کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے، ان سے بھی یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی وہی بات کہی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہی تھی۔ پھر ہم وہاں سے نکل کر مروان بن حکم کے پاس آئے۔ عبدالرحمن نے ان دونوں امہات المؤمنین کی بات اسے بتائی۔ مروان نے کہا: اے ابو محمد! میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تم میری سواری پر سوار ہو جو کہ دروازے پر کھڑی ہے اور ابو ہریرہ کے پاس جاؤ، وہ مقام عقیق میں اپنی زمین پر ہیں، اور انہیں یہ بات بتاؤ۔ چنانچہ عبدالرحمن سوار ہوئے اور میں بھی ان کے ساتھ سوار ہوا یہاں تک کہ ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے۔ عبدالرحمن نے ان سے کچھ دیر گفتگو کی پھر یہ بات ذکر کی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: مجھے اس تفصیل کا علم نہ تھا، مجھے تو یہ بات ایک بتانے والے نے بتائی تھی)

(موطا امام مالک بروایۃ یحییٰ، ح: ح: ۱۰۱۷، باب ماجاء فی الصیام الذی یصبح جنبا)

وضاحت: یہاں بھی سند میں مروان نہیں بلکہ راوی ابوبکر بن حارث بتاتے ہیں کہ ان کی موجودگی میں مروان کے سامنے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کیا گیا کہ جو حالتِ احتلام میں صبح اٹھے تو اُس کا روزہ نہ ہوگا۔ مروان نے اس قول پر یقین نہ کیا اور راوی کے والد حارث بن ہشام کو سیدہ عائشہ اور سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہما کے پاس بھیج کر مسئلے کی وضاحت مانگی تو ان کا جواب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول کے برعکس تھا۔ مروان نے یہ سن کر حارث بن ہشام کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ گھر بھیجا اور اُمہات المؤمنین کا فتویٰ بتایا۔ انہوں نے اپنی لاعلمی اور تسامح کا اعتراف کرلیا۔

اس میں نہ تو مروان سلسلۂ سند میں ہے، نہ یہاں اُس کا کوئی فتویٰ مذکور ہے۔ اس کا ذکر اس واقعے میں بایں طور ہے کہ اس نے مسئلے کی تحقیق کی کوشش کی جو قابلِ تحسین بات ہے۔ ہمیں اس سے انکار بھی نہیں کہ مروان ذاتی زندگی میں نماز، طہارت وغیرہ کا پابند تھا اور اسی لیے ایسے مسائل کی درستگی کی فکر کرتا ہوگا۔ جہاں تک سیاسی زندگی کا تعلق ہے، وہاں مروان کے اَطوار کچھ اور تھے جیسا کہ دُنیا دار سیاست دانوں کے ہاں اکثر یہی ہوتا ہے۔

(۲) اُچکے کی شرعی سزا کی روایت:

مالکٌ، عنِ ابنِ شِهاب ان مروان بن الحكمِ اتِی بانسان قد اختلس متاعا، فاراد قطع يدهٖ، فارسل اِلی زيدِ بنِ ثابت يسئله عن ذلكٍ، فقال زيد بن ثابت: ليس فِی الخلسِ قطع.

(امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ: مروان بن حکم کے پاس ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے کوئی سامان جھپٹ کر چھین لیا تھا۔ مروان نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا، تو پہلے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیج کر اس بارے میں دریافت کیا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جھپٹ کر چھیننے پر ہاتھ کاٹنا نہیں ہے)

(موطا امام مالک بروایۃ یحییٰ، ح:۳۱۰۶۔ مالا قطع فیہ)

وضاحت: یہاں مروان کی طرف سے ایک اُچکے کے ہاتھ کاٹنے کے ارادے اور پھر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے پوچھنے کا ذکر ہے جس پر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: اچکنے پر قطع ید کی حد لاگو نہیں ہوتی۔ مروان نے اس شخص کو چھوڑ دیا۔ یہاں استدلال مروان سے نہیں صحابی سے ہے۔ نیز مروان سلسلۂ سند میں بھی نہیں۔

(۳) روایت دیت ڈاڑھ:

مالکٌ عن داود بنِ الحصینِ، عن ابی غطفان بنِ طرِیف المرِي أنه اخبره: ان مروان بن الحکمِ بعثه اِلی عبدِ اللهِ بنِ عباس . یسئله ماذا فِی الضِرسِ؟فقال عبد اللهِ بن عباس: فِیهِ خَمس مِن الاِبلِ. قال: فردَنِی مروان الیٰ ابنِ عباس فقال: تجعل مقدم الفمِ مِثل الاضراسِ؟ فقال ابن عباس: لو لم تعتبر ذلکِ اِلا بالاصابِعِ، عقلها سواء.

"امام مالک رحمہ اللہ نے داؤد بن حصین سے اور انہوں نے ابو غطفان بن طریف المری سے روایت کی ہے کہ: مروان بن حکم نے انہیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس یہ پوچھنے کے لیے بھیجا کہ داڑھ کے توڑنے پر دیت میں کیا ہے؟ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس میں پانچ اونٹ ہیں۔ راوی کہتے ہیں: مروان نے مجھے دوبارہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور اعتراضاً کہلوایا: کیا آپ منہ کے اگلے دانتوں اور داڑھوں کو برابر قرار دیتے ہیں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اگر تم اس پر غور کرو تو انگلیوں کی مثال لے لو، ان سب کی دیت بھی برابر ہے۔ (یعنی جس طرح لمبائی چوڑائی میں فرق کے باوجود ہر انگلی کی دیت برابر ہے، ویسے ہی دانت اور داڑھ بھی برابر ہیں)" (مؤطا امام مالک بروایۃ یحییٰ، ح: ۳۲۰۳۔ عقل الاسنان)

وضاحت: یہاں مروان نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ڈاڑھ توڑنے کے قصاص کے بارے میں پوچھا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ اس پر مروان نے عقلی اعتراض کیا اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جوابی عقلی دلیل دی۔ امام مالک رحمہ اللہ نے مروان کے اعتراض کو اہمیت نہیں دی بلکہ صحابی

کے قول پر فتویٰ دیا ہے جس کے مطابق سامنے کے دانتوں اور ڈاڑھ کا قصاص یکساں ہوگا۔ مروان یہاں بھی سلسلۂ سند میں نہیں۔

(۴) پاگل قاتل کی سزا کی روایت:

مالک عن یحییٰ بنِ سعید ان مروان بن الحکمِ کتب اِلیٰ معاویۃ بنِ ابی سفیان، انہ اُتِی بمجنون قتل رجلا، فکتب اِلیہِ معاویۃ، انِ اعقلہ و لا تقد منہ، فانہ لیس علی مجنون قود.

(امام مالک رحمہ اللہ نے یحییٰ بن سعید سے روایت کی ہے کہ: مروان بن حکم نے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ ان کے پاس ایک ایسا مجنون لایا گیا ہے جس نے ایک شخص کو قتل کر دیا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے جواباً لکھا: تم اس کی دیت خون بہا وصول کرو اور اس سے قصاص نہ لو، کیونکہ مجنون پر قصاص نہیں ہے) (موطا امام مالک بروایۃ یحییٰ، ح:۳۱۴۶۔ دیۃ العمد وجنایۃ المجنون)

وضاحت: یہاں یحییٰ بن سعیدؒ ایک واقعہ بتا رہے ہیں کہ مروان نے ایک پاگل قاتل کے بارے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فتویٰ لیا تو انہوں نے بتایا کہ پاگل سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ مذکور ہے۔ مروان کا یہاں کوئی فتویٰ مذکور ہے نہ ہی وہ اس روایت کے سلسلہ سند میں ہے۔

(۵) نشے میں دُھت قاتل کی سزا کی روایت:

مالکِ انہ بلغہ ان مروان بن الحکمِ کتب اِلیٰ معاویۃ بن ابی سفیان یذکر انہ اُتِی بسکران قد قتل رجلا، فکتب اِلیہِ معاویۃ انِ اقتلہ بہ.

(امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہیں یہ بات پہنچی کہ مروان بن حکم نے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو خط لکھا، جس میں ذکر کیا کہ ان کے پاس ایک نشے میں دُھت شخص لایا گیا ہے جس نے ایک آدمی کو قتل کر دیا ہے۔ انہوں نے اسے جواباً لکھا: تم اس قاتل کو اس مقتول کے بدلے قتل کر دو)

(موطا امام مالک بروایۃ یحییٰ، ح:۳۲۵۵۔ القصاص فی القتل)

وضاحت: یہاں مروان کے سوال اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فتوے کا ذکر ہے کہ نشے کی حالت میں قتل کرنے والے پر قصاص ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فتوے کے طور پر نقل کیا ہے۔

(۶) برتن میں پھونک مارنے کی روایت:

مالک، عن ایوب بن حبیب، مولیٰ سعد بن ابی وقاص، عن ابی المثنی الجهنی انه قال: کنت عند مروان بن الحکم، فدخل علیه ابو سعید الخدری. فقال له مروان بن الحکم: أسمعت من رسول اللہ ﷺ انه نهی عن النفخ فی الشراب؟ فقال له ابو سعید: نعم. فقال له رجل: یا رسول اللہ، انی لا اروی من نفس واحد، فقال له رسول اللہ ﷺ: فابن القدح عن فیک ثم تنفس، قال: فانی اری القذاة فیه قال: فاهرقها۔

(امام مالک رحمہ اللہ نے ایوب بن حبیب مولی سعد بن ابی وقاص سے، انہوں نے ابوثنی جہنی سے روایت کی ہے کہ: میں مروان بن حکم کے پاس تھا کہ ان کے پاس حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ مروان بن حکم نے ان سے پوچھا: کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے مشروب میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے؟ ابوسعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں۔ تب ایک شخص نے جو وہاں موجود تھا، نبی ﷺ کا قصہ سناتے ہوئے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ میرا ایک سانس میں پیاس سے جی نہیں بھرتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: برتن کو اپنے منہ سے الگ کرلیا کرو، پھر سانس لیا کرو۔ اس نے پھر عرض کی: کبھی مجھے برتن میں تنکا یا کچرا نظر آ جاتا ہے، تو کیا اسے پھونک سے نکال دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے تھوڑا سا پانی بہا کر گرا دیا کرو) (موطا امام مالک بروایۃ یحییٰ، ح: ۳۴۲۱۔ النہی عن الشرب فی آنیۃ الفضۃ والنفخ)

وضاحت: یہاں اتنا مذکور ہے کہ مروان نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے پیالے میں پھونکیں مارنے کے بارے میں حدیث پوچھی۔ انہوں نے حدیث سنا دی۔ یہاں مروان کا کوئی فتویٰ مذکور ہے نہ وہ یہاں راوی ہے۔

وہ چار مقامات جہاں مروان کا فیصلہ صحابہ نے مسترد کیا

(۱) روایت دورانِ عدت تبدیلی جائے سکونت:

مالِک عن یحییٰ بنِ سعِید، عنِ القاسِمِ بنِ محمدٍ و سلیمان بنِ یسار انه سمِعهما یذکرانِ ان یحییٰ بن سعِیدِ بنِ العاصِی، طلق ابنة عبدِ الرحمنِ بنِ الحکمِ البتة، فانتقلها عبد الرحمنِ بن الحکمِ، فارسلت عائِشة أم المؤمِنِین إلیٰ مروان بنِ الحکمِ، وهو یومئذ امِیر المدِینة، فقالتِ: اتقِ الله، وارددِ المرأة إلیٰ بیتِها. فقال مروان فِی حدِیثِ سلیمان ان عبد الرحمنِ غلبنِی، وقال مروان فِی حدِیثِ القاسِمِ: و ما بلغ شأن فاطِمة بِنتِ قیس؟ فقالت عائِشة: لا یضرک ان لا تذکر حدِیث فاطِمة، فقال مروان: إن کان بکِ الشر، فحسبکِ ما بین هذینِ مِن الشرِ.

''امام مالک رحمہ اللہ نے یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے، انہوں نے قاسم بن محمد رحمہ اللہ اور سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ ان دونوں نے ذکر کیا: یحییٰ بن سعید بن العاص نے اپنی بیوی عبدالرحمن بن حکم کی بیٹی کو طلاقِ بتہ یعنی قطعی طلاق دے دی۔ اس پر عبدالرحمن بن حکم (لڑکی کا باپ جو مروان کا بھائی تھا) اسے اپنے گھر لے گیا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مروان بن حکم کے پاس پیغام بھیجا جو اس وقت مدینہ کا امیر تھا اور فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اس عورت کو (عدت گزارنے کے لیے) واپس اس کے شوہر کے گھر بھیجو۔ سلیمان کی روایت کے مطابق مروان نے کہا: عبدالرحمن مجھ پر غالب آ گیا ہے، (یعنی وہ میری بات نہیں مان رہا۔) جبکہ قاسم کی روایت کے مطابق مروان نے جواباً (یہ بھی) کہا: کیا آپ کو فاطمہ بنتِ قیس کا قصہ نہیں پہنچا؟ جنہیں نبی ﷺ نے طلاق کے بعد دوسرے گھر منتقل ہونے کی اجازت دی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تمہارے لیے یہ بہتر ہے کہ تم فاطمہ بنتِ قیس کی حدیث کا ذکر نہ کرو (کیونکہ وہ ایک خاص ضرورت کے تحت تھی) تب مروان نے کہا: اگر آپ کو تکلیف ہے تو آپ (کے سمجھنے) کے لیے

وہ تکلیف کافی ہے جو ان دونوں (میاں بیوی) کے درمیان رہی ہے۔(یعنی میاں بیوی کے جھگڑے کے باعث وہاں گنجائش تھی تو یہاں بھی گنجائش سمجھ لیں)''

مؤطا امام مالک بروایۃ یحییٰ، ح:۲۱۵۰۔عدۃ المرأۃ فی بیتھا:

وضاحت: یہاں بھی سند مروان سے خالی ہے۔متن میں بتایا گیا ہے مروان نے اپنے بھائی عبدالرحمن بن حکم کی مطلقہ کو عدت کے دوران شوہر کے گھر سے دوسری جگہ منتقل ہونے کی اجازت دی جس پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تنقید کی۔ مروان نے عذر بیان کیا کہ عبدالرحمن پر میرا بس نہیں چلتا۔ نیز اس نے اس فعل کے جواز میں فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے واقعے کا حوالہ دیا۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواباً اس واقعے کو شرعی دلیل نہ مانا۔فتویٰ ائمہ اربعہ کا یہاں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول پر ہے کہ معتدہ شوہر کا گھر چھوڑ کر نہیں جائے گی۔

ملحوظہ: روایت کے آخر میں مروان کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے ''إن کان بکِ الشر، فحسبکِ ما بین ھذینِ مِن الشرِ'' کہنا، معنوی طور پر چاہے ایک خاص مفہوم میں ہے، مگر الفاظ کی درشتی اور بے ادبی بالکل عیاں ہے۔ اگر مروان کو فقط علمی اختلاف کا اظہار کرنا تھا تو اُسے الفاظ کی کمی نہ تھی۔وہ اس مفہوم کو باادب انداز میں بھی ادا کر سکتا تھا۔کوئی سعادت مند بیٹا اپنی ماں سے ایسے تحکمانہ لہجے میں بات نہیں کر سکتا۔

(۲) روایتِ فروختِ صکوک:

مالکٌ انہ بلغہ ان صکوکا خرجت لِلناسِ فِی زمانِ مروان بنِ الحکمِ، مِن طعامِ الجارِ فتبایع الناس تِلک الصکوک بینھم، قبل ان یستوفوھا. فدخل زید بن ثابت، ورجل مِن اصحابِ رسولِ اللہِ ﷺ، علیٰ مروان بنِ الحکمِ. فقالا: أتحِل بیع الرِبا یا مروان؟فقال: اعوذ باللہِ، وما ذا؟فقالا: ھذِہِ الصکوک تبایعھا الناس، ثم باعوھا قبل ان یستوفوھا، فبعث مروان الحرس یتبعونھا، ینتزِعونھا مِن ایدِی الناسِ. ویردونھا اِلیٰ اھلِھا۔

(امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہیں یہ بات پہنچی کہ مروان بن حکم کے زمانے میں لوگوں کے لیے سرکاری غلے کے چیک جاری کیے گئے جو الجار یعنی ایک خاص علاقے کے غلے سے متعلق تھے۔ لوگوں نے ان چیکوں پر قبضہ کرنے سے پہلے ہی آپس میں ان کی خرید وفروخت شروع کر دی۔ تب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ کے ایک اور صحابی، مروان بن حکم کے پاس آئے اور پوچھا: اے مروان! کیا تم سود کی بیع کو حلال قرار دیتے ہو؟ مروان نے کہا: میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں مگر وہ کیا بات ہے؟ ان دونوں نے کہا: یہ چیک جن کی لوگ آپس میں خرید وفروخت کر رہے ہیں، وہ انہیں وصول کرنے سے پہلے ہی آگے بیچ رہے ہیں۔ یہ سن کر مروان نے پہرے داروں کو بھیجا کہ وہ ان چیکوں کو تلاش کریں، انہیں لوگوں کے ہاتھوں سے نکال لیں اور واپس ان کے اصل مالکان کو لوٹا دیں)

(مؤطا امام مالک بروایۃ یحییٰ، ح: ۲۳۶۰۔ العینیہ وما یشبہا)

وضاحت: یہاں مروان کے ایک اقدام کا ذکر ہے جس سے لوگ ناجائز فائدہ اٹھا کر سود میں ملوث ہونے لگے۔ پھر صحابہ کرام نے مروان کے پاس جا کر اس لین دین کو سودی کاروبار قرار دیا۔ مروان یہاں نہ سلسلۂ سند میں ہے اور نہ ہی یہاں اُس سے کوئی حدیث مروی ہے۔ فتویٰ صحابہ کا ہے۔ اُسے نافذ کرانے میں مروان کا اِقدام قابلِ تحسین ہے۔

(۳) روایت حلف عند المنبر النبوی:

مالک، عن داود بنِ الحصینِ، انه سمِع ابا غطفان بن طرِیف المرِي یقول: اختصم زید بن ثابت وابن مطِیع فِي دار کانت بینهما اِلیٰ مروان ابنِ الحکمِ وهو امِیر علیٰ المدِینة فقضیٰ مروان علیٰ زیدِ بنِ ثابت بِالیمِینِ علی المِنبرِ، فقال زید بن ثابت: احلِف له مکانِي، قال: فقال مروان: لا واللّٰهِ لا عِند مقاطِعِ الحقوقِ. قال: فجعل زید بن ثابت یحلِف ان حقه لحق، ویأبیٰ اَن یحلِف علی المِنبرِ، قال: فجعل مروان بن الحکمِ یعجب مِن ذلکِ۔ قال یحیی، قال

مالکٌ: لا أرى ان يحلف احد على المِنبرِ على اقل مِن ربعِ دِينار، وذلكَ ثلاث دراهِم.

(امام مالک رحمہ اللہ نے داود بن حصین سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ابو غطفان بن طریف المری کو یہ کہتے ہوئے سنا: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک گھر کے بارے میں جھگڑا ہوا جو ان دونوں کے درمیان مشترک تھا۔ وہ اپنا مقدمہ مروان بن حکم کے پاس لے گئے جبکہ وہ مدینہ کا امیر تھا۔ مروان نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر یہ فیصلہ دیا کہ وہ منبر نبوی ﷺ کے پاس کھڑے ہو کر قسم کھائیں۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس کے لیے اپنی اسی جگہ پر قسم کھا لیتا ہوں۔ مروان نے کہا: خدا کی قسم، نہیں قسم وہیں ہوگی جہاں حقوق کا فیصلہ کیا جاتا ہے یعنی منبر کے پاس۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنی جگہ بیٹھے ہوئے ہی یہ قسم کھانے لگے کہ ان کا حق سچا ہے، لیکن انہوں نے منبر پر چڑھ کر قسم کھانے سے انکار کر دیا۔ مروان بن حکم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اس بات پر حیران ہونے لگا۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ امام مالکؒ نے فرمایا: میری رائے یہ نہیں ہے کہ کسی شخص سے دینار کے چوتھائی حصہ سے کم مالیت کے جھگڑے پر منبر کے پاس قسم لی جائے، اور یہ ربع دینار تین درہم کے برابر ہوتا ہے) (موطا امام مالک بروایۃ یحییٰ، ح: ۲۶۹۵۔ الیمین علی المنبر)

وضاحت: یہاں مروان کی طرف سے منبر پر حلف اٹھانے کے فیصلے کو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مسترد کر دیا اور امام مالک رحمہ اللہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اقدام کو پسند کیا۔ مروان یہاں بھی سلسلۂ سند میں نہیں بلکہ اس دور کا ایک راوی ابو غطفان یہ واقعہ نقل کر رہا ہے۔

(۴) روایت قطعِ یدٍ فی الثمر والکثر:

مالکٌ، عن يحيى بنِ سعيد، عن محمدِ بنِ يحيى ابنِ حبان ان عبدا سرق وديا مِن حائِطِ رجل فغرسه فِي حائِطِ سيدِهِ، فخرج صاحِب الودِي يلتمِس ودِيه

فوجده، فاستعد على العبد مروانَ بن الحكم، فسجن مروان العبد، وأراد قطعَ يدِه، فانطلق سيد العبدِ إلى رافعِ بنِ خديج، فسئله عن ذلكِ، فاخبره انه سمع رسول اللهِ ﷺ يقول: لا قطع فِي ثمر، ولا كثر، والكثر الجمار، فقال الرجل: فإن مروان بن الحكمِ اخذ غلاما لِي وهو يريد قطعه، وانا أحِبُّ ان تمشِي معِي إليهِ فتخبِره بالذِي سمِعت مِن رسولِ اللهِ ﷺ. فمشى معه رافِع إلى مروان بنِ الحكمِ. فقال: اخذت غلاما لِهذا؟ فقال: نعم، فقال: فما انت صانِع بِهِ؟ قال: اردت قطع يدِهِ، فقال له رافِع: سمِعت رسول اللهِ ﷺ يقول: لا قطع فِي ثمر، ولا كثر، فامر مروان بالعبدِ فارسِل۔

(امام مالک رحمہ اللہ نے یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے، انہوں نے محمد بن یحییٰ بن حبان سے روایت کی ہے کہ: ایک غلام نے کسی شخص کے باغ سے کھجور کا ایک پودا چرایا اور اسے اپنے مالک کے باغ میں لگا دیا۔ پودے کا مالک اسے تلاش کرتے ہوئے نکلا تو اسے پا لیا۔ اس نے مروان بن حکم سے غلام کے خلاف مدد طلب کی۔ مروان نے غلام کو قید کر دیا اور اس کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا۔ اس غلام کا مالک حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے اس بارے میں پوچھا۔ حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے اسے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے: نہ درخت پر لگے پھل میں ہاتھ کاٹا ہے اور نہ ہی کَثَر (کھجور کے بالائی نرم حصے کو چوری کرنے) میں یہ سزا ہے۔ اس شخص نے کہا: مروان بن حکم نے میرے غلام کو پکڑ رکھا ہے اور وہ اس کا ہاتھ کاٹنا چاہتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ مروان کے پاس چلیں اور اسے وہ بات بتائیں جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ چنانچہ حضرت رافع رضی اللہ عنہ اس کے ساتھ مروان کے پاس گئے۔ حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تم نے اس شخص کے غلام کو پکڑا ہے؟ مروان نے کہا: ہاں۔ آپ نے پوچھا: تم اس کے ساتھ کیا کرنے والے ہو؟ مروان نے کہا: میرا ارادہ اس کا ہاتھ کاٹنے کا ہے۔ تب حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے: پھل

اور کٹ میں ہاتھ کاٹنا نہیں ہے۔ یہ سن کر مروان نے غلام کے بارے میں حکم دیا اور اسے رہا کر دیا گیا) (مؤطا امام مالک بروایۃ یحییٰ، ح: ۳۱۰۴، مالاقطع فیہ)

وضاحت: یہاں بھی سند مروان سے خالی ہے۔ متن میں مروان کی طرف سے کھجور کی پنیری کے چوری پر ایک غلام کے ہاتھ کاٹنے کے حکم کا ذکر ہے جس پر رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے حدیث نبوی سنائی کہ ان چیزوں میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہوتی۔ مروان نے اس شخص کو چھوڑ دیا۔ یہاں استدلال مروان سے نہیں، حدیث سے ہے جو صحابی سے مروی ہے۔

اس سے یہ مزید واضح ہو گیا کہ مروان کا فیصلہ اُنہی مواقع پر قبول کیا گیا ہے جہاں مدنی صحابہ کی اس پر تنقید مذکور نہیں یعنی انہوں نے اسے قبول کر لیا تھا بات وہیں آجاتی ہے کہ مروان سے جو بھی مسئلہ قبول کیا گیا ہے، وہ اس وجہ سے کہ مدنی صحابہ کا تعامل اسی مسئلے پر تھا۔

مروان کی سند سے مروی واحد اثرِ صحابی، روایتِ ہبہ

گزشتہ تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ درحقیقت مؤطا امام مالک بروایت یحییٰ میں مروان سے حدیثِ بُسرہ رضی اللہ عنہا کے سوا نہ تو کوئی حدیث مرفوع منقول ہے اور نہ ہی کوئی اثرِ صحابی۔ البتہ مؤطا امام مالک بروایت ابو مصعب الزہری رحمہ اللہ اور مؤطا مالک بروایت امام محمد رحمہ اللہ (مؤطا محمد) میں مروان سے یہ اثرِ صحابی منقول ہے:

حدثنا ابو مصعب، قال: حدثنا مالکٌ، عن داود بنِ الحصینِ، عن ابی غطفان بنِ طریف المرِی، عن مروان بن الحکم ان عمر بن الخطابِ رحمۃ اللہ علیہ، قال: من وھب ھبۃ لِصِلۃِ رحِم، او علی وجہ صدقۃ، فانہ لا یرجِع فِیھا، ومن وھب ھبۃ یری انہ انما اراد بھا الثواب، فھو علی ھِبتِہ، یرجِع فِیھا ان لم یرض مِنھا

(امام مالکؒ نے داؤد بن حصین سے، انہوں نے ابو غطفان بن طریف المری سے اور انہوں نے مروان بن حکم سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے رشتہ داری نبھانے کے لیے یا صدقے کے طور پر کوئی ہبہ

دیا، تو وہ اس میں رجوع نہیں کر سکتا اور جس نے اس نیت سے ہبہ کیا کہ وہ اس کے ذریعے بدلہ حاصل کرنا چاہتا ہے، تو وہ اپنے ہبہ کا مالک ہے، اگر وہ اس کے بدلے سے راضی نہ ہو تو اسے واپس لے سکتا ہے) (ایضاً بروایۃ ابی مصعب الزہری، ح:۲۹۴۷)

وضاحت: یعنی مروان نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول سنایا کہ جو شخص اپنے محرم رشتہ دار کو ہدیہ دے یا صدقے کی نیت سے کسی کو کچھ دے، تو وہ لوٹا نہیں سکتا۔ یہی روایت مؤطا امام محمد رحمہ اللہ میں بھی ہے۔

(مؤطا امام مالک بروایۃ امام محمد، ح:۸۰۵، باب الہبۃ)

اس روایت کے ہم معنیٰ روایات صحابہ و تابعین سے منقول ہیں:

یقیناً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول یہی ہے جس کا راوی مروان ہے۔ مگر مروان کی حیثیت یہاں بھی متابع کی ہے کیوں کہ یہ قول دیگر اسناد سے بھی مروی ہے، چنانچہ امام عبدالرزاق صنعانی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ''یزید بن ابی زیاد، عن زید بن وہب عن عمر رضی اللہ عنہ'' کی سند سے نقل کیا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق، ح:۱۲۶۷۱)

امام ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے اسے ''اعمش، عن ابراہیم، عن الاسود، عن عمر رضی اللہ عنہ'' کی سند سے بھی نقل کیا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ح:۲۱۷۰۰؛ ۲۲۲۹۶؛ شرح مشکل الآثار: ۱۳ ص ۳، ط عالم الکتب)

نیز امام طحاوی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ''مکی بن ابراہیم، عن سالم، عن حنظلہ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ'' کی سند سے بھی نقل کیا ہے۔ (شرح مشکل الآثار: ۱۳ ص ۳۲، ط عالم الکتب)

بلاشبہ احناف کا فتویٰ یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کے مطابق ہے مگر اس کا دارومدار محض مروان کی سند سے منقول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول پر نہیں بلکہ اس کے دلائل میں متعدد روایات اور متعدد طرق ہیں۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی ہے اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے اسے ''قاسم بن عبدالرحمن، عن عبدالرحمن بن ابزیٰ عن علی

رضی اللہ عنہ" کی سند سے نقل کیا ہے۔ (شرح معانی الآثار: ۴ ص ۸۲، ط عالم الکتب)

نیز حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی ہے اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے اسے "معاویۃ بن صالح، عن راشد بن سعد عن علی رضی اللہ عنہ" کی سند سے نقل کیا ہے۔ (شرح معانی الآثار: ۴ ص ۸۲، ط عالم الکتب)

نیز نامور فقیہ تابعی حضرت فضالہ بن عبید رحمہ اللہ کا فتویٰ بھی یہی نقل کیا ہے۔
(شرح معانی الآثار: ۴ ص ۸۲، ط عالم الکتب)

ملحوظہ:

ہبہ کے بارے میں حضور اکرم ﷺ سے کئی احکام منقول ہیں جنہیں مختلف صحابہ نے نقل کیا ہے جن کی اسناد میں مروان نہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھئے:

(عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ، صحیح البخاری، ح: ۲۵۸۹، هبة الرجل لامرأته والمرأة لزوجها ؛ عن ابن عباس رضی الله عنه عن النبی ﷺ، صحیح البخاری، ح: ۲۶۲۲، لایحل لاحدان یرجع فی هبته و صدقته، عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ، سنن الترمذی، ح: ۲۱۳۱)

امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح معانی الآثار اور شرح مشکل الآثار میں ان مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

کیا مؤطا کا ہر راوی ثقہ ہے؟

مروان کے عقیدت مند مؤطا امام مالک میں مروان سے ایک حدیث اور ایک اثرِ صحابی نقل ہونے کے باعث اپنے زعم میں یہ طے کر چکے ہیں کہ اس طرح مروان کی ثقاہت قطعی طور پر ثابت ہوگئی ہے۔ مگر ان کا یہ زعم تب درست ہوسکتا تھا جب مؤطا مالک کے بارے میں علماء کا مذہب یہ ہو کہ اس کا ہر ہر راوی ثقہ ہے۔ کیا واقعی ایسا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ محدثین نے یہ کبھی طے نہیں کیا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے جس سے بھی روایت لی ہوگی، وہ قطعی طور پر ثقہ ہوگا۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

قال (ای مالک): لو کان ثقة، لرأیته فی کتبی۔ "فهذا القول یعطیک بانه لا یروی الا عمن هو عنده ثقة، ولا یلزم من ذلک انه یروی عن کل الثقات، ثم لا یلزم مما قال ان کل من روی عنه وهو عنده ثقة، ان یکون ثقة عند باقی الحفاظ، فقد یخفی علیه من حال شیخه ما یظهر لغیره، الا انه بکل حال کثیر التحری فی نقد الرجال رحمه الله۔

''امام مالک (رحمہ اللہ) نے فرمایا: ''اگر وہ ثقہ ہوتا تو تم اس (کی روایت) کو میری کتب میں دیکھتے۔'' پس یہ قول تمہیں بتاتا ہے کہ وہ اُسی سے روایت لیتے تھے جو ان کے نزدیک ثقہ ہوتا تھا مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام مالک (رحمہ اللہ) نے تمام ثقہ راویوں سے روایت لی ہو۔ (کسی ثقہ سے روایت لیے بغیر نہ رہے ہوں۔) پھر اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا ہے کہ انہوں نے جس سے بھی روایت لی اور وہ ان کے نزدیک ثقہ تھا، وہ دیگر حفاظ حدیث کے نزدیک بھی ثقہ ہو۔ کیوں کہ بعض اوقات امام مالک (رحمہ اللہ) سے اپنے شیخ کے حال میں سے کوئی ایسی بات مخفی رہی جو دوسروں پر ظاہر ہوگئی۔ ہاں یہ درست ہے کہ امام مالک (رحمہ اللہ) رجال کو پرکھنے میں بڑی کوشش کیا کرتے تھے۔'' (سیر اعلام النبلاء: ۸ ص ۷۲، ط الرسالۃ)

اس کلام کا حاصل یہ ہوا کہ امام مالک رحمہ اللہ اگرچہ ثقات سے روایات لینے کے لیے کوشاں رہے مگر ان کی روایات میں بعض اوقات غیر ثقہ راوی بھی نظر آسکتا ہے اور ثقات کے بارے میں ان کی تحری اور کوشش مبنی بر خطا بھی ہوسکتی ہے کیوں کہ خطا لازمۂ بشریت ہے۔

مؤطا کے ایک مشہور ترین راوی کا شدید ضعف:

اس کی ایک بڑی مثال یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے مؤطا سنانے اور لکھوانے کے لیے اپنے تلمیذ حبیب بن ابی حبیب کو چنا تھا۔

(سیر اعلام النبلاء: ۸ ص ۶۵، ط الرسالۃ)

ظاہر ہے امام مالک رحمہ اللہ کو ان کی ثقاہت پر پورا بھروسہ تھا تبھی انہیں یہ اہم ذمہ داری سونپی۔ مگر ان کی روایات کو دیکھتے ہوئے تقریباً تمام ائمہ حدیث کا فیصلہ ہے کہ حبیب بن حبیب شدید ضعیف اور نا قابلِ اعتماد راوی تھے۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے تھے: ''کان من اکذب الناس'' (وہ سب سے بڑے جھوٹوں میں سے تھا)

ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے تھے: ''متروک الحدیث'' (اس کی روایت متروک ہے) (تہذیب الکمال: ۵ ص ۳۶۹)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے تھے: لیس بثقة، ''وہ ثقہ نہیں۔''

ابن حبان رحمہ اللہ کا کہنا ہے: یروی عن الثقات الموضوعات۔ (وہ ثقہ راویوں کی طرف منسوب کر کے من گھڑت روایات نقل کرتا تھا)

ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے تھے: احادیثه کلها موضوعة ''اس کی روایات ساری کی ساری من گھڑت ہیں۔'' (میزان الاعتدال: ۱ ص ۴۵۲)

ان سب کی آراء کا خلاصہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ یوں بیان فرماتے ہیں:

متروک، کذبه جماعة

''وہ متروک ہیں، محدثین کی ایک جماعت نے ان کی تکذیب کی ہے۔''

(تقریب التہذیب، تر: ۱۰۸۷)

الغرض راوی کے مرتبے کی پہچان کے لیے فقط یہ دیکھ لینا کافی نہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اس کی روایت پر اعتماد کیا ہے۔ جب مروان کے مذموم افعال بھی روایاتِ صحیحہ مشہورہ سے ثابت ہیں اور ان کی بناء پر دیگر ائمہ کی اس پر سخت جرح بھی موجود ہے تو ایسے میں امام مالک رحمہ اللہ کا مروان کی سند سے روایات لے لینا (جو انہی شرائط کے تحت ہے جن میں بدعتی راویوں سے روایت لی جاسکتی ہے) مروان کی ثقاہت کی حتمی دلیل بھلا کیسے بن سکتا ہے؟

☆☆☆

فصل سوئم:

مروان کی جہالتیں، بدعتیں اور صحابہ کی تنقید

مروان کی ''فقاہت'' کے بارے میں اتنا کچھ عرض کرنے کے بعد مناسب ہے کہ اُس کی جہالتوں اور بدعتوں کے کچھ نمونے میں پیش کردیے جائیں۔ یادرہے کہ جن مواقع پر مروان خلفائے راشدین کی سنت اور صحابہ کے اجماع اور آراء کے مطابق فیصلے دیتا تھا، وہاں صحابہ کرام اس کی تائید کرتے تھے، مگر کئی مواقع پر وہ کسی غلط فہمی یا ضد اور جہالت کے باعث غلط اقدامات اور بدعات بھی کرتا رہا اور صحابہ کرام اس پر کھل کر تنقید کرتے رہے۔ مثلاً:

(۱) مروان کا نماز عید سے پہلے خطبہ دینے کی بدعت شروع کرنا:

جب مروان نے نماز عید سے خطبہ دینے کی بدعت شروع کی تو اس پر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا سخت احتجاج کتب حدیث میں مذکور ہے۔

عن أبی سعید الخدری قال کان رسول اللہ ﷺ یخرج یوم الفطر والاضحیٰ ال المصلیٰ فأوّل شیء یبدأ به الصلاة، ثم ینصرف فیقوم مقابل الناس والناس جلوس علیٰ صفوفهم فیعظهم ویوصیهم ویأمرهم فان کان یرید أن یقطع بعثا قطعه أو یأمر بشی أمر به، ثم ینصرف، قال أبو سعید: فلم یزل الناس علیٰ ذلک حتیٰ خرجتُ مع مروان وهو أمیر المدینة فی أضحیٰ أو فطر فلما أتینا المصلیٰ اذا منبر بناه کثیر بن الصلت فاذا مروان یرید أن یرتقیه قبل أن یصلی، فجبذتُ بثوبه فجبذنی فارتفع فخطب قبل الصلاة، فقلت له: غیرتم واللہ، فقال: ابا سعید! قد ذهب ما تعلم، فقلت: ما أعلم واللہ خیر مما لا أعلم، فقال ان الناس لم یکونوا یجلسون لنا بعد الصلاة فجعلتها قبل الصلاة۔

(حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ تشریف لے جاتے، تو سب سے پہلے نماز سے آغاز فرماتے، پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو

جاتے جبکہ لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے ہوتے۔ آپ ﷺ انہیں وعظ فرماتے، وصیت کرتے اور مختلف احکامات دیتے۔ اگر آپ ﷺ نے کوئی لشکر روانہ کرنا ہوتا تو اسے الگ فرماتے یا کسی چیز کا حکم دینا ہوتا تو حکم دیتے، پھر تشریف لے جاتے۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ اسی طریقے پر قائم رہے یہاں تک کہ میں مروان کے ساتھ عیدگاہ کی طرف نکلا جبکہ وہ مدینہ کا امیر تھا عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے موقع پر۔ جب ہم عیدگاہ پہنچے تو وہاں ایک منبر تھا جسے کثیر بن صلت نے بنایا تھا۔ مروان نے چاہا کہ نماز سے پہلے اس پر چڑھے تاکہ خطبہ دے، تو میں نے اس کا کپڑا پکڑ کر کھینچا، اس نے مجھے جھٹک دیا اور اوپر چڑھ گیا، اور نماز سے پہلے خطبہ دے دیا۔ میں نے اس سے کہا: خدا کی قسم! تم لوگوں نے سنت کو بدل ڈالا۔ اس نے کہا: اے ابوسعید! وہ طریقہ جا چکا ہے جسے تم جانتے ہو۔ میں نے جواب دیا: خدا کی قسم! جو میں جانتا ہوں یعنی سنت وہ اس سے بہتر ہے جسے میں نہیں جانتا یعنی تمہارا نیا طریقہ۔ تب مروان نے کہا: دراصل لوگ نماز کے بعد ہمارے خطبے کے لیے نہیں بیٹھتے تھے، اس لیے میں نے اسے نماز سے پہلے کر دیا)

(صحیح البخاری، ح: ۹۵۶، باب خروج الامام الی المصلیٰ بغیر منبر؛ صحیح مسلم، ح: ۲۰۹۰، صلاۃ العیدین)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی بعض مسلمانوں نے مروان کی اس بدعت پر احتجاج کیا اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے ان کی حوصلہ افزائی میں وہ حدیث سنائی جس میں منکرات پر نکیر کو ایمان کی علامت قرار دیا گیا تھا۔

عن طارقِ بنِ شِهاب قال اوّل من بدأ بالخطبةِ یوم العِیدِ قبل الصلاةِ مروان فقام الیه رجل فقال الصلاة قبل الخطبةِ. فقال قد ترکِ ما هنالکِ. فقال ابو سعید اما هذا فقد قضیٰ ما علیه سمعتُ رسول اللهِ ﷺ یقول: من رأیٰ مِنکم منکرا فلیغیرهِ بیدهِ فإن لم یستطع فبِلسانهِ فإن لم یستطِع فبِقلبهِ و ذلکِ اضعف الإیمانِ

طارق بن شہابؒ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے عید کا خطبہ نماز سے قبل شروع کرنے والا مروان تھا۔ پس ایک شخص نے (اس موقع پر) مروان کے پاس کھڑے ہو کر کہا: ''نماز خطبے سے پہلے ہے۔'' مروان نے کہا: ''وہ چیز اب متروک ہو گئی ہے۔'' حضرت

ابوسعید رضی اللہ عنہ نے (اس شخص کی حق گوئی دیکھ کر) کہا: بلاشبہ اس شخص نے وہی کہا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو کسی گناہ کو ہوتا دیکھے تو اسے ہاتھ سے روک دے۔ اگر اس کی قوت نہ ہو تو زبان سے منع کرے۔ اگر اس کی بھی قوت نہ ہو تو دل میں برا سمجھے۔ یہ ایمان کا سب سے کم تر درجہ ہے۔''

(صحیح مسلم، ح:۱۸۶، کتاب الایمان، باب کون نہی عن المنکر من الایمان، واللفظ لہ۔ واخرجہ ابوداؤد فی سننہ، ح:۱۱۴۰، باب الخطبۃ یوم العید)

(۲) مروان کا اپنی حویلی میں جاندار کی تصاویر آویزاں کرنا:

مروان کی حویلی میں جانداروں کی تصاویر آویزاں تھیں جس پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کھلی نکیر فرمائی۔

عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ دَارَ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ فَإِذَا بِتَمَاثِيلَ، فَقَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ خَلْقًا كَخَلْقِي فَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً أَوْ لِيَخْلُقُوا حَبَّةً أَوْ لِيَخْلُقُوا شَعِيرَةً۔

''ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مروان بن حکم کی حویلی میں داخل ہوا تو اچانک دیکھا کہ وہاں تصاویر آویزاں تھیں۔ پس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، اللہ فرماتے ہیں: اُس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو میری تخلیق کی طرح بنانے کی کوشش کرے۔ پس وہ (حقیقت میں) ایک ذرہ، ایک گندم کا دانہ، یا ایک جو کا دانہ ہی بنا کر دکھائیں۔''

(شرح معانی الآثار، ح:۶۹۲۵) اسنادہ صحیح

ذکر الرجال:

☆ شیخ امام طحاوی فہد بن سلیمان ثقہ اور ثبت ہیں۔

(تاریخ الاسلام للذہبی: ۶ ص ۵۸۸، ت بشار)

☆ اُن کے شیخ محمد بن سعید بن سلیمان الاصبہانی، ثقہ، ثبت اور راوئ صحیح بخاری ہیں۔ (تقریب التہذیب، ت:۵۹۱۱)

☆ محمد بن فضیل بن غزوان: بخاری و مسلم کے ثقہ راوی

(تقریب التہذیب، تر: ۶۲۲۷)

☆ عمارۃ بن القعقاع: بخاری و مسلم کے ثقہ راوی

(تقریب التہذیب، تر: ۴۸۵۹)

☆ ابوزرعۃ البجلی: بخاری و مسلم کے ثقہ راوی (تقریب التہذیب، تر: ۸۱۰۳)

(۳) مروان کا صدقہ وخیرات اپنی اولاد کو دینا:

مروان نے اپنی اولاد کو زکوٰۃ یا صدقہ دینے کی کوشش کی جس پر حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے اور نکیر فرمائی۔

حدثنا إبراهيم بن المنذر، قال: حدثنا اسحاق بن جعفر، قال: حدثنا عبدالله، يعني: ابن جعفر، عن أم بكر، يعني: ابنة المسور بن مخرمة، عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، قَالَ: دَعَانِي مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ يُشْهِدُنِي عَلَى دارٍ صَدَقَةً عَلَى عَبْدِ الْمَلِكِ، فَقُلْتُ: هَلْ تَرِثُ مِنْهَا إِنْ مَاتَ امرأته الْقَيْسِيَّةُ؟ فَقَالَ: لا، فَقُلْتُ: لا أَشْهَدُ، فَقَالَ: لِمَ أَحَكَمْ أنت؟ قُلْتُ: لأَنَّكَ أَخَذْتَ مِنْ إِحْدَى يَدَيْكَ فَوَضَعْتَهَا فِي الأُخْرَى، فَكُلَّمَا هَجَرَ أَحَدُكُمْ هِجْرَةً شَهِدْتُ عَلَيْهَا؟

''مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے مروان نے طلب کیا کہ تاکہ وہ (اپنے بیٹے) عبدالملک کو ایک مکان بطور صدقہ دیتے ہوئے مجھے اس پر گواہ بنا لے۔ میں نے مروان کو کہا: اگر عبدالملک مرجائے تو اس کی بیوی کو جو قبیلۂ بنوقیس کی ہے، اس مکان سے وراثت کا حصہ ملے گا؟ مروان کہنے لگا: نہیں، میں نے کہا: ''میں اس معاملے پر گواہی نہیں دوں گا۔'' مروان نے کہا: ''بھلا کیوں؟ کیا تم قاضی ہو؟'' میں نے کہا: ''اس لیے کہ تم نے یہ صدقہ اپنے ہی ایک ہاتھ سے اٹھا کر دوسرے ہاتھ میں رکھ لیا ہے۔ پس جب بھی تم لوگوں میں سے کوئی ایسے فضول کام کرے گا تو میں اس پر گواہی دیا کروں گا؟'' (تاریخ ابن ابی خیثمہ: السفر الثالث: ۲ ص ۷۴، ۷۵) اسنادہ حسن

ذکر الرجال:

☆ عبدالملک بن عامر ابو عامر العقدی (۲۰۴ھ): راویٔ صحیحین، ثقہ۔

(تقریب التہذیب، تر:۴۱۹۹)

☆ عبداللہ بن جعفر بن عبدالرحمن بن مسور۔ (م ۱۷۰ھ) امام احمدؒ نے ثقہ اور یحییٰ بن معینؒ نے صدوق کہا۔

وثقہ احمد بن حنبل وغیرہ، وقال یحییٰ بن معین: صدوق۔

(سیر اعلام النبلاء: ۷ ص ۳۲۹)

☆ اُم بکر بنت مسور: مقبولۃ (تقریب التہذیب، تر:۸۷۰۶)

(۴) حیاتِ النبی ﷺ کے انکار کی بدعتِ شنیعہ

مروان حیاتِ انبیاء کا منکر اور اجسادِ انبیاء کو ارواح مبارکہ سے لاتعلق سمجھتا تھا، صحابہ کرام کو روضۂ اقدس پر صلوٰۃ وسلام عرض کرتے دیکھتا تو انہیں روکنے کی کوشش کرتا۔ اس بارے میں صحیح سند کے ساتھ دو واقعات پیش خدمت ہیں:

مروان کا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو روضۂ رسول پر سلام سے منع کرنا بسند صحیح:

عَنِ الْمُطَّلِبِ، قال: جاء أبو أيوب الأَنْصَارِيَ يُرِيدُ أَنْ يُسَلِّمَ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَجَاءَ مَرْوَان وَهُوَ كَذَلِكَ فَأَخَذَ بِرَقَبَتِهِ، فَقَالَ: هَلْ تَدْرِي مَا تَصْنَعُ؟ فَقَالَ: قَدْ دَرَيْتُ أَنِّي لَمْ آتِ الْحَدَرَ وَلا الْحَجَرَ، وَلَكِنِّي جِئْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ الخ۔

(حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ آئے۔ وہ روضۂ اقدس پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنا چاہتے تھے۔ پس مروان آ گیا اور وہ اسی طرح سلام عرض کر رہے تھے۔ مروان نے انہیں گردن سے پکڑ لیا اور کہنے لگا: معلوم بھی ہے کہ یہ تم کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے فرمایا: ''میں جانتا ہوں۔ میں کسی اندھیری جگہ یا پتھر کے پاس نہیں آیا۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آیا ہوں۔.....الخ)

(تاریخ ابن ابی خیثمہ: السفر الثالث: ۲ ص ۷۷) اسنادہ صحیح

پوری روایت اور رجال کی تفصیل پیچھے چھٹے باب کی فصل ششم میں آچکی ہے۔

مروان کا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو روضۂ رسول پر سلام سے منع کرنا بسند حسن:

اسی طرح کا دوسرا واقعہ حسن سند کے ساتھ منقول ہے:

عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: رَأَيْتُ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ ... وَرَأَيْتُهُ يُصَلِّي عِنْدَ قَبْرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَخَرَجَ عَلَيْهِ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ، فَقَالَ لَهُ: تُصَلِّي عِنْدَ قَبْرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، ابْنَ ابْنِ حِبِّهِ؟ وَقَالَ لَهُ قَوْلًا قَبِيحًا... الخ۔

(عبیداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو دیکھا..... میں نے دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھ رہے تھے۔ پس مروان بن حکم نکل آیا اور کہنے لگا: ''اولاڈلے کی اولاد! کیا مرقدِ رسول کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے!'' یہ کہہ کر بدکلامی کی۔

(تاریخ ابن ابی خیثمۃ: السفر الثالث: ۲ ص ۷۵) اسنادہ علیٰ شرط مسلم۔

مکمل روایت مع تحقیق رجال چھٹے باب کی فصل ششم میں آچکی ہے۔

ان دونوں روایتوں سے مروان کا مماتی یعنی منکرِ حیاتِ انبیاء ہونا بخوبی ثابت ہورہا ہے۔

☆☆☆

خلاصۂ کلام

حاصلِ بحث یہ ہوا کہ:

☆ مروان بن الحکم صحابی ہرگز نہیں تھا۔

☆ مروان بن الحکم نہ تو سراپا شر تھا جیسا کہ روافض کا خیال ہے، بلکہ اُس نے بعض خیر کے کام بھی کیے۔

☆ نہ ہی وہ مجسمۂ خیر تھا جیسا کہ فرقۂ مروانیہ کا موقف رہا ہے اور جو آج کل کے بعض حضرات کی رائے ہے۔

☆ مروان میں علم وفضل، فقاہت، سخاوت اور شجاعت جیسی کچھ خوبیاں بھی تھیں۔

☆ اسے صحابہ کی صحبت اور مدینہ منورہ کی امارت وقضاء بھی نصیب ہوئی۔

☆ اس کا شمار معاصرت کے لحاظ سے تابعین میں ہے۔

☆ اس کے بعض فقہی فیصلوں کو عقلی مطابقت، صحابہ کرام کی موافقت یا تعاملِ اہلِ مدینہ کے باعث نقل کیا گیا۔

☆ مروان حدیث کے ضعیف راویوں میں سے ہے۔

☆ اس سے چند احادیث اور کچھ آثار صحابہ منقول ہیں۔

☆ مروان کی روایات کو محدثین نے ان شرائط کے تحت لیا ہے جو اہلِ بدعت سے اخذِ روایت میں ملحوظ ہوتی ہیں۔

☆ مروان حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا۔

☆ مروان اس اُمت کا پہلا مماتی (منکرِ حیاتِ انبیاء فی القبور) تھا۔

☆ مروان اہلِ بیتِ عظام اور صحابہ کی اہانت کا مرتکب رہا۔

☆ مروان عدالتِ صحابہ کے عقیدے سے منحرف تھا۔

☆ مروان نے بعض بدعات کا اجراء کیا۔

☆ مروان نے شرعی خلیفہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف تلوار اُٹھائی۔

☆ مروان کی ہوسِ اقتدار کے باعث مسلمانوں میں تفرقہ اندازی اور خانہ جنگی برپا ہوئی۔

☆ مروان کی اس تفرقہ بازی کے نتیجے میں فرقہ مروانیہ (ناصبی گروہ) وجود میں آیا جو آج تک اُمت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے میں جٹا ہوا ہے۔

یوں تحقیق سے حاصل شدہ نتیجہ بحمداللہ جمہور اہلِ سنت والجماعت کے موافق ہے جن کی آراء گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہیں۔

☆☆☆

ضمیمہ

مروان کے بارے میں ایک سوال نامے کا جواب

پیش لفظ

خاصی مدت قبل ایک پرانے کرم فرمانے رابطہ کیا جو مروانی گروپ کے ساتھ بحث ومباحثے میں مصروف تھے۔ فرمایا کہ ایک صاحب نے کچھ سوالات کیے ہیں اور چیلنج کیا ہے کہ ان کے جوابات کبھی نہیں دیے جاسکتے۔ یہ کہہ کر انہوں نے سوالات کی فہرست پیش کی۔ راقم نے سوالات دیکھ کر کہا کہ ان میں سے کئی سوالات کے جوابات تو ''تاریخ اُمت مسلمہ'' جلد دوئم کے آخر میں ''ازالۂ شبہات'' کے تحت آچکے ہیں اور باقی اشکالات ایسے بودے ہیں کہ کسی طرح قابلِ اعتناء نہیں۔ تاہم ہمارے وہ دوست مصر رہے کہ میں ان کے جوابات لکھوادوں۔ چنانچہ میں نے ہر اشکال کا مختصراً جواب دے دیا جو بیس پچیس صفحات کا ایک رسالہ بن گیا۔ چوں کہ یہ اوراق ایک عارضی ضرورت کے لیے لکھے گئے تھے، اس لیے طبع کرانے کی نوبت نہ آئی۔

اب جبکہ مروان بن حکم کے کردار پر راقم کا یہ تفصیلی کام سامنے آرہا ہے تو مناسب سمجھا گیا کہ اس رسالے کو بھی بطورِ ضمیمہ کتاب کے ساتھ ملحق کردیا جائے۔ اس میں بعض اعتراضات ایسے بھی ہیں جن کے جوابات پیچھے تفصیل سے آچکے ہیں اور یہاں انہیں مختصراً بیان کیا گیا ہے، بعض جگہ معاملہ بالعکس ہے۔ جبکہ کچھ اعتراضات وجوابات ان کے علاوہ بھی ہیں۔ اُمید ہے کہ قارئینِ کرام اس مختصر رسالے کو بھی مفید پائیں گے۔

محمد اسماعیل ریحان

ادارہ علوم القرآن، تحصیل حسن ابدال

۲۷ رشوال ۱۴۴۷ھ

۱۶ راپریل ۲۰۲۶ء

مروانیوں کے پیش کردہ بارہ سوالات

مروان کے مداح مروان کے دفاع کے لیے عجیب وغریب حیلے اختیار کیے ہوئے ہیں، مثلاً:

☆ مروان کے بحالتِ ہوش وحواس زیارتِ نبویہ نصیب ہونے یا خدمت میں حاضر ہونے کے بارے میں کوئی ضعیف روایت بھی نہیں دکھا سکتے، مگر کہتے ہیں کہ وہ صحابی تھا کہ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں آٹھ نو سال کا تھا۔ یعنی اُسے صحابیت جیسا مقام قیاساً عطا کیے ہوئے ہیں۔

مروانیوں کے حربے:

مروان کا دفاع کرنے والے عموماً لینے کے باٹ الگ رکھتے ہیں اور دینے کے الگ، ان کا حال یہ ہے کہ مروان یا خاندانِ مروان کے خلاف رسول اللہ ﷺ کے صحیح وحسن السند ارشادات کو بھی قبول نہیں کرتے اور ان میں عجیب وغریب نقائص نکالتے ہیں جبکہ معمولی قابلِ قبول ضعف والی احادیث کو تو بلا تکلف جعلی کہہ دیتے ہیں جبکہ ان ارشادات سے ٹکرانے والی شدید ضعیف، بے سند اور جعلی تاریخی روایات کو بھی یقینی اور قطعی مانتے ہیں۔

☆ مروان کی خوبیوں کی روایات سنداً شدید ضعیف یا بے سند بھی ہوں تو انہیں یوں پیش کرتے ہیں جیسے وہ قطعی اور یقینی ہوں جن کے ثبوت میں کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا..... جبکہ مروان کے جرائم کی روایات کو اگر صحیحین کے ثقہ وصدوق راوی بھی نقل کر رہے ہوں تو ان میں کسی راوی پر ہونے والی ایک آدھ جرح لے کر اس کا ڈھنڈورا پیٹتے رہیں گے اور کہیں گے کہ دیکھئے اس راوی میں تو فلاں فلاں سقم ہے۔ یعنی مروان گویا ایسی معصوم ومقدس ہستی ہے کہ اُس کی تعریف کا ہر شوشہ قطعی ہے اور اس کے لیے کسی روایت کی سند کی بھی ضرورت نہیں جبکہ اُس کے خلاف جانے والی بات ہر حال میں ناقابلِ قبول ہے اور اس کے لیے جو دھاندلی بھی ہو، اُسے بروئے کار لانا عین ایمان ہے کیوں کہ مروان خود مدارِ ایمان ہے، وہ نہ ہوگا تو فرقہ مروانیہ باقی کیسے رہے گا؟

☆ یہ حضرات حضور نبی اکرم ﷺ کی ان مرفوع احادیثِ مبارکہ کو اور آثارِ صحابہ کرام کو بھی جن میں حکم بن ابی العاص اور اس کی اولاد پر لعنت کا ذکر ہے، یکسر مسترد کرتے ہیں۔ (ہمیں اس باب کی اُن روایات سے سروکار نہیں جو من گھڑت یا شدید ضعیف ہیں۔ ہم اُن روایات کی بات کر رہے ہیں جو صحیح، حسن یا قابلِ قبول ضعف والی ہیں جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ اور بعض دیگر ماہرینِ حدیث کہہ چکے ہیں کہ اس باب کی بعض روایات قوی السند بھی ہیں۔) مروانی یا ان سے متاثرہ حضرات ان احادیث کو جھٹلانے کے لیے مختلف حیلے اختیار کرتے ہیں اور آلِ مروان کی "عصمت" کے گرد دھاندلی کا حصار باندھنے کے لیے مرفوع احادیث پر بھی اعتراضات کی کوشش کرتے ہیں۔

☆ بنو اُمیہ کی تعریف کی روایتوں میں اتنا عموم باور کراتے ہیں کہ مروان مع سات پشتوں کے اس میں سما جائے۔ جب کہ اس عموم میں تخصیص کرنے والی روایات چاہے سنداً و متناً زیادہ عمدہ ہوں، انہیں تسلیم نہ کیا جائے۔

مروانیوں کا سوال نامہ:

اب ہم اُس سوال نامے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ اگر مروان غلط کار اور مجرم تھا اور حضور ﷺ نے مروان کے والد حکم بن ابی العاص اور اس کی اولاد پر واقعی لعنت کی تھی تو مندرجہ ذیل اُمور کے جوابات دیے جائیں:

(۱) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مروان کو اپنا داماد، اپنا کاتب اور بحرین کا حاکم کیوں بنایا؟ انہوں نے حکم بن ابی العاص کو اس کی اولاد سمیت مدینہ میں قیام کی اجازت آخر کیوں دی؟ کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس ﷺ کی احادیث کا علم نہیں تھا؟ یا علم تھا مگر وہ ان احادیث کو اہمیت نہیں دیتے تھے؟

(۲) اگر حکم بن ابی العاص کے خاندان پر لعنت تھی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد نے اس خاندان کے ساتھ درج ذیل رشتے کیسے استوار کر دیے:

الف: رملہ بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، مروان کے بیٹے معاویہ کے نکاح میں تھی۔

ب: حسن مثنیٰ کی لڑکی زینب مروان کے پوتے ولید بن عبدالملک کے نکاح میں تھی۔

ج: امام حسن رضی اللہ عنہ کی پوتی نفیسہ بنت زید بن حسن، مروان کے پوتے ولید بن عبدالملک کے نکاح میں تھی۔

د: امام حسن رضی اللہ عنہ کی پوتی اُم کلثوم خدیجہ بنت الحسین بن حسن مروان کے بھائی حارث بن حکم کے پوتے اسماعیل بن عبدالملک بن حارث کے نکاح میں تھی۔

ح: حمادہ بنت حسن مثنیٰ بن حسن بن علی، مروان کے حقیقی بھائی حارث بن حکم کے پوتے اسماعیل بن عبدالملک بن حارث کے نکاح میں تھی۔

اگر حکم بن ابی العاص اور اس کی اولاد پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی تھی تو بنو ہاشم اس خاندان سے رشتے ناطے کیسے کرتے رہے؟ ثابت ہوا کہ حکم بن ابی العاص اور اس کی آل پر لعنت اور برائیوں کی تمام روایات جھوٹی ہیں۔

(۳) مروان جنگِ جمل کے بعد روپوش ہوگیا تھا۔ اُس نے حضرات حسنین کریمین، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم کے ذریعے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے امان مانگی۔ انہوں نے سفارش قبول کرلی۔ (سنن سعید بن منصور، ح: ۲۹۴۷) اگر مروان ایک بدکردار اور ملعون آدمی تھا تو ان صحابہ کرام نے اس کی سفارش کیوں کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سفارش منظور کیسے کرلی؟

(۴) اگر مروان نے جنگِ جمل میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا تو حضرت علیؓ نے اُسے معاف اور آزاد کیوں کردیا۔؟ اُسے پکڑ کر اس پر قصاص کیوں جاری نہ کیا؟

(۵) اگر مروان بدکردار اِنسان تھا تو حضرت زین العابدین رحمہ اللہ کے بارے میں امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کا یہ قول کیسے درست ہوگا کہ احسنهم طاعة واحبهم الیٰ مروان وعبدالملک بن مروان۔ (حضرت زین العابدین رحمہ اللہ مروان اور عبدالملک کے سب سے بہتر مطیع تھے اور انہیں اہلِ بیت میں سے بہت محبوب تھے) (تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ص ۴۱۳)

(۶) اگر حکم بن ابی العاص کا گھرانہ نفرت اور لعنت کا حق دار تھا تو حضرت

علی رضی اللہ عنہ نے بنواُمیہ کے بارے میں جن کی ایک شاخ الحکم اوراس کی آل ہے، یہ کیوں فرمادیا: ''اوزننا احلاماًاخوانناا بنو أمية'' (ہمارے بھائی بنواُمیہ ہم میں سب سے زیادہ حلم اوراخلاق والے ہیں) (مصنف عبدالرزاق، باب فضائل قریش)

(۷) صحیح مسلم میں ہے کہ مروان بعض اوقات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں اپنانائب بنا کرسفر پر جاتا تھا۔

عنِ ابنِ شِهاب اخبرنِي ابو سلمة بن عبدِالرحمٰنِ اَنَّ اَباهريرة كان حِين يستخلِفه مروان علىٰ المدِينة.... (مسلم شریف، ح:۸۹۶)

اگر مروان ملعون تھا اوراس کا کردار خراب تھا توحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس کی نیابت آخر کیوں قبول کرلیتے تھے؟

(۸) مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن جعفر، عن ابيه، قال: ان الحسن بن علي والحسين يصليان خلف مروان، قال: فقيل له: اكان ابوك يصلي اذا رجع الى البيت؟ قال: فيقول: لا والله، ما كانوا يزيدون علىٰ صلاة الائمة۔

(حضرت زین العابدین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما مروان کے پیچھے فرض نمازیں بھی ادا کرفرماتے تھے۔ پس زین العابدین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا تمہارے والد گھر جا کر نماز کا اعادہ کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہرگزنہیں، وہ اُس نماز سے زیادہ کچھ نہیں پڑھتے جو مسجد میں اماموں کے پیچھے پڑھ چکے ہوتے ہیں) (مصنف ابن ابی شیبہ، ح:۷۵۶۰)

اگر مروان بُرا شخص تھا توحضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اس کے پیچھے نمازیں کیوں ادا کرتے رہے؟

(۹) حضرت زین العابدین رحمہ اللہ نے بنواُمیہ کے بارے میں آخر یہ کیوں فرمایا: ''بل نصلّى خلفهم و نناكحهم بالسنة'' یعنی ہم بنواُمیہ کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے ہیں اوران سے سنت کے مطابق نکاح بھی کرتے ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ، ح:۷۵۶۹)

(۱۰) اگر مروان ملعون اور بدسیرت تھا تو امام بخاری رحمہ اللہ نے مروان بن الحکم کا ذکر کرتے ہوئے ''رضی اللہ عنہ'' کا لفظ استعمال کیوں کیا؟ یہ تو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مروان کو صحابی سمجھتے تھے۔ روایت یہ ہے: عن ابن شهاب، قال اخبرنی عروة بن الزبیر انه سمع مروان والمِسْوَر بن مَخْرَمَة رضی اللہ عنہما

(صحیح البخاری، ح: ۲۷۱۱)

اس میں مروان اور مسور بن مخرمہ کا ذکر کر کے دونوں کو ایک ساتھ صحابی مانا گیا ہے اور رضی اللہ عنہما کہا گیا ہے۔

(۱۱) اگر مروان دشمنِ اہل بیت تھا تو اس نے سادات کی نسل بڑھانے کی کوشش کیوں کی؟ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے جیسے ماہرِ علم رجال نے سیر اعلام النبلاء میں اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ جیسے مؤرخ نے البدایہ والنہایہ میں سنہ ۹۴ھ کی وفیات کے تحت نقل کیا ہے کہ مروان نے علی بن حسین زین العابدین رحمہ اللہ کو ایک لاکھ درہم دیے تا کہ وہ باندیاں خریدیں اور ان سے اولاد پیدا کریں، اور مروان نے مرتے وقت یہ وصیت بھی کر دی تھی کہ یہ رقم علی بن حسین رحمہ اللہ سے واپس نہ لی جائے یعنی یہ قرض نہیں، ہدیہ تھا۔ اس سے تو مروان کا محبِ اہلِ بیت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اگر یہ روایت جھوٹی ہے تو پھر حافظ ذہبی اور حافظ ابن کثیر رحمہما اللہ بھی جھوٹے ہوئے؟

(۱۲) ایک صحابی حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ اور کئی جلیل القدر تابعین یعنی حضرت زین العابدین (علی بن حسین) رحمہ اللہ، حضرت عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ، حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ وغیرہ نے مروان سے روایت کیسے لی؟ اور امام مالک رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ نے مؤطا میں مروان پر بھروسہ کیوں کیا؟

☆☆☆

جوابات

ہم اس سوال نامے کی تلبیسات کے جوابات نمبر وار پیش کرتے ہیں:

تلبیس (۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مروان کو کیوں نوازا؟

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مروان کو اپنا داماد، اپنا کاتب اور بحرین کا حاکم کیوں بنایا؟ انہوں نے حکم کو اس کی اولاد سمیت مدینہ میں قیام کی اجازت آخر کیوں دی؟ کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا علم نہیں تھا؟ یا علم تھا مگر وہ ان احادیث کو اہمیت نہیں دیتے تھے؟"

{تحقیق}

اس بارے میں پہلی عرض تو ہے کہ چودہ صدیوں میں حدیث کے کتنے بڑے بڑے ائمہ گزر چکے ہیں۔ محمود عباسی کے ظہور سے پہلے کوئی ایک عالم بھی دکھا دیجئے جس نے اس باب کی تمام احادیث کو موضوعات میں شمار کیا ہو۔ نیز یہاں تعارض کے جو پہاڑ آپ کو دکھائی دے رہے ہیں، چودہ صدیوں میں (محمود عباسی کے ظہور سے قبل) کوئی ایک محدث بتا دیجئے کہ جن کی عقل نے آپ کی عقل کے برابر کام کیا ہو اور یہ عقلی الجھن انہیں بھی پیش آئی ہو؟

درحقیقت یہ عقلی خلجان نواصب ہی کے پھیلائے ہوئے زہریلے لٹریچر نے پیدا کیے ہیں۔ اگر مذکورہ شبہ پیش کرنے والے حضرات حدیثِ رسول میں شک کرنے سے پہلے ذرا ان تاریخی روایات ہی کو شک کی نگاہ سے دیکھ لیتے تو مسئلہ حل ہو جاتا۔ جناب! یہ سب کی سب تاریخی روایات ہیں۔ وہی تاریخی روایات کہ ان سے حجاج اور مروان پر الزام آتا دیکھ کر آپ اوّل تا آخر دفترِ بے معنیٰ اور جھوٹ کا پلندا بتاتے ہیں اور مؤرخین کو بھی بدعقیدہ کہتے پھرتے ہیں، ساتھ ہی لوگوں کو دھوکہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم حدیث کے سامنے تاریخ کو پاؤں کی ٹھوکر میں رکھتے ہیں۔ مگر کیا حقیقت میں بھی ایسا ہی ہے؟

حقیقت تو یہ ہے کہ حدیث بھی اسی وقت تک آپ کی آنکھوں کا سُرما بن سکتی ہے جب تک وہ خاندانِ مروان کے خلاف نہ ہو۔ اگر کسی حدیث مبارکہ سے مروان اور اس کے گھرانے پر زد پڑتی ہے، تو اسے مسترد کرنے کے لیے آپ بے سند تاریخی

روایات ہی کا سہارا لیا کرتے ہیں۔آپ کی مذکورہ ''دلیل'' ہی آپ کی اس دھاندلی کا واضح ثبوت ہے۔ورنہ آپ ہی بتایئے کہ:

☆ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مروان کو داماد بنانا کونسی حدیث یا کونسی صحیح تاریخی روایت میں ہے؟

☆ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مروان کو اپنا کاتب بنانا کونسی حدیث یا کونسی صحیح تاریخی روایت میں ہے؟

☆ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مروان کو بحرین کا عامل بنانا کونسی حدیث یا کونسی صحیح تاریخی روایت میں ہے؟

آپ اصل مآخذ کو اٹھایئے تو ایک نظر ڈالتے ہی پتہ چل جائے کہ.....

☆ مروان کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا داماد ہونا ایک بے سند روایت ہے۔

(ملاحظہ ہو: المحبر: ص ۵۵؛ نسب قریش: ص ۱۱۲؛ انساب الاشراف: ۶ ص ۳۰۷)

☆ مروان کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کاتب ہونے کا ذکر بھی ایک بے سند روایت میں ہے جسے بعض مؤرخین نے ذکر کیا ہے۔

(تاریخ خلیفۃ بن خیاط: ص ۱۷۹؛ المحبر: ص ۴۷۷؛ طبقات ابن سعد: ۵ ص ۳۶)

☆ مروان کا بحرین کا حاکم ہونا بھی بے سند روایت ہے۔

(ملاحظہ ہو: تاریخ خلیفۃ بن خیاط: ص ۱۸۰)

ایسی گری پڑی تاریخی روایات کو احادیث سے متعارض دکھانا بالکل خلاف اصول ہے۔تعارض تب ہوتا ہے جب دونوں طرف دلائل کی قوت یکساں یا قریب قریب ہو۔آپ حضرات کی دی ہوئی مثالیں تو ایسی ہیں جیسے ائمہ اربعہ کے متفقہ فتوے کے مقابلے میں عمر خیام کی رباعی پیش کر دی جائے اور کہا جائے کہ دونوں میں تعارض ہے۔

چلیے ہم ان بے سند روایات کو ایک ''جنرل نالج'' کے طور پر تسلیم کر کے مان لیتے ہیں کہ مروان بن حکم کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوئی اہم عہدہ دیا ہوا تھا۔اس کے ساتھ یہ حقیقت تسلیم کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ اُس زمانے میں

اُس سے کوئی بڑا جرم صادر نہیں ہوا تھا۔ پس اس سے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی تک ہی مروان کا صالح ہونا ثابت ہوگا۔ اس سے یہ کیسے ثابت ہوسکتا ہے کہ وہ بعد میں ہمیشہ نیک وصالح رہا جبکہ صحیح السند روایات یہ ثابت کرتی ہیں کہ مروان بن حکم بعد کی زندگی میں کئی عظیم جرائم کر گیا تھا۔ اس کے باوجود نواصب کا مذہب یہی ہے کہ مروان کی بے سند روایات والی خوبیاں بھی ثابت ہیں جبکہ صحیح السند روایات سے ثابت شدہ اس کے تمام جرائم کالعدم ہیں۔

اگر نواصب کے نزدیک اصول یہی ہے کہ اگر کوئی کسی صحابی کی زندگی میں اس کا معتمد رہا ہو تو اس صحابی کے گزر جانے کے بعد بھی اسے معتمد اور صالح ماننا لازم ہے تو یہ اصول بالکل غلط ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں کتنے ایسے لوگ تھے جو اسلام لائے مگر عہدِ صدیقی میں مرتد ہوگئے۔ نواصب کے اصول کے مطابق تو ان سب کے ارتداد کے واقعات قصے کہانیاں ہوں گے۔ یاد رہے کہ ان میں کئی وہ تھے جو مدینہ آئے، دین کا علم بھی سیکھا، وقتی طور پر صحبتِ نبویہ بھی پائی مگر بعد میں مسیلمہ کذاب کے پیروکار بلکہ دست راست بن گئے۔ مُجاعہ بن مرارہ اور نہار الرجال بن عنفوہ جیسے سرداروں کی مثالیں انہی کتبِ تاریخ میں موجود ہیں جن سے آپ نے مناصبِ مروان کی بے سند روایات نقل کی ہیں۔ چنانچہ مؤرخین نقل کرتے ہیں حضور اکرم ﷺ کے آخری سالوں میں بنوحنیفہ کا مجاعہ بن مرارہ حاضر ہوا اور سلام لایا اور اس درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے اتنا کرم فرمایا کہ یمامہ کی ایک غیر آباد زمین اس کے نام کردی تاکہ وہ وہاں کاشت کاری کرے۔ اسی دوران بنوحنیفہ کے نہار بن عُنفُوہ نے اسی سفر میں سورۃ البقرہ سیکھی۔ بعد میں یہ لوگ مرتد ہوگئے۔ (فتوح البلدان: ۱ ص ۹۳)

اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا صحبت یافتہ ہونے سے مروان کے بعد کے جرائم بھی کالعدم ماننا لازمی ہے، تو ان مرتد لوگوں کے بعد کے جرائم اور ارتداد بھی کالعدم مانئے جو کچھ دنوں تک صحبتِ نبویہ پاکر بعد میں مرتد ہوئے۔ اور اگر ان لوگوں کا رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے بعد بھی جھوٹے نبی کا پیروکار بن کر کافر ومرتد ہوجانا تسلیم ہے

تو مروان کا بعد میں کبیرہ گناہوں اور قومی جرائم میں ملوث ہونا کیوں کر محال ہو گیا؟

اصولی بات یہ ہے کہ کسی شخص کا کسی مقدس ہستی سے ایک دور میں تعلق رہنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ شخص بعد میں ہمیشہ حق پر مستقیم رہے گا۔ اسی اصول کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ ایسے گمراہ شخص کی بعد میں بے راہ روی کو لے کر اس مقدس ہستی کو کوئی الزام نہیں دیا جاسکتا۔ پس مروان کا مجرم ہونا بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور کے بعد کا معاملہ ہے جیسے یزید کا فاسق ہونا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد کا مسئلہ ہے۔

اس کے برعکس اگر کوئی شخص پہلے کسی جرم میں مبتلا ہوا ہو۔ اس کے بعد کسی مقدس ہستی نے اسے اپنے قریب کیا ہو یا اسے عہدہ سونپا ہو تو یہ اس بات کی علامت ضرور ہے کہ وہ شخص تائب ہو گیا تھا اور اب اس کی حالت سدھر گئی تھی۔ اگر آپ اس شخص کو اب بھی شریر، مجرم اور بدکردار کہیں گے تو یہ براہِ راست اس مقدس ہستی پر حملہ ہوگا۔ مثلاً حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے سے پہلے جو کیا، سو کیا۔ مگر جب صحبتِ نبویہ سے مشرف ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے اسلام پر اعتماد کر لیا تو یہی ان کے مؤمن، صالح اور معتمد ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

اسی طرح محمد بن ابی بکر یا اَشتر نخعی بلاشبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنے میں مبتلا ہوئے مگر اس کے بعد اپنا ہاتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا، اور انہوں نے ان کو مختلف خدمات بھی سونپیں تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ لوگ بہر حال قاتل نہیں تھے، قابلِ قصاص نہیں تھے اور توبہ تائب ہو کر شرعاً مامون تھے۔

میں نے عرض کیا ہے مروانیوں کے دینے کے باٹ الگ ہیں اور لینے کے الگ۔ اب یہاں بھی دیکھ لیجئے۔ مروانی مروان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی صحبت میں دیکھ کر تو اس کی زُلفِ فضائل اتنی دراز کر دیتے ہیں کہ بعد کے جرائم بھی اس میں چھپا دیتے ہیں مگر محمد بن ابی بکر اور اَشتر نخعی کو قاتلِ عثمان، قاتلِ عثمان کہتے نہیں تھکتے اور یہ تاثر دیتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قاتلوں کے سرپرست اور انہیں اپنا مقرب بنانے کے مجرم تھے۔ نعوذ باللہ!

حالانکہ اگر اتنا بڑا الزام لگانا ہی ہے تو اسے صحیح اور غیر معارض روایت سے ثابت کرنا ضروری ہے، جیسا کہ مروان کا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا، صحابہ کی توہین کرنا اور دیگر جرائم صحیح اسناد سے ثابت ہیں۔ مگر وہاں چوں کہ معاملہ مروان کا ہے، اس لیے صحیح روایت میں بھی کیڑے نکالے جاتے ہیں۔ اِدھر معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عزت کا ہے، اس لیے اس پر خاک ڈالنے کے لیے کوئی بھی روایت اٹھا کر پیش کر دی جاتی ہے۔

عجیب منطق ہے کہ چونکہ مروان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے افسر بنایا تھا تو اس کی شان اتنی بلند ہوگئی کہ ان کی وفات کے بعد بھی مروان سے کوئی جرم نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی صحیح سند سے بھی نقل کر دے کہ اُس نے فلاں جرم کیا ہے (جیسا کہ اس کا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا، بسندِ صحیح ثابت ہے) تو روایت مردود ہے اور اسے ماننا توہینِ صحابہ ہے۔ دوسری طرف محمد بن ابی بکر اور اَشتر نخعی کو چوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عہدہ دئے دیے تھے تو ان اُفسران کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عین دورِ خلافت میں قاتل ماننے سے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی توہین نہیں ہو رہی؟ حالانکہ قتل شرعاً اکبر الکبائر ہے اور پھر ایک خلیفہ راشد کا قتل کتنا بڑا گناہ ہوگا، اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ اتنے بڑے جرم کا داغ ان لوگوں پر لگانے میں مروانیوں کو کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ کیوں کہ مروانی توہینِ علی رضی اللہ عنہ کو توہینِ صحابہ تصور ہی نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک یہ ''تاریخی حقائق'' ہیں۔

جہاں تک مروان اور اس کے والد حکم بن ابی العاص کو مدینہ میں قیام کی اجازت دینے کا تعلق ہے، تو عرض ہے کہ حکم بن ابی العاص کی جلاوطنی ختم کرنے یا اس کی اولاد کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ میں قیام کی اجازت مل جانے سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ آلِ حکم (مروان وغیرہ) سے اب قیامت تک کوئی گناہ یا جرم سرزد نہیں ہوگا۔ کسی کی سزا کا خاتمہ اس کی موجودہ صورتحال کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ بعد میں کیا ہوگا؟ یہ غیب کا معاملہ ہے جس کا علم فقط اللہ کو ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی حکم بن ابی العاص کی جلاوطنی ختم کرنے کی وجہ یہی بتائی تھی کہ اس نے توبہ کر لی ہے۔ چنانچہ جب بعض لوگوں نے اس اقدام پر اعتراض کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''رہا تمہارا اعتراض کہ میں نے حکم بن ابی العاص کو (مدینہ میں) ٹھکانہ کیوں دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ كَانَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْكَافِرِ، وَإِنَّ الْحَكَمَ تَابَ فَقَبِلْتُ تَوْبَتَهُ

(رسول اللہ ﷺ کافر کی توبہ قبول کرتے تھے۔ بے شک حکم نے توبہ کرلی ہے اور میں نے اس کی توبہ قبول کرلی ہے) (تاریخ المدینۃ لابن شبہ: ۳ ص ۱۰۹۲)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے مروان کے باپ حکم بن ابی العاص کو مدینہ میں رہنے کی اجازت دینے یا مروان کو عہدہ سونپ دینے سے مروان کے بعد والے قومی جرائم کی نفی نہیں ہوتی۔

(ملحوظہ: حکم بن ابی العاص اور اس کی آل پر لعنت سے متعلق احادیث کی تحقیق پیچھے کتاب میں گزر چکی ہے جس میں یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ ایسی بعض احادیث صحیح اور بعض حسن ہیں جبکہ بعض ضعیف مگر متابعت کی بناء پر مقبول ہیں۔ اگر کسی نے وہ بحث نہ دیکھی تو اب وہاں دیکھ سکتا ہے)

تلبیس (۲)

بنو ہاشم نے آلِ مروان سے رشتے کیوں رکھے؟

اگر حکم بن ابی العاص کے خاندان پر لعنت تھی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد نے اس خاندان کے ساتھ درج ذیل رشتے کیسے استوار کرلیے:

الف: رملہ بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، مروان کے بیٹے معاویہ کے نکاح میں تھی۔

ب: حسن مثنیٰ رحمہ اللہ کی لڑکی زینب مروان کے پوتے ولید بن عبدالملک کے نکاح میں تھی۔

ج: امام حسن رضی اللہ عنہ کی پوتی نفیسہ بنت زید بن حسن، مروان کے پوتے ولید بن عبدالملک کے نکاح میں تھی۔

د: امام حسن رضی اللہ عنہ کی پوتی اُم کلثوم خدیجہ بنت الحسین بن حسن مروان کے بھائی حارث بن حکم کے پوتے اسماعیل بن عبدالملک بن حارث کے نکاح میں تھی۔

ح: حمادہ بنت حسن مثنیٰ بن حسن مروان کے حقیقی بھائی حارث بن حکم کے پوتے اسماعیل بن عبدالملک بن حارث کے نکاح میں تھی۔

اگر حکم بن ابی العاص اور اس کی اولاد پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی تھی تو بنو ہاشم اس خاندان سے رشتے ناطے کیسے کرتے رہے؟ پس ثابت ہوا کہ حکم بن ابی العاص اور اس کی آل پر لعنت کی احادیث بھی جھوٹی ہیں اور ان کی برائیوں پر مشتمل تمام روایات بھی من گھڑت ہیں۔

{تحقیق}

پہلے مروان کا دفاع کرنے والے حضرات یہ بتائیں کہ:

☆ رملہ بنت علی بن ابی طالب کا مروان کے بیٹے معاویہ کے نکاح میں ہونا کونسی حدیث یا کونسی صحیح تاریخی روایت میں ہے؟ درحقیقت یہ بے سند روایت ہے۔

(ملاحظہ ہو: المحبر: ص ۵۶؛ نسب قریش: ص ۴۵؛ جمہرۃ انساب العرب: ص ۸۷)

☆ حسن مثنیٰ رحمہ اللہ کی لڑکی زینب کا مروان کے پوتے ولید بن عبدالملک کے نکاح میں ہونا کونسی حدیث یا کونسی صحیح تاریخی روایت میں ہے؟ درحقیقت یہ بھی بے سند روایت ہے۔ (ملاحظہ ہو: نسب قریش: ص ۵۲؛ جمہرۃ انساب العرب: ص ۸۸)

☆ امام حسن رضی اللہ عنہ کی پوتی نفیسہ بنت زید بن حسن کا مروان کے پوتے ولید بن عبدالملک کے نکاح میں ہونا کونسی صحیح روایت میں ہے؟ درحقیقت یہ بھی بے سند روایت ہے۔

(ملاحظہ ہو: طبقات ابن سعد: ۵ ص ۳۱۸، ط صادر؛ نسب قریش: ص ۳۲؛ انساب الاشراف: ۸ ص ۶۵)

☆ امام حسن رضی اللہ عنہ کی پوتی اُم کلثوم خدیجہ بنت الحسین بن حسن کا مروان کے بھائی حارث بن حکم کے پوتے اسماعیل بن عبدالملک بن حارث کے نکاح میں ہونا کون سی حدیث یا کونسی صحیح تاریخی روایت میں ہے؟

درحقیقت یہ بھی بے سند روایت ہے۔

(ملاحظہ ہو: نسب قریش: ص ۱۷۱،۱۷۱؛ جمہرۃ انساب العرب: ص ۱۰۹)

☆ حمادہ بنت حسن مثنیٰ بن حسن کا مروان کے حقیقی بھائی حارث بن حکم کے پوتے اسماعیل بن عبدالملک بن حارث کے نکاح میں ہونا کسی قسم کی روایت میں ہے؟ درحقیقت یہ بھی بے سند روایت ہے۔ (ملاحظہ ہو: جمہرۃ انساب العرب: ص ۱۰۹)

الغرض! یہ تمام کی تمام بے سند روایات ہیں۔ ایسی روایات سے حدیث کے خلاف استدلال (چاہے وہ ضعیف حدیث ہو) بالکل غلط ہے۔ اگر بالفرض ایسی تاریخی روایات کو قبول کیا جائے تو شرط یہ ہے کہ ایسی تاویل کے ساتھ قبول کیا جائے کہ ان سے کسی مقبول حدیث کو ٹھیس نہ پہنچے۔ لیکن اگر مناسب تاویل نہ سمجھ آسکے تو پھر ان بے سند روایات کو مسترد کیا جائے گا نہ کہ حدیث کو۔ حکم بن ابی العاص اور اس کی آل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت صحیح و حسن احادیث میں مذکور ہے۔ (تفصیل کتاب میں پیچھے گزر چکی) بے سند روایات کی بناء پر ان فرامینِ نبویہ کو کیسے مسترد کیا جاسکتا ہے؟ مگر جنہیں مروان اور آلِ مروان سے جذباتی تعلق ہے، وہ بے سند روایات کے بل بوتے پر حسن اور صحیح درجے کی مرفوع احادیث کو بھی پامال کرنا عین ثواب اور عین ایمان تصور کرنے لگے ہیں۔

تلبیس (۳)

مروان کی سفارش حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے کیوں کی؟

جنگ جمل کے بعد مروان روپوش ہو گیا تھا۔ اُس نے حضرات حسنین کریمین، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم کے ذریعے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے امان مانگی۔ انہوں نے سفارش قبول کرلی۔ (سنن سعید بن منصور، ح: ۲۹۴۷) اگر مروان ملعون اور بُرا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سفارش قبول کیوں کی؟

{تحقیق}

ایسا لگتا ہے کہ یہ دلیل دینے والے ہوش و خرد کھو چکے تھے۔ کیا انہوں نے سیرتِ طیبہ، سیرتِ صحابہ اور اسی طرح مسلم خلفاء اور سلاطین کے وہ بے شمار واقعات

نہیں پڑھے جن میں کافروں تک کے ساتھ مہربانی کے واقعات مذکور ہیں اور خاص کر جنگوں میں مخالفین کو مغلوب کرنے کے بعد انہیں اکثر وبیشتر معاف کرنے اور آزاد کرنے کا معمول رہا ہے جو سبھی جانتے ہیں۔ کافر سرداروں کو عزت واحترام کے ساتھ واپس بھیجنے کے واقعات بھی کچھ کم نہیں۔

ان تمام مواقع پر آپ کیا کہیں گے؟ کیا یوں آزاد ہوجانے سے یہ تمام کفار اولیاء اللہ ثابت ہوگئے؟ یا وہ تو کافر کے کافر رہے مگر انہیں آزاد کرنے والے شرعاً، عقلاً، عرفاً یا اخلاقاً غلط کار ثابت ہوگئے؟ کیا مروان کے دفاع میں ایسی دلیلیں پیش کرنے والے کوئی الگ فقہ مدون کر چکے ہیں جس کے مطابق غالب پر مغلوب قوم کے ہر فرد کو گرفتار یا قتل کرنا شرعاً واجب ہے؟ اور اگر کسی کو آزاد کر دیا گیا تو فقہی وشرعی لحاظ سے وہ ولی اللہ ثابت ہوجائے گا؟

اگر ایسا کوئی مسئلہ فقہ میں ہے ہی نہیں تو پھر مروان کی بعض بُرائیاں بھی اپنی جگہ رہیں گی اور اسے آزاد کرنے کا فیصلہ بھی درست رہے گا۔ پس جنگِ جمل کا مذکورہ واقعہ کسی بھی طرح مروان کے بے قصور ہونے کا ثبوت نہیں بن سکتا۔

تلبیس (۴)

مروان حضرت طلحہ کا قاتل تھا تو حضرت علی نے اسے قصاصاً کیوں قتل نہ کیا؟

اگر مروان نے ہی جنگِ جمل میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا تو پھر ضروری تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اُسے معاف نہ کرتے بلکہ گرفتار کر لیتے اور اُسے قصاصاً قتل کر دیتے۔ مگر انہوں نے اسے آزاد کر دیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بے گناہ تھا۔

{تحقیق}

آپ کا یہ کہنا کہ جنگِ جمل کے بعد مروان کو آزاد کرنا اس کی دلیل ہے کہ وہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل نہ تھا، درحقیقت فقہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اجتہادی مذہب یہ تھا کہ خانہ جنگی کی کسی لڑائی کے دوران فریقین نے ایک دوسرے کے جو لوگ قتل کیے، ان کے حوالے سے کسی پر کوئی مؤاخذہ نہیں

ہوگا۔ بعد میں اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا تھا، اسی لیے یہ مسئلہ اربعہ ائمہ کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ (المبسوط للسرخسی، باب الخوارج: ۱۰ص ۱۲۷، ۱۲۸؛ الفقہ الابسط لابی حنیفۃ: ص ۲۰)

یہی وجہ تھی کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قتل کے بدلے مروان سے قصاص نہ لیا گیا اور جرم ثابت ہونے کے باوجود عدالت میں اس پر کوئی مقدمہ نہیں چلایا گیا کیوں کہ قضاءً یہ مقدمہ ناقابلِ سماعت تھا۔

اگر آپ کے نزدیک مروان سے قصاص نہ لینا اس کے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قتل سے برأت کی دلیل ہے تو عمرو بن جرموز کے بارے میں کیا کہیں گے جو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اس اعتراف کے ساتھ آیا تھا کہ اُس نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا ہے۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُسے جہنم کی وعید سنانے پر اکتفا کیا اور قصاص نہیں لیا۔

یہاں آپ کیا فرمائیں گے؟ عمرو بن جرموز جھوٹ بول رہا تھا؟ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی بات کا یقین نہیں آیا تھا؟ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ انصاف کے تقاضے پورے کرنے میں متساہل تھے۔ (نعوذ باللہ)

یاد رہے کہ راجح روایت کے مطابق عمرو بن جرموز حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت تک زندہ تھا۔ انہی دنوں اس نے خود کو قصاص کے لیے پیش کیا مگر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اس کی جان حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے جوتے کے تسمے کے برابر بھی نہیں۔ اس پر ابن جُرموز اتنا دل برداشتہ ہوا کہ خودکشی کر لی۔ (تاریخ الاسلام للذہبی: ۳/۵۰۸، ت تدمری: ۲/۸۷۰، ت بشار)

اصل بات یہی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا اُس سے قصاص نہ لینا، اُسی شرعی حکم کی وجہ سے تھا جس کے باعث مروان سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قصاص نہ لیا گیا اور وہ شرعی حکم یہ ہے کہ خانہ جنگی کے دوران حالتِ جنگ میں قتل ہونے والوں کا خون قابلِ قصاص نہیں ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن جُرموز کو ڈانٹنے پر اکتفا کیا اور اس پر قصاص جاری نہیں کیا۔ پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی طلب کے باوجود اُس سے

قصاص نہ لیا مگر ساتھ ہی ایسی تعبیر اختیار کی کہ وہ احساسِ جرم سے عاری نہ ہو جائے اور توبہ استغفار کرتا رہے۔ انہیں یہ اندازہ نہ ہوگا کہ وہ دل برداشتہ ہو کر خودکشی کر لے گا۔ بہرکیف اس فعل نے اس کے جہنمی ہونے کی اس وعید کی توثیق کر دی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سنائی تھی۔ الغرض حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مروان سے قصاص نہ لینا اسے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قتل سے کسی طرح بھی بری نہیں کرتا۔

تلبیس (۵)

حضرت زین العابدینؒ مروان اور آلِ مروان کے مطیع اور ان کے محبوب کیوں تھے؟

اگر مروان اور اُس کا باپ اور اس کا کنبہ ملعون تھے یا مروان بڑے بڑے جرائم میں ملوث تھا تو حضرت زین العابدین رحمہ اللہ کے بارے میں امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کا یہ قول کیسے درست ہوگا کہ:

احسنهم طاعة واحبهم الى مروان وعبدالملک بن مروان

(حضرت زین العابدینؒ مروان اور عبدالملک کے سب سے زیادہ مطیع تھے اور انہیں اہلِ بیت میں سے بہت محبوب تھے) (تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ص ۴۱۳)

{تحقیق}

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں عبارت کے پہلے حصے "احسنهم طاعة" کا ترجمہ بالکل غلط کیا گیا ہے۔ یہاں جمع کی ضمیر بنو ہاشم کی طرف لوٹ رہی ہے نہ کہ بنو اُمیہ کے ان حکمرانوں مروان اور عبدالملک وغیرہ کی طرف۔ عبارت کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ

"حضرت زین العابدینؒ بنو ہاشم میں سب سے زیادہ اطاعت گزار شخصیت تھے"

ظاہر ہے کہ یہاں ان کی نیکی اور بزرگی کا بیان ہو رہا ہے اور وہ اللہ کی اطاعت سے ثابت ہوتی ہے نہ کہ کسی خاص خاندان کی فرمانبرداری سے۔ اس لیے عبارت سے مراد یہی ہے کہ وہ اپنے دور کے ہاشمی بزرگوں میں سب سے زیادہ پابندِ شریعت انسان تھے۔ یہاں لفظوں میں اطاعت کی نسبت بنو اُمیہ کی طرف قطعاً نہیں ہے کہ ہم اپنی طرف سے اُس کا اضافہ کر کے کہیں کہ وہ بنو اُمیہ کے سب سے زیادہ مطیع تھے۔

ویسے اس عبارت سے ہٹ کر دیگر دلائل کی روشنی میں دیکھا جائے کہ حضرت زین العابدین رحمہ اللہ حکمرانوں کے مطیع تھے یا نہیں؟ اور تھے تو کن حدود میں؟ تو یہ ایک الگ بحث ہوگی جس کی تفصیل میں جانے کا یہاں موقع نہیں۔ تاہم خلاصہ یہی ہے کہ جائز معاملات میں وہ حکمرانوں کی مخالفت نہیں کرتے تھے جیسا کہ شرعاً یہی مطلوب ہے کہ مشروع اُمور میں فاسق اور ظالم حکمران کی بھی اطاعت کی جائے۔

اب آتے ہیں ہم اس عبارت کے دوسرے حصے کی طرف جس کا مفہوم یہ ہے کہ بنو ہاشم میں سے مروان اور عبدالملک کو حضرت زین العابدینؒ سب سے زیادہ پسند تھے۔

اس عبارت سے مروان کے مداح اُسے ایک فرشتہ خصال ہستی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر ہمارا سوال یہ ہے کہ فساق وفجار لوگ کسی نیک آدمی کو پسند کریں تو فقط اتنی بات سے وہ خود کیسے نیک ثابت ہو جائیں گے۔ اگر یہی بات ہے تو پھر قیصر ہرقل کا اسلام بدرجۂ اولیٰ ثابت ہو جائے گا کہ صحیح بخاری کی روایت میں اس کے وہ الفاظ موجود ہیں جو نبی اکرم ﷺ سے محبت کی عکاسی کرتے ہیں۔

فلو أني أعلم أني أخلص إليه لتجشمت لقائه ولو كنت عنده لغسلت عن قدمه

''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں ان تک پہنچ سکوں گا، تو ان کی ملاقات کے لیے مشقت اٹھالیتا۔ اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان قدم دھو کر پیتا۔''

(صحیح البخاری، ح:۷، باب بدء الوحی)

اگر مروان اور عبدالملک صحابہ کی بارہا گستاخیوں اور بعض صحابہ کے قتل تک میں ملوث ہونے کے باوجود اہلِ بیت کے صرف ایک بزرگ حضرت زین العابدین رحمہ اللہ سے اظہارِ محبت کے باعث ثقہ وعادل ونیکوکار ثابت ہو جاتے ہیں تو شیعہ کو بدرجۂ اولیٰ عادل اور ثقہ ثابت ہونا چاہیے جو بہت سے اکابرِ اہلِ بیت سے اظہارِ محبت کرتے ہیں۔ نیز ان تمام فاسق بادشاہوں کو نیک وصالح ہونے کی سند دیجئے جو بعض صحابہ یا تابعین سے عقیدت رکھتے تھے۔

آج کل کے اُن ظالم وخائن سیاست دانوں کو بھی اولیاء اللہ تسلیم کر لیجئے جو

ہزار ہا فاسقانہ وظالمانہ افعال کام کرتے ہیں مگر نیک شخصیات کی برسی کے مواقع پر زبانی کلامی بیان دے کر یا بزرگوں کے عرسوں کے دن مزارات پر حاضری دے کر ان حضرات سے اظہار عقیدت کیا کرتے ہیں۔ اگر ہم ان لوگوں کو فقط اس بات پر نیک وصالح نہیں مان سکتے بلکہ اصل دارومدار ان کے اعمال پر رکھتے ہیں اور ظالم حکام کی بعض اولیاء سے محبت کو ہم عموماً دکھاوے اور نمائش پر محمول کر لیتے ہیں تو یہی موٹی سی بات آپ کو مروان اور عبدالملک کے بارے میں سمجھ نہیں آسکتی؟

نیز اگر مروان اور عبدالملک کی حضرت زین العابدین رحمہ اللہ سے محبت کو سچا مانا جائے تب بھی اس کی وجہ خود کتب تاریخ میں موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ حرہ کی جنگ سے قبل حضرت زین العابدین رحمہ اللہ نے مروان کی درخواست پر اس کے گھرانے کو اپنے ہاں پناہ دی تھی۔

وَقَدْ كَانَ عَلِيَ بن الْحُسَيْن لما خرج بنو أُمَيَّة نحو الشام أوى إِلَيْهِ ثقل مَرْوَان بن الحكم، وامرأته عَائِشَة بنت عُثْمَان بن عَفَّانَ۔۔۔ وكلم مَرْوَان بن الحكم ابن عُمَرَ أن يغيب أهله عنده، فأبى ابن عمر أن يفعل، وكلم عَلِيَ بن الْحُسَيْن، وَقَالَ: يَا أَبَا الْحَسَن، إن لي رحما، وحرمي تكون مع حرمك، فَقَالَ: افعل، فبعث بحرمه إِلَى عَلِيَ بن الْحُسَيْن۔۔۔ وَكَانَ مَرْوَان شاكرا العلي بن الْحُسَيْن

''جب بنو اُمیہ شام کی طرف نکلے تو علی بن الحسین نے مروان بن حکم کے اہل وعیال، ساز وسامان اور اس کی بیوی عائشہ بنت عثمان کو اپنے ہاں پناہ دی۔..... (پہلے) مروان بن حکم نے عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) سے بات کی تھی کہ وہ اس کے اہل وعیال کو اپنے ہاں چھپالیں مگر عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر اس نے علی بن الحسین سے بات کی اور کہا: اے ابوالحسن! میری آپ سے رشتہ داری ہے۔ میرے اہل وعیال آپ کے اہل وعیال کے ساتھ رہیں۔ انہوں نے کہا: میں تیار ہوں۔ پس مروان نے اپنے اہل وعیال کو علی بن الحسین کے ہاں بھیج دیا۔..... (اسی بناء پر) مروان علی بن الحسین کا احسان مند رہا۔''

(تاریخ الطبری: ۵ ص ۴۸۵، عن الواقدی)

یہ تھا حضرت زین العابدین رحمہ اللہ کا وہ احسان جس کے باعث مروان اور اس کا بیٹا عبدالملک ان کی عزت وتکریم کرتے رہے۔

یہ تفاصیل بلاشبہ ضعیف اسناد سے مروی ہیں۔ اگر ہم مروانیوں کی طرح ضد پر آئے ہوتے تو یہاں راویوں پر جرح کر کے ان تمام روایات کو آسانی سے مسترد کر سکتے تھے مگر بحمد اللہ ہم نے اپنے اکابر سے دامنِ اعتدال کو تھامنے اور کج بحثی سے بچنے کی تربیت لی ہے۔ اس لیے ہم علمی بات ہی عرض کریں گے کہ ایسی جزئی تفاصیل میں ضعیف روایت (جبکہ وہ کسی شرعی وعقلی اصول کے خلاف نہ ہو) بلاشبہ مقبول ہوتی ہے۔

نیز ان روایات سے تو حضرت علی بن حسین رحمہ اللہ کی بے پناہ کشادہ دلی کا اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے سابقہ تلخیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اللہ کی رضا کی خاطر مروان کے اہل وعیال کو پناہ دی۔ تاہم اس ضعیف السند واقعے سے اُن صحیح السند یا نسبتاً قوی الاسناد روایات کی تردید ہرگز ہرگز جائز نہ ہوگی جن سے مروان کے متعدد جرائم ثابت ہیں۔

جو لوگ علی بن حسین رحمہ اللہ کی اس مہربانی کا حوالہ دے کر مروان کو ہر جرم سے پاک صاف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ علی بن حسین رحمہ اللہ اس پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہیں جو کفار کی امانتیں بھی محفوظ رکھتے تھے۔ اہل اللہ کی درگزر اور مہربانیوں سے ان کے دشمنوں کا ولی اللہ ہونا ثابت نہیں ہو جاتا بلکہ ان پر اللہ کی حجت تمام ہو جاتی ہے۔

تلبیس (۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بنو اُمیہ کی تعریف کیوں کی؟

اگر حکم بن ابی العاص کا گھرانہ نفرت اور لعنت کا حق دار تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بنو اُمیہ کے بارے میں جن کی ایک شاخ الحکم اور اس کی آل ہے، یہ کیوں فرمادیا: "اوزننا احلاماً اخو اننا بنو أمية"

(ہمارے بھائی بنو اُمیہ ہم میں سب سے زیادہ حلم اور اخلاق والے ہیں)

(مصنف عبدالرزاق، باب فضائل قریش)

{تحقیق}

یہاں اگر ہم بھی مروانی حضرات کا وہی نشتر اٹھالیں جو دفاعِ مروان کے لیے احادیثِ نبویہ کی اسناد پر بھی بے دریغ چلتا ہے تو ہم بھی کہہ سکتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول قابلِ استدلال نہیں کیوں کہ اس کے ناقل ابن سیرین رحمہ اللہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔

مگر ہمیں بحمداللہ ایسے ہتھکنڈوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم اس روایت کو مانتے ہوئے مروان کا دفاع کرنے والے حضرات سے پوچھتے ہیں کہ کیا کوئی معتبر ہستی کسی خاندان یا قبیلے کی تعریف کردے تو اس کا ہر ہر فرد قابلِ تعریف ہوجاتا ہے؟ اور کیا اس طرح اُس کے بعض اَفراد کے ثابت شدہ جرائم کالعدم ہوجاتے ہیں؟ یا اگر اس خاندان کے بعض اَفراد بُرے نکل آئیں تو تعریف کرنے والا غلط ثابت ہوجائے گا؟ ظاہر ہے کہ ایسا بالکل نہیں ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے انصار کے جن خاندانوں کی بطورِ خاص تعریف فرمائی ہے، ان میں بنوخزرج بھی ہیں۔

(سنن الترمذی، ح: ۳۹۱۳، ابواب المناقب، باب مناقب الانصار وقریش) قال الترمذی: حسن صحیح

کیا اس سے بنوخزرج کے منافق سردار عبداللہ بن اُبی کے جرائم کی روایات غیر معتبر ہوجائیں گی؟

کیا یہاں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ عبداللہ بن اُبی کے جرائم اگر واقعی ثابت تھے تو رسول اللہ ﷺ نے خزرج کی تعریف کیوں فرمائی جس کا ایک بڑا سردار عبداللہ بن اُبی تھا؟

ہم جانتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے قریش اور بنو ہاشم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا:

واصطفی من بنی کنانۃ قریشا، واصطفی من قریش بنی ھاشم

''اللہ نے بنو کنانہ سے قریش کو پسند کرلیا اور قریش سے بنو ہاشم کو منتخب کرلیا۔'' (صحیح مسلم، ح:۶۰۷۷، باب فضل نسب النبی ﷺ)

کیا اس حدیث کو لے کر قریش اور بنو ہاشم کے ہر ہر فرد کے نیک سیرت ہونے کا دعویٰ جائز ہے؟

کیا اس طرح ابوجہل کو مؤمن کامل ثابت کیا جاسکتا ہے کیوں کہ وہ قریشی تھا؟

کیا اس بنیاد پر ابولہب کو نیک وصالح تصور کرنا درست ہوگا کیوں کہ وہ ہاشمی تھا؟

ایسا لگتا ہے کہ مروان سے دلی تعلق نے اس کا دفاع کرنے والوں کو ایسا جذباتی بنا دیا ہے کہ وہ درجہ ثالثہ میں پڑھائی جانے والی ''اصول الشاشی'' کے ابتدائی صفحات کی بنیادی بحث ''عام وخاص'' کو بھی بھول گئے جس میں واضح ہے کہ بعض نصوص ''عام'' میں تخصیص کردیتی ہیں اور اس کے بعض اَفراد کو عمومی حکم سے نکال دیتی ہیں۔

تلبیس (۷)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروان کے نائب کیوں بنتے تھے؟

صحیح مسلم میں ہے کہ مروان بعض اوقات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں اپنا نائب بنا کر سفر پر جاتا تھا۔

عنِ ابنِ شِهاب اخبرني ابو سلمة بن عبدِ الرحمٰنِ اَنَّ اَبا هريرة كان حِين يستخلِفه مروان على المدِينة، إذا اقام للصلٰوة المكتوبة كَبَّرَ۔

(ابن شہاب سے مروی ہے کہ مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے خبر دی کہ ابوہریرہ کو جب مروان مدینہ میں اپنا نائب بنا کر جاتا تھا تو جب وہ فرض نماز پڑھانے کھڑے ہوتے تھے تو تکبیر کہتے تھے) (صحیح مسلم، ح:۸۹۶، باب اثبات التکبیر)

اگر مروان کا کردار خراب تھا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس کی نیابت آخر کیوں قبول کرلیتے تھے؟ پس ثابت ہوا کہ مروان صالح وعادل انسان تھا۔

{تحقیق}

اگر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروان کی نیابت قبول کرتے تھے تو اس سے

مروان کا ثقہ، صالح اور عادل ہونا کیسے ثابت ہوگیا؟ اور مروان کی بدسیرتی مان لینے سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے کردار پر سوال کیسے کھڑا ہوسکتا ہے؟

اگر حضرت یوسف علیہ السلام کافر بادشاہ کی نیابت قبول کرتے ہیں اور فقط اس بات سے بادشاہ کا صالح تو کجا مسلمان ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے مروان کی نیابت قبول کرنے سے مروان کیسے مقدس ہوگیا؟

جو تاویل حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں ہے، وہی یہاں بھی ہے جو فقہ کے طلبہ بھی جانتے ہیں یعنی فاسق یا غیر مسلم کی ملازمت کرنا جائز ہے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ وہ اسرائیلی شریعت کا حکم تھا۔ جناب! ہماری شریعت میں بھی یہی حکم ہے کہ نیک شخص اگر شریعت کے دائرے میں رہ کر کام کرسکے تو وہ فاسق کی نیابت اور ملازمت کرسکتا ہے۔ علامہ ابن عطیہ رحمہ اللہ سورہ یوسف کی تفسیر میں ''اجعلنی علی خزائن الارض'' کے تحت لکھتے ہیں:

''فی ھذہ الآیۃ ما یبیح للرجل الفاضل اَن یعمل للرجل الفاجر بشرط ان یعلم انہ یفوض الیہ فی فصل ما لا یعارض فیہ، فیصلح منہ ماشاء''

(اس آیت میں اچھے آدمی کے لیے اجازت ہے کہ وہ کسی فاسق وفاجر آدمی کی ماتحتی میں کام کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ جانتا ہو کہ اُسے وہ فاجر حاکم ایسے معاملات تفویض کرے گا جن میں وہ مداخلت نہیں کرے گا، تاکہ وہ نیک شخص ان معاملات میں جس حد تک چاہے اصلاح کرسکے) (تفسیر ابن عطیہ: ۳ص۲۵۶)

علامہ ابوحیان اندلسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وما زال قضاۃ الإسلامِ یتولون القضا مِن جِھۃِ من لیس بصالِحٍ، ولولا ذلکِ لبطلت احکام الشرعِ، فھم مثابون علی ذلک اذا عدلوا۔

(مسلم قاضی حضرات مسلسل غیر صالح حکمرانوں سے عہدۂ قضا قبول کرتے رہے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو شرعی احکام مٹ جاتے۔ پس اس عمل پر وہ ماجور ہیں اگر وہ عدل کرتے رہے ہوں) (البحر المحیط: ۶ص۲۹۱)

اس مسئلے کو علامہ ماوردی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بہت تفصیل سے لکھا ہے۔

(ملاحظہ ہو: تفسیر الماوردی: ۳ ص ۴۹، ۵۰، ۵۱، سورۃ یوسف، آیت)

اگر مروان کا دفاع کرنے والے حضرات ''محمود عباسی وآلہ'' کی کتب رٹنے کی جگہ کچھ وقت فقہی کتب کے لیے بھی نکال لیا کریں تو ہمیں ایسی بنیادی باتیں یاد دلانے کی زحمت نہ کرنا پڑے۔

تلبیس (۸)

حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما مروان کے پیچھے نماز کیوں پڑھتے تھے؟

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن جعفر، عن ابیہ، قال: ان الحسن بن علی والحسین یصلیان خلف مروان، قال: فقیل لہ: اما کان ابوک یصلی اذا رجع الی البیت؟ قال: فیقول: لا واللہ، ما کانوا یزیدون علی صلاۃ الائمۃ۔

(حضرت زین العابدین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما مروان کے پیچھے فرض نمازیں بھی ادا کرتے تھے۔ پس زین العابدینؒ سے پوچھا گیا کہ کیا تمہارے والد گھر جا کر نماز کا اعادہ کرتے ہیں۔ کہا: اللہ کی قسم! ہرگز نہیں، وہ اُس نماز سے زیادہ کچھ نہیں پڑھتے جو مسجد میں اماموں کے پیچھے پڑھ چکے ہوتے ہیں)

(مصنف ابن ابی شیبہ، ح: ۷۵۶۰)

اگر مروان بُرا شخص تھا تو حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اس کے پیچھے نمازیں کیوں ادا کرتے رہے؟

{تحقیق}

کاش کہ مروان کا دفاع کرنے والے حضرات یہ روایت پیش کرنے سے پہلے اتنا دیکھ لیتے کہ فقہاء نے اس سے کیا استدلال کیا ہے؟ یا یہی دیکھ لیتے کہ محدثین نے اسے کس باب کے تحت درج کیا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرات فقہاء ومحدثین نے یہ روایت مروان کی فضیلت کا عقیدہ پھیلانے کے لیے نہیں بلکہ یہ واضح کرنے کے لیے پیش کی ہے کہ مروان جیسے بدکردار لوگوں کی اقتداء میں بھی نماز ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اس روایت کو سب سے پہلے پیش کرنے والے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" وَقَدْ صَلّٰی أَصْحَابُ النَّبِیِّ ﷺ خَلْفَ مَنْ لَا یَحْمَدُونَ فِعَالَهٗ مِنَ السُّلْطَانِ وَغَیْرِهٖ قَالَ الشَّافِعِیُّ: أَخْبَرَنَا مُسْلِمٌ عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ اعْتَزَلَ بِمِنًی فِی قِتَالِ ابْنِ الزُّبَیْرِ وَالْحَجَّاجِ بِمِنًی فَصَلّٰی مَعَ الْحَجَّاجِ، أَخْبَرَنَا الرَّبِیعُ قَالَ: أَخْبَرَنَا الشَّافِعِیُّ قَالَ: أَخْبَرَنَا حَاتِمٌ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِیهِ أَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا کَانَا یُصَلِّیَانِ خَلْفَ مَرْوَانَ قَالَ فَقَالَ: أَمَا کَانَا یُصَلِّیَانِ إِذَا رَجَعَا إِلٰی مَنَازِلِهِمَا؟ فَقَالَ: لَا وَاللّٰهِ مَا کَانَا یَزِیدَانِ عَلٰی صَلَاةِ الْأَئِمَّةِ"

"بے شک اصحاب رسول ﷺ نے ایسے لوگوں یعنی ایسے حکمران وغیرہ کے پیچھے بھی نماز ادا کی جن کے کاموں کی وہ تعریف نہیں کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حجاج کی جنگ کے دوران منیٰ میں الگ تھلگ رہے اور حجاج کے پیچھے نماز ادا کی۔ حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما مروان کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ حضرت علی بن حسین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا وہ گھر جا کر نماز لوٹا لیتے تھے۔ انہوں نے کہا: نہیں بخدا! وہ امام کے پیچھے ادا کردہ نماز پر کوئی اضافہ نہیں کرتے تھے۔ (یعنی اُسے دہراتے نہیں تھے۔)

(کتاب الام للشافعی: ۱ص ۱۸۵، طدارالمعرفۃ)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے السنن الکبریٰ میں اس روایت کو جس باب کے تحت درج کیا ہے، اس کا عنوان ملاحظہ فرمایئے:

"باب الصلوٰۃ خلف من لا یحمد فعلہ"

(ناپسندیدہ کام کرنے والے کے پیچھے نماز) (السنن الکبریٰ: ۳ص ۱۲۳)

نیز اسی باب میں مروان کی اقتداء والی روایت نقل کر کے امام بیہقی رحمہ اللہ فوراً امام بخاری رحمہ اللہ کی سند سے ایک تابعی کا درج ذیل قول نقل کرتے ہیں:

عن عبدِ الکریمِ البکائیِ قال:ادرکت عشرة مِن اصحابِ النبیﷺ کلهم یصلی خلف أئمةِ الجورِ

''عبدالکریم بکاء کا قول ہے کہ میں نے دس اصحاب رسول کو پایا ہے۔ اُن میں سے ہر ایک ظالم حکام کے پیچھے نمازیں ادا کرتا تھا۔'' (السنن الکبریٰ، ح:۴۰۵۳)

اسی روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ کی التاریخ الکبیر میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

(التاریخ الکبیر:۶ ص۹۰)

میرا خیال ہے اس پر مزید تبصرے کی ضرورت نہیں۔ اہلِ عقل کو اشارہ کافی ہے جبکہ مروانیوں کے لیے دلائل کے انبار بھی ناکافی ہیں۔

تلبیس (۹)

حضرت زین العابدین رحمہ اللہ نے بنو اُمیہ کے پیچھے نمازوں اور ان سے رشتوں کا اقرار کیوں کیا؟

اگر مروان بدسیرت تھا اور حکم بن ابی العاص کی اولاد پر لعنت ہوئی تھی تو حضرت زین العابدین رحمہ اللہ نے بنو اُمیہ کے بارے میں آخر یہ کیوں فرمایا:

''بل نصلّی خلفهم و ننا کحهم بالسنة''

''یعنی ہم بنو اُمیہ کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور ان سے سنت کے مطابق نکاح بھی کرتے ہیں۔'' (مصنف ابن ابی شیبۃ، ح:۷۵۶۹)

اس سے ثابت ہوا کہ مروان اور اس کا خاندان نیک وصالح تھے، ورنہ ان لوگوں کے پیچھے نماز نہ ہوتی اور ان سے رشتے ناطے نہ کیے جاتے۔

{تحقیق}

جمہور فقہاء کے ہاں نماز نیک و بد دونوں کے پیچھے پڑھی جاسکتی ہے۔

ذهب جمهور الفقهاءِ اِلیٰ ان الصلاة خلف الفاسِقِ مکروهة، ولا اِعادة فِیها. لِحدیثِ: صلّوا خلف من قال لا اِله اِلا الله.

(جمہور فقہاء کا مذہب ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے مگر اس کا اعادہ

نہیں کیا جائے گا کیوں کہ حدیث میں ہے: ہر اس شخص کی اقتداء میں نماز پڑھ لیا کرو جو لا إلٰہ إلاّ اللہ کا قائل ہو) (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ: ۶ ص ۲۷)

پس کسی کا امامت کرنا اور صالحین کا اس کی اقتداء کرنا امام کی نیکی کا ثبوت نہیں بن سکتا۔ یہ تفصیل گزشتہ شبہے کے جواب میں آچکی ہے۔

جہاں تک نکاح کا تعلق ہے، کسی خاندان یا قبیلے میں رشتے لینے یا دینے سے اس خاندان کے ہر فرد کا ولی اللہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ نبی اکرم ﷺ نے بعض خواتین سے اس وقت نکاح کیا تھا جب ان کے خاندان کی اکثریت غیر مسلم اور اسلام کی دشمن تھی چنانچہ سیدہ اُم حبیبہ، سیدہ اُم سلمہ، سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہن وغیرہ کی مثالیں سب کے سامنے ہیں۔

یہاں مروان کا دفاع کرنے والے کہہ دیا کرتے ہیں کہ کفار اور فساق کی بیٹیاں لینا تو کسی کی شان کو بھی مجروح نہیں کرتا مگر ایسے خاندانوں میں، جن کے اکثر لوگ کفار یا فساق ہوں، بیٹیاں دینا نہایت عار کی بات ہے اور یہاں مسئلہ آلِ مروان سے بیٹیاں لینے کا نہیں بلکہ انہیں بیٹیاں دینے کا ہے۔ اگر آلِ مروان کو بُرا خاندان مان لیا جائے تو انہیں بیٹیاں دینا ساداتِ کرام کے لیے ذلت کی بات ہی ہوگی۔

مگر راقم عرض کرتا ہے کہ مروان کے ہمدردوں کی یہ دلیل بھی نہایت فضول ہے کیوں کہ حضور اکرم ﷺ کا مبارک عمل ان کی ''خانہ ساز فقاہت'' کے بالکل خلاف ہے، ملاحظہ ہو کہ:

☆ آپ ﷺ نے جب سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اپنی دو بیٹیاں جب یکے بعد دیگرے دیں تو اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خاندان بنو اُمیہ کے اکثر لوگ سخت اسلام دشمن تھے۔

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا تھا، تب تک بنو ہاشم کے بھی سب لوگ ایمان نہیں لائے تھے۔

☆ نبی اکرم ﷺ کے تیسرے داماد ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ جب

اسلام لاکر دوبارہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ مدینہ رہنے لگے، اُس وقت ان کے خاندان بنوعبد شمس کی اکثریت غیر مسلم تھی۔

دیگر صحابہ کرام کی زندگیوں میں بھی اس طرح رشتے لینے دینے کی مثالیں بکثرت ہیں۔

پس جب کافروں کے خاندان کی مسلم عورت سے نکاح کیا جاسکتا ہے اور اپنی بیٹی کافر قبیلے کے مسلمان کو دی جاسکتی ہے تو یہ گنجائش مسلمان خاندان سے رشتے میں بدرجہ اولیٰ ہوگی، چاہے اُس کے بعض یا اکثر اُفراد فاسق یا ظالم ہوں۔

پھر بنومروان یا بنواُمیہ کی اکثریت تو فاسق یا ظالم نہیں تھی بلکہ ان کے جو لوگ سیاسی عہدوں پر فائز یا سیاست پر اثرانداز رہے، اُن میں سے بعض ایسے تھے۔ ان چند اُفراد کی برائیوں سے باقی خاندان کو آلودہ کرکے سب کو ایک لاٹھی سے ہانکنا بالکل غلط ہے۔

بہرکیف مروان کا دفاع کرنے والوں کی یہ منطق عجیب ہے کہ کسی خاندان کے بعض لوگ بُرے ہوں تو اُن سے رشتہ لینا دینا شرعاً، عرفاً یا اخلاقاً معیوب ہوجاتا ہے اور اگر کسی مقدس شخصیت نے ایسے خاندان سے رشتہ لیا یا دیا ہو تو پھر اُس خاندان کے ہر فرد کو ولی اللہ ماننا لازم ہوجاتا ہے۔

اگر یہ الٹی منطق مان لی جائے تو پھر ہمیں صرف تاریخ ہی نہیں سیرت کے کئی اوراق پر بھی حرفِ تنسیخ پھیرنا پڑے گا اور خواہ مخواہ کہنا پڑے گا کہ:

☆ جب نبی اکرم ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی بیٹیاں دیں تو اس سے قبل بنواُمیہ کے تمام لوگ مسلمان ہوچکے تھے۔

☆ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا تھا تو اس سے قبل بنوہاشم کے چھوٹے بڑے سبھی مشرف بہ اسلام ہوچکے تھے۔

☆ اور ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے ساتھ ہی بنوعبد شمس کا پورا قبیلہ صحابہ کی صف میں داخل ہوچکا تھا ورنہ نبی اکرم ﷺ اپنی بیٹی سیدہ زینب کا نکاح اُن سے برقرار نہ رکھتے۔

اگر سیرت کے یہ اوراق تابندہ اور پائندہ ہیں اور کوئی انہیں جھٹلانے یا انہیں بگاڑنے کی جسارت نہیں کرسکتا اور ان رشتوں ناطوں سے نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس پر کوئی گرد نہیں آسکتی تو مروان کے دفاع میں مروانیوں کے مذکورہ ''دلائل'' بھی ڈھکوسلوں سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔

سیرت کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ یہ رشتے ناطے خود کفار میں اسلام کے پھیلنے اور دین کے پھلنے پھولنے کا ذریعہ بنے تو اگر آلِ رسول نے اسی طرز کو اپنا کر بنواُمیہ وآلِ مروان کے کچھ شریروں کی شرارت کو نظر انداز کر دیا اور ان کے مختلف اَفراد سے رشتے ناطے کر لیے تو اس سے سادات کی شان میں بھلا کونسا فرق آسکتا تھا؟

یہ تو عین رسول اللہ ﷺ کی سنت تھی جس پر وہ عمل پیرا تھے۔ ایسی صاف ستھری اور خوبصورت بات کو ایک عیب کی طرح پیش کر کے لوگوں کی عقلوں سے کھیلنا اور پھر ان تلبیسات کی بنیادوں پر مروان کی معصومیت کا پرچار کرنا بھلا کونسے دین اور کون سے ایمان کا تقاضا ہے؟

تلبیس (۱۰)

امام بخاری رحمہ اللہ نے مروان کو رضی اللہ عنہ کیوں کہا؟

اگر مروان بُرا تھا تو امام بخاری رحمہ اللہ نے مروان بن الحکم کا ذکر کرتے ہوئے ''رضی اللہ عنہ'' کا لفظ استعمال کیوں کیا؟ یہ تو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مروان کو صحابی سمجھتے تھے۔ روایت یہ ہے:

حدثنا یحییٰ بن بکیر، حدثنا اللیث، عن عقیل، عن ابن شھاب، قال اخبرنی عروۃ بن الزبیر انہ سمع مروان والمِسْوَر بن مَخْرَمَۃ (بخاری، ح:۲۷۱۱)

اس میں مروان اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کر کے دونوں کو ایک ساتھ صحابی مانا گیا ہے اور رضی اللہ عنہما کہا گیا ہے۔

{تحقیق}

یہ محض ایک غلط فہمی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ ایسے صحابی کا ذکر کرتے ہوئے

جن کے والد بھی صحابی ہوں، بسا اوقات ''رضی اللہ عنہما'' کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ چند مثالیں دیکھئے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما (صحیح البخاری، ح:۸)

عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما (صحیح البخاری، ح:۱۲، ۱۰)

عن براء بن عازب رضی اللہ عنہما (صحیح البخاری، ح:۳۹۹)

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما (صحیح البخاری، ح:۶۹۷)

مسور رضی اللہ عنہ کے والد مخرمہ بن نوفل رضی اللہ عنہ بھی صحابی تھے جو فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے۔ (الاصابۃ:۶/۴۱)

لہٰذا امام بخاری رحمہ اللہ نے صحابی باپ بیٹے کا نام آنے پر ''رضی اللہ عنہما'' کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ دیگر مقامات پر امام بخاری رحمہ اللہ کی عبارت سے یہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے۔

ان المسور بن مخرمۃ رضی اللہ عنہما و مروان اخبراہ۔

(صحیح البخاری، ح:۲۵۸۳، باب من رأی الہبۃ الغائبۃ جائزۃ)

یہاں یقینی طور پر یہ مسور رضی اللہ عنہ اور ان کے والد مخرمہ رضی اللہ عنہ ہی کے لیے ہے جبکہ مروان کو ''رضی اللہ عنہ'' کے بغیر الگ ذکر کیا گیا ہے۔ اور فقط اسی ایک جگہ نہیں، صحیح بخاری میں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں مروان کا انفرادی ذکر ہو اور ''رضی اللہ عنہ'' کا صیغۂ ادب استعمال کیا گیا ہو۔ مثلاً:

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الحَكَمِ، قَالَ (ح:۷۶۴)

عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الحَكَمِ، قَالَ: شَهِدْتُ عُثْمَانَ، وَعَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا (ح:۱۵۶۳)

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: رَأَيْتُ مَرْوَانَ بْنَ الحَكَمِ جَالِسًا فِي المَسْجِدِ (ح:۲۸۳۲)

أَخْبَرَنِي مَرْوَانُ بْنُ الحَكَمِ، قَالَ: أَصَابَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رُعَافٌ شَدِيدٌ (ح:۳۷۱۷)

عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الحَكَمِ، أَخْبَرَهُ (ح:۶۱۴۵)

پس یہ گمان غلط ہے کہ یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے مروان کو صحابی سمجھ کر ''رضی اللہ عنہما'' کہا ہے۔ جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ خود وضاحت فرماتے ہیں کہ مروان نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تک نہیں۔

قَالَ التِّرْمِذِيُّ سَأَلْتُ مُحَمَّدًا يَعْنِي الْبُخَارِيَّ قُلْتَ لَهُ مَرْوَان بن الحكم رأى النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَا۔

''امام ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے محمد (بن اسماعیل) یعنی امام بخاری سے پوچھا کہ مروان بن حکم نے نبی ﷺ کو دیکھا تھا؟ وہ بولی: نہیں۔''

(تحفۃ التحصیل للعراقی: ۱ ص ۲۹۸)

تلبیس (۱۱)

اگر مروان دشمنِ اہل بیت تھا تو اس نے علی بن حسین رحمہ اللہ کو باندیوں کے لیے رقم کیوں دی؟

اگر مروان دشمنِ اہل بیت تھا تو اس نے سادات کی نسل بڑھانے کی کوشش کیوں کی؟ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے جیسے ماہر علم رجال نے سیر اعلام النبلاء میں اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ جیسے مؤرخ نے البدایہ والنہایہ میں سنہ ۹۴ھ کی وفیات کے تحت نقل کیا ہے کہ مروان نے علی بن حسین زین العابدین رحمہ اللہ کو ایک لاکھ درہم دیے تا کہ وہ باندیاں خریدیں اور ان سے اولاد پیدا کریں، اور مروان نے مرتے وقت یہ وصیت بھی کر دی تھی کہ یہ رقم علی بن حسین رحمہ اللہ سے واپس نہ لی جائے یعنی یہ قرض نہیں، ہدیہ تھا۔ اس سے تو مروان کا محب اہل بیت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اگر یہ روایت جھوٹی ہے تو پھر حافظ ذہبی اور حافظ ابن کثیر رحمہما اللہ بھی جھوٹے ہوئے؟

{تحقیق}

اس روایت کے سچے یا جھوٹے ہونے سے حافظ ذہبی اور حافظ ابن کثیر رحمہما اللہ

پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔ مؤرخین ہر طرح کی روایات لاتے ہیں۔ حافظ ذہبی اور حافظ ابن کثیر رحمہا اللہ کی ہر روایت کیا آپ کے نزدیک حجت ہے؟ واقعۂ کربلا اور یزید اور مروان کے معائب کی روایات جو انہوں نے نقل کی ہیں کیا آپ انہیں سچ تسلیم کرتے ہیں؟

پس ہمیں مؤرخ سے قطع نظر روایت کو دیکھنا چاہیے کہ اس کی حیثیت کیا ہے۔ پہلے ہم اس کو سنداً دیکھتے ہیں کہ یہ کس درجے کی ہے؟

اس روایت کو اصلاً چھٹی صدی ہجری کے مؤرخ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے تاریخ دمشق میں نقل کیا ہے۔ حافظ ذہبی، حافظ ابن کثیر رحمہا اللہ اور بعد والوں نے انہی سے نقل کیا ہے۔ ابن عساکر رحمہ اللہ کی کتاب سے روایت مع سند نقل کی جارہی ہے:

أخبرنا أبو الحسن بن قبيس، أنا أبو الحسن بن أبي الحديد، أنا جدي أبو بكر، أنا أبو محمد بن زبر، أنا الحسن بن عليل العنزي، أنا مسعود بن بشر، أنا الاصمعي قال: لم يكن للحسين بن علي عقب الا من ابنه علي بن الحسين ولم يكن لعلي ولدا الا من أم عبد الله ابن الحسن وهي ابنة عمه۔ فقال له مروان بن الحكم: أرى نسل أبيك قد انقطع فلو اتخذت السراري لعل الله أن يرزقك منهن، فقال ما عندي ما اشتري به السراري، قال فأنا أقرضك فأقرضه مائة ألف درهم، فاتخذ السراري وولد له جماعة من الولد۔ ثم أوصى مروان لما حضرته الوفاة أن لا يؤخذ منه ذلك المال۔

''اصمعی کہتے ہیں: حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی نسل نہیں تھی سوائے اس نسل کے جو ان کے صاحبزادے علی بن الحسین امام زین العابدین سے چلی، اور (ایک وقت تک) علی بن الحسین کی اولاد صرف ام عبداللہ بنتِ حسن کے بطن سے تھی جو ان کے چچا کی بیٹی تھیں۔ تب مروان بن حکم نے ان سے کہا: میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے والد کی نسل ختم ہورہی ہے، کاش آپ لونڈیاں رکھ لیتے تاکہ اللہ ان کے ذریعے آپ کو مزید اولاد عطا فرمائے۔ انہوں نے جواب دیا: میرے پاس اتنی رقم نہیں کہ میں لونڈیاں خرید سکوں۔ مروان نے کہا: میں آپ کو قرض دیتا ہوں۔ چنانچہ اس نے انہیں ایک لاکھ درہم قرض دیے، جس سے انہوں نے لونڈیاں خریدیں اور ان سے

کئی اولادیں ہوئیں۔ پھر مروان کی موت کا وقت آیا تو اس نے وصیت کی کہ ان سے یہ رقم واپس نہ لی جائے) (تاریخ دمشق:۴۱ ص ۳۷۴)

اس کے تمام راوی درج ذیل ہیں:

☆ أبوالحسن بن قبیس: (م ۵۳۰ھ)

☆ أبوالحسن بن أبي الحدید: (۴۶۹ھ)

☆ أبوبکر یعنی ابوبکر ابن ابن الحدید (م ۴۰۵ھ)

☆ أبومحمد بن زبر، یعنی عبداللہ بن احمد بن ربیعۃ (م ۳۲۹ھ)

☆ الحسن بن علیل العنزی: (م: ۲۹۰ھ)

☆ مسعود بن بشر یعنی المازنی

☆ الاصمعی عبدالملک بن قریب (۲۱۶ھ)

اس روایت میں تین علتیں ہیں:

پہلی علت یہ ہے کہ:

☆ اس میں ابومحمد بن زبر ثقہ نہیں۔ قاضی کا عہدہ پایا مگر حسنِ کردار کا ثبوت نہ دیا۔ گواہوں سے گالم گلوچ کرنا، لوگوں کے اموال پر دست درازی کرنا عادت تھی۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے انہیں ایک بار چپکے سے دیکھا کہ وہ ایک کاتب کو اس طرح إملاء کرا رہے ہیں کہ سند الگ کتاب سے اور متن الگ کتاب سے۔ امام عبدالغنی بن سعید رحمہ اللہ ان کی ان کے والد سے روایت کو قبول نہیں کرتے تھے جب اس کا متابع نہ مل جاتا۔

قال ابن زولاق: استناب علی الحکم با بی بکر بن الحداد الفقیه، وولاه وقف المرستان، وقرر له فی الشهر ثلاثین دینارا وکان یصول علی الشهود باقبح قول، ویسک یده فی الاموال، واعترض فی التركات والوصایا۔ قال لنا أبو عمر محمد بن یوسف الکندی: أخذ من محمد بن بدر علیٰ قبوله وتزکیته ألف دینار. وکان قوی النفس واسع الحیلة. وقیل أنه بذل علی القضا ألف دینار لمحمد بن طغج.

(ابن زولاق کہتے ہیں: علی بن القاسم نے ابوبکر بن الحداد الفقیہ کو اپنے

دورِ قضا میں نائب مقرر کیا اور انہیں ہسپتال کے وقف کا نگران بنا دیا، اور ان کے لیے ماہانہ تیس دینار تنخواہ مقرر کی۔ وہ گواہوں کے ساتھ نہایت نازیبا گفتگو اور بدزبانی سے پیش آتے تھے، اور وقف کے اموال میں خوب خرد برد کرتے تھے۔ وہ ترکہ کی تقسیم اور وصیتوں کے معاملات میں بھی مداخلت کرتے تھے۔ ابو عمرو محمد بن یوسف الکندی نے ہمیں بتایا کہ: ابن الحداد نے محمد بن بدر سے اس کی گواہی قبول کرنے اور اسے قابلِ اعتماد قرار دینے کے عوض ایک ہزار دینار وصول کیے تھے۔ وہ بہت پر اعتماد اور چالاک انسان تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حاکمِ وقت محمد بن طغج کو عہدہ قضا کے حصول کے لیے ایک ہزار دینار بطور رشوت دیے تھے)

(تاریخ الاسلام للذہبی: ۷ ص ۵۷۵، ت بشار)

قال الخطیب کان غیر ثقة

(خطیب بغدادی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ قابلِ اعتماد نہ تھے)

(میزان الاعتدال: ۲ ص ۳۹۱)

قال عبدالغنی بن سعید یقول الدارقطنی: دخلت علی أبی محمد بن زبر، وأنا اذ ذاک حدث، وبین یدیه کاتب له وهو یملی علیه الحدیث من جزء، والمتن من آخر، وظن أنی لا أنتبه علی هذا۔

(عبدالغنی بن سعید رحمہ اللہ کہتے ہیں، دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے تھے: میں لڑکا تھا تو ابو محمد زبر کے پاس گیا۔ ان کے سامنے ایک کاتب تھا۔ وہ اسے اس طرح إملاء کرا رہے ہیں کہ سند الگ کتاب سے اور متن الگ کتاب سے۔ انہوں نے گمان کیا کہ میں اس جعل سازی کو نہیں سمجھ سکا ہوں) (موسوعہ اقوال الدارقطنی: ۲ ص ۳۴۷)

وقال عبدالغنی: کنت لا أکتب حدیثه عن أبیه اذا جاء منفردا، الا أن یکون مقترنا بغیره۔

(امام عبدالغنی بن سعید رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں ان کی ان کے والد سے روایت کو قبول نہیں کرتا جب تک اس کا متابع نہ مل جائے) (تاریخ بغداد: ۱۱ ص ۲۹، ت بشار)

قلت: هذا هو عبدالغنی بن سعید ابو محمد الازدی (م ۴۰۵ھ) قال

الذهبی :الامام ،الحافظ ،الحجة ،قال البرقانی :مارأیت بعد الدارقطنی أحفظ من عبدالغنی،قال ابو الولید الباجی :حافظ متقن۔قال العتیقی :ثقة مامون ،مارأیت بعدالدارقطنی مثله۔ (سیر اعلام النبلاء:۱۷ص ۲۶۸ تا ۲۷۱)

☆ دوسری علت یہ ہے کہ:

مسعود بن بشر مجہول الحال شخصیت ہے۔ فقط اتنا معلوم ہے کہ اصمعی سے روایت لینے والا یہ مسعود بن بشر المازنی ہے۔ (مسعود بن بشر تمیمی یربوعی الگ شخص ہیں جو مشہور زاہد فضیل بن عیاض کے دادا تھے) نیز یہ مسعود بن بشر واقدی کا بھانجا تھا۔ (تہذیب الکمال: ج۱۸ص ۳۸۵؛ میزان الاعتدال:۱ص ۲۱۵)

اس نے اصمعی اور واقدی سے کئی روایات لی ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔ پس راوی کی جہالت بھی ضعف کی وجہ ہے۔

☆ تیسری علت یہ ہے کہ:

روایت کے راوی الاصمعی رحمہ اللہ ۱۲۵ھ کے قریب پیدا ہوئے اور ۲۱۶ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ جبکہ مروان کی وفات ۶۵ھ میں ہوئی یعنی یہ واقعہ الاصمعی رحمہ اللہ کی ولادت سے کم از کم ساٹھ سال پہلے کا ہے۔ وہ کسی سند کے بغیر اسے بیان کررہے ہیں۔ یہاں کم از کم دو راوی چھوٹ گئے ہیں جس کی بناء پر روایت منقطع ہونے کے ساتھ ساتھ معضل بھی ہے جس سے شدید ضعف کا حکم لگتا ہے۔

یوں یہ روایت تین وجہ سے ضعیف ہے: ایک راوی ثقہ نہیں۔ دوسرا راوی مجہول الحال ہے۔ سند معضل ہے۔ یوں یہ شدید ضعیف روایت ہے۔

سنداً اس روایت کی بے وقعتی واضح کرنے کے بعد اب ہم عرض کرتے ہیں کہ یہ روایت عقلاً بالکل نا قابل قبول ہے۔ حضرت زین العابدین رحمہ اللہ کو اولاد کے لیے باندیوں کی ہی ضرورت بھلا کیوں ہوتی؟ کیا ان کے لیے ازواج کی کچھ کمی تھی؟ یا لوگوں نے مروانی ناصبی حکام کے ڈر سے سادات کو رشتے دینا بند کردیے تھے؟

آج کل کے سادات عظام کا بھی یہ مقام ہے کہ اگر وہ اپنے لیے رشتہ

مانگیں تو ایک کی جگہ کئی معتقدین اس سعادت کو اپنا نصیب بنانے کی درخواست کرتے ہیں تو سیدنا زین العابدین رحمہ اللہ کی کیا بات اور کیا شان ہوگی!!

چلئے مان لیا کہ سیدنا زین العابدین رحمہ اللہ کو باندیوں کی ضرورت تھی تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ ان کے لیے کسی حکمران کے احسان کے محتاج تھے؟ کیا وہ ایسے قلاش و مفلس تھے کہ دو تین باندیاں بھی نہیں رکھ سکتے تھے؟ جبکہ اس دور کے متوسط درجے کے مسلمانوں کے گھروں میں باندیاں اور غلام رکھنے کا رواج تھا۔ اکثر غریبوں کے گھروں میں بھی ایک باندی تو ضرور ہوا کرتی تھی۔

سیدنا زین العابدین رحمہ اللہ خود کئی کئی باندیاں رکھ سکتے تھے۔ نیز ان کے لاکھوں چاہنے والے تھے جو ان کی فقط ضرورت یا رغبت محسوس کر کے یا اجازت پا کر ان کے لیے شاہی محل کھڑا کر دیتے اور صدہا باندیوں کا انتظام کر دیتے۔ مگر بات یہ ہے کہ ان حضرات کا ایک ایک لمحہ عبادت و ریاضت اور دعوت و ارشاد کے لیے وقف تھا اور وہ ان بکھیڑوں میں پڑنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ جن کی غیرت، بے نیازی اور مشغولیتِ بحق اس قدر ہو کہ اپنے سچے جانثاروں سے بھی ایسی خدمات قبول کرنے کے روادار نہ تھے، وہ ایک نخوت سے بھرپور حاکم کا احسان بھلا کیوں اپنی گردن پر لیتے؟

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا زین العابدین رحمہ اللہ ایک خوشحال بزرگ تھے۔ ان کے ہاں باندیاں بھی تھیں، غلام بھی تھے۔ وہ اللہ کے راستے میں ہزاروں لاکھوں خرچ بھی کرتے رہتے تھے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے مروان کے اس مزعومہ احسان والی روایت پر رَدّ کرنے کے بعد حضرت زین العابدین رحمہ اللہ کی سخاوت کے حوالے سے چند روایات نقل کی ہیں، ملاحظہ فرمایئے:

روی ابن عیینة: عن ابی حمزة الثمالي: ان علی بن الحسین کان یحمل الخبز باللیل علی ظهره، یتبع به المساکین فی الظلم، ویقول: ان الصدقة فی سواد اللیل تطفیء غضب الرب۔ یونس بن بکیر: عن محمد بن إسحاق: کان ناس من أهل المدینة یعیشون لا یدرون من أین کان معاشهم، فلما

مات علی بن الحسین، فقدوا ذالک الذی کانوا یؤتون باللیل۔ جریر بن عبد الحمید: عن عمرو بن ثابت: لما مات علی بن الحسین، وجدوا بظهره أثرا مما کان ینقل الجرب باللیل الی منازل الارامل۔ وقال شیب بن نعامة: لما مات علی، وجدوه یعول مائة أهل بیت۔ دخل علی بن الحسین علی محمد بن أسامة بن زید فی مرضه، فجعل محمد یبکی، فقال: ما شأنک؟ قال: علیّ دین؟ قال: وکم هو؟ قال: بضع عشر ألف دینار؟ قال: فهی علی۔

(ابن عیینہ، ابوحمزہ الثمالی سے روایت کرتے ہیں: علی بن حسین رحمہ اللہ رات کو اپنی کمر پر روٹی لاد کر چلتے اور تاریکی میں مستحقین کو تلاش کرتے اور کہتے تھے کہ رات کی تاریکی میں صدقہ رب کے غضب کو بجھاتا ہے۔

یونس بن بکیر، محمد بن اسحاق رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں: اہل مدینہ میں کچھ لوگ تھے جو اس بات سے واقف نہیں تھے کہ ان کا اناج کہاں سے آتا ہے۔ جب علی بن حسین رحمہ اللہ کی وفات ہوئی تو وہ اس سے محروم ہو گئے جو انہیں رات کو پہنچایا جاتا تھا۔

جریر بن عبدالحمید، عمرو بن ثابت سے روایت کرتے ہیں: جب علی بن حسین رحمہ اللہ کی وفات ہوئی تو ان کی کمر پر نشانات پائے گئے جو ان بوریوں کی وجہ سے تھے جنہیں وہ رات کو بیواؤں کے گھروں تک پہنچاتے تھے۔

شیبہ بن نعامہ نے کہا: جب علی بن حسین رحمہ اللہ کی وفات ہوئی تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ سو گھرانوں کی کفالت کرتے تھے۔

ایک دفعہ علی بن حسین رحمہ اللہ اپنے مرض الموت میں محمد بن اسامہ بن زید کے پاس گئے۔ محمد رونے لگے تو علی بن حسین رحمہ اللہ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ محمد نے کہا: مجھ پر قرض ہے۔ علی بن حسین رحمہ اللہ نے پوچھا: کتنا ہے؟ محمد نے کہا: دس ہزار دینار سے زیادہ۔ علی بن حسین رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ میں نے اپنے ذمے لے لیا)

(سیر اعلام النبلاء: ۴ ص ۳۹۳، ۳۹۴، ط الرسالۃ)

یاد رہے کہ اُس دور میں ایک دینار کی قیمت دس سے بارہ درہم تک ہوا کرتی تھی۔ مطلب یہ کہ امام زین العابدین رحمہ اللہ نے محمد بن اُسامہ کا ایک لاکھ درہم سے زیادہ کا قرضہ اُتار دیا۔

قارئین غور فرمایئے جو شخص زندگی بھر ایک سو گھروں کی مستقل کفالت کرتا رہا ہو، وہ اپنی اولاد پیدا کرنے میں بھی کسی حاکم کے ایک لاکھ درہم کا محتاج ہوگا۔ جو کسی پر ہزاروں دینار کا قرضہ ایک لمحے میں کسی تردّد کے بغیر اُدا کرنے کا حوصلہ رکھتا ہو، وہ حکمرانوں کا بندۂ احسان ہو کر جیے گا؟

دین و دنیا کے ان شاہوں کی اس سے بڑھ کر توہین کیا ہو سکتی ہے؟ شاید قدیم دور کے ناصبیوں نے ایسی روایات اسی لیے وضع کی تھیں کہ کبھی تو ان کے قدردان پیدا ہوں گے جو انہیں اچھال کر سادات کے جوہرِ آبدار کو محتاج اور مروان جیسے بدعتی اور ظالم حکمرانوں کو سرتاج ثابت کریں گے۔

☆ اس روایت کے آخری الفاظ اس کا جھوٹ پوری طرح آشکار کر رہے ہیں۔ اس میں بتایا جا رہا ہے کہ

ثم أوصى مروان لما حضرته الوفاة أن لا يؤخذ منه ذلك المال۔

(مروان کا جب آخری وقت آیا تو اس نے وصیت کی کہ علی بن الحسین سے یہ مال واپس نہ لینا)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ اسے نقل کر کے کہتے ہیں کہ:

اسنادها منقطع، و مروان ما احتضر، فإن امرأته غمّته تحت وِسادة هي وجوارِيها۔

''ایک تو یہ روایت سنداً منقطع ہے۔ پھر مروان کو آخری وقت میں وصیت کا موقع ہی بھلا کہاں ملا تھا۔ (اس کی موت تو اس طرح ہوئی تھی کہ وہ سو رہا تھا اور) اُس کی بیوی نے اپنی باندیوں کی مدد سے منہ پر تکیہ رکھ کر اُسے قتل کر دیا تھا۔''

(سیر اعلام النبلاء: ۴ ص ۳۹۰، ط الرسالۃ)

چلیے جناب قصہ ہی ختم ہوا۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ جن کے بل بوتے پر یہ روایت پیش کی جارہی ہے، وہی اس پر ردّ کررہے ہیں۔ اس جھوٹے راوی کے جھوٹ کا کچا بھانڈہ انہوں نے بیچ چوراہے میں پھوڑ دیا۔ بتادیا کہ راویت سازی کے جوش میں روایت ساز یہ بھی بھول گیا کہ مروان کی موت تو اس طرح ہوئی تھی کہ اپنی ہی بیوی نے (جو ناصبیوں کے امام اعظم یزید بن معاویہ کی بیوہ تھی) اُس کی جان لے لی۔ رات کو نامعلوم کیا کیا آرزوئیں باندھ کر سویا تھا مگر آنکھ اگلے جہاں میں کھلی۔ وصیت کیا خاک کرتا۔ توبہ استغفار وندامت وحسرت کی بھی توفیق نہ ملی۔ کاش کہ ناصبیوں میں کوئی ایک تو ہو جو عبرت پکڑے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اصمعی کی نقل کردہ یہ روایت ''خرافات'' میں سے ہے۔ حیرت ہورہی ہے کہ نواصب نے اسے پیش کرتے ہوئے ذرا بھی شرم محسوس نہیں کی۔ مسئلہ یہ ہے کہ نواصب اپنے دعووں کے لیے ہمیشہ ساقط اور واہی تباہی روایتیں ہی لاتے ہیں مگر انہیں اس طرح زور وشور سے پیش کرتے ہیں جیسے وہ صحیح روایات پر بھی بھاری ہو۔ افسوس صد افسوس اس دھاندلی اور تلبیس پر۔

ملحوظہ:

اگر بالفرض اس قسم کی کوئی ایک آدھ قوی روایت ہو تب بھی اس سے مروان کا محب اہل بیت ہونا ثابت نہیں ہوسکتا کیوں کہ کئی صحیح روایات موجود ہیں جو مروان کی اہل بیت سے دشمنی کو ثابت کرتی ہیں، پس ان کے خلاف اگر کوئی ایک آدھ قوی السند روایت ہو تو وہ دو صورتوں میں سے کسی ایک پر محمول ہوگی:

☆ یا تو وہ متناشاذ ہونے کی حیثیت سے ناقابل استدلال ہوگی کیوں کہ وہ مروان کی اہل بیت سے عداوت ثابت کرنے والی صحیح روایات کے مجموعے سے متصادم ہے۔

☆ یا وہ مؤوّل ہوگی یعنی ہم یہی کہیں گے کہ مروان نے کسی وقتی مصلحت کے تحت اہل بیت کے ساتھ ظاہرداری کا معاملہ کیا تھا جیسا کہ دنیادار سیاست دانوں بعض اوقات کیا کرتے ہیں۔

بہرکیف یہ کوئی علمی طریقہ نہیں کہ ایک متناشاذ روایت کو لے کر اس کے مضمون سے متصادم کئی سند اً ومتناً صحیح روایات کے مجموعی مفہوم کو مسترد کیا جائے۔

تلبیس (۱۲)

اگر مروان بُرا تھا تو اس کی روایت حدیث صحیح بخاری اور مؤطا میں کیوں ہے؟

اگر مروان کا کردار اچھا نہ تھا تو امام مالک رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ جیسے محتاط محدثین نے اس سے روایات کیوں لیں جو معمولی فاسق سے بھی روایات نہیں لیتے تھے؟ ایک صحابی حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ اور کئی جلیل القدر تابعین یعنی حضرت زین العابدین (علی بن حسین) رحمہ اللہ، حضرت عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ، حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ وغیرہ نے مروان سے روایت کیسے لی؟ امام مالک رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ نے مؤطا میں مروان پر بھروسہ کیوں کیا؟

{تحقیق}

اس سوال کے جواب کو سمجھنا چند اصولی باتوں پر موقوف ہے۔ پس پہلے ہم یہاں نمبروار کچھ مقدمات عرض کریں گے جن سے ان شاء اللہ اس مسئلے کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

(اوّل)

کسی بھی راوی کی حیثیت کے بارے میں محدثین اور اصحابِ جرح وتعدیل میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ اس سے روایت لینے یا نہ لینے پر بھی الگ الگ آراء ہو سکتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ ہر صحیح روایت ہر محدث کی نگاہ میں صحیح ہو۔ ایسی متعدد روایات ہیں جو ایک محدث یا فقیہ نے صحیح قرار دے کر نقل کیں یا ان سے استدلال کیا اور دوسرے محدث یا فقیہ نے انہیں یہ حیثیت نہیں دی اور ان سے استدلال نہیں کیا۔

(دوئم)

امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ جیسے اساطینِ حدیث کو کسی راوی سے روایت کرتا دیکھ کر دیسے تو اعتماد ہو جاتا ہے کہ وہ راوی معتبر ہے لیکن اگر ایسے کسی راوی

کے متعلق ائمہ جرح وتعدیل کی ایک پوری جماعت کی آراء منفی ہوں تو وہاں ان آراء کو یکسر نظر انداز کر دینا انصاف کی بات نہیں ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے کہ اس راوی کی وہ روایت تو قابلِ قبول ہے جو امام بخاری یا امام مسلم رحمہما اللہ نے خوب دیکھ بھال کر (بعض شرائط یا بعض مصلحتوں کے تحت) لے لی ہے مگر اس راوی کی روایت کسی اور جگہ ملے گی تو محلِ نظر ضرور ہوگی؛ کیوں کہ راوی پر اچھی خاصی جرح ہو چکی ہے۔

(سوئم)

اسی طرح یہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ خود صحیح بخاری کی اپنی روایات میں باہم تقابل کیا جائے تو تمام روایات کا درجۂ صحت من وعن یکساں نہیں ہے، بلکہ رواۃ کے فرق کی وجہ سے ان میں بھی فرقِ مراتب ہے، بعض صحت کے اعلیٰ درجے پر ہیں، بعض متوسط اور بعض معمولی درجے پر۔ یہی حال صحیح مسلم اور مؤطا امام مالک کا ہے۔

اسی لیے ہمارے مخدوم حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ اپنے درس میں اکثر فرماتے تھے کہ صحیح بخاری کو ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی ہر ہر روایت صحت کے اتنے اعلیٰ ترین درجے پر ہے کہ باقی کتبِ حدیث میں کوئی روایت صحت کے اس مرتبے پر نہیں بلکہ تعارض کے وقت ہر ہر روایت کی پوری سند اور تمام رجال کا موازنہ کر کے فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ کہاں صحیح بخاری کی روایت راجح ہے اور کہاں کوئی دوسری روایت۔

(چہارم)

کتبِ حدیث میں قرنِ اوّل کے صدوق شیعی راویوں اور صدوق ناصبی راویوں کی روایات بھی لی گئی ہیں، حالانکہ ان میں سے بعض اعتدال سے متجاوز تھے اور ان پر بدعت کا حکم لگتا تھا۔ مگر چونکہ اس دور میں صدق وامانت کا چلن عام تھا، اس لیے انہیں ثقہ مانا جاتا اور ان کی روایات لے لی جاتی تھیں۔

مروان جیسے مزید نواصب کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

عبداللہ بن شقیق العقیلی (م ۱۰۸ھ): قابلِ اعتماد تھے مگر ان میں ناصبیت تھی۔ (ثقۃ، فیہ نصب۔ تقریب التہذیب، تر: ۳۳۷۳)

لما زۃ بن زبار ابولبید (م ۱۱۰ھ):

حدیث کے معاملے میں ٹھیک تھے مگر ابن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا کرتے تھے۔

(صالح الحدیث، قال ابن معین: نری انہ کان یشتم علیا رضی اللہ عنہ تاریخ الاسلام: ۷/ ۲۳۰، ۲۳۱)

حریز بن عثمان (م ۱۶۷ھ):

کامل مہارت رکھنے والے، علمی طور پر نہایت پختہ تھے..... مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تنقید کرتے تھے۔

(کان متقنا ثبتا لکنہ مبتدع... کان ینال من علی رضی اللہ عنہ۔ میزان الاعتدال: ۱/ ۴۷۵)

عبداللہ بن زید ابو قلابۃ البصری (م ۱۰۴ھ):

یہ قابلِ اعتماد تھے مگر کثرت سے مرسل روایات بیان کرنے والے تھے۔

امام عجلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان میں تھوڑی سی ناصبیت تھی۔

(ثقہ، فاضل، کثیر الارسال۔ قال العجلی: فیہ نصب یسیر۔ (تقریب التہذیب، تر: ۳۳۳۳)

ازہر بن عبداللہ الحرازی: (م ۱۲۰ھ):

تابعی اور فنِ حدیث میں بہتر تھے مگر ناصبی تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذمت کرتے تھے۔ (تابعی حسن الحدیث لکنہ ناصبی ینال من علیؓ میزان الاعتدال: ۱/ ۱۷۳)

صحیح البخاری میں بھی ایسے راویوں کی روایات ہیں۔ مثلاً اس میں شیعہ راوی عبیداللہ بن موسیٰ العزاری کی ۴۳ روایات ہیں۔ عبیداللہ بن موسیٰ کی توثیق یقیناً کی گئی ہے مگر ایک پوری جماعت نے ان پر سخت جرح بھی کی ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وحدث عنہ احمد بن حنبل قلیلاً، کان یکرھہ لبدعۃ فیہ۔

(امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ان سے روایت لینے کے باوجود انہیں ان کی بدعت کے باعث ناپسند کرتے تھے۔) (سیر اعلام النبلاء: ۹/ ۵۵۴)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ یہ بھی فرماتے تھے:

حدث باحادیث سوء۔

(عبیداللہ بن موسیٰ نے بری روایات نقل کیں) (سیر اعلام النبلاء: ۹/ ۵۵۶)

ابن مندہ رحمہ اللہ کی روایت میں ہے:

"لم یدع احداً اسمہ معاویۃ یدخل دارہ۔"

(وہ معاویہ نامی کسی شخص کو اپنے گھر میں داخل نہیں ہونے دیتے تھے۔)

(سیر اعلام النبلاء:۹/۵۵۶)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے تھے:

کان شیعیاً محترقاً، جاز حدیثہ۔

"وہ جلے بھنے شیعہ ہیں۔ان سے حدیث لینا جائز ہے۔"

(سیر اعلام النبلاء:۹/۵۵۵)

یہاں امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے "جاز حدیثہ" کہہ کر اس بات کی وضاحت فرمادی کہ بدعتی سے روایت لینا علی الاطلاق حرام نہیں بلکہ اسے نقل کرنے کی گنجائش ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ عبید اللہ بن موسیٰ کی سند سے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں ایک روایت نقل کر کے فرماتے ہیں:

ورواية عبيدالله مثل هذا دال على تقديمه للشيخين ولكنه ينال من خصوم علي۔

"عبید اللہ بن موسیٰ کا اس طرح کی روایت نقل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ وہ شیخین (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کو افضل سمجھتے تھے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین پر طعن کرتے تھے۔"

حافظ ذہبی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

صحب حمزة، وتخلق بآدابه إلا في التشيع المشؤوم، فانه اخذه عن اهل بلده المؤسس على البدعة۔

"انہوں نے (شیخ القراء امام) حمزہ کوفی رحمہ اللہ کی صحبت اختیار کی اور ان کے اخلاق اپنائے مگر یہ منحوس تشیع انہوں نے امام حمزہ رحمہ اللہ کے شہر والوں سے لیا جو اس بدعت پر قائم تھے۔"

(سیر اعلام النبلاء:۹/۵۵۵)

یہ سب بتانے کا مقصد نعوذ باللہ صحیح بخاری کی صحت کے بارے میں شکوک

وشبہات پیدا کرنا ہرگز نہیں بلکہ مقصد یہ بتانا ہے کہ صحیح بخاری کی روایات اور اس کے راویوں میں فرق مراتب موجود ہے۔ امام بخاریؒ نے جو روایات امام حمیدیؒ، امام مُسدَّدؒ یا محمد بن مثنیٰ رحمہ اللہ جیسے ائمہ سے سماعت کی ہیں، ان کا درجہ عبیداللہ بن موسیٰ سے سماع کردہ روایات سے یقیناً اعلیٰ ہوگا ؛ کیوں کہ عبیداللہ بن موسیٰ کا تشیع ظاہر ہے۔

مروان کا تقابل اَشتر نخعی اور عمران بن حطان سے:

مروان کے مسئلے کو سمجھنے کے لیے بطور تقابل شیعی رواۃ میں اَشتر نخعی اور خارجی رواۃ میں سے عمران بن حطان کی مثالیں ملحوظ رکھی جائیں۔

اَشتر نخعی کو مروان کی طرح فتنہ انگیز پس منظر رکھنے کے باوجود اکثر ائمہ جرح وتعدیل نے ثقہ سمجھا ہے۔ (تہذیب الکمال: ۲۷/ ۱۲۷)

جب کہ امام احمدؒ رحمہ اللہ نے اس سے روایات لینے سے منع کیا ہے۔

(السنۃ للخلال: ۳/ ۵۱۷)

عمران بن حطان خوارج کے رؤساء میں سے ایک تھا۔ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاتل عبدالرحمن بن ملجم کی تعریف میں قصیدہ کہا تھا۔ بہرکیف اپنی بدعت کے باوجود وہ سچا راوی مانا جاتا تھا۔ (سیر اعلام النبلاء: ۴ ص ۲۱۴)

صحیح بخاری میں عمران بن حطان کی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کردہ دو روایات موجود ہیں۔

قارئین کرام! اگر مندرجہ بالا صفات (تشیع، خارجیت وناصبیت) کے حامل راویوں کی روایات صحیح بخاری میں دیکھ کر اگر کوئی یہ کہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے آخر ایسے لوگوں سے روایت کیوں لیں؟ اور اگر لی ہیں تو پھر یہ راوی یقیناً پاکباز اور صحیح العقیدہ ہوں گے، لہٰذا ان کے خلاف تشیع، خارجیت یا ناصبیت کا الزام بھلا کیوں تسلیم کیا جائے؟ تو یہ اعتراض ہرگز درست نہیں۔

اس اعتراض کا جواب بعض لوگوں نے یوں دیا کہ شاید امام بخاری رحمہ اللہ کو ان راویوں کے یہ عیوب معلوم نہ ہوں۔

مگر یہ جواب کمزور ہے کیونکہ جو بات تمام ائمہ جرح وتعدیل کو معلوم ہو، وہ امام بخاری رحمہ اللہ سے چھپی رہنا بہت مشکل ہے۔

بعض حضرات نے اس کا جواب یوں بھی دیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کو ان لوگوں کے عیوب کے متعلق ائمہ جرح وتعدیل کی آراء معلوم تھیں مگر وہ الزامات پر مشتمل ان آراء کو غلط سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک باقی ائمہ کو ان لوگوں کے بارے میں غلط فہمی ہوگئی تھی۔

یہ جواب بھی کمزور ہے۔ مانا کہ کسی راوی کے بارے میں ائمہ فن الگ الگ آراء قائم کرسکتے ہیں۔ مگر صرف بخاری شریف میں کسی راوی کا نام دیکھ کر حتمی طور پر طے کرلینا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اُسے ثقہ مانتے تھے، درست نہیں جب تک کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے اپنے کلام میں اس کی صراحت نہ ہو۔

راقم مزید عرض کرتا ہے کہ اگر بالفرض امام بخاری رحمہ اللہ کے کلام میں کسی ایسے راوی کی ثقاہت کی تصریح مل جائے مگر دوسری طرف اس راوی پر ائمہ حدیث کی ایک پوری جماعت نے جرح کی ہو تو قطعیت کے ساتھ یہ کہنا قرینِ انصاف نہ ہوگا کہ یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کی انفرادی رائے سو فی صد درست ہے اور جرح کرنے والے ائمہ کی پوری جماعت غلط رائے پر اتفاق کرچکی ہے۔ (سوائے اس کے کہ کھلے دلائل انفرادی رائے کے مؤید ہوں)

سوال کا صحیح جواب:

دراصل اس سوال کا صاف اور اصولی جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ عبیداللہ بن موسیٰ، عمران بن حطان اور مروان بن حکم وغیرہ کے حالات اور عیوب کو بخوبی جانتے تھے، دیگر ائمہ نے ان کے متعلق جو کہا ہے، وہ بھی اپنی جگہ درست ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان سے روایات اُن شرائط کے تحت قبول کی ہیں جو اہلِ بدعت سے روایات لینے میں ملحوظ رکھی جاتی ہیں۔ عموماً امام بخاری رحمہ اللہ نے اس قسم

کے راویوں کی روایات کو بطور متابع پیش کیا ہے۔ان پر کامل اعتماد نہیں کیا بلکہ ان کی وہی روایات لی ہیں جن کا متن متابعت کے باعث قوی تھا۔

(پنجم)

صحیح روایات کے مجموعے میں اس قسم کے راویوں کی روایت لیے جانے کی ایک وجہ عالی سند کی تلاش بھی ہے۔محدث کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ایسے شیوخ سے روایت لے جو طویل العمر اور اپنے شیخ کے قدیم الصحبۃ ہوں اور سند میں وسائط کم سے کم ہوں۔اس معیار کو پانے کے لیے بعض اوقات وہ ایسے شیخ سے بھی روایت لے لیتے ہیں جو خود یا اس کی سند کا کوئی راوی مجروح ہو۔

بخاری میں روایت مروان پر امام زین الدین عبدالرحمن سلامیؒ کی گفتگو:

امام زین الدین عبدالرحمن سلامی رحمہ اللہ صحیح بخاری میں مروان کی مرویات مندرج کرنے کی وجوہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اس مسئلے کو یوں واضح فرماتے ہیں:

اعلم أنه قد يخرج في الصحيح لبعض من تكلم فيه، إما متابعة واستشهاداً وذلك معلوم، وقد يخرج من حديث بعضهم ما هو معروف عن شيوخه من طرق أخرى، ولكن لم يكن وقع لصاحب الصحيح ذلك الحديث إلا من طريقه، إما مطلقاً أو بعلو، فإذا كان الحديث معروفاً عن الأعمش صحيحاً عنه، ولم يقع لصاحب الصحيح عنه بعلو، إلا من طريق بعض من تكلم فيه من أصحابه خرجه عنه۔

"جان لو کہ بعض اوقات صحیح روایات کے مجموعے میں ایسے راوی کی راویت بھی درج کر لی جاتی ہے جو متکلم فیہ ہو۔کبھی تو ایسی روایت متابع کے طور پر یا (اصل دلیل کے ساتھ مزید) استشہاد کے لیے پیش کر دی جاتی ہے جیسا کہ یہ بات معروف ہے۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی ایسے راوی کی روایت نقل کی جاتی ہے کہ وہ روایت اس راوی کے شیخ سے دیگر طرق سے معروف ہے۔مگر صحیح روایات کا مجموعہ مرتب کرنے والے کو وہ روایت اسی راوی کی سند سے پہنچی ہوتی ہے، چاہے یہ

سند مطلق (عام درجے کی) ہو یا (دیگر طرق کی بہ نسبت) عالی ہو۔ مثلاً اگر اعمش سے نقل کردہ کوئی روایت معروف ہے اور بسندِ صحیح ثابت ہے مگر مؤلفِ صحیح کو وہ روایت اعمش کی عالی سند سے اعمش کے تلامذہ میں سے فقط ایسے راوی کے ذریعے پہنچی ہے جو متکلم فیہ ہے، تو مؤلفِ صحیح اسی کی تخریج کر دیتا ہے۔"

(شرح علل الترمذی: ۲ ص ۸۳۱، زین الدین عبدالرحمن السلامی البغدادی، م ۷۹۵ھ، ۱۴۰۷ھ)

بخاری میں روایتِ مروان پر علامہ امیر صنعانی رحمہ اللہ کی توضیح:

علامہ امیر صنعانی رحمہ اللہ اس مسئلے پر طویل بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فان قلت: فما الوجه فی روایته عنهم؟ فالجواب من وجهین:

الاول: ان الروایة لا تدل علی التعدیل کما ذکره الامام یحیی وابن الصلاح وقد روی زین العابدین وعروة بن الزبیر عن مروان ولم یدل ذلک علی عدالته عندهما. فکذلک روایة المحدثین عنهم۔ ثم ذکر ما قدمناه من قول النووی فی شرح مسلم انه قد روی مسلم فی الصحیح عن جماعة من الضعفاء۔ ۔۔۔ قال المصنف: فدل علی انهم قد یروون عمن لیس بثقة عندهم۔ فان قلت: فما عذرهم فی ذلک؟ قلت: لهم عذران فیه. احدهما: الرغبة فی علو الاسناد لما فیه من التسهیل علی طلبة هذا الشان مع کون الحدیث معروفا عندهم باسناد نازلة من طریق الثقات. وثانیهما: وهو کثیر الوقوع ان یکون الحدیث مرویا من طرق کثیرة فی کل منها ضعف، لکن بعضها یجبر بعضا ویقویه، ویشهد له، مع کون بعض الرواة عدلا فی دینه، صدوقا فی قوله، کثیر الوهم، فلم یعتمد علیه وحده فی التصحیح لولا ما جبر ضعفه فی الشواهد والمتابعات التی یحصل من مجموعها قوة کبیرة توجب الحکم بصحة الحدیث و حسنه، فیذکرون بعض طرقه الضعیفة ویترکون بعض الطرق للاختصار والتقریب علی طلبة العلم. ثم انه سرد الاحادیث المرویة عن مروان وهی لا تبلغ عشرة احادیث، وذکر من رواها غیره من الثقات۔ ثم قال وبالجملة فلم یروی مروان

الا عن علی علیه السلام وعثمان وزید بن ثابت وابی هریرة وبسرة وعبد الرحمٰن بن الاسود، وقد ذکرت جمیع ما روی عنهم.

الوجه الثانی: ان روایة المحدثین عنه مع تصریحهم بماله من الافعال القبیحة تدل علی ما ذکره الحافظ ابن حجر فی مقدمة شرح البخاری ان روایتهم عنه کانت قبل احداثه ایام کان عندهم فی المدینة والیا من جهة الخلفاء قبل ان یتول الخلافة۔ انتهی.

قلت: اما هذا العذر الذی ذکره المصنف عن الحافظ ابن حجر عذر باطل، وان اقره المصنف فان اعظم ما قدحوا به علی مروان قتله لطلحة احد العشرة وقتله له کان یوم الجمل اتفاقا، قال الذهبی: وحضر الوقعة یوم الجمل وقتل طلحة ونجا فلیته ما نجا، وذلک ذکره فی النبلاء۔ ومعلوم انه لم یتول المدینة فی عصر احد من الخلفاء۔ انما ولاه یاها معاویة، فلم یلها الا بعد قتله لطلحة۔ قال الذهبی فی النبلاء: ان مروان قتل طلحة، ثم قال قاتل طلحة فی الوزر بمنزل قاتل علی. انتهی. واذا عرفت هذا فالعذر للمحدثین فی الروایة من مروان هو الاول۔

''اگر تم کہو کہ محدثین نے مروان سے روایت کیوں لی؟ تو اس کے جواب کی دو صورتیں ہیں:

پہلی یہ ہے کہ کسی سے روایت لینا، اس کے عادل ہونے کی دلیل نہیں، جیسا کہ امام یحییٰ بن معین (رحمہ اللہ) اور ابن صلاح (رحمہ اللہ) نے ذکر فرمایا۔ پس حضرت زین العابدین (رحمہ اللہ) اور عروہ بن زبیر (رحمہ اللہ) نے مروان سے روایت کی ہے مگر یہ ان کے ہاں مروان کے عادل ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اسی طرح (دیگر) محدثین کا ان حضرات سے (مروان کی روایت) نقل کرنا (بھی مروان کی عدالت کی دلیل نہیں بن سکتا)

پھر مصنف (تنقیح الانظار کے مصنف علامہ محمد بن ابراہیم الوزیر رحمہ اللہ) نے امام نووی (رحمہ اللہ) کا شرح مسلم میں مذکور وہ قول نقل کیا ہے جو ہم پیچھے بیان

کر چکے ہیں کہ بلاشبہ امام مسلم (رحمہ اللہ) نے اپنے صحیح میں ضعیف راویوں کی ایک جماعت سے روایت لی ہے۔

مصنف نے (اس پر تبصرہ کرتے ہوئے) کہا: پس یہ اس امر کی دلیل ہے کہ محدثین بعض اوقات ایسے شخص سے بھی روایت لے لیتے ہیں جو ان کے ہاں ثقہ نہ ہو۔ (جس طرح محض صحیح مسلم کا راوی ہونا عدالت کی دلیل نہیں، اسی طرح مروان کا صحیح بخاری کا راوی ہونا عدالت کی دلیل نہیں) اگر تم پوچھے گے کہ محدثین کو اس حوالے سے کیا عذر تھا؟

میں کہوں گا کہ دو عذر تھے: پہلا یہ کہ سند کے عالی ہونے کی رغبت تا کہ اس فن کے طلبہ کے لیے آسانی ہو۔ (انہیں عالی سند کے لیے مزید سفر نہ کرنا پڑے۔ اس لیے عالی سند کی روایت ضعیف راوی سے بھی نقل کی گئی اور اس میں کوئی نقصان نہ تھا) جب کہ وہ روایت ثقات کی کم عالی اسناد سے ان کے ہاں پہلے ہی معروف تھی۔

دوسرا عذر وہ بکثرت واقع ہوتا رہا ہے، وہ یہ کہ کوئی روایت بکثرت طرق سے مروی ہوتی ہے مگر ہر سند میں کچھ نہ کچھ ضعف ہوتا ہے، مگر بعض طرق بعض طرق میں موجود کمی کو پورا کر دیتے ہیں، ایک دوسرے کو تقویت دے دیتے ہیں اور ان کے لیے نظیر بن جاتے ہیں۔ جب کہ ان اسناد کے بعض راوی دینداری کے لحاظ سے عادل اور قول کے سچے ہوتے ہیں مگر انہیں بکثرت وہم ہوتا ہے۔ پس محدث حدیث کو صحیح قرار دینے میں ان میں سے کسی ایک سند پر اعتماد نہیں کر لیتا جب تک کہ اس کے ضعف والی کمی اس کے اس قدر نظائر اور متابع روایات سے پوری نہ ہو جائے کہ جن کا مجموعہ ایک بڑی قوت پیدا کر دے اور حدیث پر صحیح ہونے یا حسن ہونے کا حکم لگانا واجب کر دے۔ پس محدثین روایت کے بعض ضعیف طرق کو بھی ذکر کر دیتے ہیں اور بعض طرق کو اختصاراً اور طلبہ کے فہم پر اعتماد کر کے چھوڑ بھی دیتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ محدثین کا مروان کے بُرے افعال کی تصریح کرنے کے باوجود اس سے روایت لینا، اس بناء پر تھا جسے حافظ ابن حجر (رحمہ اللہ) نے مقدمۃ فتح الباری میں بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ محدثین نے مروان سے وہ روایات لی ہیں جو

اس کے خلفاء کی جانب سے مدینہ کے حاکم بننے سے پہلے کی ہیں، قبل اس کے وہ خود (غیر آئینی طور پر) خلیفہ بنتا۔

میں کہتا ہوں کہ مصنف نے حافظ ابن حجر (رحمہ اللہ) سے جو یہ عذر نقل کیا ہے، یہ باطل عذر ہے، اگرچہ مصنف نے اسے درست قرار دیا ہے۔ مگر (حقیقت یہ ہے کہ) مروان پر سب سے بڑا طعن محدثین نے یہ کیا ہے کہ اس نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا جو عشرۂ مبشرہ میں سے ایک تھے۔ اور بالاتفاق یہ قتل جنگِ جمل میں ہوا تھا۔ حافظ ذہبی (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: مروان جنگِ جمل میں موجود تھا۔ اس نے حضرت طلحہ (رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دیا اور خود بچ گیا، پس کاش وہ نہ بچ پاتا۔ ذہبی (رحمہ اللہ) سیر اعلام النبلاء میں فرماتے ہیں: مروان نے حضرت طلحہ (رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا۔ پھر فرمایا: حضرت طلحہ (رضی اللہ عنہ) کا قاتل گناہ میں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے قاتل کے برابر ہے۔

جب تم نے یہ بات جان لی تو سمجھ لو کہ محدثین کا مروان سے روایت لینے کا عذر بس وہ پہلے والا ہی ہے۔ (یعنی یہ کہ محدثین غیر ثقات سے بھی روایت لیتے رہے ہیں کیوں کہ انہیں عالی سند اور متابعات کی تلاش رہتی ہے)

(توضیح الافکار لشرح تنقیح الانظار: ۲ ص ۴۳، ۴۴)

قارئین کرام! مذکورہ تفاصیل سے یہ مسئلہ اصولی طور پر حل ہو جاتا ہے آخر امام بخاریؒ اور امام مالکؒ نے مروان سے روایت کیوں لی جبکہ مروان پر متعدد سنگین الزامات ہیں؟ جو وجہِ جواز عبید اللہ بن موسیٰ اور اشتر نخعی جیسے شیعی اور عمران بن حطان جیسے خارجی کی روایت کے لیے ہے، وہی مروان جیسے ناصبی کے لیے بھی ہو سکتی ہے۔

(ششم)

یہ بھی ذہن میں رہے کہ قرنِ اوّل وثانی میں بدعت اور تعصب میں ایسا غلو نہیں تھا اور صدق عام تھا۔ اس لیے محدثین متابع کی موجودگی میں ان سے روایت لینے کی گنجائش سمجھتے تھے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فما علمت فی ذالک الزمان شیعیاً کفر معاویة وحزبه ولا ناصبیا کفر

علیا وحزبہ، بل دخلوا فی سب وبغض، ثم صار شیعۃ زماننا یکفرون الصحابۃ ویبرؤون منھم جھلا وعدوانا ویتعدون الی الصدیق، قاتلھم اللہ۔

''میں نہیں جانتا کہ اس دور میں کوئی شیعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا ان کی جماعت کی تکفیر کرتا ہو، اور نہ ہی کوئی ایسا ناصبی تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کو کافر کہتا ہو بلکہ وہ فقط تنقید کرتے اور ناراضی رکھتے تھے۔ مگر آج ہمارے زمانے کے شیعہ جہالت اور دشمنی کے باعث صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں، ان سے اظہار برأت کرتے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ اللہ انہیں ہلاک کرے۔'' (سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۳۷۴)

(ہفتم)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کے مروان سے روایت لینے کی جو توجیہ کی ہے، اس کے بعد کسی قسم کا کوئی اشکال سرے سے باقی نہیں رہتا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہاں! بخاری میں مروان سے البتہ روایت آئی ہے، باوجودیکہ وہ نواصب میں سے تھا بلکہ اس بدبخت گروہ کا سرغنہ اور سربراہ تھا لیکن اس روایت میں بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی روایت کا مدار امام زین العابدین رحمہ اللہ پر رکھا ہے اور انہی پر روایت کو ختم کیا ہے۔ اگر امام ہی مروان سے خود روایت کریں تو پھر امام بخاری کو اس سے بچنے اور احتراز کرنے کا کب حق ہے؟ اس کے باوجود امام بخاری نے تنہا مروان سے کسی بھی جگہ روایت نہیں کی بلکہ مسور بن مخرمہ یا دوسروں کو اس کے ساتھ لائے ہیں اور یہ بات پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ اگر کوئی منافق یا بدعتی نقل حدیث میں اہل حق کے ساتھ موافق ہو تو اس کی روایت لینے میں کوئی قباحت نہیں اور پھر بخاری میں اس کی صرف دو روایتیں ہیں: ایک حدیبیہ کے قصے میں، دوسری سبی طائف و بنی ثقیف، اور یہ دونوں جگہیں بھی عقیدہ وعمل سے متعلق نہیں۔ ایسے ہی صحاح کی دوسری

کتب میں بھی مروان سے اسی قسم کی اور اتنی ہی روایت ہے۔"

(تحفہ اثنا عشریہ، اردو، ص ۱۳۹، ۱۴۰، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

شاہ صاحب رحمہ اللہ کے اس وقیع کلام پر ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ قارئین اس قدر وضاحت کے بعد اچھی طرح سوچ سمجھ سکتے ہیں کہ مروان کے بارے میں کیا رائے رکھی جائے اور امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ نے کن حدود میں رہتے ہوئے اس سے روایت لی۔

مروان کے وکلائے صفائی سے گزارش

مروان کے وکلائے صفائی یقیناً اس کتاب کا جلد از جلد جواب لکھنے کی کوشش کریں گے تاکہ کسی طرح اپنی خفت مٹائیں اور عزتِ مروان کو بچائیں کہ ان کے نزدیک دین و دُنیا کا سب سے ضروری کام یہی ہے۔ نیز حسبِ عادت وہ کوشش کریں گے کہ ہم نے مروان، حجاج بن یوسف، عبیداللہ بن زیاد اور دوسرے مروانیوں کی بُرائیوں اور جرائم کے ثبوت میں جتنی روایات پیش کی ہیں، ان کے رُواۃ میں وہ زبردستی کسی نہ کسی طرح کیڑے نکالیں۔

دیگر باطل فرقوں کی طرح مروانیوں کا طریقہ بھی یہی ہے کہ اپنے مطلب کے خلاف عبارت کے لیے ان کے اصول الگ ہوتے ہیں اور اپنی مطلب کی چیز کے لیے بالکل الگ۔ چنانچہ اگر کوئی صحیح روایت بھی ان کے فرقہ ورانہ نظریے سے متصادم ہو تو تہیہ کر لیتے ہیں کہ اسے ساقط اور فضول روایت ثابت کر کے ہی چھوڑیں گے، چنانچہ پھر وہ اُن رُواۃ کو بھی رگڑنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے جنہیں عموماً ثقہ اور صدوق مانا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا راوی تو بہت کم ہوتا ہے جس پر کوئی بھی جرح نہ ہو۔ چنانچہ ان عمومی طور پر قابلِ قبول راویوں پر بھی کچھ نہ کچھ جرح ہوتی ہے۔ اس جرح کو لے کر وہ ہر خلافِ مطلب روایت کے راویوں پر چڑھائی کر دیتے ہیں۔ ایسی ہر روایت کے ساتھ ان کا رویہ اس طرح کا ہوتا ہے جیسے وہ کسی سبائی، رافضی یا منافق نے اسلام کی جڑیں کاٹنے

کے لیے ہماری کتب حدیث وسیرت و تاریخ میں داخل کی ہو۔لیکن اگر کہیں پر انہی راویوں سے ان کے مطلب کی بات منقول ہو تو وہ فوراً معتبر بلکہ حجت ٹھہرتے ہیں اور تب ان کی روایات پر جرح وتعدیل کی کتب کھول کر بیٹھنے کی کوئی حاجت نہیں ہوتی۔

ہماری وکلائے مروان سے گزارش ہے کہ اگر اس کتاب کا جواب لکھنا اور واقعی ٹھوس بنیادوں پر مروان کا دفاع کرنا ہے تو فقط ایک کام کریں:

کوئی ایک ایسی معتبر روایت پیش کردیں جس سے مروان کا بحالت ہوش وحواس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونا ثابت ہو۔

ہم اگر بخاری ومسلم کی روایات سے بھی مروان، حجاج اور عبید اللہ بن زیاد کے جرائم کو سامنے لاتے ہیں تو آپ ان کے راویوں میں طرح طرح کے عیوب ڈھونڈھ ڈھونڈ کر نکالنا شروع کردیتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ جس روایت کے راوی میں یہ عیوب ہوں تو وہ روایت چاہے بخاری ومسلم میں بھی ہو، وہ مردود یا کم از کم مشکوک ہے، اس لیے اس روایت سے کوئی دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔

تو آپ ہی بتائیں کہ معتبر روایت کا معیار آپ کے ہاں کیا ہے؟

پھر ایسی ہی روایت اپنے دعوے کے لیے پیش کریں۔اگر مروان کی صحابیت آپ اسی درجے کی روایت سے ثابت کردیتے ہیں تو تنازعہ ہی ختم ہوجائے گا۔

اور اگر آپ ایسا نہیں کرسکتے اور ان شاء اللہ تا قیامت ایسا نہیں کرسکیں گے، تو پھر باقی فروعی اور جزوی چیزوں پر آپ چاہے، جتنے اوراق بھی سیاہ کریں، وہ اضاعتِ وقت اور اصل بحث سے راہِ فرار کے سوا کچھ نہیں۔

بہتر ہوگا کہ آپ انفرادی آراء پھیلا کر اُمت کو مزید فرقہ بندی میں مبتلا کرنے کی روش چھوڑ دیں اور جمہور علمائے اُمت کی اتباع کریں۔اسی میں دین ودنیا کی بھلائی اور خیر ہے۔

☆☆☆

تحفۂ قادیانیت مکمل (۶ جلدیں) ایک نظر میں

۱ عقیدۂ ختمِ نبوت

''خاتم النبیین'' کے معنی
دارالعلوم دیوبند اور عقیدۂ تحفظ ختم نبوت
مسئلۂ ختم نبوت اور حضرت نانوتویؒ
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات و نزول
کا عقیدہ چودہ صدیوں کے مجددین
واکابرِ اُمت کی نظر میں

۲ عقیدہ نزولِ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

ترجمہ: مقدمہ عقیدۃ الاسلام
عقیدۂ حیاتِ مسیح قرآن وسنت
اور مرزائی تصریحات کی روشنی میں
المہدی والمسیح کے بارے میں
پانچ سوالوں کا جواب
امام مہدیؓ اور نزولِ عیسیٰ علیہ السلام
جدید تحقیقات اور علاماتِ قیامت

۳ تردیدِ قادیانیت

قادیانیوں کی طرف سے کلمۂ طیبہ کی توہین
قادیانیوں اور دُوسرے کافروں
کے درمیان فرق
مفتیٔ اعظمؒ اور تردیدِ قادیانیت
۷ ستمبر آئینی تقاضے!
امتناعِ قادیانیت آرڈی نینس میں
مسلمانوں کی کامیابی

۴ صدق وکذبِ مرزا غلام احمد

مرزا قادیانی، مراق سے نبوت تک
قادیانیت اور تحریفِ قرآن
مرزا کے دعویٰ ہائے نبوت
قادیانی تیس جھوٹ
قادیانی عقائد پر ایک نظر
اسلام اور قادیانیت دو ضدیں ہیں

۵ مباہلے کی حقیقت

قادیانی جماعت کے امام مرزا طاہر احمد
کے چیلنج کا جواب
مرزا طاہر پر آخری اِتمامِ حجت
قادیانی اعتراضات کے جوابات
قادیانی اور اسرائیل

۶ قادیانیوں کو دعوتِ اسلام

قادیانیوں سے چند سوال
قادیانی مسائل
قادیانیوں سے ہمدردانہ درخواست
قسمیں اُٹھانے کی بجائے دلائل کی ضرورت
مرزائی اخلاق اور اسلامی شائستگی
اسلام لانے کی شرائط

تحفہ قادیانیت کا سیٹ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے تمام دفاتر میں دستیاب ہے

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ
حضوری باغ روڈ، ملتان - فون : 061-4783486